حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

کی علمی و دینی خدمات

تصنیف: ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

پروگریسو بکس

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

کی

علمی و دینی خدمات

مصنّف

ڈاکٹر محمد ہمایوں عبّاس شمس

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ۰ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ۰ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
کی علمی و دینی خدمات

مصنف
ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

باراول	اپریل 2016ء
پرنٹرز	تایا پرنٹرز
تعداد	1100/-
ناشر	چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول میاں شہزاد رسول
قیمت	/= روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941
0323-8836776

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ۰ غزنی سٹریٹ
اردو بازار ۰ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

فہرست

باب سوم

باب چہارم

باب پنجم

☆☆☆☆☆

حرف آغاز

اگر حقیقت پسندی سے کام لیا جائے تو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ صوفیہ نے انسانیت کی فلاح و بہبود میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ انہوں نے تہذیب وتمدن کی وہ خدمات سرانجام دی ہیں کہ ان کی عظمت کے آستانہ پر سرنیاز نہ جھکانا احسان فراموشی ہے۔ یہ بات ان کو عظیم بنا دیتی ہے کہ انہوں نے اس دور میں کام کیا جب راہیں کٹھن تھیں۔ برصغیر پاک و ہند میں فروغ اسلام اور احیاء اسلام انہی نفوس قدسیہ کا لازوال کارنامہ ہے۔

حالات انتہائی نامساعد تھے، وسائل نہ ہونے کے برابر تھے، سہولیات میسر نہ تھیں تاہم اُنہوں نے پرامن، بقائے باہمی کے اصولوں پر مبنی معاشرہ تشکیل دیا جس نے برصغیر میں زاویہ نظر کو بدل کر رکھ دیا اور انسان دوستی کی بنیاد پر باہم روابط ترتیب پائے۔ لیکن اس سارے ماحول میں یہ طائفہ منصورہ کی نگاہوں سے ایک لمحے کے لیے بھی پیغام مصطفےٰ اور آئین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحفظ اوجھل نہ ہوا۔ یہی جذبہ اور درد تھا جس نے برعظیم پاک و ہند میں شجر اسلام کی آبیاری کی۔

اہل یورپ اپنے اکابر کی زندگیوں کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں بعض اوقات وہ غیر مستحسن مبالغہ آرائی سے کام لینے سے بھی نہیں چوکتے۔ کسی کمزوری یا کوتاہی کی وجہ جواز تلاش کرنے کی دھن میں قیاس کے گھوڑے دوڑانے لگتے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کے کارناموں پر پردے ڈال دئے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے نوجوان اور عوام ان کے کردار کا جلوہ دیکھنے سے قاصر ہیں۔ ان صالحین کا تذکرہ لوگوں کے اندر جوش عمل، ذوق وشوق اور زندگی کی امنگ پیدا کرتا ہے۔ یہ جلیل القدر اسلاف اسلامی تہذیب کا آئینہ بھی ہیں اور مستقبل کے لیے راہ عمل بھی۔ اوران نفوس طاہرہ کا تذکرہ باعث نزول رحمت بھی۔ ان وجوہ کی بناء پر یہ ضروری ہے کہ بزرگان دین کی علمی و دینی خدمات کو اجاگر کیا جائے۔ اس طرح اور مفسرین، محدثین اور فقہاء کی طرح اس گروہ کے طرز فکر، اسلوب علمی اور منہج تحقیق سے آگاہی بھی حاصل ہوگی۔

تاریخ میں بہت کم ایسی شخصیات گذری ہیں جن کے سینے انقلابات کے خزینے ہوتے ہیں، جو اپنے فقر و درویشی کی قوت سے سلطنتوں کے دھارے پلٹ دیتے ہیں اور شہنشاہوں کے رخ بدل دیتے ہیں۔ جن کی تعلیمات وارشادات طالبان راہ خدا کے لیے مرشد طریق کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہر مرتبہ واستعداد کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور ظرف کے مطابق ان سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ایسی ہی نادر روزگار شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی حیات مبارکہ میں کفرستان ہند میں اسلامی فکر کو بچایا اور اپنی روحانی قوت و نظر کیمیا اثر کے ذریعے بے شمار گم گشتگان بادیۂ کفر و ضلالت کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو پیکر تو خاکی رکھتے ہیں لیکن اندیشہ ان کا افلاکی ہوتا ہے۔

برصغیر میں اکبر کا دور حکومت اسلام پر ابتلاء و آزمائش کا دور تھا۔ اکبر کو دین اسلام کے علاوہ ہر مذہب سے ہمدردی تھی۔ اکبر کی ذات تن تنہا ہزار سالہ فتنوں کی جامع تھی۔

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

جہانگیر نے بھی کچھ عرصہ یہی روش اپنائی۔ ایسے دور میں شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آہنی عزم سے تاریخ اسلام کا ایک روشن باب رقم کیا۔ اور آئندہ ہزار سال کے لیے امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے کر تاریخ اسلام میں "مجدد الف ثانی" کے عظیم لقب سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے خود کو شاہی ایوان سے دور رکھ کر "انسان سازی" کے ساتھ ساتھ "معیاری علمی مواد" کے ذریعے اقتدار کا نہ صرف تختہ الٹا بلکہ سلطنت کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی۔ آپ کے ان بلند پایہ افکار کی بناء پر ہی اقبال نے کہا تھا کہ فریڈرک نطشے جیسا ملحد فلسفی بھی ان کے زمانے میں ہوتا تو سرور سرمدی یعنی ایمان کی حلاوت حاصل کر لیتا۔

کاش بودے درزمانِ احمدے
تار سیدے بر سرور سرمدے

اب ہمارے پاس اس سرور سرمدی کو حاصل کرنے کا ذریعہ آپ کی تصانیف ہیں۔ یہ تصانیف اپنے مواد کی ثقاہت، علمی پختگی، اسلوب کی ندرت، معلومات کی کثرت، کے اعتبار سے تاریخ اسلام کا

لازوال خزانہ اور بے مثال علمی کارنامہ ہے۔ آج آپ کی تصانیف سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جنہوں نے براہ راست آپ سے فیضان حاصل کیا۔ اگر آپ کے مکتوبات کا ہی ذکر کیا جائے تو دنیا بھر میں فکر اسلامی کے فہم کے لئے ہر رنگ و نسل کے لوگ ان سے رجوع کر رہے ہیں۔ مغرب کی جامعات میں تاریخ اسلام کی جن نمایاں و ممتاز شخصیات پر کام ہو رہے ہیں ان میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔ تاریخ میں مکتوبات امام ربانی کو جو اہمیت حاصل ہے وہ کسی دوسرے صوفی کے مکاتیب کو نہ مل سکی ان مکاتیب کی نہ صرف شروح تحریر ہوئیں اہل قلب نے ان کو حفظ بھی کیا۔

اگر تاریخ کا اپنے آپ کو دہرانا سچ ہے تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ آج ہمارے حالات پھر وہی ہیں جو اکبر کے دور میں تھے۔ علماء اور حکمران اپنے اپنے مفادات کے تعاقب میں سرپٹ بھاگے جا رہے ہیں۔ اور دین کو اس کی اصلی و حقیقی روح کے ساتھ پیش کرنے والا کوئی نظر نہیں آ رہا۔ پھر ایک ایسی تحریک کی ضرورت ہے جو دولت و اقتدار سے بے نیاز ہو کر اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلائے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی کی تعلیمات اور لائحہ عمل آج بھی موجود ہے۔ جس کو بنیاد بنا کر کام کیا جا سکتا ہے۔

خطہ پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ دنیا بھر میں مجددی فکر پر سب سے زیادہ کام ہوا۔ ڈاکٹر مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ اور پروفیسر اقبال مجددی کے اسماء مجدد شناسوں میں نمایاں ترین ہیں۔ اسی طرح اس فکر کی ترویج و اشاعت کے لیے ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، میاں جمیل احمد شرقپوری اور صوفی غلام سرور نقشبندی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ فیضان باطنی کی ترویج کا سہرا بلاشبہ حضرت خواجہ محمد صادق صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خلفاء کے سر ہے۔

ان صالحین کی دعاؤں اور توجہات سے زیر نظر کتاب مکمل ہوئی۔ اس میں بنیادی طور پر اس حقیقت کو ثابت کیا گیا ہے کہ صوفیہ کے ہاں کرامات و کشف سے زیادہ اہم علم و عمل ہے۔ قرآن کریم نے ایسے ہی نفوس قدسیہ کو راسخون فی العلم کے مقام پر سرفراز فرمایا ہے۔ صوفیہ کے معتدل مزاج، رواداری و ہمدردی کے جذبات نے جہاں عام لوگوں کو متاثر کیا وہاں قرآن و سنت پر گہری نظر اور مجتہدانہ بصیرت نے اہل علم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تبھی تو بڑے بڑے علماء ان صوفیہ کے ہاں حاضری کو باعث اطمینان و فخر سمجھتے تھے۔ یہ کتاب اسلاف شناسی کی اس جہت پر کام کو آگے بڑھانے میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

اس کتاب کی تکمیل میں میرے والدین، میرے مربی و شیخ محمد کریم سلطانی مدظلہ العالی کی دعائیں،

اور پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا، ڈاکٹر مظفر عالم جاوید، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، پروفیسر حافظ عبدالمجید ناظم بشیر جیسے اہل علم کی اعانت شامل ہے۔ اسی طرح یہ کتاب ہرگز مکمل نہ ہوسکتی اگر میری اہلیہ اور بیٹی بریعہ فاطمہ مجھے وقت نہ دیتیں۔ برادر اصغر حافظ محمد ہارون عباس قمر کی معاونت کو نہ سراہنا بھی زیادتی ہوگا' علاوہ ازیں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی' لاہور اور گورنمنٹ کالج یونیورسٹی' فیصل آباد کے رفقاء کار کی محبتوں کا اعتراف بھی مجھ پر لازم ہے۔ ان تمام مصنفین کا شکریہ جن کی تحقیقات سے خوشہ چینی کرتے ہوئے یہ کتاب مکمل ہوئی۔ حتی الامکان بنیادی مصادر سے حوالہ جات دیئے ہیں البتہ بعض ثانوی مصادر سے استفادہ بھی کیا ہے ان کے حوالہ جات بھی درج کیے ہیں' اگر کوئی سہو رہ گیا ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ مکتوبات کے ترجمہ کے لیے مولانا سید احمد نقشبندی اور سید زوار حسین شاہ کے تراجم سے استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب میں اگر جمہور اہلسنت کی مجموعی فکر سے ہٹ کر کوئی جملہ/سطر ادائے تحریر ہوگئی ہو تو اس کو حنفی ماتریدی فقہا و علماء کی رائے کے مطابق سمجھا جائے اور ایسی ہر بات سے رجوع کرنا ہوگا جو جمہور ائمہ اسلام کی رائے کے مطابق نہ ہو۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحاتر ضاہ

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیاوالاخرہ توفنی مسلماو الحقنی بالصالحین

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ربنا تقبل منانك انت السمیع العلیم وتب علینا انك انت التواب الرحیم

یا رب صل وسلم دائما ابدا

علی حبیبك خیر الخلق کلھم

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ،

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

۱۵/اکتوبر ۲۰۱۵ء/ یکم محرم الحرام ۱۴۳۷ھ یوم الخمیس

حرفِ ہمایوں، احتیاجِ ملّی کا ازالہ

تاریخ انسانی کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اس میں بعض وجود اس قدر اثر آفریں ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعے قافلۂ انسانیت راستی کے سفر پر یوں گامزن ہوتا ہے کہ انقلاب کی نئی راہیں کھل جاتی ہیں...... مسلم اُمہ بھی صدیوں سے ایسے کئی راہنما دیکھ چکی ہے جو حیات انسانی کے لیے جادۂ مستقیم پر مقتداء بننے کی صلاحیت رکھتے تھے، ایسے قدآور وجود نہ صرف یہ کہ ملت کے راہنما ہوتے ہیں بلکہ وقار ملت کے پاسدار بھی ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ بھی ایسا ہی وجود رکھتے تھے، مملکت اسلامیہ بداعمالیوں کے گرداب میں جکڑی ہوئی تھی، عوام اگر ناعاقبت اندیش راہنماؤں کی ناپختہ کاری کے اسیر تھے تو حکمران اپنی سطوت کے خمار میں سرگرداں تھے، مغلیہ دور اپنی مادی قوت کی بنا پر تاریخ حکمرانی میں بڑا نمایاں ہے۔ بادشاہ طاقت کے خمار میں حدود آشنائی سے غافل ہوتے جا رہے تھے سلطنت کی مضبوطی سلطانیت کا روپ دھار رہی تھی، مغلیہ حکمرانوں نے اپنی طاقت کے آگے بڑے بڑے سر جھکتے دیکھے تھے اس لیے جلالِ شاہی الوہیت کا دعویدار ہوتا جا رہا تھا۔ اکبر اس انانیت کا مرکزی وجود تھا۔ جو دنیا کے اقتدار کو ہر عظمت کا حوالہ گردانتا تھا۔ دین الٰہی کسی کی سازش ہو، جاہ پسندی کا کیسا بھی مظہر ہو، اپنی حدود سے تجاوز کر کے دینی آداب پر بھی غلبہ پانے کا سوچتا تھا۔ یہ کیا کہ ایک ناخواندہ طاقت حدود آشنا نہیں رہتی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض دنیادار علماء کی خواہشات بھی منہ زور ہو گئی تھیں، اسی کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ علمی ثروت، دنیاوی اقتدار پر قربان ہو گئی تھی۔

یہ تھا ماحول جس میں مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو اپنے مشن کا آغاز کرنا تھا۔ ابتری چار جانب تھی۔ علم دولت کے حصول کا ذریعہ بن چکا تھا، تصوف من پسند تاویلات کے حصار میں آ چکا تھا، علمی مراکز پر ذاتی سطوت کا پہرہ تھا، حالت یہ تھی کہ پورا خطۂ مملکت ہی زبوں حالی کا نخچیر تھا، اسی ہمہ گیر انحطاط کے ازالے کیلئے مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا وجود ہی مملکت وملت کا پاسبان تھا۔

سرہند سے اٹھنے والی اس اصلاحی تحریک کا دائرہ کار بڑا وسیع تھا کہ زخم ایک نہ تھا، بلکہ پورا جسم ہی نڈھال تھا۔ تصوف جسے تقویم عقائد کا علمبردار گردانا جاتا ہے خود فساد عقیدہ سے داغدار ہو چکا تھا، حکمران جنہیں فلاح عوام کا فرض نبھانا ہوتا ہے نشرِ شر کا ذریعہ بن رہے تھے، علماء جنہیں طہارتِ اعمال کا منصب عطا ہوا تھا، بے عملی بلکہ بد عملی کے علمبردار بن چکے تھے، ایسا پراگندہ ماحول اور ہم جہتی انحطاط میں فاروقی نسبت سے توانائی پانے والا وجود ہمہ جہت جہاد میں سرگرم عمل ہوا۔ ضرورت تھی کہ اس جہاد کے خدوخال کا جائزہ لیا جائے تا کہ قوم کی اصلاح کا فرض نبھانے کا حوصلہ پیدا ہو سکے۔

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس نے اسی عظیم قومی ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لیے سامان کرنے کا ارادہ کرلیا، اور اپنی تحقیقی جدوجہد کو مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا مستحکم حوالہ عطا کیا، ڈاکٹر ہمایوں کی جتنی بھی نگارشات منظرِ عام پر آئی ہیں ان کا بیشتر حصہ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے کارناموں سے متعلق ہے۔

یہ ڈاکٹر صاحب کے وجدان کا فیصلہ تھا کہ وطن عزیز کو آج بھی مجددانہ روش درکار ہے تصوف، جس پر ہر طرف سے اعتراضات اٹھ رہے ہیں پھر مجددانہ اصلاح کی جانب اپنا رُخ موڑ لے گا تو اس انتشارِ ذہنی سے بچاؤ کی سبیل پیدا ہو سکتی ہے، اس لیے ڈاکٹر صاحب نے ارمغانِ مجدد کے زیرِ عنوان کئی گوشے بے نقاب کیئے اور راستی کا درس دیا، علم، ''جو زیادہ تر جدلیت کا شکار ہو رہا ہے'' کی اصلاح کے لیے ڈاکٹر صاحب نے اپنے تحقیقی مقالے کا انتخاب کیا، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی دینی و علمی خدمات ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کا موضوع ہے، انہوں نے اپنی تحقیقی پیش رفت کو پانچ ابواب پر محیط کیا ہے ان ابواب کا مرکزی موضوع حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی تفسیری وفقہی خدمات ہیں۔ موضوع کی یہ جدت قارئین کے لیے حیرت کا باعث ہے، کیونکہ عمومی تصور تو یہ ہے کہ ایک صوفی کے ہاں کرامات و وظائف کی ایک ہم پہلو روش ہوتی ہے، عموماً سمجھا جاتا ہے کہ تفسیری خدمات تو مفسرین کا حق ہیں اور فقہی جدلیت فقہا کا دائرہ کار ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس عمومی تاثر کو زائل کر دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ایک باکرامت صوفی، تفسیری ادب کا نکتہ شناس اور فقہی مکالمے کا ماہر ہوتا ہے اس لیے تصوف کے بارے میں محدود نکتہ نظر کی نفی ہوئی اور صوفیٔ باصفا کی جولاں گاہ کی وسعت کا اندازہ ہوا۔

تصورِ تصوف کی یہ تبدیلی اس دور کا تقاضا ہے، اس لیے کہ اسی محدودیت کی پناہ لے کر تصوف کے چشمۂ صافی میں گدلاہٹ پیدا کی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہے۔ یہ ایک نکتہ رس قاری پر ہی عیاں ہوگا اور اس کا رہنما بنے گا جو تصوف کی ہمہ جہت تحریک سے قوموں کی اصلاح اور فلاح تلاش کرنا چاہتے ہیں۔

''میرے نزدیک یہ صرف ایک تحقیقی کتاب ہی نہیں، ملّی راہنمائی کا سامان بھی ہے اور عصرِ حاضر کے انتہا پسند ذہنوں کی اصلاح کا نسخہ کیمیا بھی ہے''۔

مقالہ کے مندرجات واضح کر رہے ہیں کہ تفسیری ادب جو اہل اسلام کا امتیازی اختصاص ہے کس طرح ایک ذہن رسا کی جولاں گاہ بن سکتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ایک باکمال مفسر کی حیثیت سے اپنی تفسیری گرفت کو جس طرح تابدار بناتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدماء کی تمام تر معروف تفاسیر اُن کی پیش نظر تھیں، وہ صرف ایک قاریٔ تفسیر ہی نہیں بلکہ محقق و مدقق بھی تھے، مطالعہ سے صحیح نتائج اخذ کر لینا ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتا، ان کی رائے۔ خواہشات کی پابند نہیں ہوتی، کثرت مطالعہ کا نتیجہ صریح ہوتا ہے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات میں بارہا ایسے لطیف نکتے بھی آتے ہیں جو ایک بالغ نظر مفسر کا ہی کمال ہیں۔

فقہ کے لیے کن کن علوم کا ماہر ہونا ضروری ہے یہ علم فقہ کے قارئین پر روشن ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ حنفی مسلک کے پیروکار ہیں آپ کے ہر استدلال پر حنفیت کی چھاپ بڑی نمایاں ہے۔

خالص حنفی ہونے کے دعویٰ کے باوجود بعض مسائل میں ذاتی استخراج اس بات کی دلیل ہے کہ حنفی فقہ ایک بند گلی نہیں ہے۔ حنفیت کا ذوق ذوقِ علمی کے ساتھ اپنی رائے اظہار کی بھی اجازت دیتا ہے۔ کیونکہ یہ فقہ ایک گروہ کا استدلال ہے جس کے سرخیل حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ بعض مسائل کا حل صاحبین کے فیصلے کے مطابق ہوا ہے حالانکہ امامِ اعظم کی رائے مختلف تھی، اتنا حوصلہ ہے صاحب علم و دانش امام کا، کہ فیصلہ اپنی رائے کے حق میں نہیں ہے مگر مہر اپنی لگا دی ہے اور اُسے بھی حنفی قرار دے دیا گیا۔ اس بصیرت افروزی کا اندازہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو بھی تھا۔ آپ بعض جگہ اختلاف کے باوجود حنفی ہونے کا ہی دعویٰ رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں بعض ایسے ہی مقامات کی نشاندہی کی ہے اور وسعتِ حنفیت کو خوب اجاگر کیا ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس کامیاب روش کے اثرات بعد کی تفاسیر میں دیکھے جا سکتے ہیں، تفسیر مظہری ہو یا روح المعانی، اپنی سطوتِ علمی کے باوجود حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خوشہ چین لگتے

ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے ایسے مقامات کی نشاندہی کر کے قارئین کے لیے صراط مستقیم تلاش کرنے کی سہولت پیدا کر دی ہے۔

مقالہ میں ضمناً اُن اکابر کا بھی ذکر ہے جو دور مجدد میں نمایاں تھے ہم عصر علماء کا خراجِ عقیدت، صداقت شعاری کا نشان ہوتا ہے۔مقالہ تاریخی پسِ منظر کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ان مثبت اثرات کے ذکر کا بھی حامل ہے جو حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو نابغۂ عصر ثابت کرتے ہیں۔

غرضیکہ مقالہ ہر دانش مند قاری کے لیے ندرت فکر کی کئی نئی راہیں کھولے گا اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی خدمات علمی و دینی کا واضح ثبوت مہیا کرے گا اور یہ حوصلہ بھی دے گا کہ نیک نیتی اور خلوص کی بنیاد پر کیئے گئے فیصلے تاریخ ساز ہوتے ہیں اور نسل انسانی کی اصلاح وفلاح کا باعث ہوتے ہیں۔

میں ڈاکٹر صاحب کی اس تحقیقی کتاب کو وقت کی ضرورت اور ملی احتیاج کے ازالے کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

ہزاروں سلام ہوں دینِ متین کے اس عالمِ جلیل پر جسے قوم نے نہ صرف یہ کہ مجدد مانا بلکہ اُن کی مجددانہ کاوشوں سے فیض بھی حاصل کیا۔

اللہ تعالیٰ ہر قاری کو اس چشمۂ علم سے متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

صدر مرکزی تحقیق فیصل آباد

۲۸ جولائی۔۲۰۱۵ء

☆☆☆☆☆

جواہرِ فکر کی خوشہ چینی

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس اسلامیات کی عالمی شہرت یافتہ شخصیت کے مالک ہیں خاص طور پر مجدد الف ثانی پر آپ نے اب تک جو کام کیے ہیں ان کو مختلف علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ان کی خاص خوبی یہ ہے کہ اصل مراجع تک ان کی رسائی ہے اور جو کام کرتے ہیں وہ منفرد ہوتا ہے تکرار نہیں ہوتی۔ مجدد الف ثانی پر ان کی تازہ ترین تصنیف جو حضرت مجدد کی تفسیری و فقہی خدمات پر مشتمل ہے ان کے ذوق کی آئینہ دار ہے۔اس میں بھی انہوں نے اعلیٰ تحقیقی معیار کو سامنے رکھا ہے۔ کتاب کے پانچ ابواب ہیں۔ ایک باب مصنف کی سوانح اور ان کے معاصر علماء کے بارے میں ہے۔ اس میں حضرت مجدد کی حیات کے مختلف گوشوں پر اچھی تحقیق کی ہے اور اکبری عہد کے الحاد کی تصویر بلکہ اس کے دونوں پہلوؤں کو نہایت خوبی سے واضح کیا ہے۔ دوسرا اور تیسرا باب کتاب کا اصل موضوع ہے اس میں تفسیر اور فقہ پر حضرت مجدد کے افکار کے ساتھ ساتھ تفسیر کے ارتقاء، فقہ کے ارتقاء اور تفسیر و فقہ سے متعلق مختلف رجحانات کے بارے میں مفید معلومات جمع کردی ہیں۔ یہ معلومات فراہم کرنا خزف ریزوں میں سے جواہر پارے چننے کے مترادف ہے۔مکتوبات امام ربانی میں بکھرے ہوئے ان نکات کو نہ صرف یکجا کیا بلکہ جس ترتیب سے ان کو اس طرح مدون کیا ہے کہ قاری کے لیے پوری گفتگو مربوط ہوگئی ہے۔ قرآن کے معجزہ ہونے کا مفہوم نہایت دلنشیں پیرائے میں بیان کیا ہے۔قرآنی چیلنج اور وجوہ اعجاز پر سیر حاصل گفتگو ہے۔ متشابہات کے بارے میں حضرت مجدد کا مسلک اکابر علماء احناف کا ہے۔اس کی انہوں نے مزید وضاحت کی ہے۔قرآن کی تفسیر میں قراءتوں کی اہمیت، تفسیر و تاویل کا فرق اور مکتوبات کے تین جلدوں میں پھیلے ہوئے تفسیری نکات کو بڑی خوبی سے مرتب کیا ہے، حضرت مجدد نے جن تفاسیر کو بطور مرجع استعمال کیا ہے ان کی فہرست بھی شامل ہے۔

آخر میں حضرت مجدد کے تفسیری و فقہی افکار پر تجزیاتی نظر ڈالی ہے اور ان پر محققانہ تبصرہ کیا ہے اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں حضرت مجدد کے افکار کا تنقیدی جائزہ بھی پیش کیا۔

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس تجربہ کار مصنف ہیں ان کی ۴۰ سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور متعدد مقالات و خطبات ہیں یہ کتاب ان کی تصنیفات کی فہرست میں ایک اہم اضافہ ہے، مجھے امید ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی پر کام کرنے والوں کے لئے یہ کتاب مرجع ثابت ہوگی۔

۲۲ر شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ
۱۰ر جون ۲۰۱۵ء

ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی
اسسٹنٹ پروفیسر
ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

☆☆☆☆☆

Multifarious Aspects of Muajaddid Aif-Thani *rahmatullahe alaihe* Study

This is very extensive and innovative study covering multifarious aspects of the life and teachings of Hazrat Muajaddid Aif-Thani *rahmatullahe alaihe*. I am convinced that the readers will be highly benefited from the study of this work. This work will undoubtedly be extremenly helpful for the scholars interested to make further research on Hazrat Mujaddid as it contains rich references. I highly apreciate Prof. Humayun Abbas for his success to produce such a wonderful research work.

Dr. Shah Kawthar Mustafa Abululayee
M.A(Dhaka), M.Phil & Ph.D (*Alig*),
Post-doctoral (Asiatic Society of Bangladesh)
Professor, Department of Philosophy, University of Dhaka

انفرادیت وافادیت کا ربطِ باہمی

قرآن مجید، حضرت محمد ﷺ کے بعد امت مسلمہ کے ہر دور کے مشاہیر مسلمانوں کی تحقیق کا مرکز رہا ہے۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ بھی کارناموں اور روحانی عظمتوں کے اعتبار سے پوری تاریخ اسلام کی چند ممتاز اور نابغہ روزگار ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے کا براہ راست تعلق اگرچہ فتنہ والحاد کو ختم کرنے سے تھا۔ تاہم اس کارنامے کے اثرات مسلمانوں کی دینی، تہذیبی اور سیاسی تاریخ پر اس قوت و وسعت کے ساتھ پھیلے ہیں کہ یہ پورے عالم اسلام کو متاثر کرنے والی عظیم تحریکوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ مسند اقتدار سے لے کر عوام کے انتہائی پسماندہ طبقے تک آپ نے جو رشد وہدایت کی شمع فروزاں کی، اُس سے نہ صرف اُس دور کے مسلمانوں کے قلوب منور ہوئے بلکہ آج تک مسلمان اس سرچشمے سے فیض یاب ہوتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا آپ کی ذات مسلمانوں کے لیے آفتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

ایسے علمی آثار وشخصیات کا تذکرہ کرنا ارباب علم کے لیے باعث فخر اور کسب فیض ہے جن سے قارئین بھی ان کے کردار اور علمی کارناموں سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ کتاب ہذا بھی اُس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ میں ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس کو دل کی گہرائیوں سے خراج تحسین پیش کر رہا ہوں کہ انہوں نے ''حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی دینی وعلمی خدمات'' کے عنوان سے بڑے جامع انداز میں برصغیر پاک وہند کی عظیم شخصیت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علمی کارناموں کا جائزہ لیا ہے اور میرے لیے نہایت اعزاز کی بات ہے کہ میں اس مفید کتاب کے آغاز میں چند الفاظ لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

کتاب کے باب اوّل میں عہد مجدد الف ثانیؒ اور اُن کے حالات زندگی سے متعلق گرانقدر معلومات فراہم کی گئی ہے۔ اس باب میں اکبر کی زندگی کے مختلف ادوار، اس کو گمراہ کرنے والے عوامل اور دین الٰہی کی ناکامی کے اسباب پر مختصراً جبکہ آپ کے حالات زندگی پر مفصلاً معلومات پیش کی گئی ہیں۔ باب دوم میں حضرت مجددؒ کے معاصرین اور مغلیہ عہد کے نامور علماء، اس دور کے اہم تعلیمی ادارے، مجدد

الف ثانیؒ کی علمی خدمات اور آپ کے مقام و مرتبے پر مجموعی طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ باب سوم میں تفسیر قرآن کے تاریخی پس منظر میں پرانی اور نئی تفسیری خدمات اور حضرت مجدد الف ثانی کے تفسیری نکات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ باب چہارم میں تفسیر مظہری، روح المعانی اور تفسیر مجددی کے حوالوں سے مابعد کی تفاسیر پر فکر امام ربانیؒ کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ میں عہد مجددؒ تک فقہی ارتقا کا اجمالی جبکہ افکار مجددی کی روشنی میں مسائل فقہ اور اصول فقہ پر تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مجددؒ کی تفسیری و فقہی خدمات کا مطالعہ اور جائزہ درج کر دیا گیا ہے۔

مصنف کا اسلوب تحریر سادہ، آسان فہم اور خوبصورت ہے۔ اس کی انفرادیت اور افادیت سے ہر انسان ضرور اتفاق کرے گا۔ کتاب کے آخر میں دیے گئے مآخذ سے پتا چلتا ہے کہ ڈاکٹر موصوف نے کس قدر اپنی تحقیقی و علمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ ان کی یہ تحریر قابل قدر ہے اور محققین اور مبتدئین دونوں کے لیے یکساں مفید ہے۔ میں اس کتاب کی تالیف پر ایک بار پھر تہ دل سے ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس کو مبارک باد دیتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ایسے معلوماتی اور دقیق موضوعات کو اپنے حسن تحریر سے اور بھی دلکش بنا دیا ہے۔ اسی طرح ناشر بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں جن کی نگرانی اور اہتمام میں یہ کتاب بہترین انداز میں شائع ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس کاوش کو درجہ قبولیت سے نوازے اور ان کی صلاحیتوں میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر درمش بلگر
چیئرمین کرسی رومی برائے ترکی زبان ثقافت
اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۱۴۔۷۔۲۰۱۵ء
مقیم قونیہ

☆☆☆☆☆

تسطیری جہاد

پیش نظر کتاب حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی فکر اور آپ کی پاکیزہ زندگی کے متعلق علمی دنیا میں ندرت سے بھرپور منفرد اضافہ ہے۔ حضرت مجدد پاک علیہ الرحمۃ نے جس دور میں آنکھ کھولی وہ فتنوں اور سازشوں کا دور تھا۔ اپنوں اور غیروں کی پہچان ختم ہو چکی تھی۔ ایسے پرآشوب دور میں سچائی اور حقیقت کو بیان کر کے باطل کو بے نقاب کرنا ایک بہت بڑا جہاد ہے جس کا سہرا آپ ہی کے سر بجتا ہے۔ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس ایک کہنہ مشق لکھاری ہیں جنہوں نے اپنی زندگی بحث و تحقیق کے تپتے صحرا میں گذاری۔ اس سفر میں جہاں کہیں انہیں علم و حکمت کے چشمے ملے اس سے پوری انسانیت کو سیراب ہونے کا موقعہ دیا۔ ڈاکٹر صاحب کا اسلوب علمی، تحقیقی اور تنقیدی ہے۔ آج کل تنقید سے مراد منفی پہلو لیے جاتے ہیں حالانکہ تنقید تو مثبت پہلوؤں کو بحسن و خوبی بیان کرنے کا نام ہے گویا تنقید ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے حقائق کو علمی دنیا میں بیان کیا جاتا ہے۔ حسن و قبح تو ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ بحیثیت انسان اپنی کوشش کے ذریعے اصل حقائق کو دلائل کے ساتھ پیش کرنا ہے جسے اہل علم براہین و بینات کی بنیاد پر قبول یا رد کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس کا طریق علمی ہے اس علمی بحث میں کوشش کی گئی ہے کہ حضرت مجدد پاک علیہ الرحمۃ کی شخصیت کو اصل سیاق و سباق میں پیش کیا جائے۔ میرے خیال میں ڈاکٹر صاحب اپنے اس علمی کام میں کامیاب رہے ہیں۔ اگر اس علمی کام کو انگریزی اور عربی زبان میں بھی ترجمہ کر کے شائع کیا جائے تو انسانیت پر بہت بڑا احسان ہوگا کیونکہ اہل تصوف سارے انسانوں کے لیے بھیجے جاتے ہیں، اور ان کی تعلیمات کو ہر ایک تک پہنچانا اہل علم کا فریضہ ہے جسے ڈاکٹر صاحب نے احسن انداز میں انجام دیا ہے۔

عربی میں مکتوبات شریفہ کا ترجمہ ترکی سے شائع ہو کر اہل علم تک پہنچ چکا ہے۔ آپ کی تعلیمات، سلوک، منہاج تربیت اور روحانی بالیدگی کے حصول کے لیے طریقہ کار کا تعین مکتوبات شریفہ کے اہم موضوعات ہیں۔

قحط الرجال کے اس دور میں ڈاکٹر صاحب کا یہ علمی کام تحقیقی میدان میں نو وارد حضرات کے لیے مینارہ نور ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اسی نہج پر تصوف پر کام کا سلسلہ آگے کی جانب بڑھتا رہے گا۔ دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت ڈاکٹر صاحب کو صحت و عافیت کے ساتھ انسانیت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

از قلم ڈاکٹر حافظ محمد منیر الازھری

قاہرہ مصر ۲۰-۷-۲۰۱۵ء

نسبتِ خاص کا فیضانِ کرم

برصغیر پاک و ہند میں حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ کے سلسلہ نقشبندیہ کی بے مثال ترویج و اشاعت ہوئی اور آپ تک ان کا سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے نام سے موسوم چلا آرہا ہے اور اس سلسلہ کا برابر روحانی فیض جاری و ساری ہے فیصل آباد میں اس سلسلہ کو رائج کرنے کے سلسلے میں مفتی محمد امین اور ان کے صاحبزادے محمد کریم سلطانی کے نام نامی بہت نمایاں ہیں۔عزیزم ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس کو ان بزرگوں سے عرصہ دراز سے ایک نسبت خاص حاصل ہے اور غالباً یہ اسی نسبت کا فیضان کرم ہے کہ انہیں "حضرت مجدد الف ثانی کی علمی و دینی خدمات" پر ایک مبسوط، مدلل اور عالمانہ مقالہ لکھنے کی سعادت عظمیٰ حاصل ہوئی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں انہیں علمی و دینی اور سیاسی و سماجی میدانوں میں بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ سیاسی و سماجی اور تہذیبی و تمدنی عروج و زوال کے نتیجے میں انہیں کئی ایک فتنوں اور شورشوں کی یلغار سے سابقہ پڑا۔ بہ ایں ہمہ انہوں نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو ذہنی اور فکری لحاظ سے ہر خلفشار سے بچا کر تشکیک کا شکار نہیں ہونے دیا۔

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس کی کاوش اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد، پُر از معلومات اور ایک شاندار تحقیقی کارنامہ ہے۔اس تحقیقی کتاب نے فی الحقیقت دینی و علمی ادب کے سرمایہ میں گرانقدر اور بیش بہا اضافہ کیا ہے ان کا یہ مقالہ یقیناً ناقدین و محققین کے لیے راہنما ٹھہرے گا اور اس عظیم تحقیقی کاوش کے جوہر و جواہر ان کے نام کو اس موضوع کی مناسبت سے ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید کر دیں گے۔ان کے مقالہ کے مطالعہ سے فکر و نظر کو وسعت اور دل کو ایمان و ایقان کی سرمدی دولت عطا ہوتی ہے اس لحاظ سے اس مقالہ کے علمی، ادبی اور تحقیقی معیار کو دیکھا جائے تو مقالہ نگار موصوف ایک عبقری اور یگانہ روزگار شخصیت نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نبی کریم ﷺ کے صدقے دین و دنیا میں ہر نعمت سے فراواں سرفراز فرمائے اور اس کاوش کو قبول و منظور فرمائے۔(آمین یارب العالمین)

ڈاکٹر محمد مظفر عالم جاوید صدیقی

یکم اگست 2015ء

☆☆☆☆☆

باب اول

عصرِ حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ

عہدِ مجدد علیہ الرحمۃ کے سیاسی حالات

دسویں صدی ہجری کے اوائل میں عالمِ اسلام کے مرکزی حصے (مشرق وسطیٰ) کو سیاسی استحکام حاصل ہوا اور مغربی ایشیا کے عرب ممالک ایک علَم کے نیچے جمع ہوئے۔ جسے بلند کرنیوالے خود کو حامی اسلام، خادم حرمین شریفین اور مسلمانوں کا پاسبان سمجھتے تھے۔ اور جنہوں نے اگرچہ اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر خلافت کو بھی زندہ کر دیا تھا جو آخری عباسی خلیفہ معتصم باللہ کی تاتاریوں کے ہاتھوں شہادت (۶۵۶ھ) کے بعد سلطان سلیم اوّل (متوفی ۹۲۶ھ) نے ۹۲۲ھ میں شام اور ۹۲۳ھ میں مصر فتح کر کے قائم کی۔ جو ڈھائی سو برس سے سلاطین ممالک کے زیرِ حکومت چلا آ رہا تھا۔ سلیم کے حملہ کے وقت اسکا حکمران قانصورہ غوری تھا۔ ۹۲۳ھ میں ہی سلطان سلیم نے خلافت اور اس کے بعد حرمین شریفین کی تولیت و خدمت کا اعلان کیا۔ جزیرۃ العرب پھر رفتہ رفتہ شمالی افریقہ کے مسلم وعرب ممالک (باستثناء مراکش) سلطان سلیم، پھر اس کے جانشین سلیمان اعظم قانونی (۹۲۶ھ۔۹۷۴ھ) جسے مغربی مصنفین سلیمان ذیشان کے لقب سے یاد کرتے ہیں، کے زیر حکومت آ گئے۔ سلیمان اعظم کا عہد حکومت (جس کے انتقال سے تین سال قبل حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کی ولادت ہوئی) سلطنت عثمانیہ کے اوجِ اقبال کا زمانہ ہے۔ ایک طرف یورپ، آسٹریا اور ہنگری میں اس کے فتح و اقبال کا جھنڈا نصب تھا تو دوسری طرف اس کی فوجیں ایران میں فاتحانہ طریقے سے یلغار کر رہی تھیں۔ مصر و شام کے ساتھ عراق (عرب) بھی اس کی وسیع سلطنت میں شامل ہو گیا تھا۔ اس وقت وہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت کا فرمانروا تھا۔ مراد ثالث (۹۸۲ھ۔۱۰۰۴ھ) کے زمانہ میں جزیرہ قبرص، صوبہ تونس، سلطنت ایران کے بعض زرخیز صوبے اور یمن دولتِ عثمانیہ میں شامل تھے۔ اسی کے زمانہ میں ۹۸۴ھ میں حرمِ مکہ کی تکمیل ہوئی۔ یہ حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کے شعور کا زمانہ تھا۔ آپ کو ضرور ان اہم واقعات کا علم ہوگا۔ اس عہد کے مسلمان (خواہ وہ ہندوستان کے باشندے ہوں) عثمانی ترکوں جو سنی حنفی تھے کی ان فتوحات اور وسعتِ سلطنت سے ضرور مسرور ہوتے ہوں گے۔

سلطان محمد خاں ثالث ۹ سال اور ۲ ماہ ۲ دن حکومت کرنے کے بعد ۱۰۱۲ھ میں فوت ہوئے۔

سلطان محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سرشار رہتے آپ کا اسم مبارک سنتے ہی کھڑے ہو جاتے

تھے۔ سلطان احمد اول کے دور حکومت (۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء۔ ۱۰۲۶/۱۶۱۷ء) میں عثمانی سلطنت کے فرانس، انگلستان اور پولینڈ سے معاہدے ہوئے۔ ہالینڈ کو تجارتی مراعات فراہم کی گئیں۔ آسٹریا کو جنگ میں شکست ہوئی اسی طرح ہنگری کا علاقہ بھی دولت عثمانیہ کے قبضہ میں آ گیا۔ سلطان احمد اول انتہائی متقی اور پرہیز گار تھے شرعی امور کی پابندی کرتے سلطان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا عالم یہ تھا کہ ان اشعار کو ہمیشہ لکھ کر اپنے عمامہ کے نیچے رکھتا۔

ترجمہ: ''میں چاہتا ہوں کہ نبی عالی مقام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین پاک کی تصویر ہمیشہ اپنے سر پر سجائے رکھوں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں، گلشن نبوت کے گل سرسبد ہیں۔ اے احمد، ان مقدس قدموں کو ایک لمحے کے لیے بھی اپنے سے جدا نہ کر اور اس گل سرسبد کے قدموں کی خاک کو ہمیشہ اپنے چہرے کے لیے غازہ بنائے رکھ۔''

اسی صدی کی ابتدا میں ایران وخراسان میں صفوی خاندان کا ظہور ہوا جس کا بانی شاہ اسماعیل صفوی (۹۰۵ھ۔ ۹۳۰ھ) تھا اس خاندان نے رفتہ رفتہ اس پورے علاقے پر اپنا مستحکم اقتدار قائم کرلیا۔ یہ سلطنتِ عثمانیہ کے متوازی سلطنت تھی جس نے عثمانی سلطنت کے مقابل اثنا عشری مذہب کو حکومت کا سرکاری مذہب قرار دیا تھا۔ حکومت کے اقتدار و وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے پورے ایران میں اس مذہب کی اشاعت وترویج کا بیڑہ اٹھایا اور اس میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ اس طرح یہ حکومت اپنی حدود پر مذہبی اختلافات کی بنا پر ایک انسانی دیوار کھڑی کر کے عثمانیوں (جن کے ہم مذہب سنی حنفی قسطنطنیہ سے لاہور و دہلی تک پھیلے ہوئے تھے) کی وسیع مملکت میں تحلیل ہونے سے محفوظ ہوگئی۔ اس خاندان کی حکومت بغداد سے ہرات تک تھی۔ اس خاندان کا سب سے باعظمت حکمران شاہ عباس (۹۹۵ھ۔ ۱۰۳۷ھ) جو تاریخ میں شاہ عباس اعظم کے نام سے ملقب ہے اور جسے اپنے تعمیری کاموں کی بنا پر اس خاندان کا شاہجہان کہا جا سکتا ہے، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا معاصر ہے۔ شاہ عباس نے عثمانیوں سے صلح کرنے کی کوشش کی وہ ان تمام علاقوں سے دستبردار ہوگیا جو عثمانیوں کے قبضہ میں تھے۔ اس نے اس بات کا عہد کیا کہ وہ اپنی مملکت میں حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم پر سب وشتم نہیں کرے گا۔ صفوی حکومت شاہ عباس اول کے زمانہ میں انتہائی عروج کو پہنچی۔ اس نے ترکوں کے ساتھ جنگ میں نجف اور کربلا کو حاصل کرلیا۔ شاہ عباس کے بعد اس خاندان کا زوال

شروع ہوگیا۔

دنیائے اسلام کا دوسرا اہم خطہ ترکستان تھا جو صدیوں تک اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم وفنون کا مرکز رہا۔ اسے قدیم ادبیات میں ماوراء النہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسی نے فقہ حنفی کی تدوین میں عراق کے بعد سب سے بڑا حصہ لیا۔ متعدد زندہ وجاوید کتابیں جو ہندوستان کے نصاب میں ابھی تک داخل ہیں ،یہیں تصنیف ہوئیں نیز سلسلۂ نقشبندیہ (جس سے حضرت مجدّد اور ان کے مشائخ کا تعلق ہے) یہیں سے شروع ہوا اور دنیا میں پھیلا۔ یہ زرخیز اور مردم خیز خطہ دسویں صدی کی ابتدا (۹۰۵ھ) سے ہی ازبکوں کے شیبانی خاندان کے قبضہ واقتدار میں آ گیا اور ۹۱۶ھ کے ایک مختصر وقفہ کے علاوہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے وسط تک انہی کے زیرنگیں رہا۔ دسویں صدی میں شیبانی خاندان کے دو حکمرانوں عبیداللہ بن محمد (۹۱۸ھ۔۹۴۶ھ) اور عبیداللہ بن سکندر (۹۶۴ھ۔۱۰۰۶ھ) کا دارالسلطنت بخارا تھا۔ انکی بدولت بخارا دوبارہ فکری وسیاسی زندگی کا مرکز بن گیا۔

ہندوستان کا سب سے قریبی ہمسایہ ملک جو اس کے مغرب میں واقع ہے افغانستان ہے۔ یہ ملک دسویں صدی کی ابتداء میں ترکستان کے ازبکوں اور ایران کے صفویوں اور درمیانی عرصہ میں مقامی حوصلہ مندوں کی تاخت میں رہا۔ کابل وقندھار پر کبھی مغل اور کبھی ایرانی قابض ہوجاتے تھے اور ہرات' ایران کی سرحد پر ہونے کی وجہ سے اکثر صفوی سلطنت کے زیراثر رہا۔ ۹۲۸ھ میں بابر نے قندھار فتح کیا۔ پھر جب اس نے ہندوستان میں تیموری سلطنت کی بنیاد ڈالی تو اپنا مستقر ہندوستان کو بنایا جہاں سے وہ کابل ،بدخشاں اور قندہار تک حکومت کرتا رہا۔ اس وقت افغانستان' ہندوستان اور ایران دو بڑی سلطنتوں کے زیراثر نسبتاً ایک منظم اور پرامن دور میں داخل ہوا۔ وہ ان دونوں سلطنتوں کے درمیان اس طرح بٹ گیا تھا کہ ہرات اور سیستان کے صوبے ایران کے پاس رہے۔ (اگرچہ ان پر وقتاً فوقتاً ازبکوں کے حملے ہوتے رہتے) کابل سلطنت مغلیہ کا حصہ بنا رہا اور قندہار پر کبھی مغل اور کبھی ایرانی قابض ہوجاتے۔ کوہستان کے شمال میں بابر کے چچازاد بھائی سلیمان مرزا (جسے بابر نے بدخشاں کا والی بنایا تھا) نے ایک نیم آزاد شاہی خاندان کی بنیاد رکھی۔ ملک کے باقی ماندہ اقطاع شیبانیوں کے زیرنگیں رہے۔ ۹۶۵ھ میں طہماسپ شاہ ایران نے قندھار پر قبضہ کرلیا اور ۱۰۰۳ھ تک یہ شہر ایرانیوں کے قبضے میں رہا۔ ۱۰۰۳ھ میں شہزادہ مظفر حسین نے اسے اکبر کے حوالے کیا۔ اس وقت سے افغانستان ہندوستان کی مغل سلطنت کا صوبہ رہا اور یہ سلسلہ

بارہویں صدی کے وسط تک قائم رہا۔ یہاں تک کہ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ افشار کے ہاتھوں افغانستان سے آلِ بابر کی دوسو چالیس سالہ حکومت ختم ہوگئی۔

دسویں صدی ہجری کے آغاز میں ہندوستان پر لودھی خاندان کی حکومت تھی۔ جسکا آخری حکمران ابراہیم لودھی ۹۳۲ھ میں بانیِ سلطنتِ مغلیہ ظہیرالدین محمد بابر گورگانی (۸۸۸ھ۔۹۳۹ھ) کے ہاتھوں قتل ہوا اور سلطنت مغلیہ کی بنیاد پڑی جو ہندوستان کی مسلم سلطنتوں میں سب سے وسیع، مستحکم، منظم اور طویل العمر سلطنت تھی۔ لودھی خاندان اپنی افغانی نسل و روایت کی بنا پر اسلام کا حلقہ بگوش مذہب حنفی کا پابند تھا جو تجدد پسندی اور سیکولر سیاست سے ناآشنا تھا۔ اس خاندان کا سب سے دیندار، معارف نواز اور علماء کا قدردان و سرپرست بادشاہ سکندر لودھی (م۹۲۳ھ) تھا۔ ۹۴۶ھ سے ۹۵۲ھ تک کا عرصہ شیر شاہ سوری کے زیر نگیں گزرا۔ اس کے انتقال کے بعد سے اکبر کی تخت نشینی تک ہندوستان کو سیاسی و انتظامی استحکام، حکومت کو استقرار اور اہل ملک کو فارغ البالی حاصل نہیں ہوئی۔ اسکا جانشین سلیم شاہ اپنے باپ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ بابر کا جانشین نصیر الدین ہمایوں ہندوستان میں اطمینان سے حکومت نہ کرسکا اور شیر شاہ سوری کے فاتحانہ حملوں اور بھائیوں کی بے وفائی کے باعث پریشان اور سرگرداں رہا اور جب تک ایران کے طہماسپ صفوی سے مدد لیکر نہیں آیا اسے استقرار نصیب نہ ہوا۔ ۹۶۳ھ میں اکبر تخت نشین ہوا۔ ان دنوں ہندوستان مختلف صوبوں اور ریاستوں میں بٹا ہوا تھا اور یہاں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ شمال مغرب میں کابل اور اسکے ماتحت علاقوں پر اکبر کا چھوٹا بھائی مرزا محمد حکیم قابض تھا۔ وہ ایک خودمختار حاکم بنا ہوا تھا اور ہندوستان کے تخت و تاج پر قبضہ کرنے کے خواب بھی دیکھ رہا تھا۔ راجپوت ریاستیں فتح پور سیکری کے مقام پر اپنی شکست کے صدمے سے سنبھل چکی تھیں ان میں میواڑ اور جودھپور کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے زمانہ ہی میں جب آپ کی عمر ۴۳ برس تھی۔ نورالدین جہانگیر تخت نشین ہوا اور اسی کے عہد میں حضرت مجدد کا وصال ہوا۔ اس مرکزی سلطنت کے علاوہ جسکا دارالسلطنت دہلی تھا بیجاپور، گولکنڈہ، گجرات اور احمد نگر میں علاقائی حکومتیں قائم تھیں۔ جو خودمختار طریقہ پر حکومت کر رہی تھیں

ان میں احمد نگر، بیجا پور اور گولکنڈہ شیعہ مذہب رکھتی تھیں۔﴿۱﴾

گویا اس وقت دنیا میں ایسی حکومتیں تھیں جن کے پیچھے کسی نہ کسی حوالہ سے مذہبی شناخت اہل تسنن یا اہل تشیع موجود تھی۔ ان حالات کا حضرت مجدد کی تحریرات میں اثر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جو سیاسی تغیرات رونما ہوتے رہے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر گہری نظر رکھی، ان حالات پر تبصرہ اور اصلاح احوال کے حوالہ سے مختلف تجاویز مکتوبات میں بآسانی دیکھی جا سکتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

﴿۱﴾ ندوی، سیّد ابوالحسن، تاریخ دعوت و عزیمت مجلس نشریات اسلام کراچی ص ۲۴ تا ۲۹ محمد الصلابی، ڈاکٹر علی محمد سلطنت عثمانیہ، مترجم علامہ محمد ظفر اقبال کلیار، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۸، متفرق صفحات، مزید تفصیلات کے لئے درج ذیل مآخذ ملاحظہ فرمائیں: ہندوشاہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، مترجم عبدالحی خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور/ نجیب آبادی، اکبر شاہ، قول حق، پروگریسو بکس، لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۱۱۵، ۱۱۶۔ ایران میں صفوی عہد حکومت کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

(i) Savory, Roger, Iran under The Safavids, Cambridge University Press.

(ii) Melville, Charles Safavid Persia the History and Politics of an Islamic Society, I.G. Tauris and Co. Ltd. London.

مذہبی و دینی حالات

دسویں صدی ہجری سولہویں صدی عیسوی کے اختتام پر ہندوستان میں نقطوی تحریک ﴿۲﴾ اکبر کا دین الٰہی، ہندومت کے فلسفے، بھگتی تحریک اور مسلمانوں کی انحرافی قوتیں سبھی اسلام کے مرکزی تصور یعنی عقیدۂ ختم نبوت کے مقابل صف آرا نظر آرہی تھیں۔ مداری سلسلہ ﴿۳﴾ نے مسلم تثلیث کا تصور پیش کیا جس کے مطابق ذات باری تعالیٰ روح، حضرت محمد ﷺ جسم اور شاہ بدیع الدین مدار سانس تھے۔ الفِ ثانی ﴿۴﴾ کی

﴿۲﴾ نقطوی تحریک کا بانی محمود پسیخوانی تھا۔ اس فرقہ نے دسویں صدی ہجری میں ایران اور ہندوستان کے ہزاروں لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کیا۔ حکما کی طرح یہ فرقہ بھی عالم کو قدیم تسلیم کرتا ہے اور قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان نہیں رکھتا۔ یہ لوگ دنیاوی زندگی میں خوشحالی اور عسرت کو اچھے اور برے اعمال کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اسے ہی جنت و جہنم مانتے ہیں۔ انکا عقیدہ ہے کہ جمادات و نباتات ترقی کرتے کرتے انسان کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کو نبی کریم ﷺ کی تصنیف سمجھتے اور مسائل شریعت کے متعلق کہتے کہ یہ اہل رائے نے بنائے ہیں۔ اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس طرح یہ گروہ نقلیات کا منکر اور عقلیات کا داعی ہے۔ اکبر اور اس کے حواریوں کے نقطویوں سے بڑے گہرے مراسم تھے اور دین الٰہی کی بنیاد میں نقطوی مذہب کو کافی دخل تھا۔ (محمد اسلم، دین الٰہی اور اسکا پس منظر، ندوۃ المصنفین لاہور، ۱۹۷۰، ص ۱۷۳ تا ۱۸۸)

﴿۳﴾ سلسلہ مداریہ کے بانی شیخ بدیع مدار کمن پوری (م ۸۴۴ھ) تھے۔ اس سلسلہ کا مدار و شعار، وحدۃ الوجود کے افکار و مضامین کا برملا اظہار و اعلان، تجرید ظاہری اور توکل محض ہے۔ اس سلسلہ میں انحطاط ترقی کرتا چلا گیا اور بالآخر یہ مداری (بازیگر) کا مترادف قرار پایا۔

(تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ چہارم، ص ۳۴/ ابوالفضل، علامہ، آئین اکبری، مترجم محمد فدا علی طالب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۸ جلد دوم، ص: ۳۳۵)

﴿۴﴾ اکبر کو یہ باور کروایا گیا کہ ہجرت کو ایک ہزار سال گذر گیا اور یہی اسلام کی عمر ہے اسی لیے اکبر نے سکہ کا نام "سکہ الفی" رکھا اور نئی تاریخ لکھوائی جسکا نام تاریخ الفی رکھا۔ اس مقصد کے لیے بعض جعلی روایات، برہمنوں کے اقوال، ناصر خسرو کی دور باعیات وغیرہ سے سہارا لیا گیا۔ مجدد علیہ الرحمۃ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

باطل تحریکات اور اکبری الحاد نے برصغیر اور عجم کی ملتِ اسلامیہ کو اپنے آقا ﷺ کے قدموں سے بہت دور کر دیا تھا۔ رسالت پر ایمان کمزور ہو رہا تھا اور نسبت رسول ﷺ کا شعور مفقود ہو رہا تھا۔ فلسفۂ وحدت الوجود بھی پر نکال رہا تھا جس سے الحاد و زندقہ، حریت و اباحیت، تعطل و بے عملی کے لیے راہیں کھل گئیں۔ پیر روشن نے عملی طور پر یہ سب کچھ کیا۔ فرقۂ امامیہ بھی مختلف سیاسی و علمی وجوہات کی بنا پر برصغیر کی معاشرتی زندگی کے ساتھ ساتھ عقائد و نظریات کو بھی متاثر کر رہا تھا۔ سلسلہ شطاریہ ﴿۵﴾ میں پہلی مرتبہ جوگ کو تصوف کے ساتھ ملایا گیا۔ ان حالات میں اکبر کی مذہبی زندگی نے بھی معاشرہ پر اثرات مذکورہ مرتب کئے۔

اکبر کی زندگی کے مختلف ادوار مذہبی حوالے سے جائزہ

پہلا دور:

اکبر کی زندگی متلون مزاجی کا شکار رہی اس نے ۹۶۳ھ سے ۹۸۳ھ تک کا عرصہ ایک دیندار اور خوش اعتقاد مسلمان کی طرح گذارا۔ مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں ''احکام شرع کو ادب سے سنتا تھا اور صدقِ دل سے بجالاتا۔ جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا۔ خود اذان کہتا۔ علماء و فضلاء کی نہایت تعظیم کرتا۔ ان کے گھر جاتا۔ انکی جوتیاں سیدھی کرتا۔ مقدماتِ سلطنت کے شریعت کے مطابق فیصلے ہوتے تھے۔ جا بجا قاضی و مفتی مقرر تھے۔ فقراء و مشائخ کے ساتھ کمالِ اعتقاد سے پیش آتا اور ان کے برکتِ انفاس سے فیض

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ''ہزار سال کے بعد کفر و بدعت کی تاریکیاں مسلط ہوگئی ہیں اور اسلام و سنت کا نور گھٹ رہا ہے''

اسی نقطہ نظر کو الف ثانی کی باطل تحریکات سے موسوم کیا گیا ہے۔

(نعمانی، محمد منظور، تذکرۂ مجدد الف ثانی، دارالاشاعت کراچی، ص ۳۹ تا ۴۷، ۱۳۶/ عبدالرحمٰن، سید صباح الدین، بزم تیموریہ، نفیس اکیڈمی کراچی، ص ۱۱۸، ۱۱۹)

﴿۵﴾ شطاری سلسلہ کے بانی عبداللہ شطار خراسانی نویں صدی کے اوائل میں ہندوستان آئے۔ اس سلسلہ نے پہلی مرتبہ جوگ کو تصوف کے ساتھ ملایا اور انکے سلوک کے بعض طریقے اور اذکار اختیار کیے اور اپنے مریدوں کو انکی تلقین کی۔ ان کے نزدیک سب چیزیں ایک ہی وحدت کے الوان و مظاہر ہیں انکا نظریہ توحید، ایک سمجھنا، ایک کہنا، ایک دیکھنا اور ایک ہونا ہے۔ (ندوی، ابوالحسن علی، تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ چہارم، ص ۳۴، ۳۵/ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۳، جلد ۱۱، ص ۳۵۷)

حاصل کرتا تھا''۔﴿۶﴾

جہانگیر کی ولادت پر وہ آگرہ سے اجمیر پاپیادہ گیا۔ بارہ بارہ کوس کی منزلیں طے کرتے ہوئے سترھویں دن روضہ مبارک پر حاضر ہوا اور کمال عقیدت سے جبینِ نیاز آستانہ مبارک پر جھکا دی۔﴿۷﴾

دوسرا دور:

اکبر کی زندگی کا دوسرا دور ۹۸۳ھ سے ۹۸۷ھ تک ہے جو بڑا ہنگامہ خیز دور ہے۔ اصولی و فروعی معاملات میں تحقیق کا شوق ہوا تو سو سے زائد مناظرین، محققین اور علماء وفضلاء اکٹھے کر لئے ﴿۸﴾۔ فروعی مسائل میں بحث و مباحثہ کے دوران علماء نے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے۔ محمد حسین آزاد کے الفاظ میں ''زبانوں کی تلواریں کھینچ کر پل پڑتے تھے''۔﴿۹﴾ شیخ مبارک نے ۹۸۷ھ میں محضر نامہ کے ذریعے اکبر کو سلطان عادل اور امام عادل کے منصب پر فائز کر دیا ﴿۱۰﴾ قاضی جلال الدین اور غازی خاں بدخشی نے سب سے پہلے دستخط کیے۔ بعد میں دیگر علماء وفضلاء، قاضی و مفتی جن کے فتاویٰ کی لوگوں کے دلوں میں تاثیر تھی، بلائے گئے اور علماء کی مہم عظیم فتح ہوئی۔﴿۱۱﴾

تیسرا دور:

اکبر کی زندگی کا تیسرا دور ۹۹۰ھ میں شروع ہوا اور ۱۰۱۴ھ میں اس کی موت پر ختم ہوا۔ اس دور میں باقاعدہ ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں صلح کلی کی پالیسی کی آڑ میں اسلام کے علاوہ ہر مذہب ہندو، بدھ، عیسائی، جینی، زرتشتی کے افکار کو جگہ دی گئی ﴿۱۲﴾ اسکا نظریہ تھا کہ کوئی مذہب بھی کلیتہً خدا کا پسندیدہ نہیں اس لیے کہ ہر مذہب میں اسے کوئی نہ کوئی خلاف عقل بات دکھائی دی ﴿۱۳﴾ جواہر لال

﴿۶﴾ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۸ء ص ۳۶

﴿۷﴾ جہانگیر، نورالدین، تزک جہانگیری، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۱ء ص ۱۸

﴿۸﴾ بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۲ء جلد دوم ص ۱۸۸

﴿۹﴾ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری، ص ۴۰

﴿۱۰﴾ بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، ص ۲۷۲

﴿۱۱﴾ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری، ص ۴۸

﴿۱۲﴾ تفصیلات کیلئے: محمد اسلم، دین الٰہی اور اسکا پس منظر ملاحظہ فرمائیں۔

﴿۱۳﴾ بنی پرشاد، ڈاکٹر، تاریخ جہانگیر، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۷ء مترجم رحم علی الہاشمی ص ۴۷

نہرو نے بھی یہ لکھا ''یہاں تک کہ اس نے ایک ایسا مذہب جاری کر دیا جو تمام مذاہب کے عقائد پر مشتمل تھا'' اس مذہب کا مقصد یہ تھا کہ تمام طبائع سے میل رکھا جائے ﴿۱۴﴾۔ اکبر کو اسلامی عقائد' ارکان اور شعائر سے حد درجہ نفرت ہوگئی۔ اسلام کے سوا ہر مذہب کیلئے اس کے دل میں نرم گوشہ تھا۔ کلمہ طیبہ تبدیل کر دیا گیا۔ چراغ افروزی ﴿۱۵﴾ اور دیدن گاؤ ﴿۱۶﴾ کیلئے قوانین تشکیل دیئے گئے۔ بدکاری کیلئے شیطان پورہ نامی بستی بسائی گئی۔ سود' جواء اور شراب کو حلال قرار دیا گیا۔ رشوت جائز قرار دی گئی۔ نماز پر پابندی عائد کی گئی۔ مساجد کو مسمار کر دیا گیا۔ رمضان میں کھلے عام کھانے پینے کی اجازت تھی۔ حج پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ اسلامی قانون کے ماخذ کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ' اجماع' قیاس سب قابل اعتراض ٹھہرے۔ جن و ملائک' معجزات اور کرامات کا صاف انکار کیا گیا۔ بدن کے فنا کے بعد روح کے بقا اور اس پر ثواب و عذاب کو ناممکن کہا گیا۔ اسلامی شعائر پردہ' ریش' غسل' تجہیز و تکفین' سن ہجری عقل اکبری کے معیار پر پورے نہ اترے۔ ہندوانہ رسموں کی تعظیم اور مسلمانوں کے تہواروں پر تنقید اکبر کا پسندیدہ مشغلہ بن گیا۔ ابوالفضل دینِ اسلام کو طنزاً احمدی کیش کہتا۔ علوم عربیہ سے نفرت اور علوم غریبہ و نادرہ سے محبت کا درس دیا جانے لگا۔ جس اکبر نے دینِ حق کا حلیہ بگاڑا تھا اسکے نزدیک صحابہ' تابعین اور صالحین کی کوئی وقعت نہ تھی ﴿۱۷﴾۔

﴿۱۴﴾ نہرو، جواہر لال، تلاش ہند، ادارہ تخلیقات لاہور ۱۹۹۲ء ص ۳۳۶

﴿۱۵﴾ آگ کی عظمت نے اکبر کے دل میں چراغ کیلئے بھی تعظیم پیدا کر دی تھی۔ بادشاہ چراغ کی لو کو سرچشمہ نور الٰہی کہا کرتا تھا۔ اس لیے جب شام کے وقت شاہی محل میں چراغ روشن کئے جاتے تو شاہی خدام سونے چاندی کے بارہ لگنوں میں کافوری شمعیں لیکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اکبر چراغ جلانے کے وقت کھڑا ہو جاتا۔

﴿۱۶﴾ بادشاہ گائے کا دل و جان سے احترام کرتا۔ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ہر بدھ کے روز اور دیوالی کے موقع پر گائے کے درشن کو باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔ اس لئے ذبیحۂ گاؤ پر بھی پابندی لگا دی تھی۔

﴿۱۷﴾ ان تفاصیل کیلئے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل مکتوب ملاحظہ فرمائیں:

دفتر اول: مکتوب ۲۳' ۳۲' ۳۳' ۴۶' ۴۷' ۴۸' ۵۱' ۵۶' ۶۵' ۸۶' ۱۹۳' ۱۹۴' ۱۹۵' ۲۶۲' ۲۶۶

دفتر دوم: مکتوب ۴' ۶۵' ۶۷' ۶۸' ۹۲/ دفتر سوم: مکتوب ۹۶

علاوہ ازیں دیگر مراجع درج ذیل ہیں:

محمد اسلم، دین الٰہی اور اسکا پس منظر، ص ۱۱۶' ۱۶۳' ۲۰۳ تا ۲۲۰/ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ، اثبات النبوۃ، ادارہ مجددیہ کراچی ص ۱۰/ بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اکبر کو گمراہ کرنے والے عوامل

جن بنیادی عوامل کے پیش نظر اکبر نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا اور اسلامی فکر سے یکسر مختلف نظام پیش کیا، درج ذیل ہیں:

۱۔ استحکام سلطنت کی خواہش

دینِ اکبری کے ذریعے ہندوستان کے پراگندہ حالات کو درست کرنے کی سعی کی گئی۔ نہرو کے بقول: ''متحدہ ہندوستان کا پرانا خواب اکبر کے عہد میں شرمندۂ تعبیر ہوا۔ ہندوستان محض سیاسی طور پر ایک متحدہ ریاست ہی نہیں بلکہ تہذیب کے لحاظ سے ایک متحدہ قوم بن گیا۔ اپنے پورے دور حکومت میں جو ۱۵۲۶ء سے تقریباً پچاس سال کے عرصہ پر پھیلا ہوا ہے، اکبر کے پیش نظر یہی ایک مقصد تھا۔﴿۱۸﴾

نہرو نے مزید لکھا ہے: ''اکبر نے بہت سے لوگوں کو اپنا بنا لیا اور ان کو قابو میں بھی رکھا'' ﴿۱۹﴾ ''اکبر ہندوؤں میں بھی اتنا ہی مقبول تھا جتنا مسلمانوں میں۔ اس کی وجہ سے مغل خاندان ہندوستان میں اسطرح جڑ پکڑ گیا گویا کہ یہیں کا خاندان تھا'' ﴿۲۰﴾

۲۔ انتشار فکر

اکبر زیادہ تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے ذہنی انتشار اور فکری پراگندگی کا شکار ہو گیا تھا اور اس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جلد دوم ص ۲۲۰، ۲۱۷، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۷۳/ آزاد، مولانا محمد حسین، دربار اکبری،/ ہندوشاہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، ج اوّل ص ۲۸۰ تا ۳۱۷، جلد دوم ص ۲۰۷ تا ۲۶۸، ۳۷۲، ۳۸۰، ۴۱۷، ۸۳۸، ۹۰۸، ۹۰۹/ ابوالفضل فیضی، آئین اکبری، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۸ء ﴿مترجم مولوی محمد فدا علی طالب﴾ جلد اول ص ۴۱۵، ۴۳۳ جلد دوم ص ۳۶۱، ۵۷۸ جلد سوم ص ۳۶۱، ۳۵۷

Nizami, Khaliq Ahmad, Akbar and Religion, Idarah-i-Adabiyat-iDelli, 1989 / Majumdar, R.C, The Mughal Empire, Bombay, 1974 P668-70.

﴿۱۸﴾ نہرو، جواہر لال، تلاش ہند، تخلیقات لاہور ۱۹۹۲ء ص ۳۳۵ مطبوعہ نسخہ پر مترجم کا نام درج نہیں۔

﴿۱۹﴾ تلاش ہند، ص ۳۳۶

﴿۲۰﴾ تلاش ہند، ص ۳۳۶

تغیر احوال کے ساتھ ساتھ تغیر افکار بھی ہوتا رہا۔﴿۲۱﴾

۳۔علمائے سوء

اکبر کے دربار میں مباحثوں میں شریک ہونے والے علماء کے اندازِ گفتگو اوران کے ذاتی کردار نے بادشاہ کو جملہ حاملینِ اسلام سے متنفر کردیا۔حضرت مجدّ دعلیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

''حق تو یہ ہے کہ اس زمانے میں جتنی ڈھیل اور کمزوری شرعی امور میں نظر آتی ہے اور جوفتور ترویج دین اور ملت کے معاملات میں نظر آتا ہے، یہ سب دنیا دار علماء کی بدبختی اور نیت کی خرابی کا ثمر ہے۔''﴿۲۲﴾

۴۔صوفیائے خام

جن صوفیہ سے اکبر کو واسطہ پڑا طلبِ منفعت انکی منزل مقصود تھی۔وہ محض اسلامی جوگی تھے۔انہوں نے طریقت وحقیقت کے نام سے اپنی الگ دنیا بسائی ہوئی تھی جس میں آدمی خدا بھی بن سکتا تھا۔وحدت الوجود کے تصور نے اکبر کو فکری سامان مہیا کیا۔اس دور میں مجاذیب کی کثرت ہوگئی﴿۲۳﴾حضرت مجدّ دعلیہ الرحمۃ نے اپنے مکتوبات میں صوفیائے خام کے مذہبی ومعاشرتی اثرات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔﴿۲۴﴾

۵۔صحابہ کی تحقیر کرنے والا گروہ

درج بالا اسباب کے علاوہ دربار رسالت پناہ ﷺ کے بازیافتوں اور شرفِ صحبت کے سعادت مندوں کی تحقیر کرنیوالی جماعت﴿۲۵﴾بھی اکبر کی گمراہی کا سبب بنی۔حضرت مجدّ دعلیہ الرحمۃ کے رسالہ ردروافض کی تالیف کا پس منظر اور بعض مکاتیب اسکا واضح ثبوت ہیں۔﴿۲۶﴾

﴿۲۱﴾ بھٹی، محمد اسحٰق، فقہائے ہند، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۷ء حصہ اول ص ۳۳

﴿۲۲﴾ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب ۳۳/ علاوہ ازیں ملاحظہ ہو مکتوب ۵۳، ۴۷، ۱۹۴/ دفتر دوم مکتوب ۶۷

﴿۲۳﴾ مجذوبوں کے تفصیلی احوال کیلئے ملاحظہ ہو:
محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، اخبار الاخیار مع مکتوبات، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ص ۲۸۷ تا ۲۹۴

﴿۲۴﴾ مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۶۳، ۲۷، ۶، ۲۶۱، ۱۰۰، ۱۲۳

﴿۲۵﴾ نعمانی، محمد منظور، تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۱۰۳

﴿۲۶﴾ مکتوبات، امام ربانی دفتر اول مکتوب ۵۹، ۲۵۱ دفتر دوم مکتوب ۳۶، ۶۷

دین الٰہی کے مقاصد

اکبر کی پالیسیوں اور خودساختہ دین کے پس پردہ درج ذیل مقاصد تھے:

۱۔ قومی حکومت کا قیام

۲۔ ہندوؤں سے مفاہمت

۳۔ متحدہ ہندوستان ﴿۲۷﴾

دین الٰہی کی ناکامی کے اسباب

شاہی سرپرستی کے باوجود اکبر کے خودساختہ و پرداختہ دین الٰہی کو بہت کم لوگوں نے قبول کیا۔ اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔ اسلامی فکر کے احیاء کے لیے حضرت مجددؒ علیہ الرحمۃ کی جہدِ مسلسل

۲۔ مسلمانوں نے اسلام کی سادہ تعلیمات کے مقابلے میں اسے قابلِ اعتنا نہ سمجھا بلکہ مخالفانہ ردعمل کا اظہار کیا۔

۳۔ ابوالفضل کے قتل (۱۰۱۱ھ) اور فیضی کی موت (۱۰۰۴ھ) سے اکبر کا فکر و فلسفہ بھی اپنی موت آپ مر گیا۔

۴۔ اکبر کے جانشینوں نے اسکے فروغ میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

جہانگیر کی مذہبی پالیسی

ڈاکٹر بنی پرشاد کے بقول: ''وہ اتنا روشن خیال تھا کہ محض مقررہ مذہبی عقائد یا توہمات سے مطمئن نہ ہوتا۔ تاہم اسے خدا پر پختہ یقین تھا۔ اپنی سلطنت میں اس نے عیسائی مشنریوں کو آزادی سے تبلیغ کرنے اور عیسائی بنانے کی اجازت دی تھی۔ اس نے دو تین برسوں کے لیے سکوں پر اسلامی کلمہ پھر سے بحال کر دیا۔ اس کی مذہبی پالیسی عموماً کامل رواداری کی تھی۔ اپنے روزنامچہ میں اس نے اپنے والد کی مقرر کردہ پالیسی کی بہت تعریف کی اور اس کی پابندی بھی کی۔'' ﴿۲۸﴾

ڈاکٹر بنی پرشاد کی یہ رائے انتہا پسندانہ ہے۔ بدلتے حالات کے ساتھ اس میں فکری تبدیلی رونما

﴿۲۷﴾ Panikar K.M; A Survey of Indian History, Bombay, P:155

﴿۲۸﴾ بنی پرشاد، ڈاکٹر، تاریخ، ص ۴۲۹، ۴۳۲، ۴۳۳

ہوتی رہی۔ اس نقطۂ نظر کی تائید جہانگیر کے نصیحت نامہ سے ہوتی ہے جس کے آخر میں اس نے لکھا:

''جہاں تک ہو سکے شریعت اسلام کی پیروی کرو تا کہ روز قیامت بخشے جاؤ۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ ﴿۲۸-الف﴾

اکبر اور جہانگیر کے عہد کے مذہبی حالات میں فرق کا اندازہ حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کے ان الفاظ سے بھی لگایا جا سکتا ہے:

''اس سے پہلی بادشاہی تو دینِ مصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ عناد اور مخالفتِ صریح محسوس ہوتی تھی۔ اس بادشاہی میں ظاہراً وہ عناد محسوس نہیں ہوتا۔ اگر ہے بھی تو عدم علم کے باعث ہے۔'' ﴿۲۸-ب﴾

ان اقتباسات سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جہانگیر کا دور فکر اسلامی کے عروج کا دور نہیں کہا جا سکتا مگر عہد اکبری سے فرق ضرور تھا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے احوال و آثار

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ شبِ جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ/۵ جون ۱۵۶۴ء کو سرہند ﴿۲۹﴾

﴿۲۸-الف﴾ ہروی، خواجہ نعمت علی، تاریخ خاں جہانی و مخزن افغانی ترجمہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین، اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۸۶ء، ص:۵۱۴۔ اس نصیحت نامہ کے بارے میں خواجہ نعمت علی ہروی نے لکھا ہے کہ ''مذکورہ نصیحت نامہ گویا اسلامی عدل و انصاف کا منشور اور اس میں شریعت نبوی ﷺ کو رائج کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ (ایضاً ص:۵۱۳)

﴿۲۸-ب﴾ مکتوبات، دفتر اوّل مکتوب ۶۵

﴿۲۹﴾ سرہند شہر کی اصل عیسوی دور سے منسلک ہے۔ اسی زمانے میں اسے بہت زیادہ سیاسی و معاشی اہمیت حاصل تھی۔

Sirhind through the ages(Fauja Singh)1972

Panjabi University, Patiala, page:7

Majumdar کے بقول

Sirhind had a famous school of medicine, most probably Ayurvedic. It supplied doctors to the whole empire. (The Mughal Empire, p.705)

سید اطہر عباس رضوی نے اس شہر کی اہمیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں پیدا ہوئے۔ ﴿۳۰﴾

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک بتیس (۳۲) واسطوں سے پہنچتا ہے۔ حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی علیہ الرحمۃ نے نہایت تحقیق کے بعد اکتیس واسطے نقل کیے ہیں۔ ﴿۳۱﴾ لیکن اس سلسلۂ نسب میں سہواً حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ﴿۳۲﴾ کو حضرت عبداللہ بن عمر کا بیٹا لکھ دیا گیا ہے جو کتبِ انساب کے مطابق درست نہیں ﴿۳۳﴾ ڈاکٹر محمد مسعود نے انتیس وسائط نقل کیے ہیں ﴿۳۴﴾ محمد داؤد پسروری نے اٹھائیس واسطے تحریر کیے ہیں ﴿۳۵﴾ سید زوار حسین شاہ نے ستائیس وسائط تحریر کیے ہیں ﴿۳۶﴾ لیکن شاہ ابوالحسن زید فاروقی کی تحقیق ہی معمولی اختلاف کے ساتھ درست

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) Sirhind was not only the centre for Mujaddidis but an important commercial town with large number of artisans and a high degree of affluence. (Shah Wali Allah and his times. P.118)

﴿۳۰﴾ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، نولکشور ۱۳۰۷ھ ص ۱۲۷

﴿۳۱﴾ زید فاروقی، شاہ ابوالحسن، مقامات خیر، درگاہ شاہ ابوالخیر مارگ دہلی ۴، ص ۲۶ تا ۳۳

﴿۳۲﴾ ابن قتیبہ نے حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک بیٹے کا نام عاصم لکھا ہے۔ لیکن اس کے بعد عاصم کا حفص نامی کوئی بیٹا نہیں۔ اس لئے ابن قتیبہ کا موقف درست نہیں۔ ابن قتیبہ، المعارف، دارالمعارف' قاہرہ ص ۱۸۶

﴿۳۳﴾ ابن حزم، ابی محمد بن احمد بن سعید الاندلسی، جمہرۃ انساب العرب، دارالمعارف' مصر ۱۹۶۲ء ص ۱۵۵/ مصعب زبیری، نسب قریش، دارالمعارف' مصر ۱۹۵۳ء ص ۱۶۳
نسب نامہ میں اس تصحیح کی تائید جناب پروفیسر اقبال مجددی کی تحقیق سے بھی ہوئی جو مقامات معصومی/ لطائف المدینہ میں منظر عام پر آئی۔
مقامات معصومی جلد ۴، ص: ۸
لطائف المدینہ، ص: ۸۴

﴿۳۴﴾ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۶ ص ۴۳

﴿۳۵﴾ پسروری، محمد داؤد، سیرت امام ربانی، ایچ۔ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۹ھ ص ۲۱

﴿۳۶﴾ زوار حسین، سید، حضرت مجدد الف ثانی، ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۸۹ء ص ۳۰

ہے۔﴿۳۷﴾

شجرہ نسب یوں ہے:

۱۔	شیخ احمد سرہندی	۲۔	مخدوم عبدالاحد﴿۳۸﴾
۳۔	خواجہ زین العابدین	۴۔	خواجہ عبدالحی
۵۔	شیخ محمد	۶۔	شیخ حبیب اللہ
۷۔	شیخ امام رفیع الدین	۸۔	خواجہ نور الدین
۹۔	نصیر الدین	۱۰	خواجہ سلیمان
۱۱۔	خواجہ یوسف	۱۲۔	خواجہ اسحاق
۱۳۔	خواجہ عبداللہ	۱۴۔	خواجہ شعیب﴿۳۹﴾
۱۵۔	خواجہ احمد	۱۶۔	خواجہ یوسف
۱۷۔	خواجہ شہاب الدین علی فرخ شاہ﴿۴۰﴾	۱۸۔	خواجہ نصیر الدین
۱۹۔	خواجہ محمود	۲۰۔	خواجہ سلیمان
۲۱۔	خواجہ مسعود	۲۲۔	خواجہ عبداللہ الواعظ الاکبر

﴿۳۷﴾ زید فاروقی، شاہ ابوالحسن، مقامات خیر، درگاہ شاہ ابوالخیر دہلی ص ۳۳

زید فاروقی، شاہ ابوالحسن علیہ الرحمۃ نے مختلف کتبِ انساب میں درج نسب ناموں کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد نتیجہ اخذ کیا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر محققین مثلاً شاہ محمد حسین مجددی، محمود احمد عباسی اور احمد حسین خان کی تحقیق بھی یہی ہے۔﴿ندوی، ابوالحسن، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات اسلام کراچی حصہ چہارم، ص ۱۲۸﴾

فاروقی نسب کے ناموں میں التباس کے رفع کیلئے دیکھیے:

تھانوی، اشرف علی، بوادر النوادر، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۵ء ص ۳۴۵ تا ۳۴۸/ سید مسلم نظامی، انوار الفرید، صوفیہ دار الاشاعت پاکپتن ص ۲۸ تا ۳۱

﴿۳۸﴾ احوال حیات کیلئے دیکھیے: کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص ۸۹ تا ۹۱

﴿۳۹﴾ آپ ۴۵۷ھ میں ملتان آئے: نظامی، سید مسلم نظامی، انوار الفرید، صوفیہ دار الاشاعت پاکپتن ص ۳۴

﴿۴۰﴾ آپ کابل کے بادشاہ تھے یا نہیں اس کے لئے دیکھیے: نظامی، سید مسلم نظامی، انوار الفرید، ص ۳۲، ۳۳

۲۳۔ خواجہ عبداللہ الواعظ الاصغر ۲۴۔ خواجہ ابوالفتح

۲۵۔ خواجہ اسحاق ۲۶۔ خواجہ ابراہیم

۲۷۔ خواجہ ناصر ۲۸۔ خواجہ عبداللہ ﴿۴۱﴾

۲۹۔ حضرت عمر ۳۰۔ حضرت حفص ﴿۴۲﴾

۳۱۔ حضرت عاصم ﴿۴۳﴾ ۳۲۔ حضرت عمر الفاروق

رضی اللہ عنہم اجمعین ﴿۴۴﴾

خود حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں اپنے فاروقی النسب ہونے کی صراحت کی ہے ﴿۴۵﴾ اسی طرح اپنے رسالہ ردِ روافض میں لکھتے ہیں:

''علمائے اہلسنت کا خادم احمد بن عبدالاحد العمری الفاروقی بروئے نسب'' ﴿۴۶﴾

تحصیل علم:

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ایک دینی، علمی اور روحانی خانوادہ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد شیخ عبدالاحد بھی صاحبِ علم اور متبع کتاب و سنت تھے۔ حضرت شیخ اور آپ کے خاندان کے علمی مقام کو جاننے کیلئے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ گواہی کافی ہے:

''حضرت شیخ احمد نام مردیست ز سرہند کثیر العلم وقوی العمل۔ ایں شیخ برادران واقرباء دارد ہمہ

﴿۴۱﴾ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، دارالکتب العلمیہ 'لبنان جلد ۱۰ ص ۱۹/ ابن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب، نشر السنۃ لاہور ج ۵ ص ۲۸۵

﴿۴۲﴾ امام بخاری، محمد اسماعیل، التاریخ الکبیر، دارالباز للنشر والتوزیع' مکہ جلد ۲ ص ۳۵۹/ ابن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۲۴۶

﴿۴۳﴾ ابن حجر العسقلانی، احمد، تہذیب التہذیب، نشر السنۃ لاہور ج ۵ ص ۴۶

﴿۴۴﴾ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات پر لکھی گئی کتب اور مقالات کیلئے دیکھئے: نوروز خاں، فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد جلد ۳۳ شمارہ ۴ اپریل' جون ۱۹۹۶ ص ۸۳ تا ۱۰۵

﴿۴۵﴾ مکتوبات، امام ربانی دفتر اول مکتوب ۱۵۰/ دفتر دوم مکتوب ۱۵

﴿۴۶﴾ شیخ احمد سرہندی، ردروافض، دارالمبلغین حضرت میاں صاحب شرقپوری' شیخوپورہ ص ۵

مردم صالح و از طبقہ علما'' ﴿۴۷﴾

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اوائل عمر میں ہی قرآن حفظ کرلیا تھا۔ اکثر علوم اپنے والدِ گرامی سے پڑھے۔ حضرت شیخ عبدالاحد کی خصوصی توجہ کی بدولت آپ نہایت دقیق مسائل کو بآسانی حل کرلیا کرتے تھے۔ تفسیر و حدیث اور علومِ عقلیہ کی تکمیل کیلئے فحول و کبار علمائے کرام سے رجوع کیا۔ سیالکوٹ میں مولانا کمال الدین کشمیری سے بعض مشکل کتابیں عضدی ﴿۴۸﴾ وغیرہ پڑھیں۔ شیخ یعقوب کشمیری ﴿۴۸۔الف﴾ سے بعض کتبِ احادیث پڑھیں اور سند لی۔ قاضی بہلول بدخشی سے آپ نے یہ کتابیں پڑھیں:

۱۔ تفسیر واحدی اور دیگر مؤلفات واحدی جیسے تفسیر وسط، تفسیر بسیط، اسباب النزول

۲۔ تفسیر بیضاوی اور دیگر مؤلفات بیضاوی جیسے منہاج الوصول، الغایۃ القصویٰ

۳۔ صحیح بخاری اور دیگر مؤلفات امام بخاری جیسے ثلاثیات، الادب المفرد، افعال العباد، تاریخ

۴۔ مشکوٰۃ

۵۔ شمائل ترمذی

۶۔ جامع صغیر سیوطی

۷۔ قصیدہ بردہ

قاضی بہلول بدخشی علیہ الرحمۃ نے حدیثِ مسلسل ﴿۴۹﴾ ارحموا من فی الأرض یرحمکم من فی السماء ﴿۴۹۔الف﴾ کے ساتھ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو مشکوٰۃ

﴿۴۷﴾ باقی باللہ، خواجہ، مکتوبات، قلمی ﴿عکس﴾ مخزونہ کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم پیپلز کالونی فیصل آباد، ورق ۵۹

﴿۴۸﴾ عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد ابن عبدالغفار الکبری القاضی عضدالدین الایجی متوفی ۷۵۶ھ کی علم العقائد پر کتاب ہے۔ جسکا نام الکواشف فی شرح المواقف ہے۔

﴿۴۸۔الف﴾ شیخ یعقوب کشمیری کے احوالِ حیات اور تالیفات کے لیے ملاحظہ فرمائیں راقم کی کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور معارف حدیث''

﴿۴۹﴾ وہ روایت جسکی اسناد کے رجال کا ایک حالت یا صفت میں تتابع ہو، کبھی راویوں کے لحاظ سے اور کبھی روایت کے لحاظ سے۔

﴿۴۹۔الف﴾ اس حدیث کیلئے ملاحظہ فرمائیے:

المصابیح ﴿۵۰﴾ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ الشیخ عبدالرشید ملتانی اور قطب الدین النہروالی المکی بھی آپ کے اساتذہ سے ہیں۔ (التمہید لتعریف ائمۃ التجدید)

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو حصول علم کا شوق اس قدر تھا کہ سترہ سال کی عمر میں ﴿یا اکیس سال﴾ تمام مروّجہ علوم سے فارغ ہو گئے۔ ﴿۵۱﴾

درس وتدریس

حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ ۹۸۸ھ/۱۵۸۰ء کے لگ بھگ تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو والدِ ماجد کے پاس ہی درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ مختلف ممالک سے صدہا طلبہ جوق در جوق آنا شروع ہو گئے۔ رات دن درس و تدریس کا مشغلہ جاری رہتا۔ حلقۂ تفسیر و حدیث گرم رہتا۔ آپ طلبہ کو تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری، مشکوٰۃ، ہدایہ، بزدوی، شرح المواقف، بیضاوی، حاشیہ عضدی اور عوارف المعارف وغیرہ جیسی کتابوں کا درس دیتے۔ نیز علم قرأت کا بھی ذوق تھا۔ آپ طلبہ کو محنت شاقہ سے پڑھاتے۔ صاحبزادگان اور بعض خلفاء نے بھی آپ سے پڑھا۔

ولی الدین تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۳۶۸ھ ص۴۲۳/امام ترمذی، الجامع الصحیح، داراحیاء التراث العربی جلد چہارم ص۳۲۴، رقم ۱۹۲۴ آپ نے اسے صحیح حسن کہا۔ الحاکم، امام ابی عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، دارالمعرفۃ لبنان جلد چہارم ص۲۴۸ امام حاکم اور امام ذہبی نے اسے صحیح کہا/ علاؤالدین، علامہ، کنز العمال، موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۵ ص۱۶۴، رقم ۵۹۷۵/مناوی، عبدالرؤف، فیض القدیر، دارالمعرفۃ بیروت جلد اول ص۴۷۳/بیہقی، ابی بکر بن الحسین، السنن الکبریٰ مع الجواہر النقی، نشر السنۃ ملتان جلد نہم ص۴۱

﴿۵۰﴾ آپ کی اسانید حدیث اور ان کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''حضرت مجدد الف ثانی اور معارف حدیث''

﴿۵۱﴾ ان تفاصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے:
کشمی محمد ہاشم، زبدۃ المقامات فارسی، نولکشور ۱۳۰۷ھ ص ۱۲۸ تا ۱۳۰/ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس اردو، مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۴۰۳ھ جلد دوم ص ۲۷/محمد احسان، خواجہ، روضۃ القیومیہ اردو، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۹۶ جلد اول ص ۱۲۳۔۱۲۴

اس زمانہ میں آگرہ (اکبر آباد) سرزمینِ ہندوستان کا دارالسلطنت تھا۔ اس لئے مختلف علوم و فنون کے علماء و فضلاء کا وہاں پر اجتماع رہتا۔ حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ وہاں بائیس تیئس سال کی عمر میں ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء میں تشریف لے گئے تو اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کیلئے تشنگانِ علم ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ آپ کے تبحر، کمالِ علمی کو دیکھ کر بڑے بڑے علماء حیران و ششدر رہ گئے۔ عوام و خواص، مشائخ، علماء و فضلاء گروہ در گروہ آپ کے درس میں شریک ہونے لگے اور آپ سے حدیث و تفسیر کی کتابوں کی سند لینے کو فخر و سعادت سمجھنے لگے۔

یہیں آپ کی ملاقات ابوالفضل اور فیضی سے ہوئی۔ یہ دونوں بھائی آپ کا بہت احترام کرتے۔ اور آپ کی غیر معمولی قابلیت اور ذہانت و ذکاوت سے بہت متاثر ہوئے (۵۲) اس ملاقات اور میل جول سے آپ کو ان کے نقطۂ نظر اور ذہن و فکر کو براہِ راست جاننے اور سمجھنے کا موقع ملا۔ اس طرح آپ نے اس زمانے کے اصل فتنوں کے مبداء و منشاء کا پتا چلایا اور ان حربوں سے آگاہی حاصل کی جنکی مدد سے ابوالفضل اور فیضی اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کر رہے تھے۔ آگرہ میں قیام کا یہ بھی فائدہ ہوا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے علم و فضل کا سکہ عوام و خواص کے علاوہ اراکینِ سلطنت کے دلوں پر بھی بیٹھتا چلا گیا اور آپ حد درجہ مقبول اور معزز و مکرم ہو گئے۔ درحقیقت یہ آپ سے لئے جانیوالے کارِ عظیم کے ابتدائی تعارفی مراحل تھے۔

آگرہ سے واپسی اور شادی:

آگرہ میں طویل قیام کے دوران آپ کے والدِ ماجد باوجود کبر سنی اور بُعدِ مسافت کے آگرہ تشریف لے گئے۔ حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ نے آپ کے ساتھ ہی سرہند مراجعت فرمائی۔ دہلی و سرہند کے درمیان واقع شہر تھانیسر سے آپ کا گزر ہوا تو وہاں کے رئیس شیخ حاجی سلطان نے خواب میں نبی کریم ﷺ کے اشارے پر اپنی صاحبزادی کی شادی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ سے کر دی۔ والدِ ماجد کے وصال کے بعد آپ دو تین مرتبہ پھر آگرہ تشریف لے گئے۔ ﴿۵۳﴾

﴿۵۲﴾ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، ص ۱۳۲

﴿۵۳﴾ محمد احسان مجددی، خواجہ، روضۃ القیومیہ اردو، ص ۱۲۶۔۱۳۴/ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، ص ۱۱۳ تا ۱۳۱/ محمد حسن، حالات مشائخ نقشبندیہ، اللہ والے کی قومی دوکان، لاہور ص ۱۸۴

سلوک کی تربیت و تکمیل:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت شیخ عبدالباقی باللہ دہلوی (م:۱۰۱۲ھ) رحمۃ اللہ سے، سلسلہ قادریہ میں شاہ سکندر کیتھلی (م۱۰۲۳ھ) علیہ الرحمۃ اور سلسلہ صابریہ چشتیہ میں حضرت مخدوم عبدالاحد (م۱۰۰۷ھ) علیہ الرحمۃ سے نسبتِ ارادت تھی۔ ﴿۵۴﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ خود تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے آنحضرت ﷺ سے کئی واسطوں سے ارادت ہے۔ طریقہ نقشبندیہ میں اکیس، قادریہ میں پچیس اور طریقۂ چشتیہ میں ستائیس واسطوں سے۔ ﴿۵۵﴾

آپ نے پانچ مرشدوں سے فیض پایا۔ اپنے والدِ گرامی سے پندرہ سلسلوں میں خلافت حاصل کی ﴿۵۶﴾ آپ کے سلوک کی تکمیل حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ نے کی۔ ۱۷ رجب ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۹ء کو حضرت مخدوم عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد دوسرے سال آپ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مولانا حسن کشمیری کے ایماپر حضرت خواجہ باقی باللہ ﴿۵۷﴾ سے ملاقات کی اور پھر ہمیشہ اسی در کے ہو رہے۔ ربیع الثانی ۱۰۰۸ھ میں بیعت سے سرفراز ہوئے۔ ڈھائی ماہ میں فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر

﴿۵۴﴾ غلام سرور، مفتی لاہوری، خزینۃ الاصفیا، مکتبہ نبویہ لاہور' ۱۹۹۴ء، مترجم ﴿محمد ظہیر الدین بھٹی﴾ جلد۳ ص۱۵۲

﴿۵۵﴾ حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، جلد سوم مکتوب ۸۷

﴿۵۶﴾ محمد داؤد پسروری، سیرت امام ربانی، ایچ ایم سعید کمپنی' کراچی ۱۴۰۹ھ ص۱۸۶ تا ۱۹۳

﴿۵۷﴾ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ نسبتاً خلیجی ترک تھے۔ ۹۷۱ یا ۹۷۲ میں کابل میں آپ کی ولادت ہوئی۔ مولانا محمد صادق حلوائی سے تلمذ اختیار کیا اور انہیں کے ساتھ ماوراء النہر کا سفر کیا۔ خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے ہندوستان تشریف لائے۔ دہلی میں ۱۰۱۲ھ میں چالیس سال چار ماہ کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ کے دو صاحبزادے' خواجہ عبیداللہ المعروف بہ خواجہ کلاں اور خواجہ عبداللہ المعروف خواجہ خورد تھے۔ خلفاء میں شیخ تاج الدین سنبھلی' خواجہ حسام الدین' شیخ عبدالحق اور حضرت مجدد الف ثانی معروف ہیں۔ مکاتیب امام ربانی میں دفتر اول کے مکتوب ۱ تا ۲۰ خواجہ باقی باللہ کے نام ہیں۔ لکھنوی' عبدالحی' نزہتہ/ النحواطر' طیب اکادمی ملتان' ۱۹۹۲ جلد۵ ص۲۱۴ تا ۲۱۸/ کشمی' محمد ہاشم' زبدۃ المقامات' نولکشور ۱۳۰۷' ص ۵ تا ۶۰/ سرہندی' بدرالدین' حضرات القدس مترجم محمد اشرف' مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ' ۱۴۰۱ھ جلد اول ص ۲۵۶ تا ۳۱۳

اور سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت حاصل کرنے کے بعد لاہور تشریف لائے۔ دوسری مرتبہ ماہ رمضان ۱۰۰۹ھ کے پہلے عشرے میں حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا۔ ماہ ذیقعدہ کے آخر تک وہاں قیام کیا۔ رخصت ہوتے وقت حضرت خواجہ نے آپ کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں ﴿۵۸﴾ تیسری مرتبہ حضرت باقی باللہ علیہ الرحمۃ کا اشتیاق آمیز خط ملنے کے بعد ۱۰۱۲ھ کے اوائل میں دہلی روانہ ہوئے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کا استقبال کیا۔ بشارات دیں اور آپ کو اپنے حلقہ توجہ میں سرحلقہ بنایا۔ ﴿۵۹﴾

لاہور میں قیام:

اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آخری ملاقات کے بعد آپ دہلی سے سرہند واپس تشریف لائے اور وہاں سے پھر لاہور جاکر خواص وعوام اور علماء وفضلاء کو فیوضِ ظاہری اور انوارِ باطنی سے نوازا۔ وہیں حضرت مولانا جمال الدین تلوی اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی آپ کے حلقۂ بیعت وارادت میں داخل ہوئے۔ ﴿۶۰﴾ لاہور میں ہی مولانا طاہر، مولانا حاجی محمد، خواجہ فرخ حسین اور میر نصیر احمد رومی سے ملاقات ہوئی۔ وہیں آپ کو اپنے پیرومرشد کے وصال کی خبر ملی۔ اس خبر جانکاہ کے ملتے ہی آپ دہلی روانہ ہوئے۔ خواجہ کے صاحبزادگان واصحابِ سے تعزیت کی۔ اس خانقاہ میں کچھ عرصہ رہ کر آپ نے تربیت وتزکیۂ باطنی کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے مرشد کے دور کی رونق دوبالا کردی۔ مگر آخر کار سرہند تشریف لے آئے۔ ﴿۶۱﴾ اسے اپنا مرکزِ رشد وہدایت بنایا اور تعلیم وتلقین اور طالبان کی تربیت میں ہمہ تن مشغول ہوگئے۔

﴿۵۸﴾ باقی باللہ، خواجہ، مکتوبات، مخزونہ کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم، پیپلز کالونی، فیصل آباد ورق: ۱۰۳

﴿۵۹﴾ حضرت مجدد نے ان تینوں ملاقاتوں کا ذکر اپنے ایک مکتوب میں کیا ہے۔ اور آخری ملاقات کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ مجددالف ثانی، مکتوبات، دفتر اول مکتوب ۲۶۶ سیر وسلوک کی تفصیلات کیلئے:
بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ ۱۴۰۳ھ جلد دوم ص ۲۸ تا ۳۷/ مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، سیرت امام ربانی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۶ء ص ۵۸ تا ۸۲

﴿۶۰﴾ قیام لاہور کی تفصیلات درج ذیل کتب میں موجود ہیں:
محمد احسان سرہندی، روضۃ القیومیہ، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۹۶ء جلد اول ص ۲۰۵ تا ۲۱۰/ کشمی محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، نولکشور ۱۳۰۷ھ ص ۱۵۶ تا ۱۵۸/ جواہر مجددیہ، احمد حسین، خواجہ، ملک چنن الدین تاجر کتب لاہور ص ۳۱-۳۲

﴿۶۱﴾ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجددالف ثانی، ص ۸۱-۸۲

قلعہ گوالیار کی اسیری:

جہانگیر نے حضرت مجدّد کے ایک مکتوب ﴿۶۲﴾ سیاسی مصالح اور شیعوں کی ریشہ دوانیوں ﴿۶۳﴾ اور بادشاہ کو سجدۂ تعظیمی نہ کرنے ﴿۶۴﴾ کی بنا پر اپنے تخت نشینی کے چودھویں سال ﴿۶۵﴾ گوالیار کے قلعہ میں انی رائے سنگھ کے حوالے کیا تاکہ وہ آپ کو قید میں رکھے۔ حویلی' سرائے' باغ' کتب خانہ اور دیگر اشیاء کو بھی تحویل میں لے لیا گیا ﴿۶۶﴾ یہ سلسلۂ قید و بند ۱۰۲۹ھ ﴿۶۷﴾ کو اختتام پذیر ہوا لیکن لشکرِ شاہی کے ساتھ رہنے کی پابندی ۱۰۲۹ھ سے ۱۰۳۳ھ تک رہی۔ ﴿۶۸﴾

قید کا یہ دور حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کے عروج مدارج کا ایسا زمانہ تھا جس میں آپ نے قبض وبسط اور جفا و بلاء کے مراحل سے گزر کر سیر الی اللہ کی منازل طے فرمائیں۔ سنتِ یوسفی ادا کرتے ہوئے قید خانہ میں بھی دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ اس عمل نے مسلم رائے عامہ کو بیدار کیا۔ شعائرِ اسلامی کی عظمت و تحفظ کا احساس درباریوں اور عوام الناس کے دلوں میں پیدا کیا۔ اسی احساس و شعور کی وجہ سے حکمرانوں کو اپنی پالیسی بدلنا پڑی۔

وصال:

آپ نے ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء بروز منگل صبح کے وقت (دن کے تین گھنٹے گذارنے کے بعد) ﴿۶۹﴾ جانِ عزیز' جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ عمر مبارک قمری حساب سے باسٹھ سال چار ماہ چودہ دن

﴿۶۲﴾ مکتوبات امام ربانی: دفتر اول مکتوب: ۱۱

یہ خط آپ نے اس واقعہ سے ۱۸/ ۱۹ سال قبل حضرت خواجہ باقی باللہ کو لکھا تھا۔

﴿۶۳﴾ آرنلڈ، ڈاکٹر تھامس، دی پریچنگ آف اسلام، مسعود پبلشنگ ہاؤس کراچی ۱۹۶۴ مترجم محمد عنایت اللہ دہلوی ص ۳۱۹

﴿۶۴﴾ محمد امین بدخشی، مناقب الحضرت، قلمی ﴿عکس﴾ کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم فیصل آباد

﴿۶۵﴾ جہانگیر، نورالدین، تزک جہانگیری، ص ۳۱۸

﴿۶۶﴾ مکتوبات امام ربانی: دفتر سوم مکتوب: ۳

﴿۶۷﴾ جہانگیر، نورالدین، تزک جہانگیری، ص ۳۴۳

﴿۶۸﴾ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، ص ۱۹۵

﴿۶۹﴾ مطالی' ڈاکٹر بابر بیگ' مکتوبات مجدد الف ثانی' تخریج احادیث' مقالہ پی ایچ ڈی ﴿پنجاب یونیورسٹی لاہور﴾ جلد اول ص ۴۶-۴۷

تین گھنٹے تھی۔ خواجہ محمد سعید علیہ الرحمۃ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مزارِ فیض آثار سرہند میں مرجعِ خاص و عام ہے۔﴿۷۰﴾

اولاد:

حضرت مجدّد کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف) فرزندان:

۱۔	خواجہ محمد صادق	م ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء
۲۔	خواجہ محمد سعید	م ۱۰۷۰ھ/ ۱۶۵۰ء
۳۔	خواجہ محمد معصوم	م ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۵۹ء
۴۔	خواجہ محمد فرخ	م ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء
۵۔	خواجہ محمد عیسیٰ	م ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء
۶۔	خواجہ محمد اشرف	
۷۔	خواجہ محمد یحیٰ	م ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۴ء

ان میں صرف چار صاحبِ اولاد تھے اور باقی تین خواجہ محمد عیسیٰ، خواجہ محمد فرخ اور خواجہ محمد اشرف زمانۂ طفولیت ہی میں رحلت کر گئے۔

(ب) دختران:

۱۔ بی بی رقیہ بانو

۲۔ بی بی خدیجہ بانو

۳۔ بی بی ام کلثوم

بی بی ام کلثوم اور خدیجہ بانو صاحبِ اولاد تھیں۔ بی بی رقیہ بانو کا بچپن میں انتقال ہو

﴿۷۰﴾ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے سانحۂ ارتحال اور اس سے پہلے کے تفصیلی احوال کیلئے ملاحظہ فرمایئے: بدر الدین سرہندی، وصال احمدی، اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ

گیا تھا۔﴿۷۱﴾

خلفائے کبار:

آپ کے خلفاء کے ناموں کا احصاء ممکن نہیں بعض نے ان کی تعداد پانچ ہزار بتائی ہے۔سید زوار حسین شاہ نے ان کی اجمالی فہرست دی ہے۔﴿۷۲﴾ آپ کے درج ذیل مشہور خلفاء ہیں:

صاحبزادہ خواجہ محمد صادق' حضرت خواجہ محمد سعید' صاحبزادہ خواجہ محمد معصوم' میر محمد نعمان' شیخ حمید بنگالی' شیخ محمد طاہر لاہوری' حضرت آدم بنوری' محمد اشرف کابلی' مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی

عادات ومعمولات:

جب حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ دوسری مرتبہ سرہند آئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''صبح کی نماز سے لیکر اشراق تک جائے نماز پر بیٹھے رہنا لیکن حلقہ نہ کرنا اسکے بعد دینی علوم کے درس دینا۔ اکثر اوقات تصحیح کتب اور مطالعہ درپیش رکھنا اور تہجد سے لیکر صبح کی نماز تک بالکل خاموش رہنا۔﴿۷۳﴾

آپ کے اوراد و وظائف ادعیۂ ماثورہ پر مشتمل ہیں۔علاوہ ازیں درودِ پاک بکثرت پڑھتے۔ آپ کے تمام معمولات سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق تھے۔آپ کے خلیفہ محمد صالح کلابی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اوراد و وظائف اور معمولات تحریر کرنے کی اجازت مانگی اور عرض کی:

﴿۷۱﴾ اولاد کے تفصیلی حالات کیلئے:
کشمی،محمد ہاشم، زبدۃ المقامات،ص ۳۰۰ تا ۳۲۶/محمد احسان، خواجہ، روضۃ القیومیہ، جلد اول ص ۴۵۴ تا ۴۷۱/ بدرالدین سرہندی، حضرات القدس، جلد۲ص ۲۳۹ تا ۳۱۹/خواجہ محمد حسن، انساب الانجاب، مشہور عالم پریس لاہور

﴿۷۲﴾ حضرت مجددالف ثانی، زوار حسین، سید، ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۸۹ء ص ۷۲۴ تا ۸۸۰ خلفاء کی مکمل تفصیل کیلئے دیکھئے:
بدرالدین سرہندی، خواجہ، جلد۲ص ۳۲۰ تا ۴۱۹/ محمد احسان ،خواجہ، روضۃ القیومیہ، جلد اول ص ۵۰۹ تا ۵۴۲/کشمی محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، نولکشور ۱۳۰۷ھ ص ۳۲۶ تا آخر

﴿۷۳﴾ باقی باللہ، حضرت خواجہ، مکتوبات ﴿قلمی﴾ مخزونہ کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم فیصل آباد' ورق:۱۰۳

"جناب کا عمل سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موافق ہے۔ پس بہتر اور مناسب یہی ہے کہ جناب کا ہی عمل اختیار کریں" آپ نے فرمایا: "بہتر ہے ایسا ہی کرلو۔ لیکن اس بات کا ضرور لحاظ رکھنا کہ جو قول اور فعل سنتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہو اسی پر عمل کرنا اور دوسرے پر عمل نہ کرنا"۔ ﴿۷۴﴾

دوسرے مقام پر خواجہ صالح کلابی لکھتے ہیں:

"جس کام میں سرورِ کائنات ﷺ کی پیروی پائی جاتی ہو اسے کرنے کے آپ بہت مشتاق ہیں اور بہت احتیاط کرتے ہیں کہ سنت پر کسی فعل کی زیادتی نہ ہو جائے۔" ﴿۷۵﴾

صالح کلابی کے علاوہ خواجہ ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ ۔﴿۷۶﴾ جو آخری تین سال آپ کے ساتھ رہے اور خواجہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ نے آپ کی عادات و معمولات کی تفصیلات بیان کی ہیں ﴿۷۷﴾ جو مختصراً درج ذیل ہیں:

آپ نصف شب کے بعد بیدار ہو کر اس وقت کی مسنون دعائیں پڑھتے پھر استنجاء کے بعد وضو کے لیے جاتے قبلہ رو بیٹھتے اور کسی کی مدد نہ لیتے۔ کلی کے وقت مسواک استعمال کرتے۔ وضو کے بعد اعضاء کو کپڑے سے نہ پونچھتے۔ اس کے بعد نفیس لباس زیبِ تن فرماتے۔ پورے تحمل اور وقار کے ساتھ نماز کیلئے تیار ہوتے۔ پہلے دو رکعت مختصر پڑھتے۔ پھر طویل قراءت کے ساتھ تہجد کی نماز کو ادا کرتے۔ غالباً دو تین جزء قرآن کے پڑھتے۔ کبھی محویت کے عالم میں نصف شب سے صبح تک ایک ہی رکعت ہوتی تھی۔ جب خادم عرض کرتا کہ صبح ہو رہی ہے تو دوسری رکعت مختصر ادا فرماتے اور سلام پھیر دیتے۔ اکثر اوقات بارہ رکعتیں یا کم و بیش بلحاظِ وقت ادا فرماتے اور ہر دوگانہ کے بعد خشوع و خضوع کے ساتھ مراقبہ اور استغراق میں مشغول ہوتے اور فراغت کے بعد ایک سو مرتبہ استغفار، دوسری دعائیں اور درود شریف پڑھتے اور صبح تک مراقبہ فرماتے یا کلمۂ طیبہ کے ذکر میں مشغول ہوتے۔ صبح سے پہلے سنت مبارکہ کے مطابق تھوڑی دیر کے لئے سوتے۔ صبح سے قبل بیدار ہو کر تازہ وضو کرتے اور گھر میں سنت ادا کرتے اس کے بعد فجر کے فرض

﴿۷۴﴾ کلابی، محمد صالح، ہدایت الطالبین، تاجران کتب قومی لاہور ص ۲

﴿۷۵﴾ ایضاً

﴿۷۶﴾ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص ۱۹۲ تا ۲۱۵

﴿۷۷﴾ بدرالدین، خواجہ، حضرات القدس، جلد دوم ص ۸۷ تا ۹۵

مسجد میں جماعت کثیرہ کے ساتھ اول روشنی میں اور تاریکی کے آخر میں ادا فرماتے تھے۔ اور امامت خود کرتے تھے اور طویل سورتیں (طوال مفصل) ﴿۷۸﴾ پڑھا کرتے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد مسنون دعائیں پڑھتے اور بجانب جماعت داہنی یا بائیں طرف مڑ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے پھر اپنے اصحاب کے ساتھ حلقۂ ذکر بنا کر بیٹھتے اور شغلِ باطن میں مشغول رہتے۔ یہاں تک کہ سورج ایک نیزہ کے برابر اونچا ہو جاتا۔ حلقے کے ضمن میں کبھی حافظ سے بھی قرآن سنتے تھے۔ نماز اشراق دو رکعت طویل قراءت کے ساتھ اور دو رکعت خفیف کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ جب ضحوۂ کبریٰ ﴿۷۹﴾ ختم ہو جاتا تو چاشت کی آٹھ رکعت ادا فرماتے۔ بعض اوقات چار رکعت بھی پڑھ لیتے پھر عزیزوں اور خادموں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اس دوران بھی طریقِ نبوی ﷺ کو پیش نظر رکھتے۔ کھانے کے بعد مسنون دعائیں پڑھتے۔

اول وقت میں ظہر کی نماز ادا فرماتے۔ امامت کا فریضہ خود انجام دیتے۔ فرض ادا کرنے کے بعد صرف ''اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام'' پڑھ کر کھڑے ہو جاتے۔ افق کی سفیدی دور ہونے کے بعد مسجد میں نماز عشاء ادا فرماتے۔ سوتے وقت تسبیحات اور ماثورہ دعائیں پڑھتے اور اسطرح سوتے کہ چہرہ قبلہ کی طرف اور دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے ہوتا۔

رمضان کے آخری عشرے میں مسجد میں اعتکاف فرماتے اور ذی الحج کے عشرے میں گوشہ نشینی اختیار فرما لیتے۔ اس عشرے میں عبادات و اذکار کا خصوصی اہتمام فرماتے اور کثرت سے درود پڑھتے اور شب جمعہ مریدوں کے ساتھ ایک ہزار مرتبہ درود و سلام پڑھتے۔ ماہ رمضان میں بیس تراویح ادا فرماتے اور کم از کم تین قرآن ختم کرتے۔ تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے علاوہ نفل نماز با جماعت ادا نہ فرماتے اور تشہد میں انگلی سے اشارہ نہ فرماتے۔ آپ زیارتِ قبور کیلئے تشریف لے جاتے اور وہاں مسنون دعائیں

﴿۷۸﴾ مثانی کے بعد اور سورہ عم سے پہلے کی تمام سورتیں

﴿۷۹﴾ نہارِ شرعی (طلوع فجر سے غروب آفتاب) کا نصف ضحوۂ کبریٰ کا آغاز ہے اور نہار عرفی (طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک) کا نصف اسکا اختتام ہے۔ اصل فارسی نسخہ میں یہ عبارت اس طرح ہے جو درست معلوم نہیں ہوتی۔ ''بر سر اصل سخن رویم چوں ضحوۂ کبریٰ می شد، نماز چاشت راہشت رکعت ادا فی نمودند واحیا نابضر ورت، چہار رکعت می گذاردوند'' ﴿بدر الدین سرہندی، خواجہ، حضرات القدس، محکمہ اوقاف۔ پنجاب ۱۹۷۱ء ص ۸۳﴾

پڑھتے۔ آپ ہمیشہ طلبہ کو علم کی تحریص اور ترغیب دلایا کرتے تھے اور تحصیل علم کو تحصیلِ سلوکِ صوفیہ پر ترجیح دیتے۔ زکوٰۃ ادا کرنے کا آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی آمدنی اور نذر آتی تو آپ سال کے ختم ہونے کا انتظار نہ کرتے بلکہ اس رقم کے آتے ہی فوراً حساب کر کے زکوٰۃ ادا کر دیتے اور زکوٰۃ صالحین' بیواؤں' اقربا اور قابل رحم لوگوں کو دیتے۔ آپ خلق و تواضع' مخلوق پر شفقت اور تسلیم و رضا بدرجہ کمال رکھتے تھے۔ آپ کے عزیزوں کو ظالم حاکموں سے بہت تکالیف پہنچی تھیں مگر آپ کی تسلیم و رضا نے کبھی اس شکایت کا اظہار نہ ہونے دیا۔ جب کوئی بزرگ آپ سے ملنے آتے آپ فوراً تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے اور صدرِ مجلس میں انہیں جگہ دیتے اور ان کے درجے کے مطابق ان سے گفتگو فرماتے لیکن کافروں کی تعظیم ہرگز نہ فرماتے۔ آپ کا لباس یہ تھا کہ قمیص کے دونوں کاندھوں میں گریبان ہوتا تھا اور اسکے اوپر عبا پہنتے تھے۔ مگر گرمی میں صرف پیرہن پر اکتفا فرماتے اور دستار باندھنے میں سنت کے مطابق سر پر پیچ دیتے تھے۔ شملہ کو دونوں کاندھوں کے درمیان اپنی پشت پر لٹکاتے تھے۔ آپ کمر بند بھی باندھتے تھے۔ جمعہ اور عیدین میں اچھا لباس پہنتے تھے۔ کبھی نیا لباس پہنتے تو پہلے والا لباس کسی غریب' خادم یا مسافر کو دے دیتے۔ آپ کی خدمت میں پچاس ساٹھ بلکہ سو علماء' عرفاء' مشائخ' حفاظ' اشراف سادات میں سے ہوتے تھے جو آپ کے مطبخ سے کھانا کھاتے تھے۔

سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج:

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے نقشبندی ﴿۸۰﴾ سلسلے کو فکری اساس فراہم کی۔ آپ

﴿۸۰﴾ حضرت خواجہ سیّد بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ ﴿متوفی ۷۹۱ھ﴾ سے منسوب سلسلہ نقشبندیہ کہلاتا ہے۔ آپ کو نقشبندیہ کہنے کی متعدد وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ مثلاً

۱۔ آپ کا رسول کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنا۔

۲۔ آپ کے ہاں عمدہ کپڑے بُنے جاتے تھے۔ ان پر نقش و نگار نہایت عمدہ ہوتے۔ وہ مٹتے، نہ ماند پڑتے۔

۳۔ آپ جب کسی طالب کو ذکرِ قلبی کی تعلیم فرماتے تو اسکے قلب پر اللہ کا نقش بٹھا دیتے۔

برصغیر میں خواجہ باقی باللہ سے اس سلسلہ کا آغاز ہوا اور مجدد الف ثانی نے اسے اطراف و اکناف میں پھیلایا۔

سلسلہ نقشبندیہ کے محققین کے نزدیک اس سلسلہ میں فضلیت کی چار باتیں ہیں:

(الف) نسبتِ صدیقی (ب) اتباعِ رسول ﷺ

(ج) عزیمت (د) اندراج النہایۃ فی البدایۃ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی سعیِ جمیلہ سے یہ سلسلہ نقشبندیہ مجدّدیہ کے نام سے چار دانگ عالم میں پھیل گیا اور اب یہ سلسلہ ''نقشبندی مجدّدی'' کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔﴿۸۱﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس سلسلے میں سلوک و وصول کا دار و مدار درج ذیل چیزوں پر ہے:

۱۔صحبتِ شیخ ۲۔تصورِ شیخ ۳۔محبتِ شیخ ۴۔اوراد و اذکار ۵۔مراقبہ

حضرات نقشبندیہ نے اپنے طریقہ کی بنیاد گیارہ نکات پر رکھی ہے جو ذیل ہیں:

۱۔ہوش در دم	۲۔نظر بر قدم	۳۔سفر در وطن	۴۔خلوت در انجمن
۵۔یاد کرد	۶۔باز گشت	۷۔نگہداشت	۸۔یادداشت
۹۔وقوف زمانی	۱۰۔وقوف عددی	۱۱۔وقوف قلبی	

مآخذ

سیّد امین الدین احمد حکیم، صوفیہ نقشبند، مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۸۴ء ص ۱۳۶ تا ۱۴۳/ غلام سرور لاہوری مفتی، خزینۃ الاصفیاء، مترجم ظہیر الدین بھٹی، مکتبہ نبویہ لاہور جلد سوم ص ۶۰ تا ۶۵ [محمد پارسا، خواجہ، رسالہ قدسیہ/ محمد یعقوب چرخی، رسالہ السیمہ/ خواجہ علی عزیزاں، رسالہ عزیزاں/ خواجہ عبید اللہ احرار، انفاس نفیسہ] یہ چاروں رسائل ''مکتبہ نبویہ لاہور'' نے رسائل نقشبندیہ کے نام سے شائع کیے اور اقبال احمد فاروقی نے اردو ترجمہ کیا/ زید فاروقی، ابوالحسن، مناہج السیر، مترجم محمد نعیم اللہ، شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی ۱۹۸۳/ دوست محمد قریشی، کشف الحقیقۃ، مکتبہ اہل سنت کوٹ ادو، ۱۳۹۹ھ ص ۵۳ تا ۶۱/ شاہ ولی اللہ، شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل مترجم خرم علی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص ۸۸ تا ۱۹۹۔

Omar Ali Shah, The Rules or Secrets of the Naqshbani Order, Tractus Books, 1998

﴿۸۱﴾ نسبت صدیقی کے حامل اس سلسلہ کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے پہچانا جاتا رہا مثلاً

۱۔صدیقیہ

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیکر خواجہ بایزید بسطامی تک صدیقیہ۔

۲۔طیفوریہ

حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ سے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ تک یہ سلسلہ طیفوریہ کے نام سے یاد کیا گیا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت مجددؒ نے خود احیاء اسلام کی کوشش کی اور اس کے علاوہ ایک ایسا وسیع نظام قائم کر دیا جس سے آپ کے مقاصد کی تکمیل ہوئی آپ کے صدہا خلفاء تھے جو ہندوستان کے کونے کونے میں بلکہ ہندوستان سے باہر بھی آپ کی فکر کی اشاعت کر رہے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے فرزندانِ ارجمند نے آپ کا کام جاری رکھا۔ آج بھی آپ کے سلسلے کا فیض جاری ہے۔ ﴿۸۲﴾

سلسلہ نقشبندیہ میں اتباعِ شریعت، ترویجِ سنت پر خصوصی توجہ، عہد مغلیہ کے آخر میں سیاسی و دینی خدمات، تصوف میں ایک نئی فکر کی بنیاد اور اسکے حرکی ﴿۸۳﴾ ہونے کی بناء پر اسے شہرت نصیب ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ۳۔ خواجگانیہ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی علیہ الرحمۃ سے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ تک یہ سلسلہ مقدسہ ''سلسلہ خواجگانیہ''۔

۴۔ نقشبندیہ

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تک ''نقشبندیہ''

۵۔ مجددیہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے لیکر آج تک تصوف کی یہ نسبت ''سلسلہ مجددیہ'' کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

سلطانی، محمد کریم، قصرِ عارفاں۔ مکتبہ صبح نور، فیصل آباد ص ۴۴

مزید براں شاہ نقشبند کے خلیفہ علاؤالدین کے خلفاء سلسلہ علائیہ کے نام سے بھی مشہور ہوئے۔ خواجہ عبیداللہ احرار کے خلفاء کو احراریہ کہا جاتا۔ ﴿دفتر اول مکتوب ۲۹۰﴾ مجددی سلسلہ میں بھی بعض عالی استعداد کے حامل اولیاء کے نام سے سلسلے جاری ہوئے لیکن بنیادی پہچان ''مجددی'' رہی جیسے سید آدم بنوری رحمۃ اللہ کے طریقے کو ''احسنیہ'' کہا جاتا ہے خواجہ سلطان عالم میرپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء ''سلطانی'' کہلواتے ہیں۔ پیر جماعت علی شاہ لاثانی کے خلفاء کی پہچان لفظ ''لاثانی'' ہے اور پیر جماعت علی محدث علی پوری کے خلفاء ''جماعتی'' کہلواتے ہیں یہ اضافے سلسلۂ مجددیہ کے فروغ کے ساتھ ساتھ مشائخ کے ارادت مندوں نے کئے لیکن دوسرے سلاسل سے امتیاز کا حوالہ ''سلسلہ مجددیہ'' ہی ہے۔

﴿۸۲﴾ شیخ محمد اکرم، رودِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۷ء ص ۲۸۸

﴿۸۳﴾ علامہ اقبال نے سلسلہ نقشبندیہ کے حرکی Dynamic ہونے کا نظریہ پیش کیا ملاحظہ کیجئے: تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ

محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، ص ۳۶۴

مکتوباتِ امام ربانی بھی اس سلسلہ کے تعارف وفروغ کا اہم سبب بنے۔ خواجہ محمد احسان کے بقول عہدِ مجدّ د میں سلسلہ مجدّ دیہ کو خراسان، بدخشاں اور توران میں اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ وہاں کوئی شہر، گاؤں یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں یہ سلسلہ نہ پہنچا ہو۔ ﴿۸۴﴾

بنگال میں خواجہ حمید بنگالی، سندھ میں مخدوم ابوالقاسم کی کوششوں سے یہ سلسلہ پھیلتا چلا گیا۔ ﴿۸۵﴾

حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہم نے تو سلسلہ مجدّ دیہ کو تربیتِ روحانی کا عالمی مرکز بنا دیا۔ حضرت خالد کردی علیہ الرحمۃ ﴿۸۶﴾ جو شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے ہیں، ایک خط میں لکھتے ہیں:

''غریب ومجہور خالد کردی شہر زوری عرض کرتا ہے کہ یک قلم تمام مملکتِ روم وعربستان اور دیارِ حجاز وعراق وعجم کے بعض ملک اور سارا کردستان طریقہ عالیہ مجدّ دیہ کے جذبات وتاثرات سے سرشار ہے۔''

وسطی ایشیا کی ریاستوں میں روسی اثر ورسوخ کو زائل کرنے کیلئے قیادت کا فریضہ انجام دینے والے امام شامل ﴿۸۷﴾ بھی حضرت خالد کردی کے سلسلہ ارادت میں شامل تھے۔ جہاد افغانستان میں بھی

﴿۸۴﴾ محمد احسان، خواجہ، روضۃ القیومیہ، جلد اول ص ۲۳۱

﴿۸۵﴾ محمد اکرم، شیخ، رود کوثر، ص ۲۸۹، ۲۹۰

﴿۸۶﴾ حضرت خالد کردی علیہ الرحمۃ کے حالات کیلئے دیکھئے: شامی، محمد امین افندی، رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۹۷۶ء جلد دوم ص ۲۸۴ تا ۳۲۵/ الصاحب، اسعد بن محمود النقشبندی، الفیوضات الخالدیہ، بحوالہ معجم المؤلفین (عمر رضا کحالہ) جلد دوم ص ۲۴۸/ توکلی، نور بخش، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، نوری بکڈپو لاہور ۱۹۷۶ء ص ۳۰۴، ۳۰۵

﴿۸۷﴾ امام شامل کا بچپن میں نام علی تھا۔ آپ چیچنیا کے رہنے والے تھے۔ نقشبندیہ خالدیہ لوگوں کا اولین مقصد نفاذ شریعت تھا۔ چنانچہ امام شامل نے اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے بہت قوت صرف کی۔ آپ کا مقصد ان بدعتوں کا خاتمہ بھی تھا جو روسیوں کے ساتھ میل ملاپ کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ آپ نے سزاؤں کا نظام بھی متعارف کروایا۔

تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائیے:

ماہنامہ میثاق لاہور، ستمبر ۱۹۹۸ء ص ۷۱ تا ۸۰/ ماہنامہ صدائے مجاہد اسلام آباد، اگست ۱۹۹۵ء ص ۲۸ تا ۲۹۔

مجددی سلسلہ کے بزرگوں نے اہم کردار ادا کیا۔ جہاد کا پہلا اعلان پروفیسر صبغۃ اللہ مجددی کے دستخط سے جاری ہوا جو بارہویں پشت میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اسی طرح مجددی خاندان کے ۱۸۰ افراد جہادِ افغانستان میں شہید ہوئے۔ ﴿۸۸﴾

علامہ اقبال سلسلہ مجددیہ کی اشاعت کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''ان سے پہلے جتنے بھی سلسلہ ہائے تصوف رائج ہوئے وہ یا تو وسط ایشیاء یا سرزمینِ عرب سے آئے تھے مگر یہ صرف حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا طریق ہے جس نے ہندوستان کی حدود سے نکل کر باہر کا رخ کیا اور جواب بھی پنجاب' افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک بہت بڑی زندہ قوت کی شکل میں موجود ہے۔ ﴿۸۹﴾

نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کے فروغ کے بارے میں حضرت شاہ احمد سعید کے حالات کے ضمن میں پروفیسر اقبال مجددی لکھتے ہیں:

''ان کے خلفاء کے ناموں کے ساتھ وطنی نسبتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً پورے عالم اسلام سے ان کا رابطہ تھا۔'' ﴿۹۰﴾

عصر حاضر کے اس روحانی انحطاط میں قرآن و سنت سے ہم آہنگ اور فطرت انسانی سے قریب تر ہونے کی بناء پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ جیسے علاقے میں بھی مجددی سلسلہ مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ اس ضمن میں نقشبندیہ فاؤنڈیشن برائے اسلامی تعلیمات کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ ﴿۹۱﴾

﴿۸۸﴾ ۲۲ جولائی ۱۹۹۸ میں الحمراء ہال میں منعقدہ مجدد الف ثانی کانفرنس میں پروفیسر صبغۃ اللہ مجددی (سابق صدر افغانستان) نے راقم کو یہ باتیں بتائیں۔

﴿۸۹﴾ محمد اقبال، ڈاکٹر، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، بزم اقبال لاہور ۱۹۸۶ء مترجم سید نذیر نیازی ص ۲۹۸

﴿۹۰﴾ غلام علی دہلوی، شاہ، مقامات مظہری، اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۸۳ء ترجمہ و تحقیق اقبال مجددی ص ۶۴۱

﴿۹۱﴾ نقشبندیہ فاؤنڈیشن برائے اسلامی تعلیمات امریکہ میں میڈیکل کے شعبہ سے وابستہ ڈاکٹر احمد حسین مرزا نے قائم کی ہے۔ اسکے زیر اہتمام ایک رسالہ ''انوار الصوفیہ'' شائع کیا جا رہا ہے۔ اس رسالہ کیلئے نیویارک' ڈیوک یونیورسٹی' کیمرج یونیورسٹی اور دیگر امریکی و بین الاقوامی اداروں کے محققین کام کر رہے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس وقت دنیا میں اس سلسلہ کی ترویج و اشاعت کیلئے جو احباب سرگرم ہیں ان میں چند کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں: عصر حاضر میں چند نمایاں شخصیات جنہوں نے اس سلسلہ کے فروغ کے لیے کام کیا یا کررہے ہیں درج ذیل ہیں۔

خواجہ محمد صادق۔ میاں جمیل احمد شرقپوری۔ سعید احمد مجددی۔ ڈاکٹر غلام مصطفٰی۔ ڈاکٹر مسعود احمد۔ پروفیسر اقبال مجددی (پاکستان) ڈاکٹر احمد ایچ مرزا۔ شیخ محمد معصوم۔ کرسٹنا ڈیمیر۔ پروفیسر عبدالستار خان (امریکہ) ڈاکٹر اسد کوسان۔ الیشیق حلمی (ترکی) بہاء الدین بہاء (افغانستان) ڈاکٹر سرجیوک احمد (اٹلی) ڈاکٹر حامد الگر (ملائشیا) ضیاء الدین کردی ﴿مصر﴾، شیخ ہشام اکبانی، شیخ محمد ناظم عادل حقانی (قبرص)

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی ﴿۹۲﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ۱۹۹۷ء میں انٹرنیشنل میلاد کانفرنس منعقد کی گئی جس کا عنوان Islam in America and the role of Muslim Youth. تھا۔ اس کانفرنس میں مصر، کیمرج، کینیڈا، کیلی فورنیا، ہندوستان، پاکستان اور دیگر ممالک سے نامور سکالرز نے شرکت کی۔

نقشبندیہ فاؤنڈیشن کے مستقبل کے منصوبہ جات میں اسلامک ایجوکیشن وڈیوز چھوٹے بچوں کیلئے اسلامی سوشل سائنس کے حوالے سے کتابچے اور اسلامک ریسرچ ایجوکیشنل سنٹر شامل ہیں۔

ڈاکٹر احمد حسین مرزا کے خطوط بنام راقم ڈاکٹر احمد حسین مرزا کا انٹرویو نوائے وقت ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۷/ موصوف کا انگریزی مضمون نقشبندیہ فاؤنڈیشن فار اسلامک ایجوکیشن/ رسالہ انوار الصوفیہ اگست ۱۹۹۶ء

ترکی کے نقشبندی سلسلہ کے فروغ، اثر و رسوخ، اور اہمیت پر Serif Mardin نے سیر حاصل بحث کی ہے ملاحظہ فرمائیے:

Marty, Martin E. and Appleby, R.Scott, (editors) Fundamentalisms And the State, The University of Chicago Press Chicage, 1993 PP 204-32 "The Naqshibendi Order of Turkey"

﴿۹۲﴾ علامہ اقبال، ڈاکٹر، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۹ء ص ۱۲

کشف و کرامات:

کشف و کرامات معیارِ ولایت ہیں نہ صوفیہ ان کو چنداں اہمیت دیتے ہیں۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''سلوک کے سو درجے ہیں ان میں سترھواں درجہ کشف و کرامات ہے۔ اگر سالک راہِ سلوک میں اس درجہ میں تماشا دیکھنے لگا تو وہ تراسی درجے طے نہ کر سکے گا۔'' ﴿۹۳﴾

خواجہ ہاشم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بعضے از ایشاں فرمودہ اند عقوبۃ الانبیاء حبس الوحی و عقوبۃ الاولیاء اظہار کرامات و عقوبۃ المومنین التقصیر فی الطاعات۔'' ﴿۹۴﴾

مکتوبات آپ کی عظیم الشان کرامت ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ سے بکثرت کرامات وقوع پذیر ہوئیں۔ خواجہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے سترہ سال آپ کی خدمت کی اگر اس زمانہ کی کرامات ہی فرض شمار کر لی جائیں تو وہ تین ہزار بنتی ہیں اور اگر ہر مرید کے سلسلہ میں ایک ہی کرامت کا شمار کیا جائے تو تعداد لاکھوں تک پہنچ جائے۔ لیکن مشائخ نقشبندیہ کرامات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ تاہم خواجہ ہاشم کشمی ﴿۹۵﴾، بدرالدین سرہندی ﴿۹۶﴾، شیخ عبدالاحد وحدت سرہندی ﴿۹۶۔الف﴾ علامہ یوسف نبہانی ﴿۹۷﴾، مولانا عبدالحمید خادم ﴿۹۸﴾، نواب دین گولڑوی ﴿۹۹﴾ اور دیگر سوانح نگاروں نے آپ کے کشف و کرامات کے بیان کا التزام کیا ہے۔

﴿۹۳﴾ نظام الدین، حضرت، فوائد الفواد، مترجم شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۸ء مرتبہ: امیر علاؤالدین سنجری

﴿۹۴﴾ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص ۲۵۵

﴿۹۵﴾ ایضاً ص ۲۵۲ تا ۲۵۵

﴿۹۶﴾ بدرالدین، خواجہ سرہندی، حضرات القدس، ص ۱۸۰ تا ۲۳۰

﴿۹۶۔الف﴾ الجنات الثمانیۃ، الجنۃ السادسۃ

﴿۹۷﴾ یوسف نبہانی، علامہ یوسف بن اسماعیل، دارالفکر بیروت ۱۹۹۲ء جلد اول ص ۵۵۷

﴿۹۸﴾ خادم، مولانا عبدالمجید، کرامات اہلحدیث، اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ ص ۱۹

﴿۹۹﴾ گولڑوی، نواب دین، کراماتِ مجدد بعد از وصالِ مجدد، ماہ نامہ نور اسلام شرق پور جلد ۳۷ شمارہ ۹، ۱۹۹۲ء

تحریک مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اثرات

آپ کا کام سہ جہتی تھا، ایک طرف آپ نے کتاب وسنت کی دعوت دی اور شرک و بدعات کے خلاف جدوجہد کی۔ دوسری طرف علمائے سوء کے فتنوں کے خلاف محاذ کھولا اور تصوف کو عجمی خرافات سے پاک کرنے کی کوشش کی اور تیسری طرف اقتدار کا رخ بے دینی سے موڑنے اور اکبر کے خود ساختہ و پرداختہ دینِ جدید کو ختم کرنے کی سعی و جہد کی۔﴿۱۰۰﴾

آپ نے اپنے مکتوبات کے ذریعے اپنے ارادت مند امرائے دربار کی فکری و شعوری تربیت کی ان کے کردار و عمل کی تطہیر کی۔ قابل ذکر علماء کو بھی خطوط روانہ کیے اور رابطے کیلئے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی شروع کیا﴿۱۰۱﴾ اس مقصد کیلئے آپ نے اندرون ملک خلفاء بھی پھیلائے۔ اس طرح آپ نے احیائے اسلام کی جدوجہد کرنے والے کارکنوں کی سیرت و اخلاق اور عادات کی پاکیزگی کے ساتھ ان میں حرکت، جدوجہد، مقابلہ، مسابقت، مدافعت، بلند حوصلگی، عزم و جرأت اور مشکلات و موانع کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا جذبہ اور خطرات اور رکاوٹوں کو دور کرنے کی تدبیریں اختیار کرنے کی صفات پیدا کیں۔ آپ کے ہمہ جہتی کام کے اثرات کا اندازہ درج ذیل نکات سے لگایا جا سکتا ہے۔

(الف) سیاسی اثرات:

نقشبندی سلسلہ میں سیاسی ماحول پر اثر انداز ہونے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ احکام شریعت پر سختی سے پابندی اور سلسلہ کی اصطلاح ''خلوت در انجمن'' سے اس سلسلہ کے سیاسی مزاج کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

اس نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

The letters of Khawaja Ubayd Allah Ahrar and His Associates کے﴿۱۰۱۔الف﴾ عنوان سے بحث Khawaja Ubayad Allah Ahrar's Political Role, میں یہ کتاب ۲۰۰۲ میں شائع ہوئی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی فکر اور سیاسی جدوجہد

﴿۱۰۰﴾ آبادشاہ پوری، حضرت مجدد کے سیاسی مکتوبات، مکتبہ چراغ اسلام لاہور ۱۹۸۵ء ص ۵۷

﴿۱۰۱﴾ ملاقاتوں کا اشارہ دفتر اول کے مکتوب ۵۱ سے ملتا ہے جو شیخ فرید کے نام ہے۔

﴿۱۰۱۔الف﴾ P.14-17

کو اسی Naqshbandi Political Approach کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

آپ کی کاوشوں کے نتیجہ میں خسرو کی بجائے جہانگیر تخت نشین ہوا۔ جہانگیر اسلام کے معیار پر پورا تو نہ اترتا تھا لیکن اس کے برسر اقتدار آنے سے مطلوبہ معیار تک پہنچنے کیلئے ایک راہ نکل آئی۔ جہانگیر کی پالیسی اسلام کی مخالفت میں نہ تھی بلکہ غیر جانبدار رہی اور یہی غیر جانبداری شاہ جہان کے عہد میں اسلام کی حمایت اور ہمدردی میں تبدیل ہوگئی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ادھوری تبدیلی تھی لیکن حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ نے کفر والحاد کے مقابلہ میں جو شمع روشن کی تھی، وہ برابر ضیاء پاشی کرتی رہی۔ یہی روشنی بڑھ کر ایک منارۂ نور کی حیثیت اختیار کرتی ہے اور نتیجتاً عالمگیر کی کامیابی نے تاریخ کے دھارے کو بالکل اسلام کی سمت میں موڑ دیا۔﴿۱۰۲﴾

اورنگزیب عالمگیر نے برسر اقتدار آنے کے بعد سرکاری حکمت عملی کی اساس ان اصولوں پر رکھی جنہیں شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع کیا تھا۔ یہ اصول فلسفہ وحدت الشہود سے اخذ کئے گئے تھے۔﴿۱۰۳﴾

﴿۱۰۲﴾ ابصار عالم، مجدد الف ثانی کی تحریک احیائے اسلام اور سلاطین مغلیہ، حرا پبلیکیشنز ص ۶۹، ۸۲

﴿۱۰۳﴾ جاوید قاضی، ہندی مسلم تہذیب، تخلیقات لاہور، ۱۹۹۵ء ص ۳۰۴

اقبال لکھتے ہیں:

تخمِ الحادے کہ اکبر پرورید
بازاندر فطرتِ دارا دمید
شمع چل در سینہ ہا روشن نبود
ملت ما از فساد ایمن نبود
حق گزید از ہند عالمگیر را
آں فقیر صاحب شمشیر را
از پئے احیائے دیں مامور کرد
بہر تجدید یقین مامور کرد

(اکبر نے الحاد کے جس بیج کو بویا اور اس کی نشوونما کی اس نے داراشکوہ کی فطرت سے سر نکالا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عالمگیر کی اسلام پسند پالیسیوں کی بنا پر ہندو اس سے نالاں تھے۔ حکومت کے اسلامی رجحان کو نہرو نے متعصّبانہ نظر سے دیکھا اور مغلیہ سلطنت کے زوال کا سبب گردانا۔ اس کے بقول:

''جب عالمگیر نے ہندوستانی بادشاہ ہونے سے زیادہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھا تو مغلیہ سلطنت کو زوال آنے لگا۔ اکبر اور کسی حد تک اس کے جانشینوں کی کوششوں کو برباد کر دیا گیا'' ﴿۱۰۴﴾ گویا عالمگیر نے اکبری الحاد کو روکا اور نہرو اس کو پھیلتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔

الغرض شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی نے برصغیر میں سب سے پہلے دو قومی نظریہ کا شعور پیدا کیا۔ جس سے آپ کا مقصد دراصل ہمیشہ کیلئے ہندو مسلم کے انضمام کا دروازہ بند کرنا تھا تا کہ مستقبل بعید میں بھی کسی موڑ پر مسلمان ایک خطۂ زمین میں رہنے کی وجہ سے ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کر کے متحدہ قومیت کے نظریہ کی تشکیل نہ کریں اور یہی نظریہ قیام پاکستان کا سبب بنا۔ ﴿۱۰۵﴾ گویا اس نظریہ نے ہندوستان کی اسلامی سلطنت اسلام کو لوٹا دی۔

برصغیر کی سیاسی و مذہبی شخصیات پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر عزیز احمد لکھتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سینوں کے اندر دلوں کی شمع بجھ چکی تھی اور ہماری ملت اسلامیہ کو فساد کا خطرہ پیش تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں عالمگیر کو منتخب فرمالیا وہ عالمگیر جو فقیر صاحب شمشیر تھا اور اسے احیاءِ دین و تجدید ایمان کیلئے مامور فرمایا) ﴿محمد اقبال، ڈاکٹر، اسرار و رموز، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۹۱ء ص ۲۲۲﴾ اورنگزیب کیلئے شہزادۂ دیندار، دین پرور، محی الدین اور محی السنۃ جیسے القابات کا استعمال مجددی تحریک کے اثر انگیز ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

﴿۱۰۴﴾ نہرو، جواہر لال، تلاش ہند، ص ۳۴۲۔ نہرو کے علاوہ دیگر کئی مؤرخین بھی اس نظریہ کے حامی ہیں درحقیقت مغلیہ سلطنت کے زوال کا سبب عالمگیر کے نااہل جانشینوں کی باہمی جنگ و جدل ہے، جس سے سکھوں، ہندوؤں اور انگریزوں نے فائدہ اٹھایا۔ لیکن اس دورِ انحطاط میں بھی مجددی سلسلہ کے بزرگوں نے حکومت کی اصلاح کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔

﴿۱۰۵﴾ اس سلسلہ کی تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائیے: غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر، ماہنامہ العلماء لاہور جون ۱۹۹۶ء جلد ۲ شمارہ ۹ ص ۳۷ تا ۴۴/ شرف قادری عبدالحکیم، حضرت مجدد الف ثانی اور دو قومی نظریہ، سلطانیہ پبلیکیشنز جہلم/ ماہنامہ نور اسلام، مجدد الف ثانی نمبر، جنوری، فروری ۱۹۸۸ء جلد ۳۳ شمارہ ۱۔۲ حصہ سوم

''قریب قریب ہر دور میں مسلمان، ہندوستانی طباع وذہین رہنما سید احمد خاں، اقبال اور ابوالکلام آزاد، اگرچہ سیاسی اور مذہبی مسائل کے حل تلاش کرنے میں ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن شیخ احمد سرہندی سے سبھی متاثر تھے۔'' (۱۰۵۔الف)

حضرت مجددؒ علیہ الرحمۃ کے کارنامے پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد اپنا تجزیہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''سیاسی اعتبار سے بھی حالات کو صحیح رخ پر موڑنے کی کوشش کی۔ وہ جاگیرداری کا دور تھا۔ کوئی پنج ہزاری منصب دار تھا، تو کوئی دس ہزاری اور کوئی بیس ہزاری، آپ نے ان سے رابطے کئے۔ وہ دور عوامی جدوجہد کا دور تو تھا نہیں کہ احتجاجی جلسے اور جلوس منعقد کئے جاتے۔ وہ تو دورِ ملوکیت تھا۔ آپ نے حالات کا بغور مطالعہ کیا اور حُسنِ تدبیر سے تخت اقتدار کے پایوں تک رسائی حاصل کر لی اور دین اکبری ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے، وہ دین اکبری جسے پوری شہنشاہی قوت اور بڑے بڑے درباری علماء کے ذریعے رائج کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اس مرد درویش نے اس دین اکبری کا وہ جنازہ نکالا کہ آج اسکا کوئی نام لیوا بھی موجود نہیں۔ آپ نے مسلمانوں کا علیحدہ قومی تشخص واضح کیا اور توحید باری تعالیٰ کے ساتھ رسالت پر ایمان لانے اور اسوۂ رسول کو نشان منزل بنا کر جدوجہد کرنے کی اہمیت کو مسلمانوں کے اندر بحال کیا۔'' ﴿۱۰۶﴾

(ب) علماء پر اثرات:

حضرت مجددؒ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے علماء پر اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں:

''شیخ مجددؒ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے علمِ دین کے معنی فقہ رہ گئے تھے۔ لیکن شیخ مجددؒ رحمتہ اللہ علیہ کے اثر سے اس کا رخ کتاب وسنت کی طرف پھر گیا۔ اور حدیث کا چرچا شروع ہوا''۔ ﴿۱۰۷﴾

شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ اور آپ کے خاندان نے برصغیر میں علمِ حدیث کے فروغ کیلئے جو کارہائے

﴿۱۰۵۔الف﴾ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۰، ص: ۲۸۸

﴿۱۰۶﴾ ماہنامہ حکمۃ القرآن، جولائی ۱۹۹۱۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور جولائی ۱۹۹۱ء ص ۳۳۔۳۴

﴿۱۰۷﴾ فاروقی، برہان احمد، ڈاکٹر، حضرت مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، آئینہ ادب لاہور، ۱۹۷۴ء ص ۴۳

نمایاں انجام دیئے وہ حضرت مجدّ دعلیہ الرحمۃ کے اثرات تھے۔اس خاندان کے اکثر بزرگ مجدّ دی سلسلہ میں بیعت تھے۔اور سلسلۂ مجدّ دیہ کے بزرگوں میں سے کئی نے سند حدیث خاندانِ ولی اللٰہی سے لی اس طرح آپ کے زیرِ اثر صوفی محدثوں کی ایک جماعت تیار ہوئی۔

تصوف پر اثرات:

شریعت وطریقت کی قلمی ولسانی جنگ جو پانچویں صدی کے شروع سے عہدِ مجدّ دتک جاری تھی۔ آپ نے اسے مصالحت میں بدل دیا اور صوفیہ اور فقہاء کی چھ سو برس کی باہمی دست وگریبانی کا خاتمہ ہوا اور مدرسہ وخانقاہ کی باہمی آویزش انجام کو پہنچی۔﴿۱۰۸﴾

حضرت مجدّ دعلیہ الرحمۃ نے منطق اور الہیاتی دلائل کی بجائے اپنے روحانی تجربات کی بنا پر نظریۂ وحدت الشہو دپیش کیا جس نے جنوبی ایشیا میں راسخ الاعتقاد مسلم فکر کو نظریاتی اساس فراہم کی اور تصوف کو مذہب کے تابع کر دیا۔ مابعد کے ہندی مسلم فکر اور تصوف پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔نظریۂ وحدت الوجود ہندو مسلم آزاد خیالی کی بنیاد تھا۔حضرت مجدّ د رحمۃ اللہ علیہ نے گویا آزاد خیالی کا منبع تلاش کر کے اس پر بھرپور کاری وار کیا اور اسلامی حکومت کے قیام' ہندوؤں سے عدم مفاہمت اور اسلامی ہند کی تعمیر کیلئے راہ ہموار کی۔ اسکے بعد علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے تصور خودی کی بنیاد بھی یہی نظریہ بنا﴿۱۰۹﴾ا۔غالبًا اسی بنا پر ڈاکٹر اسرار احمد نے علامہ اقبالؒ کو حضرت مجدّ دعلیہ الرحمۃ کا ظل اور بروز کہا ہے۔﴿۱۱۰﴾ اقبال حضرت مجدّ د کے کارنامے سے متاثر تھے ان کی اثر پذیری اور عقیدت مندی کا اظہار ان کی اس نظم سے ہوتا ہے جوانہوں نے حضرت مجدّ د کے مزار پر حاضری کے بعد کہی۔

﴿۱۰۸﴾ ندوی، معین الدین احمد، شاہ، مقالات سلیمانی نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۸۹ء حصہ دوم ۳۴، ۳۵

﴿۱۰۹﴾ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس نقطۂ نظر کی وضاحت کیلئے ملاحظہ فرمایئے: فاروقی، محمد طاہر، سیرت اقبال، قومی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۴۵ تا ۲۱۶/ فوق، منشی محمد دین، بزم اقبال لاہور ص ۱۸۶ تا ۱۸۹// محمد فرمان پروفیسر، اقبال اور تصوف، بزم اقبال لاہور ۱۹۵۸ء متفرق صفحات ص ۸۵ تا ۸۷، ۱۰۲ تا ۱۲۷/ مسعود احمد، ڈاکٹر، حضرت مجدد اور ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم، اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ ۱۹۸۰ء ص ۴۷ تا ۷۶، ۸۹

﴿۱۱۰﴾ اسرار احمد، ڈاکٹر، برصغیر پاک وہند میں اسلام کی انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل اور اس سے انحراف کی راہیں، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۹۵ء ص ۴۰، ۴۱

حاضر ہوا میں شیخ مجدّد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار

گردن نہ جھکی جسکی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

علامہ اقبال کے ذہن میں وہ مخصوص حالات اور تقاضے بھی تھے جن میں حضرت مجدّد نے کام کیا۔﴿۱۱۱﴾ اسی عقیدت کی وجہ سے اقبال نے اپنے آٹھ خطوط، دو ملفوظ، دو مضامین، تین واقعات، تقریر کے دو نثری پیراگراف، ایک اشارہ، اردو شاعری کی ایک نظم، ایک غزل اور فارسی شاعری میں ایک جگہ لفظاً اور دوسری جگہ معناً آپ کا ذکر کیا ہے۔﴿۱۱۲﴾

اردو ادب پر اثرات:

اردو زبان کی تخلیق و اشاعت کے مراحل میں بھی آپ کے خاندان اور وابستگان نے اہم کردار ادا کیا۔ نجم الاسلام کے یہ الفاظ قابل ملاحظہ ہیں:

''اورنگزیب کے بعد جب علمائے ہند نے فارسی کی بجائے اردو کو دینی علوم کی درس و تدریس اور نشر و اشاعت کا ذریعہ بنانے کی کوشش شروع کی تو شیخ مجدّد علیہ الرحمۃ کے سلسلہ کے بزرگوں نے اردو شاعری کو ہندی اثرات سے پاک کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ اس دور کے نقشبندی بزرگوں میں شاہ گل، مظہر جانِ جاناں، شاہ غلام علی دہلوی، شاہ عبدالغنی مجدّدی، شاہ سعد اللہ گلشن، خواجہ محمد ناصر عندلیب اور خواجہ

﴿۱۱۱﴾ علوی، ڈاکٹر خالد، اقبال اور احیائے دین، المکتبہ العلمیہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۲۷

﴿۱۱۲﴾ مطالی، ڈاکٹر بابر بیگ، ماہنامہ نور اسلام شرقپور، جون ۱۹۹۸ء ص ۲۴

میر درد وغیرہ اس سلسلے کے اہم نام ہیں''۔﴿۱۱۳﴾

حضرت مظہر پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو ایہام سے پاک کرنے کی کوشش کی ﴿۱۱۴﴾ اس جدوجہد کے پس منظر میں شیخ مجدّد کے بزرگوں کی سعی جمیلہ واضح طور پر نظر آتی ہے۔ شیخ مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کی حمیت اور غیر اسلامی عناصر کے خلاف شدت اور پختگی صاف نظر آتی ہے۔ ورنہ کیا وجہ تھی کہ جس زبان کی شاعری بھاشا کے دوہڑوں کی طرز پر پلی تھی اس سے یک قلم بھاشا پن خارج کر دیا گیا۔﴿۱۱۵﴾ درد نے اردو شاعری میں جو تصوف کا تصور دیا وہ نہ فارسی شاعری کا ایرانی تصوف تھا نہ ہندو جوگیوں کے مبتذل مسئلہ کثرت میں وحدت کا عکس تھا، تلمسانی کی شطحیات وخرافات سے اس کا تعلق تھا نہ غالب کی تعقل پسندی اور ذہنی ورزش سے۔ یہ شیخ مجدّد کی احیائی تحریک کا اصلاح یافتہ تصوف تھا جسکی بنیاد توحید محمدی اور تزکیۂ نفس یا دوسرے الفاظ میں قرآن کے تصورِ احسان پر مبنی تھی۔﴿۱۱۶﴾

نقشبندی شعرا نے اردو شاعری کو مقصدیت سے معمور کرنے کے لیے ایک نئے دبستان کی بنیاد رکھی۔ یہاں شعر تفنن طبع کا ذریعہ نہیں بلکہ فکر و احساس کی سچائی کا اظہار ہے۔ سنجیدہ گوئی کا یہ وہ رجحان ہے جو آئندہ دور میں مرزا مظہر جان جاناں کے زیر اثر ایک تحریک بن کر ابھرتا ہے۔﴿۱۱۷﴾

خواجہ عبدالاحد شاہ گل، جنہیں میر محمدی مائل دہلوی نے ''استاد شعر ریختہ'' ﴿۱۱۸﴾ کہا، حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے ہیں۔ ریختہ میں ان کی ایک غزل نقل کرنے سے پہلے یہ اشعار لکھے ہیں: ﴿۱۱۹﴾

﴿۱۱۳﴾ نجم الاسلام، دین و ادب، ادارہ اُردو، حیدر آباد ۱۹۸۹ء ص ۹۹

﴿۱۱۴﴾ عبدالحق، اُردو شاعری میں ایہام گوئی، مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ دکن ۱۹۳۴ء جلد دوم ص ۱۱۸۔۱۱۹

﴿۱۱۵﴾ نجم الاسلام دین و ادب ص ۱۱۸

﴿۱۱۶﴾ ایضاً۔ ص ۱۱۶

﴿۱۱۷﴾ جالبی، ڈاکٹر جمیل، مجلس ترقی ادب لاہور جلد ۲ ص: ۱۲۴

﴿۱۱۸﴾ ایضاً۔ ص: ۱۲۳/ چغتائی، محمد اکرم، سہ ماہی فنون، جلد ۴، شمارہ ۲، ۱۹۶۶ء، ص ۲۴۰

﴿۱۱۹﴾ جالبی، ڈاکٹر جمیل مجلس ترقی ادب لاہور، جلد ۲، ص: ۱۲۳/ چغتائی، محمد اکرم، سہ ماہی فنون، جلد ۴، شمارہ ۲، ۱۹۶۶ء، ص: ۲۴۰

حضرت مظہر کی اُردو شاعری پر سید تبارک علی نقشبندی کا یہ تبصرہ نہایت ہی جامع ہے: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

استاد شعر ریختہ گزرے ہیں شاہ گل
ہر اک کی شاعری کا ملا جن سے سلسلا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ''میرزا صاحب کا اردو کلام زیادہ دستیاب نہیں مگر جو کچھ دستیاب ہوا ہے اس سے عمارت کی بلندی اور شان کا اندازہ لگتا ہے۔ دراصل آپ کی اُردو شاعری کا زمانہ اردو شاعری کی اصلاح کا زمانہ ہے آپ نے اپنی قادرالکلامی اور طبع رسا سے اُردو شاعری کی اصلاح کا وہ سنگ بنیاد رکھا کہ جس کو اُردو ادب میں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا ہے انہوں نے اردو شاعری کو ایہام اور لفاظی کے خارزار سے نکال کر ایک سادہ اور شستہ زبان کی طرف موڑ دیا ہے۔ اردو شاعری میں وہ ایک مصلح اعظم اور ایک مجدد اعلیٰ ہیں۔ اردو زبان کی اصلاح و وسعت میں جو سعی فرمائی ہے وہ انہیں کا حق ہے۔ ان کی مساعی جمیلہ اُردو ادب کی جان اور شان ہیں۔ اگر حضرت میرزا صاحب کو اُردو شاعری کا افلاطون کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا افسوس کی بات یہ ہے کہ ان کے اردو دیوان کا سراغ لگتا ہے مگر دستیاب نہیں ہوتا ہے۔

بہرصورت حضرت میرزا صاحب کی شخصیت میں کچھ ایسی خداداد صلاحیتیں ودیعت تھیں کہ وہ ہر میدان میں امام واستاد تسلیم کیے گئے۔ اُردو شاعری میں وہ مصلح اعظم ہونے کی وجہ سے ''نقاش اول ریختہ'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اُردو میں میرزا مظہر جان جاناں بحیثیت شاعرِ اردو زندۂ جاوید ہیں اور رہیں گے۔ اُردو شاعری ان کے احسان کو کبھی نہ بھلا سکے گی۔

حضرت کی اصلاحی کوششیں حسب ذیل ہیں:

(۱) ہندی الفاظ پر فارسی الفاظ کو ترجیح دی گئی۔ لہٰذا دلی کے زمانہ کے بہت سے الفاظوں اور بندشوں سے زبان پاک کی گئی۔

(۲) فارسی الفاظ اور محاورات سے زبان اُردو کو مالا مال کیا۔

(۳) حسن وعشق کے معاملات نہایت خوبصورتی سے نئے ڈھنگ سے باندھے گئے۔

(۴) گل وبلبل شمع وپروانہ کے پردے میں حقیقی واقعات اُردو شاعری میں بیان ہونے لگے۔

(۵) صنعت ایہام اور لفاظی کے خارزار سے اُردو شاعری کو پاک کیا گیا۔

(۶) سریلی اور عمدہ بحروں کا رواج اُردو شاعری میں کیا گیا جن کا استعمال اس سے قبل نہ تھا۔

(۷) نئی نئی تشبیہوں اور استعاروں اور صنعات کا استعمال کیا گیا کہ جس سے زیادہ کی خوبی میں چار چاند لگ گئے۔

(۸) نئی نئی اصناف سخن کا استعمال شروع کیا گیا واسوخت، مرثیہ، مخمس، ہجو، مربع مستزاد۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گلشن نے ان سے فیض اٹھایا ہے مدتوں
جن کے چراغ سیتی ولی کا دیا جلا
پڑھتا ہوں شاہ گل کا میں اک ریختہ و لے
دے داد اس سخن کی تو اب اس کی عاقلا

☆

ذرا تو سوچ اے غافل! کہ کیا دم کا ٹھکانا ہے
نکل ہی جب گیا تن سوں تو پھر اپنا بگانا ہے
مسافر توں ہے اور دنیا سرائے، بھول مت غافل
سفر ملک عدم آخر تجھے درپیش آنا ہے
لگاتا ہے عبث دولت پہ کیوں دل کوں کہ ان ناحق
نہ جاوے سنگ کچھ ہرگز، یہاں سب چھوڑ جانا ہے
نہ بھائی بند ہے کوئی، نہ یارو آشنا کوئی
ٹک اک جو غور سے دیکھو تو مطلب کا زمانا ہے
لگاؤ یاد میں اس کی نجات اپنی اگر چاہے
عبث دنیا کے دھندے میں ہوا گل کیوں دوانا ہے

ان شواہد سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک اور فکر نے ہر شعبہ حیات پر اثر ڈالا۔ مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور ادبی غرضیکہ تمام شعبہ ہائے حیات کی تطہیر شریعت اسلامیہ کے ذوق و مزاج کے مطابق کی گئی جس کے نتیجہ میں ایک فکری انقلاب رونما ہوا۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)(۹) سوقیانہ اور مبتذل خیالات کے اظہار کا دروازہ اُردو شاعری میں بند کیا گیا۔

(تبارک علی نقشبندی، ڈاکٹر، مرزا مظہر جان جاناں، ان کا عہد اور اردو شاعری، اردو اکادمی دلی، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۱۱۔۱۱۲)

باب دوم

عصرِ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی علمی سرگرمیاں

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نامور علمی معاصرین

مغلیہ عہد میں بہت سے نامور علماء گزرے ہیں جن کی تصنیفات و تالیفات اور خدماتِ دینیہ کی وجہ سے عالم اسلام اب تک مستفید ہو رہا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد کے بقول:

''اس وقت ہفت اقلیم کے اہل کمال جمع تھے اور پایۂ تخت ہندوستان میں ولایتوں کے علماء اور اربابِ کمال کا جھمگٹا تھا۔'' ﴿۱﴾

اس سلسلہ میں ابوالکلام لکھتے ہیں:

''بدایونی و طبقات اور روضۃ العلماء و اخبار الاخیار وغیرہ دیکھو تو معلوم ہوتا ہے ہندوستان میں بجز عالموں اور پیروں کے کوئی نہیں بستا تھا۔ کوئی شہر و قریہ نہ تھا کہ خانقاہوں اور مدرسوں سے خالی ہو۔'' ﴿۲﴾

یہی وجہ ہے کہ ہر مورخ نے اس دور کے علماء کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے جیسے طبقاتِ اکبری میں عہدِ اکبری کے ۹۹ علماء و فضلاء کی فہرست دی گئی ہے۔ ﴿۳﴾ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنے عہد کے ۶۹ نامور علماء کا ذکر کیا ﴿۴﴾ مزید برآں ابوالفضل نے علمائے منقول و معقول کی جو فہرست دی اس میں ۷۵ نام درج ہیں ﴿۵﴾۔ مآثر رحیمی کے مولف نے ایسے ۹۵ علماء کی فہرست دی ہے جن کی سرپرستی خانِ خاناں کرتا رہا ﴿۶﴾ تزک جہانگیری میں اس عہد کے ۱۳ علماء اور ۵ حفاظ کے نام لکھے

﴿۱﴾ آزاد، مولانا محمد حسین، دربارِ اکبری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۸، ص ۴۹۴

﴿۲﴾ آزاد، مولانا ابوالکلام، تذکرہ، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ص: ۲۶۵

﴿۳﴾ نظام الدین، خواجہ، طبقات اکبری، مترجم محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۹۰ء، ص: ۴۸ تا ۵۵۰

﴿۴﴾ عبدالرحمان، سید صباح الدین، ہندوستان کے سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۹۰ء، ص: ۱۰

﴿۵﴾ ابوالفضل، شیخ، آئینِ اکبری، ج ۱ ص ۴۸۸ تا ۴۹۱۔ ان میں ۱۷ غیر مسلم ہیں۔

﴿۶﴾ نہاوندی، عبدالباقی، مآثر رحیمی، قلمی، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، ورق: ۴۸۰

ہیں ﴿۷﴾ محمد دین کلیم نے عہدِ مجدد میں لاہور ﴿۸﴾ کے چوبیس نامور علماء کا ذکر کیا ہے ﴿۹﴾
مورخین کی یہ خصوصی دلچسپی اس دور میں علم و ادب سے لگاؤ اور علوم و فنون کے فروغ کے لئے خصوصی اہتمام کو ظاہر کرتی ہے۔ خود حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ علیہ نے اپنے عہد کے کم و بیش اٹھاون علماء کے نام دو سو انیس خطوط ارسال کئے۔

علماء کے اس مختصر تذکرہ سے عیاں ہوگا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا عہد عالمِ اسلام میں علم و فکر کے ارتقاء کا دور تھا۔ اس دور کے جامع کمالات، مخزنِ علم و حکمت اور نامور علماء و محققین کا اپنے زمانے میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے افکار و نظریات کو قبول کر لینا اور آپ کے نظریات کا فروغ اس امر کا شاہد ہے کہ آپ مدبر و مفکر، مجسمۂ ورع و تقویٰ، مفسر و محدث اور بلند پایہ فقیہ و متکلم تھے۔

ذیل میں تصنیفی و تالیفی اور تدریسی اعتبار سے عہدِ مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کے معروف علماء و فضلاء اور اربابِ علم و دانش کا اجمالی تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ)

آپ کے نام حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے دو مکتوب ہیں ﴿۱۰﴾
شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے برصغیر میں فروغ علم حدیث کے لئے اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد شیخ سیف الدین رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کا شمار سلسلۂ قادریہ

﴿۷﴾ جہانگیر، محمد نور الدین، تزکِ جہانگیری، ص: ۳۳۵، ۳۶

﴿۸﴾ لاہور میں علم و حکمت کے فروغ کا یہ سنہری دور ہے۔ اس عہد میں جتنے علماء لاہور میں تھے شاید مامون کے بغداد میں بھی نہ تھے۔ برصغیر میں وارد ہونے والے علماء و فضلاء کی پہلی منزل لاہور ہی ہوتی تھی۔ لاہور میں علومِ دینیہ کا جو اہتمام ہوا اس کی شہرت ہندوستان سے نکل کر ایران، توران اور روم تک جا پہنچی۔ شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل، شیخ اسحٰق کاکو، شیخ منصور لاہوری، ملا جمال تلوی، مولانا علاؤ الدین لاہوری، شیخ منور لاہوری اور شیخ معین لاہوری جیسے حضرات نے لاہور کو درس و تدریس سے بغدادِ ثانی بنا دیا تھا۔

﴿۹﴾ کلیم، محمد دین، حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کا لاہور سے رابطہ، ماہنامہ نورِ اسلام، لاہور ۱۹۸۸ء، ج ۳۳، حصہ اول، ص ۷۱، ۷۲، ۱۹۸۸ء

﴿۱۰﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۱۵، دفتر دوم، مکتوب ۲۹

کے مقتدر مشائخ میں ہوتا تھا۔ آپ نے بیس سال کی عمر میں مروجہ علوم حاصل کر لئے۔ مطالعہ کے حد درجہ شوقین تھے۔ ہندوستان کے حالات سے دل برداشتہ ہو کر آپ نے ۹۹۵ھ میں سفر حجاز کا عزم کیا۔ محدثین مکہ سے آپ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا۔ پھر شیخ عبدالوہاب رَحْمَۃُ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشکوٰۃ کا درس لینا شروع کیا۔ ۱۰۰۰ھ میں شیخ عبدالوہاب رَحْمَۃُ اللہ علیہ کے حکم سے ہندوستان واپسی کے لئے روانہ ہوئے۔ ہندوستان میں آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی اور بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔

آپ نے زمانۂ طالب علمی ہی سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، سیرت، اخلاق، منطق، فلسفہ اور نحو جیسے موضوعات پر آپ کی ساٹھ تصانیف ﴿۱۱﴾ ہیں۔ ﴿۱۲﴾

حضرت شیخ محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللہ علیہ کی خدمات مختصراً درج ذیل ہیں:

۱۔ آپ نے شمالی ہند میں علم حدیث کو از سر نو زندہ کیا۔ اس مقصد کے لیے کتب حدیث کو اپنے نصاب کا لازمی جزو بنایا اور فارسی و عربی میں مشکوٰۃ کی شرح لکھی۔

﴿۱۱﴾ خیرالدین زرکلی لکھتے ہیں: ''بلغت مصنفاته مائة مجلد بالعربية والفارسية'' زرکلی، خیرالدین، الاعلام، دارالملایین، بیروت، ج ۳، ص: ۲۸۱

ڈاکٹر محمد یونس قادری نے آپ کی ۱۳۴ تصانیف کی فہرست دی ہے (یونس قادری، محمد، شیخ عبدالحق محدث دہلوی موضوعاتی مطالعہ، مکتبۃ الحق کراچی، ۲۰۰۷، ص ۱۱۹، ۱۳۷

﴿۱۲﴾ شیخ عبدالحق رَحْمَۃُ اللہ علیہ کے احوال و آثار کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، اخبارالاخیار، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ص ۲۹۸ تا ۳۱۷/ محمد اکرام، شیخ، رود کوثر، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۳۴۳ تا ۳۸۹/ بھٹی، محمد اسحٰق، فقہائے ہند، ج ۴، حصہ اول، ص ۲۰۶ تا ۲۷۶/ نظامی، پروفیسر خلیق احمد، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳ء/ قادری، سید احمد، تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ بک ڈپو، پٹنہ آپ کی تحریرات کا ایک نایاب مجموعہ کتب خانۂ عبداللہ جان نقشبندی پشاور میں محفوظ ہے۔ جس کا نام ''فتوحات المکیہ والفیوضات المدنیہ'' ہے۔ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد میں راقم کی نگرانی میں ''شیخ عبدالحق بحیثیت سیرت نگار'' کے عنوان سے زنیرہ گل نے ایم فل علوم اسلامیہ کا مقالہ لکھا۔

۲۔ فلسفہ اور منطق کو غیر ضروری قرار دیا اور بتایا کہ فلسفہ ورطۂ حیرت میں ڈالتا ہے زندگی کے کسی مسئلہ کو حل نہیں کرتا۔

۳۔ آپ نے عوام وعلماء کو یہ باور کرایا کہ فقہ حنفی کی بنیاد محض قیاس ورائے پر نہیں بلکہ قرآن وحدیث پر ہے۔

۴۔ آپ نے یہ ثابت کیا کہ فقہ وتصوف کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور بتایا کہ شریعت وطریقت میں فرق کرنا گمراہی کی علامت ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے بارے میں شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ اشکال بھی پیش آئے۔ ان اشکالات کا سبب آپ کے بعض مکاتیب کے مضامین ﴿۱۳﴾ اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کا ایک منحرف مرید حسن خان افغانی ﴿۱۴﴾ تھا جس نے بعض مکاتیب میں ترامیم کے ذریعے لوگوں کو بدگمان کیا۔ چونکہ یہ اختلاف نیک نیتی پر مبنی تھا اس لئے جلد ہی رفع ہو گیا لیکن بعض احباب اس رجوع کے قائل نہیں ﴿۱۵﴾ اس سلسلہ میں ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''چونکہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ مخلص تھے۔ اور ان کے قلم سے ان اقوال وبیانات پر جو حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی طرف منسوب کئے گئے تھے، ان پر جس تحیر وتاثر کا اظہار کیا گیا۔ اس کی محرک ان کی دینی حمیت اور علمی مقام تھا۔ تاہم جب ان کو اس غلط بیانی کا علم ہوا کہ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے بارے میں انہیں غلط فہمی ہوئی اور ان کا علوئے مقام ان پر منکشف ہوا تو انہوں نے اس کی تلافی کرنے میں قطعاً تاخیر سے کام نہیں لیا اور بڑے بلند آہنگ میں حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے ساتھ خلوص ومحبت کا اظہار کیا جو ان جیسے عالم ربانی کے شایانِ شان ہے۔'' ﴿۱۶﴾

اس دور میں سلسلۂ چشتیہ کے معروف خانوادہ کے چشم وچراغ سید نصیر الدین گیلانی رفعِ ملال کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

﴿۱۳﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب ۸۷

﴿۱۴﴾ بدخشی، محمد امین، مناقب آدمیہ وحضرات احمدیہ، قلمی (عکس)، کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم، فیصل آباد، ورق ۱۷۴

﴿۱۵﴾ ان کے دلائل کے لئے ملاحظہ کریں: محمد اکرام، شیخ، رود کوثر، ص ۳۶۱ تا ۳۷۹

﴿۱۶﴾ ندوی، سید ابوالحسن، تاریخ دعوت وعزیمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ج ۴، ص: ۳۳۸، ۳۳۹

"بلاشبہ یہ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے بارے میں شیخِ محقق کی آخری رائے ہے۔" ﴿۱۷﴾

اس سلسلہ میں نواب صدیق حسن بھوپالی کی رائے بھی یہی ہے۔ ﴿۱۸﴾

ابوالکلام آزاد نے اس سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"شیخ عبدالحق رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کو تو حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے بارے میں سخت لغزش بھی ہوئی۔ اگرچہ آخری عمر کے اعتراف ورجوع نے تلافی کر دی۔" ﴿۱۹﴾

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ اور حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے روابط کے بارے میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

"حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ معاصر تھے۔ پہلے اس معاصرت نے منافرت کی صورت پیدا کی مگر دونوں بزرگوں کی اخلاص پسندی نے ایک کو دوسرے سے آشنا کر دیا اور دلوں میں یہ اتحاد پیدا کر دیا کہ آئندہ اسلام کی علمی وروحانی خدمت کے لئے یہ دونوں خانوادے متحد ہو گئے۔" ﴿۲۰﴾

خلیق نظامی لکھتے ہیں:

"چنانچہ شکوک وشبہات رفع ہو جانے کے بعد انہوں نے انتہائی وسعتِ قلب کے ساتھ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے کارناموں کا اعتراف کیا۔"

"شیخ مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے ان سب مکتوبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں اور شیخ محدث رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ میں بے حد خلوص اور یگانگت کے تعلقات تھے۔" ﴿۲۱﴾

ڈاکٹر محمد یونس قادری نے بھی اپنے مقالہ میں تمام شبہات دور ہونے کے نقطہ نظر کو ہی ترجیح دی

﴿۱۷﴾ نصیر گیلانی، نصیر الدین، نام ونسب، گیلانی پبلشرز، درگاہ گولڑہ شریف، گولڑہ ۱۹۸۹ء، ص: ۶۶۲

﴿۱۸﴾ بھوپالی، نواب صدیق حسن، ابجد العلوم، المکتبۃ القدوسیہ، لاہور ۱۹۸۳ء، ج ۳، ص: ۲۲۸

﴿۱۹﴾ آزاد، مولانا ابوالکلام، تذکرہ، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ص: ۲۶۶

﴿۲۰﴾ ندوی، سید سلیمان، مقالات سلیمان، ترتیب شاہ معین الدین احمد ندوی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۱۹۸۹ء، حصہ دوم، ص: ۳۵

﴿۲۱﴾ حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ، ص: ۲۲۳، ۲۲۵

ہے۔﴿۲۱۔الف﴾ ڈاکٹر محمود احمد غازی کا بھی یہی خیال ہے۔﴿۲۱۔ب﴾

رفع ملال کے شواہد درج ذیل ہیں:

۱۔ شیخ فتح محمد چشتی لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ عبدالحق رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کے صاحبزادے مولانا نورالحق سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے آپ کے مکتوبات کے رد میں ایک فسالی (مکتوب) لکھا تھا۔ جب ان کو حسن خان کی تحریف کا علم ہوا تو انہوں نے معذرت کا خط لکھا۔''﴿۲۲﴾

۲۔ ان دونوں مذکورہ بالا بزرگوں کے خاندانوں میں الفت ومحبت کا پیدا ہونا بھی اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ وسوسہ جلد ہی دور ہو گیا تھا۔ محمد اقبال مجددی نے ان دونوں خاندانوں کے باہمی تعلقات کی مثالیں بیان کی ہیں۔﴿۲۳﴾

۳۔ ملا رحیم داد روہیلہ کی سرکردگی میں سرہند کو سکھوں سے آزاد کرانے کے لئے جو لشکر بھیجا گیا اس میں حضرت شیخ عبدالحق رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کی اولاد کے اصحاب جو حضرت مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ سے منسلک تھے، نمایاں تھے۔﴿۲۴﴾

یہ حقی خاندان کو سرہند سے عقیدت ومحبت ہی تو تھی جس کے لئے وہ میدان عمل میں آئے، اگر شیخ عبدالحق رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کا اختلاف باقی ہوتا تو جاں سپاری کا یہ مظاہرہ دیکھنے کو نہ ملتا۔

﴿۲۱۔الف﴾ شیخ عبدالحق محدث دہلوی موضوعاتی مطالعہ، ص:۱۰۱

﴿۲۱۔ب﴾ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور ۲۰۰۷، ص:۲۳۳

﴿۲۲﴾ پسروری، محمد داؤد، سیرت امام ربانی، ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۴۰۹ھ، ص:۱۹۸

﴿۲۳﴾ مجددی، محمد اقبال، احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری، محمد شمس الدین تاجر کتب زیر مسلم مسجد چوک، لاہور ۱۹۷۲ء، ص:۱۴۷، ۱۴۸/ مکتوبات میں حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کا ایک خط شیخ عبدالحق رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کے بیٹے نورالحق کے نام ہے۔

مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب:۱۰۰/ دہلوی، شاہ غلام علی، مقامات مظہری، ترتیب: محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور ۱۹۸۳ء، ص:۳۶۰

﴿۲۴﴾ دہلوی، شاہ غلام علی، مقامات مظہری، ترتیب: محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور ۱۹۸۳ء، ص:۸۶

سلسلہ مجددی کے محققین نے قرائن و شواہد کی روشنی میں دونوں اکابرین کا رجوع اور باہمی حسن سلوک کے بارے میں مثبت رائے دی ہے۔انہوں نے اس سلسلہ میں اعتراضات کے مدلل جواب بھی لکھے ہیں۔﴿۲۵﴾

حضرت شیخ عبدالحق رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے خود اپنی اولاد کو کہا کہ ان کی تحریروں میں حضرت مجدد کے متعلق جو عبارات ہیں ان کو جمنا کے پانی میں دھوڈالو حضرت شیخ کی وصیت کے بعد اس مسئلہ میں کوئی التباس نہیں رہتا۔﴿۲۶﴾

﴿۲۵﴾ محمد احسان، روضۃ القیومیۃ، ج:۱،ص:۶۲، ۶۳ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات کے سلسہ میں خواجہ محمد احسان نے لکھا ہے کہ آپ کے خلفاء و اولاد نے تین سوساٹھ کتب لکھیں۔

محمد احسان، روضۃ القیومیۃ، ج۲،ص:۱۱۶/ دہلوی، شاہ غلام علی، اجوبہ بعضے از اعتراضات شیخ عبدالحق برکلام امام ربانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، قلمی (عکس) کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم، فیصل آباد

یہ رسالہ شائع بھی ہوچکا ہے۔ملاحظہ فرمایئے:

دہلوی، شاہ غلام علی، رسالہ سبع سیارۃ مع ایضاح الطریقۃ، مطبع احمدی، رامپور ۱۸۹۹ء، ص:۳۱ تا ۵۶/ زید فاروقی، حضرت ابوالحسن، حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، پروگریسو بکس، لاہور، ص ۱۳۱ تا ۱۵۸/ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، ص:۲۹۴ تا ۳۰۹

﴿۲۶﴾ حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، ص:۱۵۶

جناب پروفیسر اقبال مجددی کا زادالمعاد میں یہ توضیحی نوٹ بھی لائق توجہ ہے۔

یعنی خواجہ حسام الدین احمد نے خود مؤلف زادالمعاد خواجہ کلام سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت میاں شیخ احمد (مجدد الف ثانی) اور میرے درمیان بعض شبہات کی بناء پر ''کدورت'' پیدا ہوگئی تو میں اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے کرم کا منتظر رہا۔ یہاں تک کہ خود حضرت مجدد الف ثانی کی طرف سے ''بیان واضح'' موصول ہوگیا جس سے وہ شبہات دور ہوگئے اور ''کدورت وملالت'' کا اب نشان تک باقی نہیں ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہاں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے اس مکتوب کی طرف اشارہ ہے جو شیخ محدث نے حضرت مجدد الف ثانی کے بعض افکار پر اعتراضات کرتے ہوئے لکھا تھا جو حسن خان افغانی کی مکتوبات حضرت مجدد کی محرف عبارات پر مبنی تھا، معلوم ہوتا ہے کہ حسن خان افغان اس کو لے کر تقریباً تمام سربرآوردہ علماء مشائخ کے پاس گیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خواجہ محمد ہاشم کشمی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ (۹۸۹ھ-۱۰۵۴ھ)

آپ کے نام حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کے تیرہ مکتوب ہیں۔﴿۲۷﴾

آپ بدخشاں کے علاقے کشم میں پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی اور وہاں کے علماء سے تحصیل علوم کے بعد ہندوستان کے علاقہ برہان پور میں تشریف لائے اور خواجہ میر محمد نعمان رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ سے بیعت ہوئے۔ آپ کا حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ سے تعلق اور سلسلۂ مراسلت خواجہ میر محمد نعمان رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کے ہاں قیام سے ہی قائم ہو گیا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ نے خواجہ نعمان رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کو لکھا:

''اگر آپ چاہیں تو خواجہ ہاشم کشمی کو بھیج دیں تا کہ چند روز صحبت میں رہے اور علوم و معارف سیکھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یقیناً وہ سب سے پہلے اس سلسلہ کی مرکزی خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ میں آیا جہاں اس وقت خواجہ حسام الدین احمد سجادہ نشین تھے، آپ کے ساتھ ان امور پر بحث ہوئی پھر وہ حضرت شیخ محدث کی خدمت میں گیا۔ اور آپ نے تحقیق کیے، بغیر ہی اعتراضات پر مبنی ایک طویل مکتوب لکھ دیا۔ پھر جب حضرت مجدد الف ثانی کی طرف سے اصل مکاتیب اور توضیحات موصول ہوئیں تو شیخ محدث نے اپنے اعتراضات سے رجوع کر لیا۔

چنانچہ رجوع کے سلسلہ کا مکتوب بھی آپ نے خواجہ حسام الدین احمد ہی کو لکھا ہے۔

پھر حضرت مجدد الف ثانی نے ایک طویل مکتوب (۱۲۱/۳) خواجہ حسام الدین احمد کو ارسال کیا اور مزید توضیحات پیش کیں، جن سے ان کا دل اس ''کدورت و ملالت'' سے بالکل صاف ہو گیا، زاد المعاد کا بیان بالکل معاصر شہادت کا درجہ رکھتا ہے اس کے بزرگ مولف خواجہ کلاں نے اس کتاب میں شیخ محدث کو جابجا ''مخدومی'' لکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آپ کے شاگرد تھے اس لیے رجوع اور رفع شبہات کی یہ روایت جو انہوں نے بیان کیا ہے معاصر دستاویز سے کم نہیں ہے۔

[خواجہ کلاں، عبید اللہ، زاد المعاد، مترجم محمد اقبال مجددی، تنظیم الاسلام پبلیکیشنز گوجرانوالہ، ۲۰۱۳، جلد ۴، ص: ۶۴-۶۵]

﴿۲۷﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۹۰، ۳۱۰، ۳۱۳/ دفتر دوم، مکتوب ۴۷، ۹۳، ۹۷/ دفتر سوم، مکتوب ۴۲، ۵۲، ۶۸، ۷۵، ۹۰، ۹۲، ۹۶

لے۔ کیونکہ مجھے وہ نوجوان ایک قابل آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' ﴿۲۸﴾

۱۰۳۱ھ میں آپ سرہند حاضر خدمت ہوئے۔ آپ تحریر کرتے ہیں:

''یہ عاجز کیا حالت سفر اور کیا حالتِ حضر، تقریباً دو سال مستقل حضرت کے دامن سے وابستہ رہا۔'' ﴿۲۹﴾

۱۰۳۳ھ میں آپ برہان پور واپس تشریف لے گئے۔

آپ کمال درجہ کے انشاء پرداز اور بلند پایہ مؤرخ و شاعر تھے۔ مکتوبات کے تینوں دفاتر کی تاریخیں آپ ہی نے کہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے مسودات سے ''مکاشفاتِ غیبیہ'' بھی آپ ہی نے مرتب فرمائی۔ مکتوبات کا دفتر سوم بھی آپ ہی کا مرتب کردہ ہے۔ آپ کی تصنیفاف کی تعداد چھ ہے۔ ﴿۳۰﴾

شیخ یعقوب کشمیری صرفی رَحمۃُ اللہ عَلَیہ (۹۲۸ھ - ۱۰۰۳ھ)

آپ کشمیر میں پیدا ہوئے۔ سمرقند میں شیخ حسین خوارزمی کی بیعت کی۔ علوم عقلیہ کا درس مولانا جامی رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے شاگرد مولانا محمد شاہ آنی رَحمۃُ اللہ عَلَیہ سے لیا۔ حدیث کی سند ابن حجر مکی سے حاصل کی۔ عربی صرف ونحو میں غیر معمولی مہارت کی بنا پر لوگ انہیں صرفی کہنے لگے اور آپ نے اس لفظ کو اپنا تخلص بنالیا۔ شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ ابوالفضل نے ان کے دو اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ ﴿۳۱﴾

﴿۲۸﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱

﴿۲۹﴾ کشمی، خواجہ محمد ہاشم، نسمات القدس، مترجم: سید محبوب حسن واسطی، مکتبۂ نعمانیہ، سیالکوٹ ۱۴۱۰ھ، ص: ۲۵

﴿۳۰﴾ کشمی، خواجہ محمد ہاشم، نسمات القدس، مکتبۂ نعمانیہ، سیالکوٹ ۱۴۱۰ھ، ص: ۲۱، ۲۲

خواجہ ہاشم کشمی کے احوال وتصانیف پر پروفیسر محمد اسلم کا مضمون (المعارف مئی ۱۹۶۸ ص: ۲۷ تا ۳۶) قابل مطالعہ ہے۔

آپ کے آٹھ قلمی رسائل کا مجموعہ کتب خانہ عبداللہ جان پشاور میں محفوظ ہے۔

حالاتِ زندگی کے لئے ملاحظہ فرمائیں: محمد احسان، روضۃ القیومیۃ، ص ۵۱۶-۵۱۹/ سرہندی، بدرالدین، حضرات القدس، ج ۲، ص: ۴۰۰ تا ۴۱۵

﴿۳۱﴾ ابوالفضل، آئینِ اکبری، ج ۱، ص: ۵۱۷

تفسیرِ قرآن (نامکمل)، شرح صحیح بخاری، اور مغازی النبوۃ آپ کی اہم تصانیف ہیں۔ اس کے علاوہ دس تصانیف اور بھی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ نے بعض کتب احادیث آپ سے پڑھیں اور سلسلہ کبرویہ میں آپ سے بیعت ہوئے۔ ﴿۳۲﴾

قاضی نور اللہ شوستری (۹۵۵ھ-۱۰۱۹ھ)

نامور شیعہ عالم ہیں۔ شعروشاعری میں بھی فطری مہارت رکھتے تھے۔ شیخ فیضی کی تفسیر پر ایسی تحریر لکھی جو تعریف وتوصیف سے باہر ہے۔ آپ کی متعدد تصانیف بتائی جاتی ہیں جن سے آپ کی قابلیت، وسعتِ مطالعہ اور جودتِ فہم کا پتہ چلتا ہے۔ جہانگیر کے عہدِ حکومت میں ان کو سزائے موت دی گئی۔ ﴿۳۳﴾ شیعوں میں شہید ثالث کے نام سے مشہور ہیں ﴿۳۴﴾ اکبرآباد میں دفن ہیں۔

ملا علی قاری رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ

آپ کا مکمل نام علی بن سلطان محمد القاری حنفی ہے۔ ہرات میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علم کے لیے مکہ

﴿۳۲﴾ سرہندی، بدرالدین، حضرات القدس، ج ۲، ص: ۲۶، ۲۷/ ندوی، سید سلیمان، برصغیر میں علم حدیث در مقالات سلیمان، ترتیب شاہ معین الدین احمد ندوی، ص ۱۳، ۱۴/ مزید مصادر کے لیے ملاحظہ فرمائیں شمس، ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس، معارف حدیث، ص: ۳۸-۴۳

﴿۳۳﴾ جہانگیر کے زمانہ میں ان کی ایک کتاب ''مجالس المومنین'' کی بازیافت پر، جو تبرا سے بھری ہوئی تھی، جہانگیر نے خاردار دُرے سے حد لگانے کا حکم دیا۔ کہتے ہیں کہ نور جہاں جو جہانگیر کی پشت پر ہاتھ رکھے پیچھے بیٹھی تھی، لاکھ کہتی رہی کہ ایسا نہ کرو لیکن اس وقت اس کا حال اور تھا۔ ''جاناں بہ تو جان دادہ ام ایمان نہ دادہ ام'' کہتا جاتا تھا۔ گیلانی، سید مناظر احسن، پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، مکتبۂ رحمانیہ، لاہور، ج ۱، ص: ۲۰۸

﴿۳۴﴾ بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، نولکشور، لکھنو ۱۲۸۴ھ، ج ۳، ص ۱۳۷/ محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، ص: ۳۹۹ تا ۴۰۵/ الحسینی، جلال الدین، فیض الالہ فی ترجمۃ القاضی نور اللہ، ۱۳۶۷ھ، پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ ۲۷۲-۲۸۰، ابوعبداللہ محمد بن مکی کو شہیدِ اول اور زین الدین العاملی کو شہیدِ ثانی کہتے ہیں۔

مکرمہ میں قیام پذیر ہوئے اور تمام عمر وہیں گذاری۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، سیرت وشمائل، لغت، نحو وغیرہ کے موضوعات پر تقریباً ۱۲۴ کتابیں لکھیں۔ ان میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، شرح فقہ اکبر اور شرح شفاء مشہور ہیں۔ بعض کے نزدیک آپ گیارھویں صدی کے مجدد ہیں ﴿۳۵﴾

حضرت جمال تلوی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ

حضرت جمال تلوی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ اکبری دور کے بلند پایہ عالمِ دین، ماہرِ تعلیم اور سالک تھے۔ لاہور میں میوہسپتال کی توسیعی عمارت کی جگہ ایک محلّہ تلہ تھا جہاں پر آپ کا دینی دارالعلوم تھا۔ اس میں علمِ تفسیر، حدیث اور فقر وسلوک کے اساتذہ مصروفِ تدریس تھے۔ آپ اپنے وقت کے اعلم علماء میں تھے۔ آپ معقولات ومنقولات کے باریک نکات شاگردوں کو سمجھاتے۔ فیضی کو اپنی تفسیر میں مشکلات پیش آتیں تو آپ حل فرما دیتے۔ حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ سے ملاقات سے قبل فلسفہ وحدت الوجود کے سخت مؤید تھے لیکن بعد ازاں وحدت الشہود کے قائل ہو گئے۔ ﴿۳۶﴾

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ (۹۸۸ھ-۱۰۶۲ھ)

آپ نے اپنی تمام عمر تدریس علوم دینیہ اور تصنیف وتالیف میں گذاری۔ آپ کے مدرسہ سے عالمِ اسلام کے کئی علمائے کرام علم وفضل کے آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔ لاہور دارالعلوم میں صدر مدرس رہے۔ شاہ جہاں نے آپ کے علم وفضل کی قدر افزائی میں کمال کر دیا۔ آپ کو کئی بار سونے سے تولا۔ آپ نے دربار میں رسائی کے بعد برصغیر میں دینی مدارس قائم کئے۔ جن شہروں میں دارالعلوم کھولے گئے ان میں لاہور، اکبرآباد اور سیالکوٹ شامل ہیں۔ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ نے آپ کو آفتابِ پنجاب کا خطاب دیا۔ تدریسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ نے کئی درسی کتب کے حواشی رقم کئے۔ دنیا بھر کے علماء نے ان حواشی کو اپنایا۔ آج بھی ان حواشی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ﴿۳۷﴾ آپ کی تصانیف کی تعداد تیئس ہے۔

﴿۳۵﴾ امام علی قاری کے احوال وآثار کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

قوتلای، خلیل ابراہیم، الامام علی قاری واثرہ فی علم الحدیث، دارالبشائر الاسلامیہ، بیروت ۱۹۸۷ء

﴿۳۶﴾ سرہندی، محمد احسان، روضۃ القیومیہ، ج ۱، ص: ۲۰۶ (حاشیہ)

﴿۳۷﴾ فاروقی، اقبال احمد، پیرزادہ، حاشیہ روضہ القیومیہ، ج ۱، ص: ۵۷۸، ۵۷۹/ محمد اکرام، شیخ، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عبدالسلام لاہوری رَحمۃُ اللہ عَلَیہ (۹۴۷ھ-۱۰۳۷ھ)

آپ معقولات و منقولات کے امام مانے جاتے تھے۔ جہانگیر کے دور میں آپ کا مدرسہ لاہور کی ایک عظیم الشان درس گاہ تھا۔ انہوں نے اس وقت کے مشہور علمائے کرام سے استفادہ کیا اور اس کی اشاعت کا نہایت عمدہ اہتمام کیا۔ فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آخری عمر میں تفسیر بیضاوی پر مدلل حواشی لکھے جو علماء نے ثقاہت کی بنا پر بے حد پسند کیے۔ ﴿۳۸﴾

لاہور میں حضرت مجدد رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے مخالفین نے آپ کے مکتوبات میں الحاقات کر کے اعتراضات کیے تو مولانا حامد نے اصل مکتوب مولانا عبدالسلام لاہوری کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ نے مطالعہ کے بعد اس کی تعریف فرماتے ہوئے کہا کہ اس پر کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ ﴿۳۹﴾

شیخ منور لاہوری رَحمۃُ اللہ عَلَیہ

آپ بیس سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔ اور مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ تفسیر قرآن بیان فرماتے اور متقدمین کی تفاسیر سے حوالے لکھواتے۔ لاہور میں اکبری بدعات کے خلاف کام کیا۔ شاہی حکام نے آپ کو کالے پانی کی عمر قید کی سزا دی اور گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ وہیں آپ کا انتقال ہوا۔

مشارق الانوار کی شرح کے علاوہ آپ نے شرحِ بدیع الزماں اور شرحِ ارشادِ قاضی تحریر کی۔ ﴿۴۰﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رودِ کوثر، ص: ۳۹۰، ۳۹۱ ظہور الدین احمد، ڈاکٹر، پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ، ۱۹۷۴ء، ص ۲۹۰-۲۹۵

﴿۳۸﴾ فاروقی، اقبال احمد پیرزادہ، لاہور کے قدیم تدریسی اداروں پر ایک نظر، جہانِ رضا، ج ۶، ش ۶۴، جون جولائی ۱۹۹۷ء، ص: ۶۱/ پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ ص: ۲۸۰-۲۸۲

﴿۳۹﴾ سرہندی، بدرالدین خواجہ، حضرات القدس، ج ۲، ص: ۳۴۷

﴿۴۰﴾ فاروقی، اقبال احمد پیرزادہ، لاہور کے قدیم تدریسی اداروں پر ایک نظر، جہانِ رضا، ج ۶، ش ۶۴، جون جولائی ۱۹۹۷ء، ص: ۵۷

حضرت اخوند درویزا رحمۃ اللہ علیہ (۹۴۰ھ-۱۰۴۸ھ)

درویزہ پشاوری جنہیں اخوند بابا درویزا رحمۃ اللہ علیہ کہا جاتا ہے، بچپن سے ہی زہد و ریاضت کی طرف مائل تھے۔شب و روز گریہ زاری اور صوم وصلوٰۃ میں گذارتے۔آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل ملامصر احمد، ملازنگی اور ملا جمال الدین ہندوستانی سے حاصل کی اور باطنی تعلیم کے لئے سید علی غواص کے دست مبارک پر بیعت کی۔

برصغیر کی دینی وعلمی تاریخ میں اخوند درویزا کے تعلیمی اور تبلیغی کارناموں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ فرقۂ روشنیہ ﴿۴۱﴾ کے خلاف محاذ آرائی ہے۔انہوں نے تقریروں، مباحثوں اور مناظروں کے ذریعے طریقۂ روشنیہ کی بھرپور مخالفت کی۔

آپ کی تصانیف کی تعداد چھ ہے جو پشتو کے دینی ادب میں اہم مقام رکھتی ہیں۔

آخر عمر میں آپ پشاور میں مقیم ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔آپ کا مزار موضع ہزار خانی کے قریب ہے۔﴿۴۲﴾

ابوالفیض فیضی (۹۵۴ھ/۱۵۴۷ء-۱۰۰۴ھ/۱۵۹۵ء)

ابوالفیض فیضی کے والد کا نام شیخ مبارک ناگوری ہے۔فیضی تخلص ہے جو موصوف نے چالیس سال تک اپنایا اور بعد میں بقول خویش الہامی بشارت سے فیضی کی بجائے اپنا تخلص فیاضی اختیار کیا۔﴿۴۳﴾ اپنی ذہانت کی بنا پر فیضی نے تمام علوم میں مہارتِ کلی حاصل کی، حکمت اور عربی ادب میں

﴿۴۱﴾ اس طریقہ کی بنیاد بایزید انصاری (۹۳۱ھ-۹۸۰ھ) المعروف بہ پیر روشن (ان کے خوابوں کی وجہ سے لوگ انہیں پیر روشن کہتے) نے رکھی۔اسی وجہ سے اس طریقہ کو روشنیہ یا روشنائی تحریک کہتے ہیں بایزید انصاری کا خیال تھا کہ معرفت الٰہی پیر کامل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہر انسان پر پیر کامل کی تلاش فرض ہے۔پیر کی اطاعت رسول خدا ﷺ کی اطاعت ہے۔پیر روشن نے اپنے سوانح حیات اور اپنی تبلیغی تحریک پر ایک کتاب اور متعدد رسالے لکھے۔خیر البیان، مقصود المومنین اور صراط التوحید ان کی اہم کتابیں ہیں۔

﴿۴۲﴾ محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، ص:۴۱۲ تا ۴۲۱ پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ ص:۵۶۷-۵۸۰

﴿۴۳﴾ ابوالفضل، شیخ، آئینِ اکبری، ج ا، ص:۲۶۳

کامل دسترس حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف فنون شعر، عروض قافیہ، تاریخ، طب، لغت اور انشاء میں وہ بے مثال شخصیت تھی۔ دس سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیے۔ ۹۷۵ھ میں مرزا عزیز کی سفارش پر اکبر کے دربار میں حاضری دی۔ جب اکبر پر دنیاوی اقتدار کے ساتھ دینوی سیادت پر بھی قبضہ کرنے کی دھن سوار ہوئی تو جامع مسجد فتح پور میں خود خطبہ پڑھنے کی کوشش کی۔ اس خطبہ کے لئے اشعار فیضی نے تحریر کیے تھے۔ ﴿۴۴﴾

۹۹۹ھ میں فیضی کو خاندیس کے فرمانروا راجہ علی خان کے ہاں سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ ۱۰۰۱ھ میں واپسی پر اکبر نے انعامات سے نوازا۔ ۱۰۰۲ھ میں فیضی نے اپنی غیر منقوط تفسیر ''سواطع الالہام'' مکمل کی۔ مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں: کہ یہ پچھتر جزو کی کتاب تمام بے نقط ہے۔ دیباچہ ایک ہزار بیت پر مشتمل ہے جس میں فیضی نے اپنے والد، بھائیوں اور تحصیلِ علم کا ذکر کیا ہے۔ بادشاہ کا مدحیہ قصیدہ لکھا جو ۹۹ فقرات کا خاتمہ ہے، اس طرح کہ ادائے مطلب بھی ہے اور ہر فقرہ تاریخ اختتام بھی۔ فضلائے عصر نے اس پر کئی تقاریظ لکھی ہیں۔ ﴿۴۵﴾

مناظر احسن گیلانی نے اس تفسیر کو قابلِ قدر علمی و ادبی کام قرار دیا ہے اور عربی زبان کی حیرت انگیز وسعت کا کارنامہ بتایا ہے۔ ﴿۴۶﴾ لیکن شبلی نے اسے فضول قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سخت تعجب کی بات ہے کہ فیضی جیسے حکیم اور فلسفہ پسند شخص نے کیونکر یہ بے ہودہ مغز کاری گوارا کی، بہرحال یہ ایک لغو کام ہے۔ کسی سے بن آئے یا نہ آئے۔'' ﴿۴۷﴾

ماثر الامراء کے مصنف کا بیان ہے کہ فیضی نے ایک سو کتب تالیف کیں۔ مگر مولانا محمد حسین آزاد کے بقول: ''ان کی تصنیفات کی تعداد بعض کتابوں میں ایک سو ایک لکھی ہے مگر مجھے اس شمار میں کلام ہے۔'' ﴿۴۸﴾ فیضی کی علم دوستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مالِ متروکہ میں چار ہزار چھ سو مجلد

﴿۴۴﴾ بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، ج ۲ ص: ۲۶۸

﴿۴۵﴾ آزاد، مولانا محمد حسین، دربار اکبری، ص: ۳۷۵

﴿۴۶﴾ گیلانی، سید مناظر احسن، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، ج اول، ص ۲۸۵ تا ۲۹۴

﴿۴۷﴾ عبدالرحمان، سید صباح الدین، بزمِ تیموریہ نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۹ء، ص ۱۳۶

﴿۴۸﴾ آزاد، مولانا محمد حسین، دربار اکبری، ص: ۳۷۷

نفیس تصحیح کردہ کتب تھیں۔﴿۴۹﴾

فیضی کے کمالات پر تبصرہ کرتے ہوئے شبلی رقم طراز ہیں:

''فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کیے جنہیں اہلِ زبان کو بھی ماننا پڑا---- خسرو اور فیضی---- فیضی کی خصوصیات میں سب سے بڑھ کر جوش بیان ہے جس کا وہ موجد بھی ہے اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حافظ میں بھی ہے لیکن رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ذکر کے ساتھ مخصوص ہے۔فیضی کے ہاں فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ ہر قسم کے مضامین میں وہی جوش پایا جاتا ہے۔ جوش بیان فیضی کے ذاتی حالات کا اثر ہے جو کسی اور تصنیف میں نہیں ہوسکتا تھا۔''﴿۵۰﴾

فیضی نے مراسلت نگاری میں جس جدت کا آغاز کیا، اس کی اہمیت کے بارے میں مولانا ابو الحسنات ندوی لکھتے ہیں:

''انشائے فیضی، فیضی کے خطوط و مراسلات کا مجموعہ ہے۔اس وقت تک خطوط اور مراسلات سے بیان واقعہ کی بجائے زیادہ تر انشاء پردازی کا اظہار مقصود ہوتا تھا۔فیضی نے اس کی اصلاح کی اور سادہ نگاری اور واقعہ نویسی کو فروغ دیا۔ چنانچہ اس کے خطوط سے اس زمانہ کے تمدن، تہذیب، معاشرت اور آداب و رسوم غرضیکہ ہر قسم کے حالات معلوم ہوسکتے ہیں۔''﴿۵۱﴾

فیضی نے اکبر کے دینِ الٰہی کی نہ صرف مکمل حمایت کی بلکہ اس کی علمبرداری بھی کی۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر کو فیضی سے حد درجہ محبت تھی اور ملا عبدالقادر بدایونی کو اس سے سخت نفرت تھی۔فیضی کے عالمِ نزع کے وقت اکبر شاہی حکیم کے ساتھ آدھی رات کو فیضی کے گھر پہنچا لیکن فیضی کی زبان بند ہوچکی تھی۔ اکبر نے صدمہ سے سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینک دی۔﴿۵۲﴾

﴿۴۹﴾ بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، ص:۱۵۱

﴿۵۰﴾ عبدالرحمان، سید صباح الدین، بزمِ تیموریہ، ص ۱۵۱

﴿۵۱﴾ ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۱۹۸۹ء، ص:۹۹

﴿۵۲﴾ بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، ج ۲ ص:۴۰۶ فیضی کے حالات، کلام کے نمونہ جات اور ملا عبدالقادر بدایونی کے اعتراضات کے جوابات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

عبدالرحمان، سید صباح الدین، بزمِ تیموریہ، ص ۱۲۷ تا ۱۵۳/ آزاد، مولانا محمد حسین، دربارِ اکبری

خواجہ بدرالدین سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علَیہ

آپ کے نام حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ علَیہ کے چار مکاتیب ہیں۔﴿۵۳﴾

آپ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ علَیہ کے تربیت یافتہ شاگرد اور خانوادۂ مجددیہ کے تذکرہ نویس کی حیثیت سے شہرتِ دوام کے مالک ہیں۔آپ سترہ سال (۱۰۱۷ھ - ۱۰۳۴ھ) حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ علَیہ کی خدمت میں رہے۔آپ نے شرح مواقف، تفسیر بیضاوی، حاشیہ شرح عضدی، مطول مع حاشیہ سید شریف، شرح عقائد مع حاشیہ خیالی، تحریر اقلیدس، شرح مطالع مع حاشیہ میر، حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ علَیہ سے پڑھیں ﴿۵۴﴾ تاریخ میں آپ کو کامل دسترس حاصل تھی ﴿۵۵﴾ آپ نے کئی کتب تصانیف فرمائیں اور تراجم کئے۔آپ کی تصنیف ''سیر احمدی'' کی اصلاح حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ علَیہ نے فرمائی تھی۔﴿۵۶﴾

شیخ ابوالفضل (۹۵۸ھ-۱۰۱۱ھ)

جس شخصیت نے اکبر کو ''اکبرِ اعظم'' بنایا وہ ابوالفضل ہی کی شخصیت تھی۔اپنی خودنوشت سوانح میں ابوالفضل نے زندگی کے ابتدائی احوال کے متعلق لکھا:

''مجھے ایک سال کی عمر میں قوتِ گویائی حاصل ہوگئی اور پانچ سال کی عمر میں مجھے غیر متعارف اشیاء کی شناخت کی طاقت پیدا ہوگئی۔سات سال کی عمر میں خزینۂ علوم پدرِ بزرگوار اور جواہرِ معانی کا نگہبان و امین بن گیا۔دس سال تک درس و تدریس کا فریضہ بھی سرانجام دیا۔اس وقت تک کتب متداولہ زبانی یاد ہو چکی تھیں۔'' ﴿۵۷﴾

اکبر کے دربار سے وابستہ ہونے کے بعد سفر و حضر میں برابر اس کے ساتھ رہا اور اکبر کی سرپرستی

﴿۵۳﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ علَیہ، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۹، ۲۹۷/ دفتر دوم، مکتوب: ۴۰/ دفتر سوم، مکتوب: ۳۱

﴿۵۴﴾ سرہندی، بدرالدین خواجہ، حضرات القدس، ج ۲، ص: ۲۴۲

﴿۵۵﴾ محمد احسان، روضۃ القیومیۃ، ج: ۱، ص: ۵۳۴

﴿۵۶﴾ سرہندی، بدرالدین خواجہ، حضرات القدس، ج ۲، ص: ۱۷۴ تا ۱۷۶

﴿۵۷﴾ ابوالفضل، شیخ، آئینِ اکبری، ص: ۴۲۱

میں شیخ نے علم وادب کے لئے نمایاں خدمات سر انجام دیں۔ یہی بے پایاں محبت تھی کہ جب جہانگیر﴿۵۸﴾ نے ابو الفضل کو قتل کروایا تو اکبر نے کئی روز تک دربار نہ لگایا اور نہ کسی امیر سے بات کی۔ روتا جاتا اور کہتا جاتا تھا: 'شیخو جی! بادشاہت لینی تھی تو شیخ کو کس لیے مارنا تھا؟ مجھے مارا ہوتا'﴿۵۹﴾ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر اکبر نے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب تھا کہ 'ہمارا شیخ ذوق وشوق سے ہماری طرف آیا مگر ہماری قدم چومنے کی خواہش نے اسے سر اور پاؤں سے ختم کر دیا۔''﴿۶۰﴾

ابو الفضل نے دربار اکبری میں حاضری کے بعد مزاج شناسی، اطاعت وفرمانبرداری اور علم و لیاقت سے اس طرح اکبر کا دل موہ لیا کہ اس کا روئے سخن ہر وقت ان دونوں بھائیوں کی طرف رہتا تھا۔ ابو الفضل کا قلم تلوار سے زیادہ تیز تھا۔ اس لئے دارالانشاء کی خدمت شیخ کے سپرد کر دی گئی۔ مولانا محمد حسین لکھتے ہیں:

''شیخ کی انشاء پردازی اور مطلب نگاری کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ یہ نعمت خداداد ہے کہ خدا کے ہاں سے ساتھ لایا۔ بڑے بڑے انشاء پردازوں کو دیکھو، جہاں عبارت میں لطف اور کلام میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بہار سے رنگ لیتے ہیں اور حسن وجمال سے خوبی مانگ کر کلام کو رنگین بناتے ہیں۔ یہ قادرالکلام اپنے پاک خیالات اور سادہ الفاظ میں اصلی مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے ہزار رنگینیاں ان پر قربان ہوتی ہیں۔ اس کے سادگی کے باغ میں رنگ آمیزی کا مصور آ کر قلم لگائے تو ہاتھ قلم ہو جائیں۔ وہ انشاء پردازی کا خدا ہے، لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں لکھتا ہے نیا ڈھنگ ہوتا ہے اور جتنا لکھتا ہے عبارت میں زور بڑھتا چلا جاتا ہے۔''﴿۶۱﴾

ابو الفضل اور ملا عبدالقادر بدایونی کے طرز تحریر اور اندازِ فکر پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے سید صباح الدین عبدالرحمن لکھتے ہیں:

﴿۵۸﴾ جہانگیر، محمد نورالدین، تزکِ جہانگیری، ص: ۲۵، ۲۶، ۵۰

﴿۵۹﴾ آزاد، مولانا محمد حسین، دربارِ اکبری، ص ۴۸۷

﴿۶۰﴾ بنی پرشاد، ڈاکٹر، تاریخِ جہانگیر، ۱۹۸۷ء، ص: ۶۰

﴿۶۱﴾ آزاد، مولانا محمد حسین، دربارِ اکبری، ص: ۴۹۳

''عجیب بات ہے کہ ابوالفضل نے اپنی انشاء پردازی کے زور سے اکبر کی مذہبی رواداری اور فراخ دلی کی جوگنگا بہائی تھی اس کے پانی کو مُلّا صاحب نے اپنی تحریر کی قوت سے تلخ بلکہ زہرناک بنا دیا۔ اس لحاظ سے ابوالفضل کا قلم مُلّا صاحب سے مات کھا گیا ہے۔ اکبر کا دینِ الٰہی زیادہ تر ملا صاحب کی تحریروں سے ہی سمجھا گیا۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ پورے وثوق کے ساتھ لکھا۔ ابوالفضل کے گومگو طرزِ بیان کے مقابلہ میں ان کے بیانات میں شک کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ دونوں کی تحریروں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ابوالفضل کا ضمیر اکبر کے دینِ الٰہی پر خوبصورت پردہ ڈالنا چاہتا ہے اور بدایونی اسی پردے کو چاک کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔'' ﴿۶۲﴾

فیضی اور ابوالفضل کے برعکس حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے انشاء پردازی کے وہ جوہر دکھائے کہ دونوں بھائیوں کو مات دے گئے۔ آپ نے ابوالفضل اور فیضی کے فیض یافتہ درباریوں کو خطوط روانہ کئے۔ ان خطوط نے ان کی فکر و نظر کو بدل کر رکھ دیا۔ ملک حسن علی جامعی ان انشاء پردازوں اور حضرت مجدد کے انداز میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان خطوط میں ایک طرف دینی حقائق کا زور اور دوسری طرف انشاء پردازی کا جادو تھا۔ ابوالفضل اور فیضی کی سحر نگاری اور فلسفیانہ تعبیروں نے الحاد پیدا کیا۔ اس کے برعکس حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے طرزِ نگارش ادبی شہپاروں سے براہِ راست قرآنی تعلیمات اور پیغمبرانہ سنن کی عظمت قلوب میں اتر جاتی ہے۔ ان تمام دعوت ناموں کا مقصد اور قدرِ مشترک صرف یہی تھا کہ جس طرح ہو سکے، اس نقصان کی تلافی ہونی چاہئے جو اسلام کو اکبری عہد میں پہنچ چکا ہے۔'' ﴿۶۳﴾

ابوالفضل اور شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی انشاء پردازی کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے مناظر احسن گیلانی رقم طراز ہیں:

''حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے اپنی تحریر میں وہ رنگ اختیار نہیں کیا جو اس عہد کے بڑے بڑے انشاء پردازوں کا تھا۔ ایک طرف آپ ابوالفضل کی سحر نگاریوں کو رکھئے اور دوسری طرف حضرت مجدد رَحْمَۃُ

﴿۶۲﴾ عبدالرحمان، سید صباح الدین، ص ۲۰۰

﴿۶۳﴾ ملک حسن علی، تعلیماتِ مجددیہ، ادارۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ، شرقپور ۱۹۹۵ء، ص ۱۲۹

اللہ علیہ کے زورِ قلم کو۔ پھر اندازہ کیجئے کہ انشاء کا زور کس میں ہے۔'' ﴿۶۴﴾

آئینِ اکبری اور اکبرنامہ شیخ ابوالفضل کی مشہور تصانیف ہیں۔ آئینِ اکبری عہدِ اکبری کی ایک اہم دستاویز ہے جو اس دور کی تہذیب و ثقافت جاننے کا اہم ذریعہ ہے۔ اس کی ابتنادی حیثیت کے متعلق سید ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں:

''یہ مشہور کتاب معلومات کا خزینہ اور مصنف علام کے فضل و ذہانت کا آئینہ ہے۔ تالیف کے لئے بہترین وسائل و مآخذ حاصل تھے جو دوسروں کو نصیب نہیں ہو سکتے۔'' ﴿۶۴۔ الف﴾

ڈاکٹر محمد اشرف آئینِ اکبری کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بلاک مین نے صحیح طور پر فارسی وقائع نگاری میں آئینِ اکبری کی اہمیت کو واضح کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عوام کی زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تاریخ میں عوام پہلی بار ہمارے سامنے چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وقت کے عظیم مسائل، کلیات، جن پر اس دور میں یقین کیا جاتا تھا؛ اصول جن کی تقلید کی جاتی تھی؛ اور توہمات جن کی پیروی کی جاتی تھی۔ ہمارے سامنے سچے اور واضح الفاظ میں پیش کئے ہیں۔''

دوسری طرف وہ اس کتاب کو مرتب کرتے وقت ابوالفضل کی کوتاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''البتہ اس عظیم الشان تصنیف کا ایک پہلو ایسا بھی ہے جس کی وجہ سے وہ دورِ حاضر کی علمی تصانیف کا مقابلہ نہیں کرتی۔ وہ یہ کہ اس میں ابوالفضل نے تفصیل سے اپنے ذرائع معلومات کا ذکر نہیں کیا۔ نہ ان افراد کے نام دیئے جنہوں نے اس کیلئے معلومات فراہم کیں۔'' ﴿۶۵﴾

اکبر سے غایت درجہ عقیدت اور اس کی خامیوں کو خوبیوں کے روپ میں پیش کرنے کے بارے میں ڈاکٹر محمد اشرف مزید لکھتے ہیں:

''بحیثیت شہنشاہ اکبر کی عظمت اور اس کی دنیاوی زندگی کی وضاحت کے سلسلہ میں ابوالفضل کا تبصرہ غیر متوازن ہے۔ کیونکہ اس نے جدت پسندی اور حکمت و دانائی کو تمام تر اکبر کی طرف منسوب کیا ہے

﴿۶۴﴾ گیلانی، مناظر احسن، الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ، در تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۹۱

﴿۶۴۔ الف﴾ فرید آبادی، سید ہاشمی، مآثر لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۷۶ء، ص: ۱۸۳

﴿۶۵﴾ محمد اشرف، ڈاکٹر، ہندوستانی معاشرہ عہدِ وسطیٰ میں، فکشن ہاؤس، لاہور ۱۹۹۱ء، ص ۲۶

اور اس طرح اس نے نہ صرف ترکوں اور افغانوں کی دینی بلکہ اکبر کے پیش رو بادشاہوں کی اہمیت اور قدر و قیمت کو قطعی طور پر اور ارادتاً نظر انداز کیا ہے۔'' ﴿۶۶﴾

شاید اسی بے جا ارادت مندی نے غیر مسلموں کو موقع دیا کہ وہ اکبر کو'' Akbar, The Great '' کے روپ میں عوام کے سامنے پیش کریں۔ سابقہ مغل شہنشاہوں اور اکبر کے درباری امراء کے کارناموں کو بھی اس سے منسوب کر دینا ایک تاریخی غلطی ہے۔ جس سے اس دور کے سماجی ارتقاء اور معاشرہ کے مختلف طبقات کے باہمی کردار کو سمجھنا دشوار بن گیا۔ آئینِ اکبری کے علاوہ ابوالفضل نے آیت الکرسی اور سورۃ الفتح کی تفسیر بھی لکھی۔

محمود جون پوری رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ (۹۹۳ھ - ۱۰۶۲ھ)

آپ جون پور میں پیدا ہوئے۔ نسباً فاروقی تھے۔ سترہ سال کی عمر میں مروجہ علوم سے فارغ ہوئے اور علماء کبار میں شمار ہونے لگے۔ سید غلام بلگرامی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ نے ان کو علوم حکمیہ وادبیہ کا مجدد کہا ہے۔ آپ سے کوئی ایسا قول سرزد نہیں ہوا جس سے رجوع کرنا پڑا ہو۔ آپ نے شاہجہاں کو رصدگاہ تعمیر کرنے کا مشورہ دیا تھا جو قبول کرلیا گیا۔ مگر اس پر عمل نہ ہوسکا۔ آپ نے جون پور میں اپنی زندگی درس و تدریس میں گذاری۔ الفرائد شرح الفوائد، حرز الایمان، الحکمۃ البالغہ اور شمس بازغہ آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔ ﴿۶۷﴾

مولانا محمد لاہوری رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ

حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ نے آپ کے نام پانچ خطوط تحریر کیے۔ ﴿۶۸﴾ آپ لاہور کے بڑے عالم اور صاحبِ کمال اساتذہ میں سے تھے۔ آپ کا گھرانہ علم و فضل کا مرکز تھا۔ مفتی کے عہدے پر مامور تھے۔ صحیح بخاری اور مشکوٰۃ کا درس ختم کرتے تو پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا جاتا۔ ﴿۶۹﴾

﴿۶۶﴾ ایضاً۔ ص ۶۶

﴿۶۷﴾ گنگوہی، محمد حنیف، ظفر المحصلین باحوال المصنفین، دار الاشاعت، کراچی، ص ۳۷۳ تا ۳۷۵

﴿۶۸﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب ۲۶، ۳۳، تا ۳۶

﴿۶۹﴾ بدایونی، ملا عبد القادر، منتخب التواریخ، ج ۳، ص ۶۴۵

شیخ نورالحق رَحمۃُ اللہ علیہ (۹۸۳ھ-۱۰۷۳ھ)

آپ کے نام حضرت مجدد رَحمۃُ اللہ علَیہ کا ایک مکتوب ہے۔﴿۷۰﴾ آپ نے تعلیم اپنے جلیل القدر والد شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحمۃُ اللہ علَیہ سے حاصل کی۔ آپ بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ شاہ جہان نے آگرہ کی قضا آپ کے سپرد کی۔ آپ کی تصانیف میں صحیح بخاری کی فارسی شرح تیسیر القاری (چھ جلد) صحیح مسلم کی شرح منبع العلم (نامکمل) اہم ہیں۔ علاوہ ازیں موطا امام مالک اور شمائلِ ترمذی کی شرح بھی لکھی۔﴿۷۱﴾ آپ کی تصانیف کی تعداد تیرہ ہے۔ والد ماجد کے انتقال کے بعد ان کی مسند ارشاد سنبھالی۔

شیخ عیسیٰ سندھی (۹۶۲ھ-۱۰۳۱ھ)

آپ سندھ کے قصبہ پاتری کے رہنے والے تھے اور خالصتاً مذہبی ماحول میں آنکھ کھولی۔ نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ شیخ طاہر محدث سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ مبارک سندھی رَحمۃُ اللہ علَیہ سے اصول فقہ اور علمِ کلام کی تحصیل کی۔ تصوف سے بھی لگاؤ تھا۔ عمر بھر ریاضت ومجاہدہ، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعے لوگوں کو فیض پہنچایا۔ بے شمار تشنگانِ علم نے ان کے چشمۂ فیض سے علمی تشنگی بجھائی۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر تیرہ کتب تصنیف کیں۔ علم نحو میں فوائد ضیائیہ پر حاشیہ اور انوار الاسرار فی حقائق القرآن ومعارفہا (جو صوفیہ کی طرز پر تفسیر ہے) اہم ہیں۔﴿۷۲﴾

﴿۷۰﴾ مجددالف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحمۃُ اللہ علَیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰

﴿۷۱﴾ بھوپالی، نواب صدیق حسن، ابجد العلوم، المکتبۃ القدوسیۃ، لاہور ۱۹۸۳ء، ج ۳، ص ۲۲۹/ ندوی، شاہ معین الدین احمد، مقالاتِ سلیمان، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۱۹۸۹ء، ج ۲، ص: ۲۳/ نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۲۵۷ تا ۲۶۱

﴿۷۲﴾ لکھنوی، عبدالحیٔ، نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، ۱۹۵۵ء، ج ۵، ص ۲۹۵ تا ۲۹۹/ رحمان علی، مولوی، تذکرہ علمائے ہند، مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۹۱۴ء، ص: ۱۵۳

ملا عبدالقادر بدایونی (۹۴۹ھ-۱۰۳۱ھ)

آپ امام شاہ اکبر کہلاتے تھے اور علمائے عصر میں فضیلت کا درجہ رکھتے تھے۔ میاں حاتم سنبھلی، شیخ مبارک ناگوری، شیخ سعد اللہ نحوی، ابوالمعالی اور سید محمد مکی جیسے فضلائے عصر سے مروجہ علوم کی تکمیل کی۔ اپنی فطری ذہانت اور صلاحیت سے عربی، فارسی، سنسکرت، تفسیر، تاریخ، شعر، ادب، موسیقی اور تاریخ گوئی میں بڑی مہارت پیدا کی۔ بہترین خطاط، قاری اور موسیقار تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دنوں کے لئے اکبر کے ایک امیر محمد حسین خان کے ہاں ملازمت کی۔ ۹۸۱ھ میں اکبر کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ آپ بدھ کے دن امامت کرواتے تھے۔ دربارِ اکبری میں آنے سے پہلے بھی تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔ دربار میں آنے کے بعد اکبر کے حکم سے ترجمہ و تالیف میں نام پیدا کیا لیکن شہرت منتخب التواریخ کی وجہ سے ملی جو اس دور کی تاریخ کا مستند ذریعہ ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی اور غیروں کی ہر بات کو بیان کر دیا ہے۔ اس کے ماخذ خواجہ نظام الدین احمد بخشی کی طبقاتِ اکبری اور احمد بن عبداللہ سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی کے علاوہ ذاتی مشاہدات و معلومات ہیں۔ جلد سوم میں مشائخ، علماء، اطباء اور شعراء کا تذکرہ ہے۔ حالات تحریر کرتے وقت ان سے اپنی محبت و نفرت کا اظہار بے باکانہ کرتے ہیں عربی دان ہونے کی وجہ سے بے شمار عربی الفاظ بھی ان کی تحریروں کا حصہ ہیں لیکن نظم میں ان کی انشائی صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔ ﴿۷۳﴾

ڈاکٹر شیخ محمد اکرام جن کو ملا عبدالقادر بدایونی کے بیان کردہ واقعات و حقائق سے اتفاق نہیں، وہ بھی آپ کی ادبی صلاحیتوں کے معترف ہیں، لکھتے ہیں:

''وہ ایک بلند پایہ ادیب، بے مثال نثر نگار اور نہایت ذہین انسان تھا۔'' ﴿۷۴﴾

ڈاکٹر اکرام نے بدایونی کے مندرجات پر شکوک و شبہات کا اظہار کیا لیکن منتخب التواریخ پر اس ضمن میں جو اعتراضات کئے ان کو ٹھوس دلائل سے ثابت نہیں کر سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ بدایونی نے جو کچھ لکھا اس کی تائید حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے بلکہ شیخ ابوالفضل کی آئینِ

﴿۷۳﴾ بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، ج ۱، ص ۳۶۳، ج ۲، ص ۱۶۲، ۱۷۲، ۱۷۳، ۳۹۴، ج ۳، ص ۳۰۴/عبد الرحمان، سید صباح الدین، ص ۱۷۹ تا ۲۱۸/آزاد، مولانا محمد حسین، دربارِ اکبری، ص: ۲۱۹ تا ۲۱۸

﴿۷۴﴾ محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، ص: ۱۱۳

اکبری سے ایسی شہادتیں ملتی ہیں جو بدایونی کے نقطۂ نظر کی حمایت کرتی ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایسی غلط فہمیوں کے تدارک کے سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

''بعض خوش اعتقاد بزرگوں کا خیال ہے کہ ملا عبدالنبی اور مخدوم الملک کی نسبت ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں جو کچھ لکھا، اس کو ملا عبدالقادر بدایونی کی نکتہ چین طبیعت کی بے اعتدالیوں اور معاصرت کے تعصب پر محمول کرنا چاہئے لیکن ان بزرگوں کو یہ نہیں معلوم کہ بدایونی کے علاوہ اس عہد کے دیگر وقائع نگار بھی اس بارہ میں متفق ہیں اور گو ملا بدایونی کی طرح بے پردہ و بے باکانہ لکھنے کو شیوۂ حزم و احتیاط و تہذیبِ نگارش کے خلاف سمجھتے ہیں مگر اصلیت کا صاف انکار کرتے ہیں۔''

اس کے بعد مولانا ابوالکلام نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی اخبار الاخیار کے حوالے سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے۔﴿۷۵﴾

جن دیگر مورخین کی آراء سے بدایونی کے موقف کی تائید ہوتی ہے ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر ازکیا ہاشمی لکھتے ہیں:

''عہد اکبری کے نامور مورخ نظام الدین احمد بخشی کی طبقاتِ اکبری، عہدِ جہانگیر کے صوفی بزرگ شیخ آدم بنوری کی کتاب ''خلاصۃ المعارف فی اسرار العقائد، معتمد خاں کی جہانگیر نامہ، عہدِ شاہجہانی کی تصنیف ''دبستانِ مذاہب'' اس دور کے ایک اطالوی سیاح نکولس مینو کی ''فسانہ سلطنت مغلیہ'' اور عہدِ عالمگیری کے مورخ محمد ہاشم خافی خان کی ''تاریخ منتخب اللباب'' سے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ان بیانات کی تصدیق ہوتی ہے جو منتخب التواریخ میں مندرج ہیں۔''﴿۷۶﴾

جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے کہ دیگر مولفین نے ان واقعات کو بیان نہیں کیا تو اس کی وجہ مولانا محمد حسین آزاد نے یہ بتائی ہے:

''اکبر کے عہد میں اس کتاب نے رواج نہ پایا، اسے ملا عبدالقادر بدایونی نے بڑی احتیاط سے مخفی

﴿۷۵﴾ تذکرہ، ص ۳۷ تا ۳۹، گویا اس عہد کی دیگر کتب میں جن باتوں کا ذکر اجمالاً کیا گیا ہے، بدایونی نے انہیں تفصیلاً اور واضح بیان کیا ہے۔

﴿۷۶﴾ ازکیا ہاشمی، ڈاکٹر، برصغیر پاک و ہند میں مسلم قومیت کے احیاء میں وحدت الشہود کا کردار، ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، مئی ۱۹۹۸ء، ص ۲۵

رکھا۔ جہانگیر کے زمانے میں اس کا چرچا ہوا۔ بادشاہ نے یہ کتاب دیکھی تو حکم دیا کہ اس نے میرے باپ کو بدنام کیا۔ لہٰذا اس کے بیٹے کو قید کرلو اور گھر کو لوٹ لو۔ چنانچہ شیخ کے ورثاء کو گرفتار کرلیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو اس وقت خورد سال تھے۔ ہمیں خبر نہیں۔ بادشاہ نے ان سے مچلکے لیے کہ ہمارے پاس موجود ہو تو ہم سزا کے لیے تیار ہیں۔ کتب فروشوں سے بھی مچلکے لئے گئے کہ یہ کتاب خریدی اور بیچی نہ جائے۔ خافی خان نے شاہ جہان سے محمد شاہ کا زمانہ دیکھا، وہ حال مذکور کے بارے میں لکھتا ہے۔ کہ تعجب ہے اس تشدد کے باوجود خاص کتب فروشوں کی دکان پر سب سے زیادہ منتخب التواریخ ہی نظر آتی۔ بادشاہ کی خفگی کی شہرت عام ہوگئی تھی اس لئے قاسم فرشتہ، شیخ نور الحق، اور مولف تاریخ زید، یہ تین مورخ جہانگیری عہد میں تاریخ لکھ رہے تھے کسی نے اس ذکر سے قلم کو آشنا نہیں کیا۔" ﴿۷۷﴾

عہد مجدد کے علماء و عرفاء، مبلغین و مصلحین کی اس اجمالی فہرست میں اس عہد کی نامور شخصیات شامل ہیں۔ ان میں ایسے مولفین و مصنفین بھی ہیں جن کی تالیفات و تصانیف آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں لیکن حضرت مجدد الف ثانی رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے کارناموں اور آپ کی علمی تخلیقات پر نظر ڈالی جائے تو آپ ان سب میں منفرد نظر آتے ہیں۔ عبدالحیؒ لکھنوی نے آپ کی علمی حیثیت و شہرت کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے "الشیخ العالم الفقیه احمد الحنفی السرهندی احد العلماء البرزین فی الفقه والاصول، درس وافاد مدة عمره، وصار المرجع والمقصد فی الافتاء" آپ کے علمی کارنامے فکری حیثیت سے بہت زیادہ بلند اور انقلاب آفریں ہیں۔ اسی وجہ سے باوجود اس کے کہ بالغ نظر علماء کی ایک کثیر تعداد اس دور میں موجود تھی، 'مجدد الف ثانی' کا لقب آپ ہی کو دیا گیا، آپ کی تعلیمات نے نہ صرف اسلامی ہند بلکہ عالمِ اسلام کی مذہبی، ذہنی، فکری، سماجی اور سیاسی تاریخ پر انمٹ نقوش ثبت کئے، یہی آپ کے عظیم الشان کارناموں اور عظمت و شوکت کا اعتراف ہے۔

عہد مجدد رَحمۃُ اللہ عَلَیہ میں نظامِ تعلیم

حضرت مجدد رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے زمانے میں نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم کے جائزے کے سلسلے میں ان کے ہم عصر علماء کی سوانح عمریوں، کتب تاریخ اور دیگر صریح شہادتوں سے جو خاکہ مرتب

﴿۷۷﴾ آزاد، مولانا محمد حسین، دربار اکبری، ص ۴۶۴

ہوتا ہے۔اس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

ابتدائی تعلیم:

۱۔ قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ابتدائی جماعتوں میں لکھنا پڑھنا، حساب کتاب اور خوش نویسی کی تعلیم و تدریس۔

۲۔ حروفِ تہجی کی پہچان کے لئے اکبر نے جو طریقہ رائج کیا، وہ درج ذیل ہے:

''لڑکے ابتداء میں فقط حرف کی شکل اور اس کا نام یاد کریں اور دو روز میں تمام حروفِ تہجی ﴿۷۸﴾ کو ختم کر کے حروف کے جوڑ پیوند کو اکٹھا کرنا اور پڑھنا سیکھیں۔''

حروف کی پہچان کے سلسلہ میں حتی الامکان کوشش کی جاتی کہ اس معاملے میں بچہ استاد سے کم مدد لے۔ استاد ہر روز درج ذیل پانچ امور پر توجہ رکھتا اور ان کی نگہداشت کرتا:

حروف کی شناخت، الفاظ کے معانی، مصرع، شعر، آموختہ ﴿۷۹﴾

اس طریقہ کے تعلیم یافتہ ہر قسم کے دنیاوی کاروبار کے اہل ہوتے تھے۔

۳۔ تعلیم و تدریس کے ضمن میں ابوالفضل نے نصاب کے جن لازمی علوم و فنون کا ذکر کیا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

اخلاق، حساب، زراعت، اقلیدس، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل، سیاست، طب، منطق، طبیعیات، ریاضی اور تاریخ عالم

ہندوؤں کے لئے درج ذیل علیحدہ نصاب تجویز کیا گیا:

بیاکرن ینائے، بیدانت، پاتنجل ﴿۸۰﴾

۴۔ مروجہ علوم سے فراغت کی بھی کوئی عمر مقرر نہ تھی۔ عموماً لڑکے پندرہ بیس سال کی عمر میں ان جملہ

﴿۷۸﴾ ملا فتح اللہ شیرازی جیسے عالم ۴، ۵ سال کی عمر کے بچوں کو ہجا نویسی سکھاتے جو ابتدائی تعلیم کا اہم جز و تھا۔ گیلانی، سید مناظر احسن، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، حصہ اول، ص:۳۶۱

﴿۷۹﴾ ابوالفضل، شیخ، آئینِ اکبری، ج۱، ص:۴۱۷، ۴۱۸

﴿۸۰﴾ ابوالفضل، شیخ، آئینِ اکبری، ج۱، ص:۴۱۸ یہ ہندو فلاسفی کی طرف اشارہ ہے۔ ینائے سے مراد منطق، بیدانت وحدت الوجود اور پاتنجل ریاضت کی طرف اشارہ ہے۔

علوم سے فارغ ہو جاتے تھے مثلاً حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ ۱۷ سال اور فیضی ۱۴ سال کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے۔

۵۔ اعلیٰ دینی تعلیم کے سلسلہ میں اس وقت درج ذیل کتب کی تدریس کا رواج تھا: ﴿۸۱﴾

۱۔	فارسی	بوستان، گلستان، دیوان خواجہ حافظ
۲۔	صرف	میزان، منشعب
۳۔	نحو	کافیہ، لب الالباب، مصباح، ارشاد
۴۔	منطق	شرح شمسیہ، شرح مطالع
۵۔	ریاضی	تحریر اقلیدس
۶۔	بلاغت	مختصر المعانی، مطول
۷۔	فقہ	شرح وقایہ، ہدایہ
۸۔	اصولِ فقہ	حسامی، توضیح وتلویح، بزدوی
۹۔	تفسیر	بیضاوی، عرائس البیان، مدارک، کشاف
۱۰۔	حدیث	بُخاری، ترمذی، مشکوٰۃ
۱۱۔	تصوف	عوارف المعارف، فصوص الحکم، احیاء العلوم
۱۲۔	سیرت	شرح شفاء
۱۳۔	طب	شفاء، موجز القانون
۱۴۔	عربی ادب	قصیدہ بردہ

﴿۸۱﴾ یہ فہرست ان کتب سے لی گئی ہے:

بھٹی، مولانا محمد اسحٰق، تاریخ فقہائے ہند، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور/ محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، اخبار الاخیار، مترجمین: سبحان محمود، محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی/ عبدالرحمان، سید صباح الدین، بزمِ تیموریہ، ندوی، مولانا ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، صدیقی، پروفیسر بختیار حسین برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظامِ تعلیم، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۲ء، ص: ۱۳-۱۴

ان کے علاوہ چند دیگر کتب کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ درج بالا کتب ہی عام طور پر پڑھائی جاتی تھیں۔ یہ مربوط ومنضبط نصاب نہ تھا بلکہ ان کتب میں سے منتخب کردہ کتب پڑھائی جاتیں جس کا انحصار استاد اور شاگرد کے ذوق پر ہوتا لیکن فقہ واصول فقہ کو معیارِ فضیلت سمجھا جاتا۔

۶۔شاہی محلات میں تعلیم:

شہزادوں کے لئے محلات میں شاہی آداب اور شہزادوں کی ضروریات کے مطابق خصوصی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا جاتا۔ ملکی مہمات سے نبرد آزما ہونے کے لئے عسکری تربیت کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ شہزادوں کے اساتذہ 'اتالیق' کہلاتے۔ مغلوں میں یہ قدیم دستور تھا کہ جیسے ہی شہزادے کی عمر چار سال، چار ماہ اور چار دن ہو جائے اس کی رسمِ بسم اللہ ادا کر دی جائے۔

اکبر کی تدریس کے لئے مختلف اوقات میں ملا عصام الدین ابراہیم، ملا بایزید، ملا پیر محمد، مولانا عبدالقادر آزاد اور شیخ مبارک وغیرہ فریضۂ تدریس انجام دیتے رہے۔﴿۸۲﴾ فنِ سپہ گری کے لئے منعم خان کو مقرر کیا گیا لیکن اس نے پڑھائی کی طرف خاص توجہ نہ دی۔﴿۸۳﴾ اسی طرح ۲۲ رجب ۹۸۱ھ کو

﴿۸۲﴾ آزاد، مولانا محمد حسین، دربارِ اکبری، ص:۱۱۳

مزید ملاحظہ فرمائیں:

BeverigGe,H. Akbarrama, p.518

﴿۸۳﴾ اکبر کو اُمّی ثابت کیا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت پیغمبر اسلام ﷺ سے (نعوذ باللہ) مماثلت ثابت کرنے کے لئے ہے۔ ہمایوں جیسا علم دوست بادشاہ اپنے بیٹے کی تعلیم کا اہتمام نہ کرتا، یہ ہو نہیں سکتا۔ اکبر نے اپنے عہدِ حکومت میں کتب کے تراجم وتالیفات کے لئے جو اہتمام کیا، وہ اس کے اُمّی ہونے کے نظریے کے بطلان کے لئے کافی ہے۔ اکبر کی درباری علماء سے بحث ومباحثہ میں دلچسپی بھی ظاہر کرتی ہے کہ اس نے رسمی تعلیم ضرور حاصل کی تھی۔ مورخ فرشتہ کی یہ گواہی اس کے لئے کافی ہے۔

”کبھی کبھی وہ شعر وشاعری بھی کیا کرتا تھا۔ علمِ تاریخ سے بڑی اچھی طرح واقفیت تھی۔ امیر حمزہ کا قصہ جس میں تین سو ساٹھ داستانیں ہیں، اسے دربارِ اکبری کے فضلاء نے نظم ونثر دونوں میں بیان کیا ہے۔ یہ نسخہ باتصویر مرتب کیا گیا۔ پیش کش کا یہ انداز اکبر کی ہی ایجاد ہے۔“

فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، ج ا، ص:۳۰۷ اس نقطہ نظر کی وضاحت خلیق احمد نظامی کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بروز بدھ جہانگیر کی رسمِ بسم اللہ ہوئی اور مولانا میر کلاں ہروی، شیخ احمد، قطب الدین محمد خان اور عبد الرحیم خان، جہانگیر کے اتالیق رہے۔ حیدر آباد دکن کے مرتضی خان سے نیزہ بازی بھی سیکھی۔ ﴿۸۴﴾

۷۔ فنی تعلیم:

فنی تعلیم کے اداروں کے بارے میں شواہد میسر نہیں لیکن اس کے باوجود فنی علم ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا رہتا تھا۔ اس کے لئے شاہی حوصلہ افزائی ہر جگہ نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر عہدِ اکبری میں ایسے جہاز تیار کئے جاتے تھے۔ جو پندرہ ہزار من بوجھ اٹھا سکتے تھے۔ ﴿۸۵﴾ فتح اللہ شیرازی نے ہوا سے چلنے والی چکی، آئینۂ حیرت، گیارہ فائر کرنے والی بندوق بھی بنائی تھی۔ ﴿۸۶﴾

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اس تحریر سے بھی ہوتی ہے۔

"The question of Akbar's educatin has long been a moot point because Abul Fazl's anxiety to invest his master with prophetic qualities-illiteracy being one of them- has created confusion. He introduces Akbar as "a scholar of the Divine academy and graduate of God's college." But it is well night established that the popularly believed story of his being totally unlettered deserves no credence. Akbar may not have been a very devoted student and may not have fulfilled the expectations of his teachers but it would not be fair to thing that the efforts of his seven teachers failed to lift him from ignorance to some sort of literacy."   Akbar And Religion P.18

Nizami, Khaliq Ahmad Akbar and Religion P.18

﴿۸۴﴾ بنی پرشاد، ڈاکٹر، تاریخ جہانگیر، ترجمہ: رحم علی الہاشمی، پروگریسو بکس، لاہور ۱۹۸۷ء، ص: ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۲/ جہانگیر، محمد نور الدین، تزکِ جہانگیری، ص: ۲۰

﴿۸۵﴾ جاوید قاضی، ہندی مسلم تہذیب، تخلیقات، لاہور ۱۹۹۵، ص: ۱۰۳

﴿۸۶﴾ جالندھری، رشید احمد، ڈاکٹر، برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ج ۱، ص: ۷۸

عہدِ مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے اہم تعلیمی ادارے

انتظامی کے لحاظ سے مدارس کو درج ذیل طبقات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ا۔ شاہی سرپرستی میں قائم مدارس

۲۔ علماء کے ذاتی مدارس

ا۔شاہی سرپرستی میں قائم مدارس:

خیر المنازل (دہلی)، مدرسہ ابوالفضل (شاہ پور سیکری)، عیدگاہ جہانگیری لاہور (اس جگہ آج کل جامعہ نعیمیہ کی عمارت ہے جسے مفتی محمد حسین نعیمیؒ نے قائم کیا)، مدرسہ سید بسر (لاہور) نیز جہانگیر کے عہدِ حکومت میں کوئی مالدار رئیس بغیر کسی جانشین کے مرجاتا تو اس کی تمام جائیداد مدرسوں اور خانقاہوں پر صرف ہوتی۔ اس طرح جو مدرسے مدتوں سے بند تھے دوبارہ کھل گئے۔﴿۸۷﴾

۲۔علماء کے ذاتی مدارس:

اس عہد میں مدارس کے لئے الگ عمارتیں بنانے کا رواج نہ تھا، یہ کام مساجد سے لیا جاتا۔ اس عہد کے مشائخِ عظام صرف مشائخِ طریقت ہی نہ تھے بلکہ وہ مدرسِ شریعت بھی تھے۔ بڑے بڑے متبحر علماء کے مکان بھی دارالعلوم کی حیثیت رکھتے تھے۔ بزرگانِ دین کی خانقاہیں بھی مدارس کا کام دیتی تھیں دورِ حاضر کی طرح مدارس کے خاص نام رکھنے کا اہتمام بھی نہ تھا۔ گویا مساجد، خانقاہوں اور علماء کے ذاتی مکانات ہی میں مدارس تھے لیکن تعلیم کا معیار عصری درسگاہوں سے بلند تر تھا۔ ایسے چند مدارس درج ذیل ہیں:

حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کا درس، مسجد قصاب، مولانا علاؤ الدین رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کا درس (لاہور)، شیخ منور لاہوری کا درس (لاہور)، ملا جمال تلوی کا درس (لاہور) مولانا کمال الدین کشمیری کا درس (سیالکوٹ) اور مدرسہ خس (آگرہ) ﴿۸۸﴾ بعض مدارس میں قیام وطعام کا بھی انتظام تھا لیکن

﴿۸۷﴾ ندوی، مولانا ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۱۹۸۹ء، ص:۲۹

﴿۸۸﴾ ان مدارس میں پڑھانے والے بعض اساتذہ اپنا کاروبار کرتے یا کسی جگہ ملازم ہوتے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شخصی اور بعض دیگر درسگاہوں میں اس کا بندوبست نہیں تھا۔ دینی تعلیم کے سلسلے میں لاہور، آگرہ، جون پور اور سیالکوٹ اہم تعلیمی مراکز تھے۔ ﴿۸۹﴾

کتب خانے

کتب خانے ہر دور میں علم وفن کی ترقی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس دور میں بادشاہوں اور امراء کے علاوہ اہلِ علم وفضل کے ذاتی کتب خانے موجود تھے۔

۱۔ بادشاہوں اور امراء کے کتب خانے: ﴿۹۰﴾

اکبر اپنے کتب خانے کے مجموعۂ کتب سے بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ اکبر کی نادر لائبریری کے بارے میں Smith نے لکھا ہے کہ ایسی لائبریری اکبر سے پہلے وجود میں نہیں آئی تھی۔ ﴿۹۱﴾ شاہی کتب خانے کی بعض کتابیں حرم میں رکھی جاتی تھیں ان کتب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک حصہ علومِ طبعی اور دوسرا تواریخ کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ ایک وقت تک ملّا پیر محمد لائبریری کے مہتمم رہے۔

جہانگیر بھی کتب کا بڑا شائق تھا۔ جب وہ گجرات گیا تو ایک کتب خانہ بھی ساتھ لے گیا۔ مکتوب

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور فارغ اوقات میں درس وتدریس کا فریضہ دینی خدمت سمجھ کر انجام دیتے مثلاً مولانا اللہ داد لنگر خانی کی چند چکیاں تھیں جو کرایہ پر چلتیں۔ مزید برآں قلیج خاں اندجانی لاہور کا گورنر تھا فرائضِ حکمرانی سے فارغ ہو کر درس وتدریس میں مشغول ہو جاتا۔

﴿۸۹﴾ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ جس مدرسہ میں پڑھتے رہے وہاں روزانہ دو میل کا فاصلہ طے کرتے۔ دن میں حتیٰ کہ سخت گرمی اور سردی میں بھی آتے اور جاتے تھے۔ شیخ نظام الدین انصاری کے پوتے شیخ حافظ کے مدرسہ میں طلباء کی سکونت کا اہتمام بھی تھا۔ ایسے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے ہاں ہند اور بیرونِ ہند سے طلباء آتے جن کے قیام اور دیگر مصارف کے آپ ہی کفیل تھے۔

﴿۹۰﴾ این۔ این۔ لا، پروفیسر، عہدِ اسلامی میں تعلیمی ترقی، مترجمین: اخلاص حسین زبیری، سلطان فاطمہ بلخی، اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی ۱۹۶۵ء، ص ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۸۸، ۱۸۹

﴿۹۱﴾ جالندھری، رشید احمد ڈاکٹر، برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، ج ۱، ص: ۷۸

خان اس دور میں کتب خانے کا ناظم تھا۔ان کتب کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہتا تھا۔﴿۹۲﴾

۲۔ذاتی کتب خانے:

اس دور کے علماء نے اپنے ذاتی کتب خانوں میں بھی نادر کتابیں جمع کی ہوئی تھیں۔ایسے ہی کتب خانے جو معروف تھے، درج ذیل ہیں:

کتب خانۂ مجددیہ﴿۹۳﴾، کتب خانۂ شیخ عبدالحق رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ، کتب خانۂ بدایونی، کتب خانۂ سید شیخ بن عبداللہ، کتب خانۂ پیر سید ابراہیم، کتب خانہ میر سید عبدالاول، کتب خانہ فیضی

شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کی علمی خدمات

''پچھلی صدیوں کے علماء کے تذکرے اور کتب سوانح کا مطالعہ کیجئے۔سینکڑوں ناموں میں ایک شخص کا ملنا مشکل ہوگا جس پر عبقری (Genius) کے لقب کا اطلاق درست ہو یا جس نے کسی موضوع پر کوئی نئی چیز پیش کی ہو، یا کسی خاص علم میں اس نے کوئی نمایاں اور گرانقدر اضافہ کیا ہو۔پچھلی صدیوں میں ہم صرف چند افراد کا استثناء کر سکتے ہیں جو اپنے زمانے کی عام علمی و ذہنی سطح سے بلند تھے، اور جنہوں نے دینی یا علمی دائرے میں کوئی بڑا انقلابی کارنامہ یا علمی شاہکار پیش کیا ہے۔خوش قسمتی سے ان تمام افراد کا تعلق ہندوستان کی سرزمین سے ہے۔ان میں ایک حضرت شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ہیں۔جن کے مکتوبات اسلام کے علمی و دینی سرمایہ میں ایک بیش بہا اضافہ ہیں۔اور جنہوں نے پورے عالمِ اسلام پر گہرا اثر ڈالا ہے۔''﴿۹۴﴾

مزید برآں ان خدمات کے پیشِ نظر عبیداللہ قدسی کو یہ لکھنا پڑا:

﴿۹۲﴾ گجرات کی فتح کے بعد اعتماد خان گجراتی کا کتب خانہ اکبر نے حاصل کیا۔فیضی کی چار ہزار چھ سو کتب بھی شاہی کتب خانہ میں آئیں۔این۔این۔لا، پروفیسر، عہدِ اسلامی میں تعلیمی ترقی ، ص: ۱۶۵، عبدالستار نے علم النجوم پر، شیخ عبدالحق نے اخبار الاخیار جہانگیر کو دی تھیں۔جہانگیر، محمد نورالدین، تزکِ جہانگیری، ص: ۳۱۴، ۳۲۷

﴿۹۳﴾ حضرت مجددالف ثانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے اس کتب خانے کو خواجہ محمد معصوم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے اپنے چھ بیٹوں میں تقسیم کیا تھا۔محمد احسان، خواجہ، روضۃ القیومیہ، ج۲، ص: ۲۶۷

﴿۹۴﴾ ندوی، ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلسِ نشریاتِ اسلام، کراچی، ص: ۲۲۵

''فلسفہ، تاریخ، تصوف، ثقافت، اور تحریکِ حریت پر لکھنے والوں کا مقصد حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کے تذکرے کے بغیر تشنہ رہتا ہے۔'' ﴿۹۵﴾

یہی وجہ ہے کہ جب حرمین شریفین کے سفر میں شاہ ولی اللہ نے حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کی ایک کتاب کا حوالہ دیا تو پھر حجاز کے علماء کو یہ معلوم ہوا کہ اس کتاب کا معارف و تحقیق کی دنیا میں کتنا بلند مقام ہے۔ ان کے ایما پر حضرت شاہ ولی اللہ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ نے اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ﴿۹۶﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وفکری خدمات کی مختلف جہتوں کا جائزہ لیں تو بطورِ مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، ماہرِ تعلیم، مبلغ اور مصنف، آپ نے علم و دانش کا گراں قدر سرمایہ چھوڑا ہے۔ یہ جائزہ اس حقیقت کو بھی آشکار کرتا ہے کہ جملہ علوم وفنون پر آپ کی نظر کس قدر گہری تھی۔ حالات و واقعات کے مطابق اپنی فکر کو علماء، اشرافیہ صوفیہ، اور عامۃ الناس تک پہنچانے کے لیے جو لائحہ عمل آپ نے مرتب کیا وہ کس حد تک مؤثر تھا۔ یہ انداز صرف اس زمانے میں ہی اہم اور کارگر نہ تھا آج بھی اتنا ہی اہم اور نتائج کے اعتبار سے اثر انگیز ہے۔

حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ بحیثیت مفسر قرآن

حضرت شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ قرآنِ کریم کے عظیم مفسروں میں سے ہیں لیکن تا حال آپ کی علمی شخصیت کے اس پہلو پر کسی نے توجہ نہیں دی۔ کتاب اللہ کی نصوص کے بارے میں نیز آیات سے پیدا ہونے والے اثر کے متعلق ان کا ذوق بڑا لطیف ہے۔ خواجہ ہاشم کشمی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ مکتوبات کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''یہ مکاتیب اسرارِ دین اور انوارِ یقین کے جامع ہیں۔ کتابِ مبین قرآن کریم کے چھپے بھیدوں کو ظاہر کرتے ہیں۔'' ﴿۹۷﴾

﴿۹۵﴾ قدسی، عبید اللہ، آزادی کی تحریکیں، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۸ء، ص: ۶۱

﴿۹۶﴾ زبید احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، مترجم: شاہد حسین رزاقی، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۷ء، ص: ۱۲۹

﴿۹۷﴾ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص: ۲۲۴

حضرت شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے حوالے سے ایک آیت مبارکہ کی تشریح کے ضمن میں ملک حسن علی جامعی لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے نہایت محققانہ تفسیر بیان کی ہے اور کئی حقائق اور نکتے بیان کئے ہیں۔اس میں علوم و معارف کے گوہر لٹائے اور حق تو یہ ہے اس آیت کی تفسیر کا حق ادا اُنہوں نے ہی کیا ہے۔'' ﴿۹۸﴾

نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ سے قرآن کریم کی جو تفسیر منقول ہے وہ تمام آیات کی تفسیر نہیں بلکہ بقول ابن ندیم فراء وہ پہلا مفسر ہے جس نے مکمل تفسیر لکھی ہے۔ ﴿۹۹﴾

حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے قرآن کریم کی مکمل تفسیر نہیں لکھی لیکن مکاتیب اور دیگر رسائل میں قرآن کریم کی بہت سی آیات کی تفسیر بیان کی ہے۔مفسر بالاثر اور مفسر بالرائے (محمود) کی حیثیت سے آپ نے مابعد کے مفسرین کو بہت متاثر کیا۔علامہ محمود آلوسی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ،قاضی ثناء اللہ پانی پتی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ اور شاہ رؤف مجددی نے حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی نمائندگی کا حق ادا کیا ہے۔آپ کی تفسیر معیار کے اعتبار سے قولِ فیصل کی حیثیت رکھتی ہے اور فنِ تفسیر کی ایک ایسی معیاری خدمت ہے جس پر علمی دنیا ہمیشہ فخر کرے گی۔نئے پرانے عقلی و نقلی شبہات اور تصوف و معرفت کے نفیس نکات بھی بیان کئے گئے ہیں۔اسی طرح آپ نے اپنے زمانہ میں تفسیر کے حوالے سے پیدا ہونے والے فلسفیانہ رجحان پر سخت تنقید کی۔

شیخ عبداللہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کو آپ نے جو مکتوب تحریر کیا وہ آپ کے تفسیری منہج اور قرآن فہمی کے بارے میں آپ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتا ہے۔آپ لکھتے ہیں:

''کتاب تبصیر الرحمان ﴿۱۰۰﴾ جو آپ نے بھیجی تھی،اس کے بعض مقامات دیکھ کر واپس

﴿۹۸﴾ جامعی،حسن علی،تعلیماتِ مجددیہ،ادارہ اشاعۃ التوحید والسنۃ،شرقپور ۱۹۹۵،ص:۲۶۴

﴿۹۹﴾ وراق،ابوالفرج محمد بن ابی یعقوب،الفہرست،اصح المطابع،کراچی ۱۹۷۱ء،ص:۷۳
مگر ڈاکٹر عبداللہ محمود شحاتہ کی رائے ہے کہ والذی فیہ آن تفسیر مقاتل بن سلیمان اول تفسیر کامل للقرآن وصل الینا شحاتہ، عبداللہ محمود،مقدمہ الاشباہ والنظائر فی القرآن از مقاتل بن سلیمان البلخی،الھیئۃ المصریۃ العامۃ لکتاب ۱۹۹۶،ص ۶۶،۶۹،۷۰،۷۱

﴿۱۰۰﴾ کتاب کا پورا نام تبصیر الرحمان وتیسیر المنان ہے اور مصنف کا نام (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کررہا ہوں۔ میرے محترم! اس کتاب کا مصنف فلاسفہ کے مذہب سے بہت لگاؤ رکھتا ہے۔ قریب ہے کہ حکماء کو انبیاء علیہم السلام کے برابر کردے۔ سورۂ ہود کی ایک آیت نظر سے گذری کہ اس کی تفسیر میں انبیاء علیہم السلام کے طریقے کے خلاف بیان کیا ہے اور انبیاء وحکماء کے قول کو برابر کردیا اور اس آیتِ کریمہ کے بیان میں کہا:

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ ------ باتفاق بالانبياء والحكماء (اِلَّا النَّارِ) ﴿۱۰۱﴾ الحسی و العقلی (یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں بہ اتفاق انبیاء وحکماء آگ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وہ آگ حسی یا عقلی) انبیاء علیہم السلام کے اجماع کے باوجود حکماء کا اتفاق کیا گنجائش رکھتا ہے اور عذاب اخروی میں ان کے قول کا کیا اعتبار ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ قول، انبیاء علیہم السلام کے قول کے مخالف ہو۔ فلاسفہ جو عذاب عقلی کا اثبات کرتے ہیں، ان کا مقصود حسی عذاب سے انکار ہے۔ جس کے اثبات پر تمام انبیاء علیہم السلام کا اجماع واقع ہوا ہے۔ ایک اور مقام پر قرآنِ مجید کی آیات کو حکماء کے موافق بیان کرتا ہے۔ اگرچہ وہ اہلِ مذہب کے خلاف ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ مخفی نقصان بلکہ جلی ضرر سے خالی نہیں ہے۔" ﴿۱۰۲﴾

اس مکتوب سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس حقیقتِ (مفسدہ) تک حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی فہم وفراست پہنچ گئی، عوام تو درکنار، خواص تک اس کے ادراک سے قاصر ہیں۔

حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ بحیثیت محدّث

شیخ یعقوب کشمیری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ اور حضرت عبدالرحمان سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے آپ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) علی بن احمد المہائمی ہے۔ اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی ربط آیات ہے۔ اس کے حاشیہ پر ابوبکر بجستانی کی تفسیر "نزهة القلوب فی تفسیر غریب القرآن" شائع ہوئی ہے۔ یہ دو جلدوں میں بیروت سے چھپ چکی ہے۔

﴿۱۰۱﴾ الا النار کی تفسیر حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے اختصار سے لکھی، مہائمی نے آیت کے اس حصہ کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے: (الا النار) المحسوسة أو المعقولة فلا يقربه من اله العقل الكامل الذى يشبه البلوغ الى حد الاعجاز، المہائمی، علی بن احمد، تبصیر الرحمان، عالم الکتب، بیروت، ج ۱، ص: ۳۴۱

﴿۱۰۲﴾ سرہندی، شیخ احمد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۱۰۱

کتب احادیث پڑھیں اور قاضی بہلول بدخشی نے مشکوٰۃ المصابیح کی اجازت مرحمت فرمائی۔ حدیث میں آپ کی مہارتِ تامہ کا اندازہ آپ کے رسائل اور مکتوبات سے لگایا جا سکتا ہے ﴿۱۰۳﴾ مکتوبات میں کم وبیش تین صد ﴿۱۰۴﴾ احادیث کے حوالے بعض مقامات پر نہایت عمدہ تشریح کے ساتھ ملتے ہیں۔

علم حدیث میں آپ کے مقام ومرتبہ کے بارہ میں مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''متنِ حدیث میں ایک اربعین یعنی چالیس منتخب احادیث کا مجموعہ آپ کی تالیف ہے ﴿۱۰۵۔الف﴾ جو عام طور پر ملتا ہے۔اس کے علاوہ جس نے آپ کے مکتوبات کا مطالعہ کیا ہے وہ اس بات کی شہادت دے گا کہ آپ کا مقام حدیث میں کتنا بلند تھا ﴿۱۰۵﴾ آپ کی محدثانہ حیثیت کے پیشِ نظر سید احمد رضا بجنوری نے مقدمہ انوار الباری میں محدثین احناف میں آپ کا ذکر کیا ہے ﴿۱۰۶﴾ اور انور شاہ کشمیری ﴿۱۰۷﴾، شاہ عبدالغنی مجددی ﴿۱۰۸﴾، علامہ شبیر احمد عثمانی ﴿۱۰۹﴾، سید احمد رضا بجنوری ﴿۱۱۰﴾، مولانا ادریس کاندھلوی ﴿۱۱۱﴾ سراج احمد سرہندی ﴿۱۱۲﴾ نے اپنی شروح میں، محمد زکریا سہارنپوری نے

﴿۱۰۳﴾ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص:۱۳۰

﴿۱۰۴﴾ اگر ایک حدیث مختلف مقامات پر ہے تو اسے ایک ہی شمار کیا گیا ہے۔

﴿۱۰۵۔الف﴾ حضرت مجدد کی کتاب چہل حدیث راقم کے مقدمہ، تخریج اور اردو، انگریزی ترجمہ سمیت، تحقیقات لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

﴿۱۰۵﴾ ندوی، شاہ معین الدین احمد، ج ۲،ص:۳۴

﴿۱۰۶﴾ بجنوری، سید احمد رضا، مقدمہ انوار الباری، مکتبہ حفیظیہ، گوجرانوالہ ۱۹۸۸ء، ج ۲،ص ۱۷۸ تا ۱۸۰

﴿۱۰۷﴾ کشمیری، انور شاہ، فیض الباری مجلس علمی ڈابھیل، الہند ۱۹۳۸ء، ج ۱،ص:۱۹

﴿۱۰۸﴾ عبدالغنی، مجددی، انجاح الحاجہ، حاشیہ سنن ابنِ ماجہ، ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی، ص:۳، ۹، ۳۱۵، ۳۲۳، ۳۳۰

﴿۱۰۹﴾ عثمانی، علامہ شبیر احمد، فضل الباری شرح صحیح بخاری، ادارہ علوم شرعیہ، کراچی، ج ۱،ص:۱۲۳

﴿۱۱۰﴾ بجنوری، سید احمد رضا، انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری، ج ۱،ص:۶۵/ج ۲،ص ۸۳، ۸۴

﴿۱۱۱﴾ کاندھلوی، محمد ادریس، التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح، مکتبۃ العثمانیۃ لاہور، ج ۱،ص:۱۳ کاندھلوی، محمد ادریس، الابواب والتراجم اردو شرح بخاری شریف، کتب خانہ جمیلی، لاہور، ص:۸۴، ۹۴

﴿۱۱۲﴾ سراج احمد سرہندی، شروح مجموعہ اربعہ ترمذی، مطبع نظامی، کانپور ۱۳۰۶ھ، ج ۱،ص:۳۰۱

صحاح ستہ کے متعلق اپنے مکاتیب میں ﴿۱۱۳﴾ اور مولانا سلیم اللہ خاں ﴿۱۱۴﴾ نے حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کے حوالے دیئے۔ شیخ عبدالغنی نے تبریز المکنونات فی تخریج احادیث المکتوبات، محمد سعید نے تشید المبانی فی تخریج احادیث المکتوبات الامام الربانی اور مولانا سعید نقشبندی نے مکتوبات کے اردو ترجمہ میں احادیث کی تخریج کی۔ ﴿۱۱۵﴾ ڈاکٹر بابر بیگ مطالی نے مکتوبات کی تخریج کے حوالے سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے تحقیقی مقالہ لکھا۔

مکتوبات و دیگر رسائل میں آپ نے بعض مقامات پر اصول حدیث کے فنی مباحث جیسے صحیح، حسن، خبر واحد، خبر متواتر اور راویوں پر جرح وغیرہ کے حوالے سے بھی گفتگو کی ﴿۱۱۶﴾ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث و اصول حدیث پر آپ کی کس قدر گہری نظر تھی۔ عصرِ حاضر کے نامور محدث غلام رسول سعیدی نے ایک حدیث کے مفہوم کو اس لئے صحیح قرار دیا کہ مکتوبات میں حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ نے اسے نقل کیا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ لکھتے ہیں:

”شیخ مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کا جو علمی اور تحقیقی مقام ہے وہ خویش و بیگانہ سب کے نزدیک مسلم ہے اور مکتوبات میں شیخ کا اس حدیث کو متعدد بار ذکر کرنا اور اس سے استدلال کرنا اس امر پر آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ ان کے نزدیک حدیث لولاک لما خلقت الافلاک معنیً صحیح اور ثابت ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ ☆

﴿۱۱۳﴾ سہارنپوری، محمد زکریا، مکتوبات علمیہ، مرتب: محمد شاہد سہارنپوری، سعید کمپنی، ادب منزل، کراچی ۱۳۹۳ھ، ص: ۱۴۲

﴿۱۱۴﴾ سلیم اللہ خاں، مولانا، کشف الباری، مکتبہ فاروقیہ، کراچی ۱۴۱۸ھ، کتاب التفسیر، ص: ۱۴

﴿۱۱۵﴾ محمد سعید، تشید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الامام الربانی، حیدر آباد دکن ۱۳۲۳ھ، ص: ۳۰

﴿۱۱۶﴾ ملاحظہ فرمایئے:

”مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۶۲، ۳۰۹/ دفتر دوم، مکتوب ۷۸/ معارف لدنیہ، ص: ۱۷۷/ مبدأ و معاد ص ۱۲۶ تا ۱۲۸/ تائید اہل سنت، ص: ۵۵، ۳، ۷۳

دفتر سوم مکتوب ۲۴ میں عبدالرزاق کو اکابر شیعہ میں سے قرار دیا ہے۔ اسی طرح امام ذہبی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اکابر محدثین میں سے ہیں۔

﴿۱۱۷﴾ سعیدی، غلام رسول، مقالاتِ سعیدی، فرید بک سٹال، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص: ۱۳۸

☆ حضرت مجددؒ کی اسانید اور احادیث کی شرح کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

”حضرت مجدد الف ثانی اور معارف حدیث“ یہ کتاب تحقیقات لاہور کے زیر اہتمام ۲۰۰۸ء/۱۴۲۹ھ میں شائع ہوئی۔

حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ بطور فقیہ

علامہ شامی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ نے فقیہ کی درج ذیل خصوصیات بیان کی ہیں:

''انما الفقیہ الزاھد فی الدنیا الراغب فی الاخرۃ البصیر بدینہ المداوم علی عبادۃ ربہ الورع الکاف عن اعراض المسلمین العفیف عن اموالھم الناصح بجماعتھم'' ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: ''فقیہ دنیا سے بے رغبت، آخرت کا طالب، دین کا دیدہ ور، ہمیشہ عبادت گزار، متقی، مسلمانوں کی عزت سے نہ کھیلنے والا، لوگوں کے مال سے پرہیز کرنے والا اور عامۃ المسلمین کا خیر خواہ ہوتا ہے۔''

حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ میں یہ تمام اوصاف بدرجۂ کمال پائے جاتے تھے۔ آپ دلیل تفصیلی کی معرفت کے بعد فتویٰ دیتے۔ آپ کا فقہی سرمایہ اگرچہ بہت قلیل ہے لیکن اس میں تحقیق کا وہ اسلوب و معیار نظر آتا ہے جس کی جھلکیاں ہمیں صرف قدیم فقہاء میں نظر آتی ہیں۔ کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کتاب اللہ سے استنباط ممکن ہوتو اسے نظر انداز نہ ہونے دیتے۔ کتاب اللہ سے دلائل بیان کرتے ہوئے بعض اوقات اصولی اور تفصیلی ابحاث بھی بیان کرتے۔ پھر کتب احادیث سے شہادتیں پیش کرتے۔ ان دونوں مآخذ کی آپ کے نزدیک کتنی اہمیت تھی، اس کا اندازہ آپ کے ان اقوال سے لگایا جاسکتا ہے:

''ہمیں نص (مراد قرآنی آیات) سے کام ہے فص (ابنِ عربی کی کتاب فصوص الحکم کی طرف اشارہ) سے نہیں، فتوحاتِ مدنیہ (مراد احادیث) نے ہمیں فتوحاتِ مکیہ (ابنِ عربی کی کتاب) سے بے نیاز کردیا ہے۔'' ﴿۱۱۹﴾

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''نصوص شرعیہ کے مقابلہ میں فصوص الحکم کی باتوں کو اختیار نہیں کرتے۔'' ﴿۱۲۰﴾

آپ امام اعظم امام ابوحنیفہ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کے مقلد کی حیثیت سے فتویٰ دیتے۔ اور حنفی مسلک کی تائید وحمایت میں دلائل فراہم کرتے۔

﴿۱۱۸﴾ شامی، ابن عابدین، محمد امین، ردالمحتار علی درالمختار، المکتبۃ الماجدیۃ، کوئٹہ ۱۳۹۹ھ، ج ۱، ص: ۲۹

﴿۱۱۹﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۰۰

﴿۱۲۰﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۱۳۱

''آپ فرماتے ہیں کہ ہم مجتہدوں کے تابع ہیں جو کچھ وہ فرمائیں وہی کرو۔ اور ہم بھی وہی کرتے ہیں اور جس بات سے منع کرتے ہیں وہ ہم نہیں کرتے۔'' ﴿۱۲۱﴾

آپ کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قواعد و اصول و فروع احکام میں حنفی المسلک تھے اور امام اعظم رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ سے آپ کو حد درجہ عقیدت تھی۔ آپ فقہی مسائل میں اقوال سلف کو بھی بیان کرتے اور اقوال متباینہ میں تطبیق دیتے یا کسی قول کو ترجیح دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب فقہ مثلاً جامع الرموز، تاتار خانیہ، ہدایہ، فتاویٰ غیاثیہ، حاشیہ شرح وقایہ، فتاویٰ شافیہ، فتاویٰ غرائب، فتح القدیر، فتاویٰ سراجیہ جیسی عظیم الشان کتابوں کے حوالے بھی آپ کی تصانیف میں ملتے ہیں۔ مقلد ہونے کے باوجود بعض صورتوں میں اجتہاد کے بھی قائل تھے۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا:

''یہاں متقدمین و متاخرین کا فتویٰ جاری نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت کے احکام علیحدہ ہوتے ہیں۔''

آپ تمام ائمہ کی جلالت شان کے قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حتی الامکان اقوال مجتہدین کو جمع کرنے کی پوری کوشش کرتے تاکہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو جائے۔'' ﴿۱۲۲﴾ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خواجہ بدرالدین سرہندی لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ ایک عرصے تک پشمینے کے ایک مصلے پر نماز ادا فرماتے رہے۔ اور امام مالک رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کے مسلک میں پشمینے پر سجدہ مکروہ ہے اور حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کا طریقہ جمع مذہب کا تھا تو آپ نے سجدے کی جگہ ٹاٹ کا ایک ٹکڑا سی لیا۔'' ﴿۱۲۳﴾

نماز کی امامت حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ خود کرواتے۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں:

''آپ نے فرمایا:

﴿۱۲۱﴾ کلابی، محمد صالح، ہدایت الطالبین، ملک فضل الدین تاجران کتب قومی، لاہور، ص:۱۹

﴿۱۲۲﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۲۳

خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں: ''حضرت جمع مذاہب می نمودند''، کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، نول کشور ۱۳۰۷ھ، ص ۱۹۷

﴿۱۲۳﴾ سرہندی، خواجہ بدرالدین، حضرات القدس (اردو)، ص: ۴۳۲

'شافعیہ اور مالکیہ اس مذہب پر ہیں کہ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر نماز درست نہیں، لہٰذا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اور احادیث صحیحہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ امام اعظم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے نزدیک امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ اور جمہور فقہائے احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

مزید رقم طراز ہیں:

''چوں ما مہما امکن بر جمع مذہب می کوشیم دریں صورت جمع را دران دیدہ ایم کہ خود امامت کنم''۔﴿۱۲۴﴾

حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ ایک مکاشفہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''اس وقت ایسا دیکھا کہ ان دونوں مذہبوں (یعنی حنفیہ اور شافعیہ) سے حق دور نہیں یعنی اگر حنفیہ سے کسی جگہ حق کا موقع رہ گیا تو شافعیہ نے اسے پالیا ہے اور ان سے حق متجاوز نہیں ہونے پایا۔ یہ بات آپ نے تفصیل سے بیان فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے ساتھ دو یا تین حصہ حق ہے اور تہائی یا چوتھائی حق امام شافعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے ساتھ ہے اور امام شافعی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ سے حق آگے نہیں گیا۔''﴿۱۲۵﴾

یہ مکاشفہ تفصیل سے بیان کرنے کے بعد خواجہ بدرالدین سرہندی لکھتے ہیں:

''گویا اس طرح آپ کو حنفی الشافعی کہا جا سکتا ہے۔''﴿۱۲۶﴾

آپ کی اسی فقہی بصیرت کی بناء پر ہاشم کشمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے مکتوبات کو حلالِ مشکلات کلامیہ و فقہیہ کہا ہے۔﴿۱۲۷﴾

دوسری جگہ آپ کی فقہی حیثیت کے بارے میں لکھا:

''باوجود اس کے کہ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کو مسائل فقہ مستحضر تھے۔ اور اصول فقہ پر اعلیٰ دسترس

﴿۱۲۴﴾ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص ۱۹۷-۱۹۸

﴿۱۲۵﴾ سرہندی، خواجہ، حضرات القدس، ج ۲: ص ۱۰۹/ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص ۱۸۲، ۱۸۳/ محمد معصوم، خواجہ، مکتوباتِ معصومیہ، ادارۂ مجددیہ، کراچی ۱۹۸۶ء، دفتر اول، مکتوب: ۲۳۱

﴿۱۲۶﴾ سرہندی، خواجہ بدرالدین، حضرات القدس، ج ۲، ص: ۱۰۹

﴿۱۲۷﴾ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص: ۲۲۴

حاصل تھی لیکن اس کے باوجود اکثر ثقہ اور معتبر کتابوں سے تحقیق انتہائی احتیاط سے کرتے اور آپ پوری عزیمت سے فقہاء کبار کے مختار اور مفتیٰ بہ قول پر عمل کرتے تھے اور ایسا عمل جس میں جواز اور کراہت کا پہلو فقہاء بیان کرتے تو آپ کراہت کے پہلو کو ترجیح دے کر اس پر عمل نہ کرتے اور فرماتے "اگر عدم جواز اور جواز، اور حل و حرمت کا اختلاف ہو جائے تو جانب عدم جواز اور جانب حرمت کو ترجیح دینی چاہیے۔﴿۱۲۸﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت مبلغ

تبلیغ دین کے بارے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تبلیغ دین اہم فریضہ ہے۔ اس کو انجام نہ دینے والوں کا قیامت کے دن کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔﴿۱۲۹﴾ آپ کی نظر میں تبلیغ دین کے دو بنیادی مقاصد ہیں:

۱۔ تقویت ملت و عزت اسلام

۲۔ ذلت و خواریٔ کفر﴿۱۳۰﴾

ان دونوں کو ملا کر آپ نے ایک ناقابلِ تردید اصول مقرر فرما دیا:

''عزتِ اسلام و اہل آں در خواری کفر و اہل کفر است''﴿۱۳۱﴾

یعنی ''اسلام اور مسلمانوں کی عزت کفر اور کافروں کی ذلت و خواری پر منحصر ہے۔''

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے از سر نو ایک مربوط، موثر اور متحرک تبلیغی نظام قائم فرمایا۔ جس کے تحت آپ نے

۱۔ اپنے خلفاء کو برصغیر کے اہم سیاسی، عسکری اور دینی مرکزوں پر اسلامی اقدار کی تبلیغ و تعلیم کے لئے مامور فرمایا۔

﴿۱۲۸﴾ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص:۱۹۷

﴿۱۲۹﴾ مکتوبات، امام ربانی دفتر اول، مکتوب:۱۹۳

﴿۱۳۰﴾ صدیقی، پروفیسر عبدالباری، مکتوبات امام ربانی بحیثیت ماخذ ایمانیات، سرہند پبلی کیشنز کراچی، ۱۹۸۵، ص ۵۸

﴿۱۳۱﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب:۱۹۳

۲۔ علماء و مشائخ کو اپنے حلقۂ اثر میں اسلامی عقائد و احکام کی تبلیغ و تدریس کا اہتمام کرنے کی ہدایت فرمائی۔

۳۔ مسلمان خواتین کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و تلقین کے لیے عقیدت مند صالحہ خواتین کو مامور کیا۔

۴۔ آپ خود بھی نمونۂ عمل بن کر تبلیغی جہاد میں سرگرمِ عمل رہتے۔ یہ جہاد بالنفس بھی تھا اور جہاد بالقلم بھی۔ لسانی بھی تھا اور قلبی بھی۔ قید خانہ ہو یا لشکری جلوس، دربارشاہی ہو یا خانقاہِ درویشی، ہر جگہ تعلیم و تبلیغ میں منہمک نظر آتے۔

۵۔ آپ نے تبلیغ دین، نفاذِ شریعت، احیائے سنت، عقائد صحیحہ، اعمالِ صالحہ، احکامِ فقہ، سلوک و معارف اور طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی دینی افادیت پر جامع اور مدلل مکتوبات اپنے عقیدت مند امراء، علماء، مشائخ خواتین حتیٰ کہ ہنود کو بھی ارسال فرمائے۔ ﴿۱۳۲﴾

حضرت مجدد رَحمۃُ اللہ عَلَیہ کے طریقہ تبلیغ کے یہی وہ نمایاں پہلو تھے۔ جن کی وجہ سے اپنے وقت کے بہت سے علماء، صوفیہ اور مبلغین سے ممتاز رہے۔ اور دوسرے علماء و صوفیہ سے زیادہ آپ کے افکار و تعلیمات کا اثر ہوا۔

حضرت مجدد رَحمۃُ اللہ عَلَیہ بحیثیت متکلم

حضرت مجدد رَحمۃُ اللہ عَلَیہ تحریر فرماتے ہیں:

''احوالِ سلوک کے درمیانی حالات میں ایک مرتبہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس فقیر سے فرمایا۔ 'تم علمِ کلام کے ایک مجتہد ہو' اس وقت سے لے کر مسائلِ کلامیہ میں میری خاص رائے اور مخصوص علم ہے۔'' ﴿۱۳۳﴾

مکتوبات کے دفتر اول کا مکتوب ۲۶۶ ﴿۱۳۴﴾ اور دفتر دوم کا مکتوب ۶۷ عقائد کی تمام کتابوں کا

﴿۱۳۲﴾ صدیقی، پروفیسر عبدالباری، مکتوباتِ امام ربانی بحیثیت ماخذ ایمانیات، ص: ۴۷، ۴۸

﴿۱۳۳﴾ مجددالف ثانی رَحمۃُ اللہ عَلَیہ، مبدا و معاد، ادارۂ مجددیہ کراچی، ۱۹۸۴، ص ۱۶۵

﴿۱۳۴﴾ یہ مکتوب دراصل اہل سنت کا عقائد نامہ ہے جس میں عقائد کو بہترین ترتیب کے ساتھ عام فہم اور دل نشیں انداز میں ذکر کر کے مغلقات کو نہایت آسان کر دیا ہے۔

جامع ہے۔ جس میں آپ نے ایمان کی کمی بیشی، گناہِ کبیرہ کے مرتکب کی بخشش، قرآن کا کلام الٰہی ہونا، پل صراط، میزان، عذاب قبر، خلفائے راشدین کی افضلیت، معجزات، کرامات اور شفاعت جیسے اہم مسائل پر معتزلی ﴿۱۳۵﴾ اشعری اور ماتریدی ﴿۱۳۶﴾ نظریات بیان کر کے ماتریدی افکار کی ترجیح کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اسی طرح دفتر اول کا مکتوب ۲۸۹ اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ ہے جس میں حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے مذاہبِ باطلہ قدریہ ﴿۱۳۷﴾ اور جبریہ ﴿۱۳۸﴾ کی تردید دلائل عقلی سے ثابت کر کے

﴿۱۳۵﴾ معتزلہ: اس فرقے کا بانی امام حسن بصری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کا شاگرد واصل بن عطاء تھا۔ یہ لوگ یونانی فلسفہ سے بہت متاثر تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مصدر معرفت صرف عقل ہے۔ ان کے نزدیک خدا کا عرفان بھی عقل ہی سے ممکن ہے۔ توحید، عدل، وعدوعید، کفرو اسلام میں درمیانی درجہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ان کے مذہب کے اصولِ خمسہ میں ہے۔ عباسی خلیفہ مامون اور اس کے دو جانشین معتزلی عقائد کے حامی تھے۔ طٰہٰ حسین، ڈاکٹر، اسلام منزل بہ منزل، مترجم: سید رئیس احمد جعفری، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص: ۲۹۵ تا ۳۰۳/ البسیط، احمد اسماعیل، امام حسن بصری اور ان کی تفسیری خدمات، مترجم: عبدالقیوم، ادارہ معارف اسلامی لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۵۵ تا ۴۶/ مودودی، ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص: ۲۱۷ تا ۲۱۹

﴿۱۳۶﴾ یہ دونوں مذہب اعتقادی مذاہب ہیں۔ ماتریدی محمد بن محمد بن محمود المعروف ابو منصور ماتریدی (م ۳۳۳ھ) سے منسوب ہیں جبکہ اشعری امام ابوالحسن (۲۶۰ھ-۳۳۰ھ) سے منسوب ہیں۔
امام ماتریدی نے درحقیقت امام ابو حنیفہ کے مجمل اقوال کی تفصیل بیان کی ہے۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے نظریات میں کوئی اساسی اختلاف نہیں تاہم دونوں کا طرزِ فکر جداگانہ نوعیت کا ہے۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ دونوں قرآن کے ثابت کردہ عقائد کو عقل و برہان کی روشنی میں ثابت کرنا چاہتے تھے۔

﴿۱۳۷﴾ ان کے مطابق انسان سب کام اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ اور خدا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ کہا کرتے تھے جب امور و حوادث وقوع میں آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو اسی وقت ان کا علم ہوتا ہے۔ معبد بن خالد جہنی اس فرقے کا بانی تھا۔

﴿۱۳۸﴾ اس مذہب کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ بندے سے افعال کی نفی کر کے انہیں ذاتِ خداوندی کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ کیونکہ بندے میں یہ استطاعت نہیں پائی جاتی، وہ اپنے افعال میں مجبورِ محض ہے نہ اس میں قدرت پائی جاتی ہے نہ ارادہ و اختیار۔ جہم بن صفوان نے اس مذہب کی بنیاد رکھی۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مذہب اہلِ سنت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اہلِ ذوق حضرات کی تشنہ کامی دور ہو جاتی ہے اور سلیم الفطرت ذہنوں کو حقیقت کی جھلک نظر آتی ہے۔

خواجہ ہاشم کشمی رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ کا ارادہ تھا کہ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ کے اجتہادات کلامیہ کو آپ کے مکتوبات اور رسائل سے نکال کر ایک رسالے میں جمع کریں۔﴿۱۳۹﴾ لیکن وہ کر نہ سکے۔

حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ بحیثیت سیرت نگار☆

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے صرف چند پہلو ہی سیرت کے زمرہ میں نہیں آتے بلکہ آپ کی ولادت سے پہلے کی پیش گوئیاں اور ارہاصات کے ساتھ خصائل وشمائل نبوی، آپ کے فرامین اور انداز زیست کے سب پہلو سیرتِ مقدسہ میں شامل ہیں علاوہ ازیں آپ کے زیر تربیت افراد کے افکار ونظریات بھی زیرِ بحث آتے ہیں۔ گویا نبی کریم ﷺ کی انفرادی واجتماعی زندگی کے مختلف پہلو سیرت نگاری کے مختلف عنوان ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آپ ﷺ آج بھی امت کی بذریعہ خواب یا کسی اور طریقے سے رہنمائی فرمائیں وہ بھی سیرت کا ایک باب ہے۔ درحقیقت سیرت النبی ﷺ بعد از وصال النبی ﷺ ختمِ نبوت کا لازمی نتیجہ ہے۔ آپ کی سیرت کا تعلق ماضی وحال کی طرح مستقبل اور مستقبل بعید سے بھی ہے۔ چونکہ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ تاریخ انسانی کی آئینہ دار ہے اور آپ ﷺ ماضی، حال، مستقبل کے شاہد ہیں۔ اس لئے شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ نے اپنے مکاتیب ورسائل میں سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر جامع شذرات تحریر کئے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) ابوزہرہ، اسلامی مذاہب، مترجم غلام احمد حریری، ص ۱۷۶۔۱۸۷، ۱۸۸۔ ۲۰۳، ۳۹۰، ۹۱/ رامپوری، نجم الغنی خان، مذاہب الاسلام، ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۲۴/ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، الفصل فی الملل والاھواء والنحل، دار المعرفۃ لبنان ۱۹۷۵ء، ج ۲، ص ۱۱۲۔۱۱۴، ج ۳، ص ۲۲۔۲۴/ مقالات الاسلامیین، ابوالحسن اشعری، ۱۹۸۵ء، ص ۲۱۶۔۲۴۷

﴿۱۳۹﴾ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص: ۱۹۷

☆ راقم کی کتب ''مقام نبوت حضرت مجدد الف ثانی کے افکار کا مطالعہ''، ''مقام صحابہ حضرت مجدد الف ثانی کے افکار کا مطالعہ''، ''مقام اہل بیت حضرت مجدد الف ثانی کے افکار کا مطالعہ''، ملاحظہ فرمائیں۔

دینِ اکبری کی پالیسی نبی کریم ﷺ کی نبوت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر کے دین اسلام میں امت کے تعلق بالرسالت کو کمزور کرنا تھا۔ یہاں تک کہ محمد اور احمد نام بھی اکبر کو ناگوار تھے۔ گیارھویں صدی ہجری میں حضرت شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے امت مسلمہ کو کفر والحاد کی یورشوں کے باوجود درِ مصطفوی پر پہنچانے کے لئے بے مثال کام کیا اور اس کام کی ابتداء انہوں اپنے رسالہ 'اثبات النبوۃ' سے کی۔ یہی سیرت کے حوالے سے حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کا پہلا کام ہے۔ پھر آپ کی ہر تحریر، ہر گفتگو اور عبارت کا محور و مرکز نبوتِ محمدی پر ایمان، ذاتِ نبی پر اعتماد اور محبتِ رسول ﷺ کا فروغ ٹھہری۔ ﴿۱۴۰﴾ پھر نبی کریم ﷺ کے فضائل، آپ کی نبوت کے دلائل اور 'معجزۂ قرآن نبوت کی دلیل ہے' جیسے سیرت کے اہم موضوعات رسالہ تہلیلیہ میں علمی و تحقیقی انداز سے بیان فرمائے۔ سیرت کے چند اہم پہلو جن پر حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے قلم اٹھایا، درج ذیل ہیں:

ضرورتِ رسالت ﴿۱۴۱﴾

رسالتِ محمدی ﷺ کی عالم گیریت ﴿۱۴۲﴾

رسالتِ محمدی ﷺ کی جامعیت و کاملیت ﴿۱۴۳﴾

عصمتِ انبیاء علیہم السلام ﴿۱۴۴﴾

محبتِ رسول ﷺ اور اس کے تقاضے ﴿۱۴۵﴾

حیاتِ انبیاء ﴿۱۴۶﴾

﴿۱۴۰﴾ توحید و رسالت میں باہمی تعلق کے متعلق یہ پرلطیف قول آپ ہی کا ہے: ''محبت آں سرور بر نہجے متولی شدہ است کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ را بواسطہ آں دوست می دارم کہ رب محمد ﷺ است'' (مبدأ و معاد: ص ۶۳)، صبغت اللہ مجددی اور قاضی ثناء اللہ نے اسے سکریہ کلام کہا۔

﴿۱۴۱﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۶۷/ دفتر اول، مکتوب ۱۶۷، ۲۶۶/ اثبات النبوۃ، ص: ۶۵، ۷۹ تا ۸۸

﴿۱۴۲﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ، مکتوبات، دفتر اول مکتوب: ۲۵۹

﴿۱۴۳﴾ رسالہ تہلیلیہ، ص: ۳۱

﴿۱۴۴﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم مکتوب: ۴۴

﴿۱۴۵﴾ ایضاً، دفتر اول مکتوب: ۴۴، ۱۶۵، ۲۷۶/ دفتر سوم، مکتوب: ۱۲۲

﴿۱۴۶﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۱۶

سیرت النبی ﷺ بعد از وصال النبی ﷺ ﴿۱۴۷﴾

ولادت باسعادت ﴿۱۴۸﴾

حقیقتِ محمدی ﷺ ﴿۱۴۹﴾

نورانیت وبشریت ﴿۱۵۰﴾

اسمِ محمد واحمد ﷺ ﴿۱۵۱﴾

فلسفۂ ہجرت ﴿۱۵۲﴾

ختمِ نبوت ﴿۱۵۳﴾

معراج النبی ﷺ ﴿۱۵۴﴾

شفاعتِ مصطفوی ﷺ ﴿۱۵۵﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت مفکرِ تعلیم

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے تعلیمی افکار کا اجمالی جائزہ درج ذیل ہے: ﴿۱۵۶﴾

﴿۱۴۷﴾ ایضاً، دفتر دوم مکتوب: ۳۶/ دفتر سوم، مکتوب: ۱۰۷/ دفتر اول، مکتوب: ۱۶

﴿۱۴۸﴾ ایضاً، دفتر سوم مکتوب: ۱۰۰

﴿۱۴۹﴾ ایضاً، دفتر اول مکتوب: ۲۰۹،/ دفتر سوم، مکتوب: ۱۲۲

﴿۱۵۰﴾ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۶۴/ دفتر اول، مکتوب: ۶۳، ۱۷۳

﴿۱۵۱﴾ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۹۴

﴿۱۵۲﴾ ایضاً، دفتر اول مکتوب: ۴۴، ۶۵، ۸۵

﴿۱۵۳﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۶۷

﴿۱۵۴﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۱۰، ۲۷۲، ۲۸۳، دفتر سوم، مکتوب: ۱۷/ مبدأ ومعاد، ص: ۸۹ د

﴿۱۵۵﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب: ۲۷۳، ۴۴ علاوہ ازیں فارسی شعراء کے نعتیہ اشعار بھی مناسب مواقع پر تحریر کیے ہیں۔ (دفتر اول، مکتوب: ۱۸، ۴۴، ۷۸/ دفتر دوم، مکتوب: ۱۲۱)

﴿۱۵۶﴾ اس موضوع پر راقم کا مضمون جہان امام ربانی میں شائع ہوا ہے۔ جلد ۳، ص: ۵۰۷۔۵۲۲

۱۔ علم کا مقصود رضائے الٰہی ہو۔ جاہ و سرداری اور حصولِ مال و زر نہ ہو۔

۲۔ مجددی نظامِ تعلیم میں طالب علم کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ یہ ترویج دین اور قیامِ شریعت کا سبب ہیں۔﴿۱۵۷﴾

۳۔ عقل اہم ہے مگر حجتِ کاملہ نہیں۔ یہ غیبی اور مابعد الطبیعی حقائق کے ادراک میں عاجز ہے۔

۴۔ آپ کے نزدیک غیر افادی علوم، فلسفہ اور منطق کی اہمیت نہ تھی۔

''اکبری دور میں ابوالفضل اور فیضی فلسفہ یونان کے بل بوتے پر لوگوں کو مرعوب کر کے راستہ صاف کر رہے تھے۔ اس دور میں آپ کے علمی کارناموں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے ان کی سحر کاریوں کا پول کھولا۔ فلاسفہ کے علمی رعب کو خاک میں ملا دیا۔ ایک طویل مکتوب کے آخر میں آپ شعر لکھتے ہیں:

فلسفہ چوں اکثرش باشد سفہ پس کل آں

ہم سفہ باشد کہ حکم کل حکم اکثر است﴿۱۵۸﴾

۵۔ ذرائع علم تین ہیں:

۱۔ حواس ۲۔ عقل ۳۔ وحی

''جو کچھ عقل کے طریقے سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ وہ نبوت کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔''﴿۱۵۹﴾

۶۔ مطالعہ کی اہمیت پر آپ نے بہت زور دیا۔

۷۔ آپ کے نزدیک درس و تدریس ذکر و فکر سے بہتر ہے۔﴿۱۶۰﴾

۸۔ جوانی کا آغاز حصولِ علم کا بہترین وقت ہے۔﴿۱۶۱﴾

۹۔ ضرر رساں کتب کے مطالعہ سے گریز کیا جائے۔ تفسیر کے متعلق ایک کتاب تبصیر الرحمٰن

﴿۱۵۷﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۴۷

﴿۱۵۸﴾ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۲۳

﴿۱۵۹﴾ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۲۳

﴿۱۶۰﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۱۴

﴿۱۶۱﴾ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۳۵

کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس کتاب کا مطالعہ مخفی نقصان بلکہ جلی ضرر سے خالی نہیں۔'' ﴿۱۶۲﴾

لیکن دوسری طرف کتبِ فقہ کے مطالعہ کی بار بار تلقین کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات مطالعہ کے لئے فقہ کی کتابوں کے نام بھی تجویز کرتے ہیں۔ ﴿۱۶۳﴾

۱۰۔ جس مسئلہ میں علماء اور صوفیہ کا اختلاف ہو تو ترجیح علمائے حق کے قول کو دی جائے گی۔ ﴿۱۶۴﴾

تصانیف

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی گوناگوں علمی و ادبی صلاحیتوں کا اندازہ آپ کی تصانیف سے ہوتا ہے۔ جو مختلف مواقع اور خاص ضرورت کے تحت تصنیف کی گئیں۔ یہ کتابیں آپ کی علمی و فکری کاوشوں کی بے نظیر یادگار ہیں اور پورے عالم اسلام میں مقبول ہیں۔ یہ تصانیف علوم معارف کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ نیز اسلام کے ان تمام نظریاتی، سیاسی اور معاشرتی رجحانات کی تاریخ بھی ہیں، جو دس صدیوں میں پیدا ہوئے۔ ان تصانیف کی اثر پذیری اور اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے عزیز احمد لکھتے ہیں:

''اجماع امت نے ان کے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ملقب ہونے کو قبولیت کی سند دے دی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی تصانیف اور اثر نے ہندی اسلام کو پارہ پارہ کر کے آمیزش مذہب جیسی بدعات میں بدل جانے سے روک دیا۔'' ﴿۱۶۵﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا شمار کثیر التصانیف بزرگوں میں ہوتا ہے۔ افسوس کہ آپ کی بہت سی کتابیں امتدادِ زمانہ اور لوگوں کی غفلت سے ضائع ہوگئیں بلکہ خود آپ ہی کی زندگی میں گم ہوگئیں۔ اس کا اندازہ آپ کی اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے:

''اس حقیر نے اس وقت معارفِ توحید میں کئی رسالے تحریر کئے اور جب ان تحریرات کو بعض

﴿۱۶۲﴾ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۱۰۱

﴿۱۶۳﴾ مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام، (مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۹۳) ترغیب الصلوٰۃ، تیسیر الاحکام (مکتوبات، دفتر سوم مکتوب: ۱۷)

﴿۱۶۴﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

﴿۱۶۵﴾ عزیز احمد، پروفیسر، برِصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم ڈاکٹر جمیل جالبی، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۰ء، ص: ۲۸۸

دوستوں نے ادھر اُدھر منتشر کر دیا تو انہیں جمع کرنا مشکل جانتے ہوئے ان رسائل کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔'' ﴿۱۶۶﴾

اسی وجہ سے بہت سی کتابوں کے نام سیر و سوانح میں محفوظ نہیں۔ شاہ غلام علی دہلوی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کے نزدیک تصانیف کی تعداد آٹھ ہے۔ ﴿۱۶۷﴾ سات رسائل اور مکتوبات کے علاوہ آپ کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے سید خورشید حسین بخاری لکھتے ہیں:

''اگر کسی تذکرہ نویس نے آٹھ کے علاوہ تصانیف کا ذکر کیا ہے تو اسے بوجہ اشتراک نفس مضمون کتابوں کے ناموں میں تسامح ہوا اور اس نے نئے نام سے نئی کتاب کا اضافہ کر دیا۔'' ﴿۱۶۸﴾

یہ بھی ممکن ہے کہ سرہند کی تباہی میں دیگر کتب رسائل ضائع ہو گئے ہوں یا آپ کے بعض طویل مکتوبات کو علیحدہ رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہو جسے بعد کے محققین نے علیحدہ تصنیف سمجھ لیا۔ اس تناظر میں حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ کی تصانیف کی تعداد کا تعین آسان نہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی تصانیف کے بارے میں نئی نئی معلومات سامنے آ سکتی ہیں۔ آپ کی درج ذیل کتابوں کے نام تا حال دستیاب ہوئے ہیں:

مطبوعہ:

۱۔ مکتوبات (تین جلدیں)
۲۔ اثبات النبوۃ
۳۔ رسالہ تہلیلیہ
۴۔ رد روافض
۵۔ حواشی شرح رباعیات
۶۔ مبدا و معاد

﴿۱۶۶﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیہ، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۹۱

﴿۱۶۷﴾ دہلوی، شاہ غلام علی، در المعارف، مترجم عبد الحکیم خاں اختر، نوری بکڈپو، لاہور ۱۹۸۳ء، ص: ۲۶۷

﴿۱۶۸﴾ بخاری، سید خورشید حسین، نور اسلام، شرقپور، مجدد الف ثانی نمبر، ج ۲، ص: ۵

۷۔ معارف لدنیہ

۸۔ مکاشفات الغیبیہ ﴿۱۶۹﴾

۹۔ چہل حدیث (۱۷۰)

منسوب/غیر مطبوعہ/نایاب

۱۰۔ اثبات الواجب ﴿۱۷۱﴾

۱۱۔ رسالۂ جذب و سلوک

۱۲۔ تعلیقات عوارف ﴿۱۷۲﴾

۱۳۔ رسالہ در بیانِ طریقتِ حضراتِ خواجگان (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۵)

۱۴۔ رسالہ آداب المریدین (مقاماتِ معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب ۱۱۰)

۱۵۔ فتنۂ اکبری

۱۶۔ سجدۂ تعظیمی کے خلاف جہاد ﴿۱۷۳﴾

۱۷۔ شرح مثنوی ﴿۱۷۴﴾

﴿۱۶۹﴾ پاشا، اسماعیل، ہدیۃ العارفین، مکتبہ اسلامیہ والجعفریہ، تہران ۱۳۷۸ھ، ج ۱، ص ۱۵۶-۱۵۷/ پاشا، اسماعیل، ایضاح المکنون، مکتبہ اسلامیہ والجعفریہ، تہران ۱۳۷۸ھ، کالم ۲۳، ۲۴، ۴۲۴/ زرکلی، خیرالدین، الاعلام، دارالعلم للملایین، بیروت ۱۹۷۹، ج ۱، ص: ۱۴۳

﴿۱۷۰﴾ احمد حسین، جواہر مجددیہ، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور، ص: ۶۲/ پسروری، محمد داؤد، سیرت امام ربانی، ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۴۰۹ھ، ص: ۱۹۵۔ یہ رسالہ راقم کے مقدمہ اور احادیث کے اردو و انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

﴿۱۷۱﴾ اثبات النبوۃ سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے ایک مقالہ ذم فلاسفہ میں تحریر کیا۔ یہ محمد صادق سرہندی کے پاس قلمی موجود ہے۔ عین ممکن ہے اثبات الواجب سے وہی رسالہ مراد ہو جو فلاسفہ کے رد میں لکھا گیا تھا۔ اور جس کی صراحت اثبات النبوۃ کے آخر میں موجود ہے۔ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، ص: ۲۶۴، ۲۶۵

﴿۱۷۲﴾ کشمی، محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، ص: ۲۴۰

﴿۱۷۳﴾ امین الدین احمد، سید، صوفیائے نقشبند، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۰، ص: ۳۳

﴿۱۷۴﴾ خاں، محمد آصف، آکھیا بلھے شاہ نے، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۹۰ء، ص: ۳۳ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۸۔ رسالہ تعین ولاتعین

۱۹۔ رسالہ مقصود الصالحین

۲۰۔ مجموعہ تصوف

۲۱۔ رسالہ معرفۃ النفس و معرفۃ الرب ﴿۱۷۵﴾

۲۲۔ اشارات اللطائف ﴿۱۷۶﴾

۲۳۔ کحل الجواہر ﴿۱۷۶۔الف﴾

۲۴۔ مراۃ المحققین ﴿۱۷۶۔ب﴾

۲۵۔ اربع انہار فی الاذکار والمراقبات ﴿۱۷۶۔ج﴾

۲۶۔ حواشی علی شرح المقاصد

۲۷۔ حواشی علی شرح المواقف

مبداٗو معاد

یہ رسالہ حضرت مجدد کے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ جن میں حضرت ممدوح نے خواجہ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں ۱۰۰۸ھ میں حاضر ہو کر طریقۂ نقشبندیہ کے حصول اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عین ممکن ہے فاضل مصنف کو شرح رباعیات کے نام سے غلطی ہوئی ہو۔

﴿۱۷۵﴾ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۶ء، ص: ۲۶۷، ۲۲۸

﴿۱۷۶﴾ منزوی، احمد، فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی، موسسہ فرہنگی منطقہ تہران، ج ۲، نشریہ شمارہ ۵، ص: ۱۰۳۱

﴿۱۷۶۔الف﴾ عبدالحق، مولوی، قاموس الکتب، انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۶۱ء، جلد اول، ص: ۵۸۵ فارسی نثر میں طب کی یہ کتاب مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان میں ۱۳۹۳۷ کے تحت موجود ہے۔

﴿۱۷۶۔ب﴾ تسبیحی، محمد حسین ڈاکٹر، نسخہ ہائے خطی، کتاب خانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۳۷۸ھ، رقم ۱۱۲۰۔

﴿۱۷۶۔ج﴾ رانجھا، محمد نذیر، برصغیر پاک و ہند میں تصوف کی مطبوعات، میاں اخلاق اکیڈمی لاہور ۱۹۹۸ء، ص: ۳۰، کتب کی تفصیلات کے لیے الجنات الثمانیہ کا باب پنجم بھی ملاحظہ فرمائیں۔

تقریباً دس سال بعد تک کے بعض کشوف و حقائق کو بیان کیا ہے۔ آپ کے خلیفہ محمد صدیق کشمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے ۱۰۱۹ھ میں ان کی ترتیب کی تکمیل کی ﴿۱۷۷﴾ اور ان کو ''مِنْهَا'' کا عنوان دے کر ایک دوسرے سے ممتاز کیا جن کی مجموعی تعداد اکثر مطبوعہ نسخوں میں اکسٹھ ہے۔ ﴿۱۷۸﴾ درحقیقت یہ تعداد ساٹھ ہے مگر ان کے جامع محمد صدیق کشمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے آخر میں اپنی طرف سے حضرت مجدد کی تحریروں میں بظاہر نظر آنے والے تضاد کے متعلق جو لکھا ہے اسے ''منہا ۶۱'' لکھ دیا۔ مرتب نے اس کے سن تسوید کا قطعہ تاریخ یوں رقم فرمایا

این نسخہ کہ مبدأ و معاد ست بنام
ز انفاسِ نفیس حضرت فخر کرام
چون کرد ہدایت اقتباس از سرِّ صدق
در سال ہزار و نوزدہ گشت تمام
صدیق ہدایت کہ شدش چرخ بکام
مانا کہ ز صدق شد ہدایت فرجام
زین خود چہ عجب و لیک تحقیق این ست
کز جوشِ شرابِ احمدی یافتہ جام

مبدأو معاد کا سب سے پہلے عربی ترجمہ شیخ مراد مکی نے کیا۔ جو مکتوبات کے عربی ترجمہ ''الـدرر الـمکنـونـات النَّفیسۃ'' کے حاشیے پر چھپا۔ برصغیر میں فارسی زبان میں مبدأو معاد ۱۳۰۷ھ میں مطبع انصاری دہلی میں چھپی۔ ۱۳۳۰ھ میں نور احمد امرتسری نے اپنی نگرانی میں مکتبہ مجددی امرتسر سے چھپوائی۔ اسی ایڈیشن کو حکیم عبدالمجید سیفی نے ۱۳۷۶ھ میں طبع کروایا۔ ''اللہ والے کی قومی دکان'' نے مولانا احمد علی کا کیا ہوا صرف اردو ترجمہ شائع کیا۔ ﴿۱۷۹﴾ علامہ سید زوار حسین نے پانچ مختلف نسخوں کی مدد سے فارسی اردو ترجمہ یکجا شائع کیا۔ مختلف مقامات پر حواشی سے مزین کیا۔ ایک اردو ترجمہ علامہ پیرزادہ اقبال

﴿۱۷۷﴾ اصل اندراجات پہلے کے تھے۔ اگرچہ ان میں اصلاح و ترمیم ہوتی رہی۔

﴿۱۷۸﴾ زوار حسین، سید، افتتاحیہ اردو ترجمہ مبدأو معاد، ادارۂ مجددیہ، کراچی ۱۹۸۴ء، ص: ۶

﴿۱۷۹﴾ فاروقی، پیرزادہ اقبال احمد، مکتبہ نبویہ، لاہور ۱۹۹۶ء، ص ۷، ۸

احمد فاروقی نے کیا جو مکتبہ نبویہ لاہور سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔اس میں بھی بعض مقامات پر مفید حواشی ہیں۔

مبدأ و معاد میں درج ذیل علمی نکات اور بلند پایہ معارف کا جائزہ لیتے ہوئے محمد بہاء الحق لکھتے ہیں:

''مجدد صاحب کی کتاب کو اگر'' دریا بند کوزہ'' کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ تفصیلاً یہی مسائل دیگر کتب مثلاً مکتوبات اور معارف لدنیہ وغیرہ میں درج ہیں لیکن اعجاز یہ ہے کہ وہی مسائل بالاختصار اس کتاب میں نہایت کمال سے جمع کر دیئے گئے ہیں۔اس میں ایسے دقیق مسائل پر بحث کی گئی ہے کہ وہ سہل تر نظر آنے لگتے ہیں۔اس رسالہ کو پڑھ کر مبتدی کو منزل مل جاتی ہے۔جہلاء کو علم نصیب ہوتا ہے۔اور بھٹکے ہوؤں کو راہ نظر آ جاتی ہے۔'' ﴿۱۸۰﴾

امریکہ میں مقیم بنگلہ دیشی نژاد مجددی صوفی جناب ارشاد عالم نے اس کا بعض تشریحات کے ساتھ انگلش ترجمہ کیا ہے۔نجدت طوسون (Necdet Tosun) نے اس رسالہ کے مضامین کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا جو ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔علاوہ ازیں بنگالی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔علامہ سعید احمد مجددی نے یہ رسالہ اپنے قریبی احباب اور مریدین کو سبقاً پڑھایا۔منہا ۱۸ تک کا یہ درس اصل متن، ترجمہ (بیان کردہ سعید احمد مجددی) مع شرح، سعادت العباد کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔اردو زبان میں یہ اس رسالہ کی پہلی شرح ہے۔

یہ کتاب حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیہ کی اپنی زندگی کے روحانی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔

ادبی جائزہ

''فارسی زبان پر پوری قدرت ہونے کے باعث فارسی اشعار کو موزوں جگہ پر لکھ کر عنوانات کو مزید واضح کیا گیا ہے۔ایک ایک شعر پورے مضمون کا حامل ہے مثلاً یہ شعر کئی ایک مقامات پر درج ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کہ ایں جا ہمیشہ با د بدست است دام را

''عنقا کسی کا شکار نہیں ہوتا۔جال اٹھالے یہاں ہمیشہ جال کے ہاتھ ہوا ہی آئی ہے۔''

یا یہ حقیقت

﴿۱۸۰﴾ محمد بہاء الحق، پروفیسر، مبدأ و معاد کا تحقیقی جائزہ، نور اسلام، مجدد الف ثانی نمبر، جنوری، فروری ۱۹۸۸ء، حصہ دوم، مکتبہ نور اسلام، شرق پور، ص ۴۳، ۴۴

راز دروں پردہ زرنداں مست پرس
کین حال نیست صوفئ عالی مقام را

''اندرونی راز مست رندوں سے پوچھ کیونکہ بلند مرتبہ صوفی کا یہ حال نہیں ہے۔''

یا یہ شعر بھی اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔

اگر بادشاہ بر در پیر زن
بیاید تو اے خوجہ سبلت مکن

''اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر آئے تو حضور آپ اپنی مونچھ (ناراض ہوکر) نہ اکھاڑیں۔''

ان عنوانات میں آیات وحدیث کا برموقع استعمال قادر الکلامی کو ظاہر کرتا ہے۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقت اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ بار بار آتے ہیں۔ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا تلقین شریعت کی غمازی کرتا ہے۔ اور ہر عنوان کے آخر میں والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر البریۃ درج ہے۔'' ﴿۱۸۱﴾

قاضی محمد حمید فضلی لسانی جائزہ پیش کرتے ہوئے منہا نمبر ۴۹ کے تحت لکھتے ہیں:

''اگر کلمہ طیبہ لا الہ اللہ نمی بود، راہے بجناب قدس خداوندی جل سلطانہ کہ می نمود و نقاب از چہرۂ توحید کہ می کشود، وفتحِ ابوابِ جنات کہ می فرمود، کوہ کوہ صفات بشریہ با استعمالِ کلندِ ایں لا کلندہ می شود وعالم عالم تعلقات ببرکتِ تکرارِ ایں نفی منتفی می گردد۔ ونفی آں الہہ باطلہ را منتفی می سازد، واثبات آں معبود برحق را جل شانہ مثبت۔ سالک مدارج امکانی را بمدِ داو قطع می نماید، وعارف بمعارجِ وجوبی ببرکتِ اوارتقامی فرماید۔ اوست کہ از تجلیاتِ صفات می برد، واز تجلیات صفات بتجلیات ذات می رساند

تا بجاروبِ لا نروبی راہ
نرسی در سرائے الا اللہ

اس عبارت کے خط کشیدہ جملوں پر غور کرنے سے ایک ادیب وہ حظ وذوق محسوس کرتا ہے جو ادبی تشنگی کی سیرابی کا حامل ہوتا ہے۔''

﴿۱۸۱﴾ محمد بہاء الحق، پروفیسر، مبدأ و معاد کا تحقیقی جائزہ، ص ۴۳، ۴۴

اسی طرح منہا نمبر ۶۰ کا اقتباس درج کرنے کے بعد اس کی ادبی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ ﴿۱۸۲﴾

اس رسالہ کی بعض عبارات سے آپ نے رجوع کیا اور بعض کی وضاحت بھی کی۔ ایک عبارت کے متعلق مکتوبات میں آپ لکھتے ہیں:

"اور نیز رسالہ مبدأ و معاد میں چند فقرے انبیائے اولوالعزم کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کے بارہ میں لکھے گئے ہیں۔ ان کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کے معنی چونکہ کشف و الہام پر مبنی ہیں۔ اس لئے اس کے لکھنے اور فضیلت میں تفرقہ کرنے سے ندامت اور توبہ کرتا ہوں۔" ﴿۱۸۳﴾

معارف لدنیہ

یہ رسالہ ۱۰۱۵ھ/۱۰۱۶ھ میں حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے مرتب کیا۔ فارسی زبان کا یہ رسالہ آپ کے معارف خاصہ اور سلوک و طریقت کے اہم مباحث سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آپ کے ابتدائی اور متوسط دور کی تحریریں ہیں۔ اس میں زیادہ تر معرفتِ الٰہی کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہے۔ اس میں شریعت و طریقت کی ہم آہنگی پر زور دیا گیا ہے۔ اور ان نام نہاد صوفیہ کی مذمت کی ہے جو شریعت کی مخالفت میں باتیں کہتے ہیں۔ کلامی مباحث کو قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ اسی قسم کے نہایت علمی معارف پر مبنی الہامی علوم کا یہ مجموعہ اہم متفرق مضامین پر مشتمل ہے جن کو معرفت کا عنوان دے کر ایک دوسرے سے ممتاز کیا ہے۔ اس رسالہ کا مقصود یہ تھا کہ اس کے مطالعہ کے بعد طالبانِ سلوک میں علم لدنی کے فہم کی صلاحیت نشو و نما پا سکے۔

ادارۂ مجددیہ کراچی نے اردو ترجمہ مع فارسی متن شائع کیا ہے۔ سید زوار حسین شاہ نے چار مختلف نسخوں کی مدد سے فارسی متن کو نہایت تحقیق سے مرتب کیا اور ترجمہ کیا۔ نجدت طوسون نے اس کا ترکی ترجمہ ۲۰۰۵ء میں شائع کروایا۔ اس رسالہ کا ادبی جائزہ قاضی حمید اللہ فضلی نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

﴿۱۸۲﴾ فضلی، قاضی حمید احمد، کتب مجدد و منور الف ثانی کا لسانی جائزہ، قلمی، مخزونہ کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم، فیصل آباد، ورق ۷ تا ۹

﴿۱۸۳﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۰۹

''ان الہامی علوم ولدنی معارف کا جائزہ ادبی نکتہ نگاہ سے لیا جائے تو ہر لفظ اپنے پہلو میں ادبی تسکین کا پورا پورا حظِ وافر رکھتا ہے۔'' فلا یصل الی جناب قدسه علم عالم و لا یفید فی تعریفه تعریف معرف فهو تعالی اجل من ان یدرك و اعظم من ان یعرف و اکبر من ان یعلم'' ﴿۱۸۴﴾

اس عربی عبارت میں اجل ، اعظم ، اکبر کے ساتھ مرکبات ان یدرك ، ان یعرف ، ان یعلم اتحاد مفہوم وتغائر الفاظ میں عجیب کیفیت کے حامل ہیں۔ حاصل معرفت کے ذیل میں یہ الفاظ بھی ''درایں اسم مقدس علم مسمی مفقود است وامتیاز از جمیع ماعدا موجود'' ادبی شہپارہ ہیں۔ ﴿۱۸۵﴾

قاضی حمید فضلی معارف لدنیہ کی ادبی اہمیت پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ کا ذوقِ بیاں ، روحی تشخص کا مرقع معارف لدنیہ میں پوری طرح اجاگر ہے۔'' ﴿۱۸۶﴾

اس ضمن میں سید خورشید حسین بخاری یوں رقمطراز ہیں:

''مسائل کے پیشِ نظر بیان اگرچہ خشک ہے لیکن اندازِ تحریر نے اسے دلچسپ بنا دیا ہے۔ عبارت میں جابجا عربی عبارت کے ٹکڑے آجاتے ہیں۔ بلکہ بعض معارف تو عربی میں ہی ہیں۔ مثلاً معرفت ۳۲،۳۳،۳۴،۳۹،۴۱ ﴿۱۸۷﴾

رَدِّ رَوافض

ماوراء النہر کے علماء نے روافض کے ردّ میں ایک رسالہ لکھا۔ شیعہ علماء نے اس رسالہ کا جواب لکھا۔ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے شیعہ حضرات کے اس جواب کا ردّ لکھا۔ ﴿۱۸۸﴾ یہ رسالہ عبداللہ

﴿۱۸۴﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ، معارف لدنیہ، ادارہ مجددیہ کراچی، ص:۱۰

﴿۱۸۵﴾ فضلی، قاضی حمید احمد، کتب مجدد منور الف ثانی کا لسانی جائزہ، ورق:۱۰

﴿۱۸۶﴾ ایضاً، ورق:۱۰

﴿۱۸۷﴾ بخاری، سید خورشید حسین، نور اسلام، شرقپور، مجدد الف ثانی نمبر، ص:۲۲

﴿۱۸۸﴾ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے سبب تالیف خود تحریر کیا ہے۔ مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خان نے ایران میں شاہ عباس کے پاس بھیجا تو علمائے شیعہ نے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد لکھا کہ اب اس رسالہ پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔﴿۱۸۹﴾ اس کا نام ردّ مذہب شیعہ بھی بتایا جاتا ہے۔

یہ رسالہ فارسی میں لکھا گیا لیکن اپنے نقطہ نظر کی تائید میں کثرت سے روایات واحادیث ہیں، جو عربی میں ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نے ''تائیدِ اہل سنت'' کے نام سے فارسی متن اور اردو ترجمہ چھپوایا ہے۔ ان کے بقول یہ رسالہ ۱۰۰۱ھ میں لکھا گیا۔﴿۱۹۰﴾

حضرت شاہ ولی اللہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے ۱۱۴۴ھ میں شیخ ابو طاہر کردی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے حکم سے اس کا عربی ترجمہ کیا اور اس میں اضافہ جات بھی کئے۔ فاضل مترجم نے صرف ترجمہ کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ نہایت مفید تشریحی اور تنقیدی نوٹ بھی جگہ جگہ شامل کر دیئے ہیں۔ بعض جگہ مترجم نے مصنف سے اختلاف بھی کیا ہے۔ بعد ازاں شاہ عبدالعزیز نے ترجمہ کی مزید تشریح کی ہے اور بعض جگہ اپنے والد کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی رائے سے اتفاق کیا ہے جس کا اظہار اصل کتاب میں ہے۔﴿۱۹۱﴾

شیخ حسام الدین نے ''مرافض الروافض'' کے نام سے اس رسالہ کے مطالب کو عام فہم اسلوب میں بیان کیا۔ مؤلف مقامات معصومی کا بیان ہے: ''میرے ماموں بزرگ شیخ محمد اشرف قدس سرہ (ابن خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے کہ اس کتاب میں رسالہ رد روافض کے دقیق مسائل و مطالب کو اختصار کے ساتھ غور و فکر کے بعد عمدہ پیرایہ میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے'' (معصومی، صفر احمد، مقامات معصومی، ترجمہ محمد اقبال مجددی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۴ء، جلد۲، ص:۶۰۶)

شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی نے ''المقدمة السنية فی الانتصار للفرقة السنية'' کے نام سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تائید اہل سنت، دارالمبلغین حضرت میاں صاحب، شرق پور، ص:۵

﴿۱۸۹﴾ سرہندی، خواجہ محمد احسان، روضۃ القیومیہ، ج۱، ص:۲۳۶

﴿۱۹۰﴾ تائید اہل سنت، ص:۳

﴿۱۹۱﴾ زبید احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، مترجم، شاہد حسین رزاقی، ص:۱۳۰

۱۹۸۳ء میں اسے شائع کیا۔﴿۱۹۲﴾

اگر چہ اس رسالے کے بعض مضامین دفتر اول کے مکتوب ۸۰ اور ۲۰۲ میں بھی ملتے ہیں۔﴿۱۹۳﴾ لیکن اس رسالے سے شیعہ حضرات کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ کے خیالات و نظریات سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے کیونکہ اس میں آپ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کو بیان کیا ہے۔ اور اس کی تائید میں رسالے کو جابجا آیاتِ قرآنی اور احادیث سے مزیّن کیا ہے۔ جو عربی میں ہیں اسی طرح اکابر صوفیہ اور علمائے کرام کے اقوال بھی رسالے میں مناسب مواقع پر درج کیے ہیں۔﴿۱۹۴﴾ متین اسلوب نگارش اور استدلال کی قوت کو اس رسالہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ابوالحسن زید فاروقی اس رسالہ کے ایک قلمی نسخہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں کچھ اضافہ ہے۔ جو مطبوعہ نسخوں میں نہیں جن میں حضرت خواجہ خسرو کے تیرہ اشعار بھی ہیں۔﴿۱۹۵﴾ یہ رسالہ اپنے موضوع پر نہایت مدلل تصنیف ہے۔

حواشی شرحِ رباعیات

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے شریعت وطریقت اور معرفت وحقیقت کے سلسلہ میں نہ صرف نثر میں بہت کچھ تحریر فرمایا بلکہ نظم واشعار میں بھی بہت سے اسرار ورموز بیان فرمائے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ نے ۱۰۰۷ھ میں اپنی دو رباعیات کی شرح خود تحریر فرمائی تھی۔ اس پر حواشی حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ نے لکھے۔ محققین نے اس کا نام شرح رباعیات ہی لکھا مگر خود حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ نے اسے رباعیات کی شرح کے حواشی کہا﴿۱۹۶﴾ درحقیقت حضرت خواجہ باقی باللہ رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ کے اصل رسالہ کا نام سلسلۃ الاحرار ہے جو شرح رباعیات کے نام سے مشہور ہو گیا۔﴿۱۹۷﴾ حضرت مجدد نے بھی

﴿۱۹۲﴾ بقاء، ڈاکٹر محمد مظہر، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، بقا پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۸۶ء، ص: ۱۴۱

﴿۱۹۳﴾ علاوہ ازیں دفتر اول مکتوب ۲۵۱ و ردفتر دوم مکتوب ۹۶ کے بعض مضامین بھی اس رسالہ میں ملتے ہیں۔

﴿۱۹۴﴾ بخاری، سید خورشید حسین، نور اسلام، شرقپور، مجدد الف ثانی نمبر، ص: ۱۶-۱۷

﴿۱۹۵﴾ فاروقی، ابوالحسن زید، مقامات خیر، شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی، ص: ۵۴

﴿۱۹۶﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب: ۴۵

﴿۱۹۷﴾ باقی باللہ، خواجہ محمد، مکتوبات، مترجم قاضی عالم الدین، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور، ص: ۸۴

اس کا یہی نام لکھا ہے۔﴿۱۹۸﴾ حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ اپنے ان حواشی کی تحریر کا پسِ منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک روز رسالہ سلسلۃ الاحرار نظر سے گزرا اور اس کے مطالعہ سے میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت کی خدمت میں عرض کروں کہ آپ خود اس رسالہ کے علوم کے بارہ میں کچھ تحریر فرمائیں یا اس فقیر کو حکم فرمائیں تاکہ بندہ اس سلسلہ میں کچھ لکھ سکے۔ یہ خیال کافی قوت پکڑ گیا، تو اس کے ساتھ ہی اس مسودہ سے متعلق مزید علوم کا فیضان ورود ہوا۔ بہرحال اس رسالہ کے بعض علوم کی وضاحت ہوئی۔ اگر اس مسودہ کو تکملہ تصور کر لیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اور اگر بعض اقتباسات کو منتخب کر کے اس رسالہ سے ملحق کر دیں۔ تو یہ صورت بھی ٹھیک ہے۔''﴿۱۹۹﴾ گویا یہ حواشی حضرت باقی باللہ نے بھی ملاحظہ فرمائے۔

اس رسالہ کے علوم و معارف کے متعلق آپ میر محمد نعمان رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کو لکھتے ہیں:

''دوسرا یہ ہے کہ اس سال میں بہت علوم بلند اور معارف ارجمند ظہور میں آئے ہیں۔ ان میں دو مسودوں کو اخوند مولانا محمد امین ہمراہ لائے ہیں ان میں ایک مسودہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ کی ان بعض رباعیوں کی شرح کے حل میں ہے۔ جو فیروز آبادی دوستوں کی قراءت کے وقت لکھا گیا ہے۔ اس رسالہ میں توحید آمیز علوم ان رباعیات میں مناسب مقامات پر درج ہیں۔ علماء اور وحدت وجود کے قائل صوفیہ کے درمیان تطبیق دی ہے۔''﴿۲۰۰﴾

حضرت خواجہ باقی باللہ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کی دو رباعیاں درج ذیل ہیں:

۱۔ گویند وجود کون، کون ست وحصول
نورے بجز از کون نکردہ است قبول
واللہ کہ دریں پردہ لسان الغیب ست
بر طبق قواعد ست و بر و فق اصول

۲۔ بشناس کہ کائنات رو در عدم اند
بل در عدم ایستادہ تا ہست قدم اند

﴿۱۹۸﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۹۰

﴿۱۹۹﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۵

﴿۲۰۰﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۴۶

دین کون معلق از خیال و وہم است
باقی ہمگی ظہورِ نورِ قدم اند﴿۲۰۱﴾

ترجمہ:

۱۔ ''کہتے ہیں وجود کون، کون وحصول ہے۔ وہ نور کون کے علاوہ کچھ قبول نہیں کرتا۔ اللہ کی قسم لسان غیب پردے میں نہاں ہے۔ یہ جملہ قواعد واصول کے مطابق ہے۔''

۲۔ ''تو جان لے کہ یہ خلق عدم کی طرف مائل ہے یعنی عدم میں ہی قدم جمائے ہے۔ یہ کون کیا چیز ہے؟ محض وہم وخیال ہے۔ باقی سب نورِ قدم کے مظہر ہیں۔''

اسی مضمون کو غالب نے یوں ادا کیا ہے

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

''یہ پہلی تصنیف ہے جو حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے حضرت خوجہ باقی باللہ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ سے بیعت کرنے کے بعد لکھی ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ کی طرف سے یہ بہترین نذرانہ عقیدت ہے۔ جو حضرت خواجہ باقی باللہ رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس سے آپ کے صوفیانہ عقائد وخیالات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور آپ کے ذہنی وعرفانی ارتقا کا پتا بھی چلتا ہے۔''﴿۲۰۲﴾

شرح رباعیات کے مترجم ثناء الحق صدیقی اردو ترجمہ کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''کہنے کو یہ تحریریں صرف تین [دو؟] رباعیات کی تشریح وتوضیح پر مشتمل ہیں لیکن حقیقتاً ان میں زندگی کے بعض حقائق اور تصوف کے بعض بنیادی مسائل کو واضح کیا گیا ہے۔ ذات وصفات خداوندی اور کائنات کے تعلق کو مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہے۔ اور کون، حصول، وجود، ثبوت، تنزلات، تعینات، ماہیات، اعیان ثابتہ، تجدد امثال، ہمہ اوست، اور ہمہ از اوست جیسی دقیق اصطلاحوں کو عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔''﴿۲۰۳﴾

﴿۲۰۱﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ، شرح رباعیات، ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۹۶۷ء، ص: ۱۷

﴿۲۰۲﴾ بخاری، سید خورشید حسین، نورِ اسلام، شرقپور، مجدد الف ثانی نمبر، ج ۲، ص: ۱۸-۱۹

﴿۲۰۳﴾ صدیقی، ثناء الحق، پیش لفظ شرح رباعیات، ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۹۶۷ء، ص: ۱۳

رسالہ تہلیلیہ

اس کا نام رسالہ تحقیق در کلمہ طیبہ بھی ہے۔ اور اسے اسرارِ توحید بھی کہا جاتا ہے﴿۲۰۴﴾ نیشنل میوزیم کے قلمی نسخہ میں اس کا نام شرح رسالہ لا الہ الا اللہ دیا گیا ہے﴿۲۰۵﴾ یہ کلمہ طیبہ کی عربی زبان میں مکمل تفسیر ہے۔ یہ رسالہ ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۸ء میں تصنیف کیا گیا۔ اس دور میں اکبری بدعات اپنے عروج پر تھیں۔ چونکہ یہ رسالہ علماء کے ساتھ ساتھ عوام الناس کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس لئے اس کا انداز بیاں نہایت آسان اور سہل ہے۔ اندازِ بیاں اور طریقِ استدلال سے آپ کے علمی مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"اس کو تصوف اور طریقت کا مختصر رسالہ کہا جا سکتا ہے۔ کلمہ طیبہ کے جزوِ اول یعنی لا الٰہ الا اللہ کے سلسلہ میں وجودِ باری اور ذاتِ باری کے مباحث یعنی فلسفۂ الٰہیات کو کمال بالغ نظری سے پیش کیا گیا ہے اور جزوِ دوم رسالتِ محمدی ﷺ کے فضائل و کمالات کو بڑے عالمانہ انداز میں لکھا گیا ہے۔"﴿۲۰۶﴾ ☆

اثبات النبوۃ

یہ رسالہ قریباً ۹۹۰ھ میں آگرہ میں بزبانِ عربی تحریر کیا گیا۔ اس وقت آپ تکمیل علوم کے بعد درس و تدریس میں مشغول تھے۔ اور آپ کی عمر ۱۸-۱۹ سال تھی۔ اس رسالہ میں آپ نے عالمانہ شان اور ادیبانہ انداز میں اس سوال کا جوب دیا ہے کہ انسان کی رہنمائی کے لئے عقل کافی ہے یا نبی کی ضرورت بھی ہے۔ علاوہ اس کے معجزہ کے بارہ میں بحث کی گئی

﴿۲۰۴﴾ ہوتکی، مولوی نصر اللہ، شرح مکتوبات، تاج محل کمپنی، پشاور، حصہ اول، ص:۱۰

﴿۲۰۵﴾ ادریس احمد، ڈاکٹر، سرہند میں فارسی ادب، لال کنواں دہلی، ص:۲۴۲

﴿۲۰۶﴾ شمس بریلوی، مقدمہ اردو ترجمہ عوارف المعارف، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۷ء، ص:۲۷

☆ یہ رسالہ بعض موضوعات و بیانات کی وجہ سے اثبات النبوۃ سے مشابہت رکھتا ہے لیکن مضمون اور نوعیتِ مباحث کی جہت سے دونوں کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

اس رسالہ کو قلمی اور مطبوعہ نسخوں کی روشنی میں راقم نے مرتب کیا ہے۔ مقدمہ میں رسالہ کے نام، سال تالیف، اہم مباحث اور اسلوب پر روشنی ڈالی ہے، کلمہ طیبہ کے بارہ میں دیگر رسائل اور مکتوبات میں موجود معلومات کو جمع کر دیا ہے۔ تحقیقات لاہور سے یہ شائع ہوا۔

ہے ﴿۲۰۷﴾ آپ کے مخاطب ابوالفضل اور فیضی جیسے عقلیت پسند لوگ تھے۔ اس لئے اس رسالہ میں امام رازی، جالینوس، جاحظ جیسے فلاسفہ کے حوالے سے گفتگو کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں یہ رسالہ اکبری عہد کی خرافات، جن کا ذکر بدایونی نے کیا ہے، کی بہترین تصدیق ہے۔ لیکن بدایونی کی تصنیف کی بہ نسبت حضرت مجدد کا رسالہ متانت، اختصار، علمیت اور جامعیت کا مرقع ہے۔ ''آپ نے اس رسالے میں اپنے عہد کی سیاست کے کھوکھلے پن کو طشت از بام کیا۔ اور مثبت اور دل نشین انداز میں نبوت کی اہمیت و ضرورت اور افادیت کو پیش کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبانِ فہم و فراست نہ صرف قائل ہو گئے بلکہ یہ فکر اتنی قوی اور موثر ہو گئی کہ شاہ جہان نے تخت نشیں ہوتے ہی ۱۳ فروری ۱۶۲۸ء/ ۱۰۳۷ھ کو لوگوں کو یہ یقین دلایا کہ اس کی حکومت کی اساس و حاکمیت اللہ تعالیٰ کی اور آنحضرت ﷺ کی شریعت پر مبنی ہو گی۔ سکے پر پہلے دو کلمے اور خلفائے راشدین کا نام تحریر کرنا بھی ایک خاص ذہنیت اور طرزِ فکر کے غلبہ کے رجحان کا مظہر ہے۔'' ﴿۲۰۸﴾ ڈاکٹر محمود احمد غازی کے بقول مجدد الف ثانیؒ نے براہ راست سیرت پر تو کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن انہوں نے مکمل طور پر ان غلط فہمیوں کی تردید کر دی جو علوم سیرت اور علوم نبوت کے انکار پر مبنی تھیں۔ حضرت مجدد نے مقام نبوت اور مرتبہ نبوت کو لوگوں کے ذہنوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جاگزیں کر دیا۔ (محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات سیرت، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور ۲۰۰۷ء ص:۵۹۴)

اس رسالہ کے علمی مقام و مرتبہ کے بارے میں سید خورشید حسین لکھتے ہیں:

''سترہ سال [یا اٹھارہ؟] کی عمر میں میدانِ تصنیف و تالیف میں نو وارد اور عرصۂ تدریس میں کم تجربہ ایسے عوامل ہیں کہ ایک مصنف سے ایسے علمی معیار کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ جیسا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالے میں نظر آتا ہے۔ یہ خداداد ذہانت اور فطری ذکاوت کا نتیجہ ہے کہ ایک اہم علمی اور دینی مسئلے کو سلجھانے اور اسے عوام الناس کے ذہنوں میں راسخ کرنے کے لئے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ تمام نکات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

﴿۲۰۷﴾ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو نثر میں سیرت رسول، اقبال اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۹ء، ص:۲۰۱

﴿۲۰۸﴾ ابصار عالم، پروفیسر، مجدد الف ثانی کی تحریک احیاء اسلام اور سلاطین مغلیہ، حراء پبلی کیشنز، لاہور، ص:۲۷۵

نوٹ: درج بالا رسائل کو علامہ غلام مصطفیٰ مجددی نے ''رسائل مجدد الف ثانی'' کے نام سے اکٹھا لاہور سے شائع کیا۔ جبکہ ان رسائل کا دوسرا مجموعہ ''علوم و معارف کے خزائن یعنی رسائل امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے مع جامع مفصل فہارس نثار الحق نقشبندی کراچی سے شائع کیا۔

موضوع کے اعتبار سے تحریر میں بحث ومناظرہ کی رنگ آمیزی یقینی تھی لیکن اس کے باوجود حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کی تحریر پایہ ثقاہت اور فصاحت وبلاغت سے گرنے نہیں پائی۔آپ نے جذباتیت کی بجائے فکر بلند کا معیار برقرار رکھا ہے۔اور اپنی باقی تصانیف کی طرح فصیح وبلیغ بیان میں اپنے موقف کو وضاحت اور قوی دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ﴿۲۰۸۔الف﴾ اس رسالہ کے دو اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ایک ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کا ہے جبکہ دوسرا مولانا ظہور احمد جلالی نے کیا ہے۔اس رسالہ کو بنیاد بنا کر Dr.Hayrettin Yilmaz نے Imam-i-Rabbini Ahmed Faruki Serhendi de Nubuet Anlayisi کے عنوان سے ۲۰۱ صفحات پر مشتمل ۱۹۸۶ پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا۔یہ مقالہ تاحال غیر مطبوعہ ہے۔

مکاشفاتِ غیبیہ

یہ رسالہ آپ کی ایسی تحریروں پر مشتمل ہے جو آپ نے مختلف اوقات میں لکھیں۔ان تحریروں کو آپ کے بعض خلفاء نے محفوظ کر لیا تھا۔انہیں خواجہ ہاشم کشمی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ نے ۱۰۵۱ھ میں جمع کرنا شروع کیا ﴿۲۰۹﴾ ان تحریروں کو مکاشفہ کے عنوان سے علیحدہ کیا گیا ہے۔مکاشفات کی کل تعداد انتیس

﴿۲۰۸۔الف﴾ نور اسلام، جلد ۲

﴿۲۰۹﴾ پروفیسر محمد اقبال مجددی کی تحقیق کے مطابق ان تحریروں کو خواجہ محمد معصوم رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ نے جمع کیا۔
ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) مکتوبات معصومیہ کی جلد اول کی منقولہ بالا عبارت سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان مکاشفات کو خود حضرت خواجہ نے مرتب کیا اور مکتوبات معصومیہ کی جلد اول ترتیب ۱۰۶۳ھ سے پہلے اسے مرتب کیا جا چکا تھا۔

(۲) خود حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ کو مرتب کرنے کا امر فرمایا۔

(۳) گویا مکتوبات میں حضرت خواجہ نے اسے خود اپنا مرتبہ مجموعہ قرار دیا ہے۔

(۴) حضرت مجدد کے رسالہ مبداء و معاد کی طرح رسالہ مکاشفات بھی غیر مترتب شکل میں تھا مبداء و معاد کے مسودے کو خواجہ محمد صدیق بدخشی نے ترتیب دے کر اس پر خطبے کا اضافہ کیا اور رسالہ مکاشفات کو خود حضرت خواجہ نے ترتیب دیا۔

(۵) خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں حضرت مجدد کی تصانیف کی فہرست میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔رسالہ کے آخر میں چالیس متفق علیہ احادیث ہیں۔ان کے علاوہ پانچ احادیث فضائلِ شیخین رضی اللہ عنہم اور سات فضائلِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق ہیں۔ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کی کوششوں سے اصل متن مع ترجمہ اردو، ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء کو یہ رسالہ ادارہ مجددیہ کراچی سے شائع ہوا۔اس رسالہ کا ترکی زبان میں ترجمہ Tosun Necdet نے کیا۔۲۰۰۶ء میں یہ استنبول سے شائع ہوا۔

مکتوبات

حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کے مقامِ تحقیق واجتہاد کا سب سے بڑا مظہر مکتوبات ہیں۔یہ مکتوبات اس عہد کی دینی، اعتقادی اور فکری تاریخ بھی ہیں اور شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کے تجدیدی و اصلاحی افکار کا آئینہ بھی۔معانی و بیان، پند و موعظت، ارشاد و تلقین اور ترغیب و ترہیب کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کی جامع تفصیل ان مکتوبات میں درج نہ ہو۔اس سلسلہ میں سید محمد میاں لکھتے ہیں:

''اسی الف ثانی کے مجدد حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) رسالہ مکاشفات غیبیہ کا نام بھی درج کیا ہے(۱) جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ رسالہ اپنی ترتیب بدست حضرت خواجہ (۱۰۵۱ھ) سے بہت پہلے یعنی زبدۃ المقامات کی تالف (۱۰۳۷ـ۱۰۴۰ھ) سے بھی قبل مخلصین کے پاس بصورت مسودہ موجود تھا اور انہیں اس میں سے نقل واقتباس کی اجازت تھی اور یہ کہ اس کی ترتیب سے قبل ہی اس کا نام مکاشفات غیبیہ ہی تھا، رسالے کے خطبے میں حضرت خواجہ کے الفاظ ''از بعضی دوستان بدست افتاد'' میں ''دوستان'' کی فہرست میں خواجہ کشمی بھی شامل ہیں۔

(۶) خواجہ کشمی نے جہاں اس رسالے کا ذکر کیا ہے وہاں اسے حسب معمول اپنی ترتیب نہیں بتایا اگر یہ ان کا مرتب کردہ رسالہ ہوتا تو جہاں انہوں نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے دفتر ثالث کو مرتب کرنے کی سعادت کا ذکر کیا ہے وہاں اس کا بھی تذکرہ کرتے کہ یہ رسالہ میرا مرتب کیا ہوا ہے۔

(۷) خواجہ کشمی کا سال وصال ان کے معاصرہ، حضرت مجدد الف ثانی کے معتقد اور معروف مورخ محمد صادق کشمیری نے ۱۰۴۱ھ لکھا ہے(۲) اور رسالہ مکاشفات غیبیہ خواجہ کشمی کی وفات کے دس سال بعد ۱۰۵۱ھ میں مرتب ہوا۔

(۸) حضرت خواجہ محمد معصوم کے نواسے اور مقامات معصومی کے مولف کا منقولہ بالا بیان (کہ رسالہ مکاشفات حضرت خواجہ کا مرتب کیا ہوا ہے) کے سامنے آجانے سے مندرجہ بالا قرآئن کو مزید تقویب ملتی ہے۔

مقامات معصومی جلد اول ص: ۲۵۴ـ۲۵۵

جن کے علوم و معارف نے ابنائے کفر و ضلال میں تہلکہ مچا دیا اور جن کی نور پاش ہدایتوں نے تاریک سینوں کو منور کر دیا۔ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کی تعلیمات کو دیکھو اور سب گوشے سامنے نہ آسکیں تو ایک مکتوبات ہی پر نظر ڈالو کہ علوم ظاہر و باطن کا ایک سمندر ہیں جس کی تہ کا کہیں نشان نہیں ملتا اگر ایک طرف قلب و روح کے مخفی مقامات کا پردہ فاش ہو رہا ہے تو دوسری طرف حقائق شرعیہ اور اسرار فقہیہ منصۂ شہود پر آتے جارہے ہیں اگر ایک طرف کتابِ روح کے غیر محسوس اوراق الٹ رہے ہیں تو دوسری طرف ہدایہ و توضیح کے علمی مقامات کھل رہے ہیں اگر ایک طرف رجالِ غیب سے رابطہ کا ذکر ہے تو علماء و طلباء کی محبت کے جذبات بھی انہیں مکتوبات سے ہویدا ہو رہے ہیں۔ جہاں علم کی موجیں اٹھ رہی ہیں وہیں خوارق و کرامات کا سمندر بھی امنڈ رہا ہے۔'' ﴿۲۱۰﴾

ان خطوط کے مخاطبین میں امراء، علماء، صوفیہ اور آپ کے تلامیذ و اعزہ شامل ہیں۔ مکاتیب کے مخاطبین مخلوط ہیں۔ ایسا نہیں کہ ایک مخاطب کے نام تمام خطوط یکجا مل جائیں۔ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کے خطوط تین جلدوں یا دفاتر پر مشتمل ہیں:

دفتر اول:

یہ ۳۱۳ مکتوبات پر مشتمل ہے۔ اور درالمعرفت کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ۱۶۱۶ء/۱۰۲۵ھ میں قلعہ گوالیار میں محبوس ہونے سے تین برس قبل جمع ہوا۔ اور انہیں خواجہ یار محمد بدخشی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ نے جمع کیا۔ دفتر اول کے مکتوبات میں آپ نے تصوف کے تمام مقامات و احوال مثلاً عروج و نزول، فنا و بقا، مراقبہ و مشاہدہ، جذب و سلوک، جلال و جمال،، ذات و صفات حق تعالیٰ، مقام عبدیت اور سیر الی اللہ وغیرہ کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے ﴿۲۱۱﴾

﴿۲۱۰﴾ سید محمد میاں، علماءِ ہند کا شاندار ماضی، مکتبہ رشیدیہ، کراچی ۱۹۹۱ء، ج ۱، ص: ۲۴۷

﴿۲۱۱﴾ شمس محمد ہمایوں عباس، مکتوبات امام ربانی، ایک جائزہ، جامعہ ریاض العلوم، بزم اقبال، فیصل آباد ۱۹۹۷ء، ص: ۷

دفتر دوم:
دوسرے دفتر میں اسمائے حسنٰی کے مطابق ۹۹ مکتوبات درج ہیں اور یہ نور الخلائق کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۶۱۹ء میں انہیں خواجہ عبدالحئی نے جمع کیا۔ اس دفتر میں اگرچہ خطوط کی تعداد کم ہے لیکن اکثر بڑے مفصل ہیں۔ ان میں اسلامی نظریات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

دفتر سوم:
یہ دفتر قرآن کی سورتوں کے مطابق ۱۱۴ مکتوبات پر مشتمل ہے۔ اس دفتر کی ترتیب و تدوین کا کام میر محمد نعمان رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے شروع کیا۔ اور تکمیل خواجہ محمد ہاشم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے ۱۶۲۲ء میں کی۔ ان میں وہ مکاتیب بھی شامل ہیں جو اس وقت لکھے گئے جب حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ قلعہ گوالیار میں قید تھے یا لشکر شاہی کے ہمراہ تھے۔ یہ دفتر معرفت الحقائق کے نام سے موسوم ہے۔ بعد میں دس مکاتیب کا اضافہ ہوا۔ اس طرح کل تعداد ۱۲۴ ہوگئی۔ اس دفتر میں تصوف کے مباحث شریعت کے مباحث سے کم ہیں ﴿۲۱۲﴾ اس طرح یہ کل ۵۳۶ مکتوبات ہیں۔ (واضح رہے کہ دفتر سوم کا مکتوب ۱۱۵ مکرر آیا ہے ملاحظہ فرمائیں دفتر سوم مکتوب ۴۰ اس طرح کل تعداد ۵۳۵ رہ جاتی ہے) اور مکتوب الیہم کی تعداد ۱۹۲ ہے۔ یہ خطوط مختلف افراد کو مختلف موضوعات اور مسائل پر لکھے گئے ہیں لیکن نفس مضمون کے اعتبار سے دوسرے افراد کے لیے بھی دلچسپی کا باعث ہیں۔ تقریباً دو تہائی مکتوبات آپ سے پوچھے گئے سوالوں کے جوابات کی صورت میں ہیں۔ تقریباً نصف خطوط بیس سے کم سطروں کے ہیں تاہم کچھ بیس صفحات پر بھی مشتمل ہیں۔ ﴿۲۱۳﴾ آپ کی زندگی میں ہی ان مکتوبات کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کے علمی اور روحانی مراکز ایران، توران اور بدخشاں وغیرہ میں ان کے نسخے بڑی تیزی سے پھیل گئے ﴿۲۱۴﴾ آپ نے خود اپنے مریدوں کو ان کے مطالعہ کی تلقین کی ﴿۲۱۵﴾ بعض

﴿۲۱۲﴾ محمد ریاض، ڈاکٹر، حضرت مجدد کے مکتوبات پر ایک نظر، سہ ماہی فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ج ۳۱ ش ۱، ص: ۴۰-۴۱

﴿۲۱۳﴾ ایوان، پی۔ مک گریل، مشرق کے عظیم مفکر، مترجم یاسر جواد تخلیقات، لاہور ۱۹۹۷ء، ص: ۴۲۳

﴿۲۱۴﴾ محمد احسان، خواجہ، روضۃ القیومیۃ، مکتبہ نبویہ، لاہور ۱۹۹۶ء، ج ۱، ص: ۲۸۸

﴿۲۱۵﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۰۹/ دفتر سوم، مکتوب ۱۴، ۲۱، ۲۰۵

مکتوبات میں ضمناً نجی معاملات بھی زیرِ بحث آ گئے ہیں۔﴿۲۱۶﴾ بعض حضرات کی سفارش بھی کی گئی ہے۔﴿۲۱۷﴾ لیکن ایسا شاذ ہے۔ یہ مکتوبات تاریخی واقعات، تحقیقی نکات، علمی بیانات، رموزِ طریقت، بیعت و ارادت پر گفتگو، علم و عمل کے متعلق مسائل، حدیث و تفسیر کے مختلف پہلو، فقہی احکام اور بہت سے نوادر کا دلچسپ انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ ایک ہی مکتوب میں کئی عنوانات کے تحت تحقیقات پیش کی گئی ہیں۔ ایک عنوان کے تحت مکتوبات کم ہیں۔ مکاتیب کے اس مجموعہ میں بعض اوقات نادر تحقیقات، سالہا سال کے مطالعہ کا نچوڑ اور طویل تدریسی تجربہ کا ماحصل مل جاتا ہے جو بڑی بڑی ضخیم کتابوں اور مشہور و متداول شروح و حواشی میں نہیں ملتا۔

مکاتیب کے اس خاص انداز کو دیکھ کر سید عبدالحکیم نے لکھا ہے:

''کتاب اللہ اور احادیث نبویہ کے بعد کتب اسلامیہ میں سب سے افضل کتاب امام ربانی رَحْمۃُ اللہ عَلَیہ کے مکتوبات ہیں۔''﴿۲۱۸﴾

جامع ازہر کے ایک عالم نے ان مکاتیب کے مطالعہ کے بعد کہا:

''سبحان اللہ! کیا گنجینۂ اسرار و معارف ہے۔''﴿۲۱۹﴾

یہی وجہ ہے کہ مابعد کے مفسرین، محدثین، فقہائے کرام نے کلام مجدد سے خوشہ چینی کی اور اسے حرفِ آخر کے طور پر پیش کیا۔ جناب رؤف منیر لکھتے ہیں:

''ان خطوط میں بعض آیات، احادیث اور تصوف کے نکات کی ایسی عالمانہ اور دلچسپ تشریح ہے کہ آج بھی مزہ دیتی ہے۔''﴿۲۲۰﴾

مکتوبات شیخ یحیٰ منیری﴿۲۲۱﴾ اور مکتوبات امام ربانی کا علمی و فکری اعتبار سے

﴿۲۱۶﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمۃُ اللہ عَلَیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۳۲

﴿۲۱۷﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمۃُ اللہ عَلَیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۹۰/ دفتر اول، مکتوب ۵۰، ۵۶، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۴، ۱۱۱، ۱۷۸

﴿۲۱۸﴾ زوار حسین، سید، حضرت مجدد الف ثانی رَحْمۃُ اللہ عَلَیہ، ص: ۳۸۲

﴿۲۱۹﴾ زید فاروقی، شاہ ابوالحسن، حضرت مجدد رَحْمۃُ اللہ عَلَیہ اور ان کے ناقدین، پروگریسو بکس لاہور، ص: ۵۱

﴿۲۲۰﴾ رؤف منیر، دکن کے صوفیاء کرام، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ۱۴، شمارہ ۲، ص ۱۸۸

﴿۲۲۱﴾ مُنَیر: یہ بروزن مُعَظَّم ہے اس مقام کی نسبت سے آپ منیری کہلائے۔

موازنہ کرتے ہوئے شمس بریلوی رقم طراز ہیں:

''شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات اور امام ربانی قدس سرۂ کے مکتوبات تصوف کی بلند پایہ اور گراں مایہ تصانیف کے مقابل رکھے جاسکتے ہیں۔ اپنی کثرت وتنوعِ موضوعات اور تشریح وتصریح کے لحاظ سے یہ مکتوبات (امام ربانی) زیادہ وقیع اور جامع ہیں۔ امام ربانی کی حیات سے لے کر اس لمحہ تک ان کی قبولیت میں سرمو فرق نہیں آیا۔ بلکہ روزافزوں ہے۔ جو نتیجہ ہے اس کا کہ ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد'' ﴿۲۲۲﴾

مکتوبات سے حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے علم وعرفان کے ارتقا کی منزل کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ مکاتیب میں ایک جگہ آپ نے مبدأ و معاد کی ایک عبارت سے رجوع کا اعلان کیا ﴿۲۲۳﴾ اسی طرح بعض کشفی تحقیقات سے رجوع کا اعلان فرمایا۔ اور بعض کشفی مشاہدات پایان عمر میں ابتدائی مشاہدات سے قدرے مختلف یا واضح ہوگئے ﴿۲۲۴﴾ مکتوبات میں مکتوبات ہی کے بعض تحقیقی مقامات کی دوبارہ کسی کے استفسار پر وضاحت بھی کی گئی ہے ﴿۲۲۵﴾ اسی طرح مبدأ و معاد کی بعض عبارات کے مفاہیم کی تشریح بیان کی گئی ہے ﴿۲۲۶﴾

مکتوبات کے اکثر مضامین تک عوام تو کجا خواص کی بھی رسائی نہیں۔ شارح مکتوبات مولوی نصر اللہ لکھتے ہیں:

''اکثر دانش مندانِ جہاں در حل آں عاجز شد'' ﴿۲۲۷﴾

اسی لئے بعض صاحبان توفیق نے ان کی شروح لکھنے کا اہتمام بھی کیا مثلاً مولوی ضیاء اللہ، خواجہ

﴿۲۲۲﴾ شمس صدیقی، بریلوی، مقدمہ اردو ترجمہ عوارف المعارف، ص:۱۰۱

﴿۲۲۳﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب:۲۰۹

﴿۲۲۴﴾ امرتسری، حکیم محمد موسیٰ، مقدمہ اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ج ۱، ص:۳۸

﴿۲۲۵﴾ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۱۲۱

﴿۲۲۶﴾ مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب:۲۰۹

﴿۲۲۷﴾ ہوتکی، مولوی نصر اللہ، شرح مکتوبات، حصہ اول، ص:۱۹

عبداللہ وحدت، شاہ عبدالرحیم گرہوڑی، مولانا محمد منظور احمد مکان شریفی، اور مولوی نصراللہ کابلی، وغیرہ ﴿۲۲۸﴾ گوجرانوالہ کے علامہ سعید احمد مجددی نے اردو میں مکتوبات کی عام فہم شرح لکھی جس کی پانچ جلدیں ''البینات شرح مکتوبات'' کے نام سے شائع ہوچکی ہیں۔ اردو میں ہی سید عبدالمالک کی شرح کی پہلی جلد جس میں چالیس مکاتیب کی شرح ہے '۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی۔

حضرت مجدد کے بعد جن مجددی بزرگوں نے مکتوبات لکھنے کا التزام کیا انہوں نے بھی آپ کے بعض مکتوبات کے مطالب کو واضح کیا ہے جیسے مکتوباتِ سعیدیہ ﴿۲۲۹﴾ مکتوباتِ معصومیہ ﴿۲۳۰﴾، مکتوباتِ مظہر جانِ جاناں ﴿۲۳۱﴾، مکتوباتِ شاہ غلام علی دہلوی ﴿۲۳۲﴾ وغیرہ۔ بعض نے کسی ایک مکتوب کو موضوعِ سخن بنا کر اس کی تشریح کی جیسے محمد ادریس کاندھلوی کی کتاب ''عقائد الاسلام'' دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ کی تفصیل وتشریح ہے۔

ملا محمد باقر لاہور کے خاندان میں مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی تفہیم کے لیے خاص توجہ مبذول کی گئی تھی۔ ان کے بھائی ملا محمد امین حافظ آبادی مکتوبات حضرت مجدد کے اتنے ماہر تھے کہ انہوں نے خواجہ سیف الدین سے ''مکتوبات خوان'' کا لقب پایا تھا۔ ﴿۲۳۳﴾

مکتوبات امام ربانی اسلامی فکر ونظر کے عکاس ہیں۔ ان کی اس معنویت کے پیشِ نظر ہر دور میں

﴿۲۲۸﴾ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی رَحمۃُ اللہ علَیہ، ص: ۲۶۳

﴿۲۲۹﴾ محمد سعید، شیخ، مکتوباتِ سعیدیہ، مکتبہ حکیم سیفی، لاہور، مکتوب: ۶۸

﴿۲۳۰﴾ محمد معصوم، شیخ، مکتوباتِ معصومیہ، مترجم سید زوار حسین، ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۹۷۹ء، دفتر اول، مکتوب ۸۵، ۲۲۳،۱۸۹/ دفتر دوم، مکتوب ۱۰۲،۱

حضرت خواجہ معصوم کے مکتوبات کے تینوں دفتر مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی توضیحات وشرح سے بھرے پڑے ہیں اگر ان تمام مقامات کو یکجا کر دیا جائے تو ''شرح مکتوبات امام ربانی بزبان حضرت خواجہ'' کا ایک عمدہ دفتر تیار ہوجائے۔ (اقبال مجددی، تعلیقات وتوضیحات مقامات معصومی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ج ۴، ص: ۵۱)

﴿۲۳۱﴾ دہلوی، شاہ غلام علی، مقاماتِ مظہری، ترجمہ وتحقیق محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور ۱۹۸۳ء، ص: ۴۸۲

﴿۲۳۲﴾ دہلوی، شاہ غلام علی، مکاتیب شریفہ، مکتبہ ایشیق، استنبول ۱۹۷۶ء، مکتوب: ۸۶

﴿۲۳۳﴾ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی رَحمۃُ اللہ علَیہ، ص: ۲۶۱

ہر علاقے کے لوگ ان سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اسی بنا پر مختلف زبانوں میں ان کے تراجم بھی ہوئے۔ محمد مراد المنزلوی نے مکتوبات کا عربی ترجمہ ''الدرر المکنونات النفیسة'' کے نام سے کیا اور اس کا انتخاب حسین حلمی ایشیق نے استنبول سے شائع کیا انہیں اقتباس سے محمود عبدالرؤف القاسم نے اپنی کتاب ''الکشف حقیقة الصوفیة'' میں دیئے۔﴿۲۳۴﴾ مکتوبات کا ایک مکمل ترجمہ مع حواشی مصطفیٰ حسنین عبدالہادی کا ہے جو تین جلدوں میں دارالکتب العلمیة بیروت سے ۲۰۰۴/۱۴۲۴ھ میں شائع ہوا۔ مستقیم زادہ سلیمان اور حسین حلمی ایشیق نے ترکی میں ترجمہ کیا﴿۲۳۵﴾ ترکی زبان میں ایک مکمل ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہوا مترجم Abdilkadir Akcicek ہیں۔ شاہ موتی آفتابی نے مکتوبات کو بنگالی زبان کے قالب میں ڈھالا۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے مکتوبات کے منتخبات کا انگلش ترجمہ ۱۹۶۸ء میں شائع کیا﴿۲۳۶﴾ علاوہ ازیں حسین حلمی ایشیق کی شائع کردہ کتاب The Religious Reformers in Islam میں بہت سے مکتوبات کا انگلش زبان میں ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔﴿۲۳۷﴾ Dr. Sergio Ujcich M.D. Arthur F.Buehbr نے Revealed Grace کے نام سے منتخب مکتوبات کا انگریزی ترجمہ شائع کیا ہے۔ ''شریعت اور تصوف'' کے حوالے سے مکتوبات امام ربانی سے استفادہ کر کے اطالوی زبان میں ۳۷ صفحات پر محیط رسالہ شائع کیا ہے۔﴿۲۳۸﴾ محمد عباس قادری کا پستو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

اسی طرح Samuela Pagani نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ Abdal-Ghani Al- Nabulusi's Reading of Ahmad Sirhindi's Ideas on Tajdid میں مکتوبات کے بعض حصوں کا اس زبان میں ترجمہ کیا، انگریزی زبان میں اگرچہ مکمل مکتوبات کا کوئی ترجمہ نہیں ہوا مگر عبدالحق انصاری نے اپنی کتاب Sufism and Shariah میں تقریباً ۶۶ مکتوبات کا

﴿۲۳۴﴾ محمود، عبدالرؤف القاسم، الکشف حقیقة الصوفیہ، دارالصحابة، بیروت ۱۹۸۷ء، ص: ۲۹۴، ۳۲۷، ۴۷۷، ۵۹۱

﴿۲۳۵﴾ مسعود احمد، ڈاکٹر، مجدد الف ثانی، حالات، افکار اور خدمات، ادارہ مسعودیہ، کراچی ۱۹۹۵ء، ص: ۲۶۱

﴿۲۳۶﴾ Isiq,Huseyn Hlmi ,The Religius Reformers in Islam, Istanbul,1989,p:13,39,113,259 etc.

﴿۲۳۷﴾ Dr. Sergio کا مکتوب بنام احمد حسن مرزا (امریکہ) محررہ ۱۱ مارچ ۱۹۹۲ء

﴿۲۳۸﴾ پروفیسر اقبال مجددی کے سلسلہ مجددیہ پر متعدد کام شائع ہو چکے ہیں۔

انگریزی ترجمہ کیا ہے، لاہور کے شیخ وجیہ الدین نے مکتوبات امام ربانی کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے دفتر اول اور دوم کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے۔

اردو زبان میں متعدد مکمل و نامکمل تراجم شائع ہوئے۔ پہلا ترجمہ مولانا قاضی عالم الدین نے کیا﴿۲۳۹﴾ جس کو پہلی بار اللہ والے کی قومی دوکان لاہور نے ۱۹۰۹ء میں شائع کیا۔ بلکہ ان سے پہلے بھی حضرت حافظ عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ (عیدگاہ شریف) نے صوبہ سرحد کے ایک مولانا سے ترجمہ کروایا۔ عالم الدین، قاضی، کنز القدیم فی آثار الکریم، محمد یعقوب خاں حدون، ص: ۲۹۱۔ یہ کتاب مجموعہ گلزار عبدالکریم میں شامل ہے۔ بعد ازاں مکتبۂ مدینہ سے شائع ہوا﴿۲۴۰﴾ اسی طرح مولانا عبدالرحیم کلاچوی﴿۲۴۱﴾، محمد سعید احمد نقشبندی﴿۲۴۲﴾ نے بھی اردو ترجمہ کے ساتھ بعض مقامات پر عمدہ حواشی لکھے ہیں۔

مکتوبات کا ایک عمدہ ترجمہ سید زوار حسین شاہ صاحب کا بھی ہے، یہ موجودہ تراجم میں افادیت کے اعتبار سے سب سے اہم ہے اس کی درج ذیل خصوصیات ہیں۔

۱۔ ہر صفحہ کی پیشانی پر ''سطر اور مکتوب نمبر'' درج کر دیا گیا ہے۔

۲۔ جو مکتوبات عربی زبان میں ہیں ان کی پیشانی پر لفظ عربی درج کر دیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اصل مکتوب عربی زبان میں ہے۔

۳۔ ہر مکتوب جس صفحہ سے شروع ہوا ہے اس کے فٹ نوٹ میں مکتوب الیہ کا مختصر تعارف دے دیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ مکتوب الیہ کون بزرگ ہیں اور کس حیثیت کی شخصیت ہیں ان کے نام مکتوبات کی تعداد کس دفتر اور کس نمبر کے مکتوبات ہیں۔

۴۔ مکتوب کے اندر بھی جن بزرگوں کا اسم گرامی آیا ہے ان کا مختصر تذکرہ اسی صفحے کے فٹ نوٹ میں دے دیا ہے۔

۵۔ آیات کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔

﴿۲۳۹﴾ عالم الدین، قاضی، مکتوبات امام ربانی، مترجم، مکتبہ مدنیہ، لاہور

﴿۲۴۰﴾ کلاچوی، عبدالرحیم، مکتوبات امام ربانی، مترجم، بیگم ہمایوں ٹرسٹ، لاہور ۱۹۶۷ء

﴿۲۴۱﴾ نقشبندی، محمد سعید احمد، مکتوبات امام ربانی، مترجم، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۶ء

﴿۲۴۲﴾ محمد علی قریشی، پیش لفظ اردو ترجمہ مکتوبات از سید زوار حسین، ادارہ مجددیہ کراچی، ۱۹۹۵ء، دفتر اول، ص ۲۹: ۳۰۔

۶۔ اصطلاحات کی وضاحت کردی گئی ہے۔

۷۔ احادیث کی تخریج کے لیے تشید المبانی اور مولانا نور احمد امرتسری علیہ الرحمہ کے حواشی سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۸۔ مضامین کو واضح کرنے کے لیے حاشیہ پر عنوانات بھی قائم کردیے گئے ہیں۔

۹۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ کو حسب ذیل عنوانات کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ آیات قرآنی، احادیث مبارکہ، عبادات، مقولے، مصطلحات، اسماء الرجال، اسماء الاشیاء، اسماء الکتب، اسماء البلاد، سنہ وماہ۔ ﴿۲۴۳﴾

مکتوبات کا ایک خوبصورت تازہ ایڈیشن (صفر ۱۴۲۵ھ) آستانہ عالیہ حبیبیہ گجرات سے شائع ہوا ہے۔ پہلی جلد ۲۷x۷ اسائز کے ۳۱۳ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ دفتر اول کے چالیس مکتوبات ہیں۔ جن میں صفحہ ۱۔۱۰۴ تک مولانا نور احمد رحمۃ اللہ علیہ پسروری کا تصحیح و تحقیق شدہ فارسی متن جو مطبع مجددی امرتسر سے ۱۳۲۷ھ میں شائع ہوا تھا صفحہ ۱۰۵۔۲۵۱ پر ان چالیس مکاتیب کا اردو ترجمہ از سید زوار حسین ہے جبکہ صفحہ ۲۵۲۔۲۷۹ پر تین عنوانات کے تحت ان احادیث کی تخریج ہے جو ڈاکٹر بابر بیگ مطالی کے مقالہ سے ماخوذ ہے۔ ان پر صوفی محمد علی نقشبندی (دار العلوم لاثانیہ فتح گڑھ سیالکوٹ) اور حافظ محمد اشرف مجددی (مدینۃ العلم جامع مجددیہ سیالکوٹ) کے پُراز معلومات حواشی ہیں۔

قاضی حمید احمد فضلی کا ترجمہ ماہ نامہ فیض شیر گڑھ میں شائع ہو رہا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر احباب نے بھی اردو تراجم اور خلاصہ جات تحریر کیے ہیں۔ ﴿۲۴۴﴾

مکتوبات کا تازہ ترین ایڈیشن ایران سے شائع ہوا ہے۔ اس پر مقدمہ اور تعلیقات حسن زارعی اور ایوب گنجی کی ہیں۔

ان معرکۃ الآرا مکتوبات کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقی کام بھی کیا گیا ہے۔ اس سلسہ میں درج ذیل نام زیادہ معروف ہیں:

محمد اقبال مجددی ﴿۲۴۵﴾، ڈاکٹر سراج احمد، بابر بیگ مطالی، انصار اللہ، پروفیسر عبدالباری

﴿۲۴۳﴾ تفصیلات کے لیے مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، ص: ۲۶۱، ۲۶۲

﴿۲۴۴﴾ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، ص: ۲۶۳

﴿۲۴۵﴾ مکتوب ڈاکٹر محمد مسعود احمد بنام راقم محررہ ۲۱ راگست ۱۹۹۶ء

صدیقی ﴿۲۴۶﴾، محمد عبدالحکیم اختر شاہ جہان پوری ﴿۲۴۷﴾، علامہ محمد سعید نقشبندی ﴿۲۴۸﴾، آبادشاہ پوری ﴿۲۴۹﴾ ، ملک حسن علی جامعی ﴿۲۵۰﴾، اقبال احمد فاروقی ﴿۲۵۱﴾ ، غلام مصطفیٰ مجددی ﴿۲۵۲﴾، میاں جمیل احمد شرق پوری ﴿۲۵۳﴾، ڈاکٹر مسعود احمد ﴿۲۵۴﴾، سالم عبداللہ

﴿۲۴۶﴾ اختر، شاہ جہان پوری، عبدالحکیم خاں، تجلیات امام ربانی، مکتبہ نبویہ، کراچی ۱۹۷۸ء

﴿۲۴۷﴾ نقشبندی، محمد سعید، مسلک امام ربانی مکتوبات کی روشنی میں، مکتبہ حامدیہ، لاہور

﴿۲۴۸﴾ آبادشاہ پوری، حضرت مجدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات، مکتبہ چراغ اسلام، لاہور ۱۹۷۷ء

﴿۲۴۹﴾ حسن علی، جامعی شرق پوری، تعلیمات مجددیہ، ۱۹۶۵ء

﴿۲۵۰﴾ فاروقی، پیرزادہ اقبال احمد، صحابہ کرام مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے آئینے میں، مکتبہ نبویہ، لاہور ۱۹۹۱ء

﴿۲۵۱﴾ مجددی، غلام مصطفیٰ، مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا، مرکزی مجلس رضا، لاہور ۱۹۹۶ء

﴿۲۵۲﴾ شرق پوری، میاں جمیل احمد، مسلک مجدد، مکتبہ شیر ربانی، شرق پور

﴿۲۵۳﴾ یہ انڈیکس اقبال اکادمی پاکستان سے ۲۰۰۱ء میں ''فہارس تحلیلی ھشتگانہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ جناب آرثو بیولر نے پنجاب کے نقشبندی بزرگوں پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا۔ ان فہارس کی بنیاد امرتسر کا عکسی نسخہ ہے۔ فہارس کا انتساب حکیم موسیٰ امرتسری کے نام ہے۔ معروف نقشبندی محقق اقبال مجددی نے موصوف سے فہارس کی ترتیب میں تعاون کیا وہ خود مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''پروفیسر اقبال مجددی کامل فہرستہائے اشخاص وکتابہارا بررسی کرد'' (مقدمہ، ص: ط)۔ انہوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا کہ اگر ڈاکٹر احمد حسن مرزا اس سلسلہ میں مالی تعاون نہ کرتے تو یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا (مقدمہ، ص: ح) فہارس کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ فہرست آیات قرآن کریم (بترتیب حروف تہجی) ۲۔ فہرست احادیث نبوی (بترتیب حروف تہجی) ۲۵۔۴۰۔

۳۔ فہرست اقوال وامثال عرفانی (از مشائخ ائمہ اولیاء وعرفا) '۴۱۔۵۰'

۴۔ فہرست تحلیلی الفاظ واصطلاحات عرفانی (۵۱۔۱۳۰)

۵۔ فہرست اشخاص (بترتیب نسبت وکنیت) '۱۳۱۔۱۶۴' ۶۔ فہرست گروھا وفرقہ ھا (۱۶۵۔۱۷۴)

۷۔ فہرست کتبہا ورسالہ ھا '۱۷۷۔۱۸۲' ۹۔ فہرست نام مکانہا '۱۸۳۔۱۸۶'

ان آٹھ فہارس کے آخر میں امرتسر سے شائع شدہ مکتوبات کا ایک گوشوارہ دیا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ کون سا مکتوب اشاعت امرتسر کے کس صفحہ پر ہے۔

﴿۲۵۴﴾ پنجاب یونیورسٹی میں محمد ظفر علی رضوی کا مقالہ بعنوان ''حضرت امام ربانی کے سیاسی مکتوبات'' جس کے نگران ڈاکٹر برہان احمد فاروقی تھے۔

(امریکہ)﴿۲۵۵﴾، عبداللہ جان مجددی﴿۲۵۶﴾، مرتضیٰ حسین﴿۲۵۷﴾، محمد ظفر علی رضوی﴿۲۵۸﴾

مکتوبات کے دقیق معارف عام فہم انداز میں عوام الناس تک پہنچانے کے لیے اور خانقاہوں میں صوفیہ نے راہِ سلوک کے شناوروں کے لئے ان مکتوبات کے درس کا اہتمام بھی کیا۔ خواجہ محمد معصوم رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے بارے میں سید محمد میاں لکھتے ہیں:

''تفسیر و حدیث کے علاوہ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے مکتوبات کا درس بھی آپ دیتے تھے۔ اور اس کے دقیق مضامین کو شرح وبسط سے بیان کرتے اور شبہات کا حل فرماتے۔''﴿۲۵۹﴾

صاحب مقامات معصومی نے درس کا انداز یہ بیان کیا ہے: درس مکتوبات کی مجلس میں حضرت خواجہ محمد سعید خاموش بیٹھتے تھے اور محض سماعت فرماتے تھے جبکہ حضرت خواجہ معصومؒ مکتوبات کی شرح بیان کرتے۔ حضرت خواجہ معصوم کا درس کی تقریر کرنا مفسرین و محدثین کے اتباع میں تھا جبکہ حضرت خواجہ سعید درس کے دوران حضرت مجدد کے فیض باطن سے فیضیاب ہو کر وہی فیض سامعین کے قلوب پر القا فرماتے تھے۔ اس فرق کی وضاحت میر احمد صفر کے الفاظ میں اس طرح ہے:

''حضرت خازن الرحمت القاء معانی راتفویض بر باطن فیض مواطن حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منی نسودند تازان برکات رشحہ برابل مجلس تقاطر نساید و خودبہ مراقبہ می ساختند و حضرت ایشان کہ معانی آں فرمودند پیروی مفسران و شراح......''﴿۲۶۰﴾

﴿۲۵۵﴾ ''الشیخ احمد سرہندی وجھودہ فی نشر دعوت الاسلامیہ'' کے عنوان سے جامعۃ الازہر مصر میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔

﴿۲۵۶﴾ عنایت عارف، کشف المعارف، الفیصل ناشران لاہور، ۲۰۰۲

﴿۲۵۷﴾ سید محمد میاں، علماءِ ہند کا شاندار ماضی، ج ا، ص: ۲۵۹

﴿۲۵۸﴾ صفر احمد معصومی، میر، مقامات معصومی، تصحیح و تقابل محمد اقبال مجددی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، جلد ۳، ص: ۳۷۹۔۳۸۰

﴿۲۵۹﴾ کتاب مذکور، صفحات بالترتیب، ۴۶۷، ۴۶۹، ۴۶۱، ۴۹۳

﴿۲۶۰﴾ زید فاروقی، ابوالحسن شاہ، حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، پرگریسو بکس، لاہور، ص: ۱۵۴

خواجہ معصوم کے خلیفہ حاجی حبیب اللہ حصاری بخاری (م:۱۱۱۰ھ) بخارا میں درس کا ایسا اہتمام کرتے کہ ہندوستان میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ آپ ہی کے خلیفہ شیخ محمد مراد شامی (م:۱۱۳۲ھ) شام میں مکتوبات کا درس دیتے۔ اسی طرح ملا موسیٰ بھٹی کوٹی اور حافظ محسن سیالکوٹی بھی درس کا اہتمام کرتے۔﴿۲۶۱﴾

شاہ غلام علی دہلوی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے مسلسل ۴۵ سال مکتوبات کا درس دیا﴿۲۶۲﴾ خواجہ زبیر سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نمازِ عصر کے بعد درس دیتے تھے﴿۲۶۳﴾۔ مولانا برکات احمد بہاری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے بارے میں مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ وہ عصر کے بعد مکتوبات کا درس بھی دیتے۔﴿۲۶۴﴾

مولانا محمد نور الدین نقشبندی (م:۱۹۵۵ء) شکر گڑھ کی مختلف مساجد میں مکتوبات کا درس دیا کرتے تھے۔﴿۲۶۵﴾ مولانا سعید مجددی گوجرانوالہ میں مکتوبات کا درس دیتے ہیں۔﴿۲۶۶﴾ حضرت مجدد الف ثانی کی حیات و تعلیمات پر وقیع کام کرنے والے جناب ڈاکٹر محمد مسعود احمد کراچی میں مکتوبات کا درس دیتے تھے۔

پروفیسر محمد اقبال مجددی زید مجدہ، برادرم ناظم بشیر کے گھر درس مکتوبات دیتے رہے ان میں سے بعض دروس شائع بھی ہوئے۔

مکتوبات کا ادبی و لسانی جائزہ:

سید زوار حسین نے مکتوبات کا ادبی جائزہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

''حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات نہ صرف تصوف بلکہ پورے علوم و معارف اور نکات و اسرار کے عالم گیر ذخیرے میں خاص امتیاز رکھتے ہیں اور اپنی تاثیر، ادب و انشاء کی قوت، برجستگی، اور روانی کے لحاظ سے پورے فارسی ادب میں

﴿۲۶۱﴾ غلام سرور مفتی، خزینۃ الاصفیاء، مترجم محمد ظہیر الدین، مکتبہ نبویہ، لاہور ۱۹۹۴ء، ص:۲۴۰

﴿۲۶۲﴾ گیلانی، مولانا مناظر احسن، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، جلد اول، ص:۳۲۷

﴿۲۶۳﴾ مولانا کے خاندان سے فاضل نوجوان غلام مصطفیٰ مجددی نے راقم کو بتایا۔

﴿۲۶۴﴾ زوار حسین، سید، حضرت مجدد الف ثانی، ص:۳۸۲

﴿۲۶۵﴾ محمد اکرام، شیخ، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۷ء، ص:۳۲۸

﴿۲۶۶﴾ سید محمد میاں، علماءِ ہند کا شاندار ماضی، ج۱، ص:۱۷۴

نہایت بلند پایہ مقام رکھتے ہیں۔" ﴿۲۶۷﴾

آپ نے ان مکتوبات میں مکتوب نگاری کے تمام اصولوں کو نہایت احسن انداز میں اپنایا ہے۔ اور مکتوب الیہم کی علمی قابلیت اور فہم و ادراک کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مکاتیب جو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ یا صاحبزادگان کے نام ہیں ان میں بالخصوص صوفیانہ اصطلاحات کی کثرت ہے۔
ڈاکٹر شیخ اکرام انہی امور کے پیش نظر لکھتے ہیں:

"شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ بڑے بلند پایہ اہل قلم تھے اور خط لکھتے وقت مکتوبات کی انشائی خوبیوں پر بھی نظر رکھتے تھے۔ ان خطوط میں بیشتر علمی اور دینی مسائل ہیں اور ان کے لیے وہی عالمانہ طرز تحریر اختیار کیا گیا ہے۔ جس میں زیادہ سے زیادہ معانی کم سے کم مفہوم میں ادا ہو جائیں۔ وہ ارباب تصوف کی مروجہ اصطلاحیں کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ اور جو لوگ ان سے ناواقف ہیں انہیں بعض مطالب سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ لیکن عام طور پر ثقیل الفاظ کم ہیں اور بالخصوص ان مکتوبات میں جو عقائد کی توضیح میں یا مبتدیوں اور نوجوانوں کو لکھے گئے ہیں ان میں زبان بڑی سلیس اور عام فہم ہے۔ ﴿۲۶۸﴾ جب امرائے وقت کو لکھتے ہیں تو انداز عالمانہ کی بجائے ناصحانہ ہو جاتا ہے۔ ان میں استغناء اور بے نیازی کی وہی شان ہے جو ایک شیخ اور مرشد کے مکتوب میں ہونی چاہیے ان مکاتیب میں انہی امراء کے اعمال پر محاسبہ بھی ہے تنبیہات بھی ہیں۔ اور عقائد باطلہ یا فاسد خیالات کی تردید بھی قوت اور زور کے ساتھ کی گئی ہے۔ ﴿۲۶۹﴾

ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے کسی ایک میں بھی اپنے ذاتی اغراض و مفادات کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ اشارہ تک نہیں فرمایا۔ صاحبزادگان کو جو خطوط قید شاہی کے دوران لکھے وہ پدرانہ شفقت کا آئینہ دار ہیں"۔

﴿۲۶۷﴾ عنایت اللہ شیخ، نیازی، سید نذیر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور ۱۹۶۶ء، ج ۲، ص: ۱۲۹

﴿۲۶۸﴾ ملک حسن علی، تعلیمات مجددیہ، الاشاعۃ، ص: ۱۲۹

﴿۲۶۹﴾ گیلانی، مناظر احسن، الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ، در تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۹۱

بعض اوقات اپنا موقف مثالوں سے بھی سمجھاتے ہیں۔حسب موقع حافظ، رومی سعدی اور مولف خود اپنے فارسی اشعار کے علاوہ قرآنی آیات، بزرگانِ دین کے اقوال اور عربی اشعار و محاورات بھی نقل کرتے ہیں اسی بناء پر اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

''مکتوبات کا انداز علمی بھی ہے اور واعظانہ وخطیبانہ بھی، زبان شیریں اور موثر ہے۔اور اسلوب نہایت سلجھا ہوا ہے۔'' ﴿۲۷۰﴾

سیّد زوار حسین شاہ کے بقول:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کو نہایت درجہ قادر الکلامی عطا فرمائی تھی، آپ کا کلام اس قدر موثر ہوتا تھا کہ دل میں اتر جاتا تھا۔الفاظ کا انتخاب، فقروں کی ساخت، پرزور انداز بیان مخاطب کے مقام اور اپنے مرتبہ کے مطابق شوکت الفاظ وحسن تمثیل اور اس قسم کی سب ہی خوبیاں آپ کی تحریر میں پائی جاتی ہیں۔آپ نے مکتوبات شریف کو اپنی تبلیغی و اصلاحی مصروفیات اور ذاتی اوراد ومشاغل وغیرہ سے وقت بچا کر بلا تکلیف قلم برداشت تحریر فرمایا ہے۔اس کے باوجود عبارت کی روانی، مضامین و معانی کی تفصیل اور فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیاں آپ کے ہر مکتوب گرامی سے نمایاں اور ظاہر ہیں۔کوئی مکتوب بھی ایسا نہیں

﴿۲۷۰﴾ Yohana, Friedmann, The Encyclopedia of Religion.Coller Macmillan publishers, London, Vol:13,p:337

ان مکتوبات کے وسیع پیمانے پر اثرات کا اعتراف جہانگیر کو بھی تھا تزک جہانگیری کے مطابق

''He had also written a number of idle tales to his disciples and his believers. In that album (jung) of absurdities many unprofitable things had been written that dreg (people) into infidelity and impiety. Jahangir, Tuzuk-i-Jahangiri, translated by Alexander Rogers, Royal Asiatic Socicty London, 1914, vl 2, p.92''

ہے جوادب کے اعلیٰ معیار پر پورا نہ اترتا ہو“

[فضل الرحمٰن سید (مرتب)، مقالات زواریہ، زوار اکیڈمی لاہور ۱۹۹۸ء، ص: ۵۴۷]

عربی مکتوبات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”عربی زبان میں بھی آپ کے متعدد مکتوبات گرامی ہیں جن کے مطالعہ سے اہل زبان بھی آپ کی بے تکلف عربی ادب پر دسترس کامل کے قائل ہیں۔ آپ کی تحریرات ایجاز و اختصار، شیرینی و سادگی، گہرائی و گیرائی، تحسین و شوکت الفاظ، مسجع و مقفیٰ فقرات، تجنیس، سہل ممتنع وغیرہ اصناف فصاحت و بلاغت کا جامع ترین مرقع ہیں۔“

فیضی اور ابوالفضل کے برعکس حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے انشاء پردازی کے وہ جوہر دکھائے کہ دونوں بھائیوں کو مات کر گئے۔ آپ نے ابوالفضل اور فیضی کے فیض یافتہ درباریوں کو خطوط روانہ کیے۔ ان خطوط نے ان کی فکر ونظر کو بدل کر رکھ دیا۔ ملک حسن علی جامعی ان انشاپردازوں اور حضرت مجدد کے انداز میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ان خطوط میں ایک طرف دینی حقائق کا زور اور دوسری طرف انشاء پردازی کا جادو تھا۔ ابوالفضل اور فیضی کی سحر نگاری اور فلسفیانہ تعبیر نے الحاد پیدا کیا۔ اس کے برعکس حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ نگارش ادبی شہپاروں سے براہ راست قرآنی تعلیمات اور پیغمبرانہ سنن کی عظمت قلوب میں اتر جاتی ہے۔ ان تمام دعوت ناموں کا مقصد اور قدرِ مشترک صرف یہی تھا کہ جس طرح ہو سکے، اس نقصان کی تلافی ہونی چاہیے جو اسلام کو اکبری عہد میں پہنچ چکا ہے۔ ﴿۲۷۱﴾

ابوالفضل اور شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی انشاء پردازی کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے مناظر احسن گیلانی رقم طراز ہیں:

”حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریر میں وہ رنگ اختیار نہیں کیا جو اس عہد کے

﴿۲۷۱﴾ شمس، محمد ہمایوں عباس، مکتوبات امام ربانی ایک جائزہ، بزم اقبال، جامعہ ریاض العلوم فیصل آباد، ص: ۱۴-۱۵

بڑے بڑے انشاء پردازوں کا تھا۔ ایک طرف آپ ابوالفضل کی سحر نگاریوں کو رکھیے اور دوسری طرف حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے زور قلم کو۔ پھر اندازہ کیجیے کہ انشاء کا زور کس میں ہے۔'' ﴿۲۷۲﴾

مکتوبات کی اہمیت و اثرات:

۱۔ ان مکاتیب کی بدولت حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ لشکرِ شاہی، دربار اور شاہی خاندان میں ایسا موثر عنصر تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جس نے آگے چل کر مملکت کے نظام کو پوری طرح اسلامی شریعت کے سانچے میں ڈھالا۔ اسی وجہ سے مکاتیب کا پانچواں حصہ امراء اور عمائدین سلطنت کے نام ہے۔ اسی لیے یوحنا فرائیڈ مین نے کہا ہے کہ آپ کے خطوط سے ہندوستان میں مسلم طرزِ فکر کو ارتقاء نصیب ہوا۔ ﴿۲۷۳﴾

۲۔ ملائشیا کے حامد الگر نے اپنے آرٹیکل میں مکتوبات کے اثر کو یوں بیان کیا ہے:

"The Maktubat of Sirhindi came to replace the focus of Ibn-e-Arabi as a text for study and mediation."

۳۔ ان مکتوبات نے اس وقت فاصلاتی تعلیم کا تصور پیش کیا جب دنیا میں کہیں بھی فاصلاتی نظام کا تصور موجود نہ تھا۔ آج دنیا میں یہ نظام رواج پا رہا ہے۔ پاکستان میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی فاصلاتی نظام کے ذریعے علم کے فروغ کے لیے کام کر رہی ہے۔ ﴿۲۷۴﴾ اسی طرح میڈیا سے استفادہ کا تصور بھی حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے پیش کیا۔ انہی وجوہات کی بناء پر علامہ منظور نعمانی نے مکتوبات کو غیر اخباری زمانے میں ''مجددی گزٹ'' کہا ہے۔ ﴿۲۷۵﴾

﴿۲۷۲﴾ نعمانی، محمد منظور احمد، علامہ، تذکرہ مجدد الف ثانی، ص: ۱۷۷

﴿۲۷۳﴾ ایضاً

﴿۲۷۴﴾ فضلی، قاضی حمید احمد، کتب مجدد و منور الف ثانی کا لسانی جائزہ، قلمی مخزونہ کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم، فیصل آباد، ورق: ۱۳

﴿۲۷۵﴾ بخاری، سید خورشید حسین، نور اسلام، شرقپور، مجدد الف ثانی نمبر، ج ۲، ص: ۳۶-۳۷

۴۔ آپ کے مکتوبات کی حیثیت فی الحقیقت نجی نہ تھی بلکہ درحقیقت وہ تبلیغ و اشاعت کا ایک نہایت منظم اور موثر سلسلہ تھا۔ اس سلسلہ کے ذریعے آپ نے فتنہ رفض کی بڑی روک تھام کی۔ اور اس وقت کے حالات کو پیش نظر رکھ کر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ اس طرف متوجہ نہ ہوتے تو اکبری الحاد سے جو مسلمان بچے تھے ان میں اسے اکثر بدعقیدگی کے جال میں پھنس چکے ہوتے۔

کتب مجدد کا مجموعی ادبی ولسانی جائزہ:

عہدِ مجدد میں فارسی نظم ونثر اپنی بے مثال تاب ناکیوں کے ساتھ ادبی افق پر جلوہ گر تھی۔ مرصع اور مسجع عبارت آرائی فارسی نثر میں رواج پا چکی تھی۔ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے بھی اس اسلوب کو اختیار کیا لیکن تکلف آرائی سے پرہیز کیا۔ آپ کی تصانیف کی زبان تعقید سے مبرا، واضح اور سہل ہے۔ اندازِ بیان نہایت شستہ اور عین اسلامی ہے۔ مکتوبات کا آغاز حمد وصلوٰۃ سے ہوتا ہے۔ آپ کی تصانیف میں جس شخص کا ذکر آئے اس کے مقام و مرتبے کے مطابق القاب بھی درج کرتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے ادبی ذوق کا سبب واضح کرتے ہوئے قاضی حمید فضلی لکھتے ہیں:

> ''چونکہ حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ بقیہ طینتِ نبوی کا مرقع تھے۔ اس لئے حضور ﷺ کی ادبی خصوصیات کا حامل ہونا حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے خمیر میں تھا۔ جس طرح بدعات سے آپ کو نفرت تھی اسی طرح اظہار مدعا میں بھی آپ کا جوامع الکلام کا مظہر ہونا طینت نبوی کے بقیہ کا تقاضہ سمجھنا ضروری ہوگا۔''

تصانیف مجدد کا ادبی جائزہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر خورشید حسین بخاری لکھتے ہیں:

> ''حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کی تصانیف ادبی لحاظ سے بہت بلند مرتبہ ہیں۔ حضرت مصنف کو معلوم ہے کہ وہ ایسے مسائل پر گفتگو کر رہے ہیں جن کا تعلق الٰہیات اور مذہب سے ہے لیکن ان کے مخاطب اکثر تصانیف میں عوام الناس ہیں چنانچہ ایسے مسائل بیان کرتے ہوئے اس بات کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ زبان زیادہ مشکل نہ ہو۔ اور تراکیب ایسی استعمال کی جائیں جو ادق یا عسیر الفہم نہ ہوں۔ چنانچہ آپ کی تصانیف

میں اس سے لطافت پیدا ہوگئی ہے اور جملوں کی دروبست کی برجستگی اور تشبیہات کے بر محل استعمال سے آپ کی تحریر میں ایک شان اور دل آویزی آ گئی ہے۔ اس کے ساتھ عربی جملوں، احادیثِ نبوی اور قرآنی آیات کی آمیزش نے عبارت میں دل کشی پیدا کردی ہے۔ ناقدین ادب نے اٹھارہویں، انیسویں صدی کی ایک ادبی اور رومانوی تحریک کی جو خصوصیات بیان کی ہیں حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیہ کی تصانیف اپنی جاذبیتِ بیان، شیرینیٔ زبان، طرزِ تحریر، نفس مضمون اور شوکت الفاظ کے لحاظ سے ان پر پورا اترتی ہیں۔"

آپ کی تصانیف کا یہ جائزہ اس بات کا مظہر ہے کہ آپ کی جملہ علوم وفنون اسلامیہ پر گہری نظر تھی۔ علماء کی تحریروں سے اکتساب ہی نہیں کرتے نقد بھی کرتے ہیں اقتباسات کی نقل بالواسطہ یا بلاواسطہ دونوں طریق سے ہے۔ اوران سے اخذ مطالب ونتیجہ کا سلیقہ وشعور علمی پختگی کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی تصانیف کا جائزہ بتاتا ہے کہ آپ کا اسلوب تمام جہات ادبی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

☆☆☆☆☆

باب سوم

حضرت مجددؒ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
کے تفسیری نکات

تفسیر

تفسیر﴿۱﴾ وہ علم ہے جس میں بشری استطاعت کی حدتک نبی کریم ﷺ پر نازل شدہ کتاب کے معانی ومفہوم کو واضح کیا جاتا ہے تاکہ منشائے خداوندی کو پایا جاسکے۔اس مقصد کیلئے قرآنی آیات کے شانِ

﴿۱﴾ تفسیر سے متعلق مباحث کیلئے ملاحظہ فرمایئے:

ابو حیان، محمد بن یوسف اندلسی، البحر المحیط، دارالفکر ۱۹۸۳ جلد اوّل، ص ۱۳۔۱۴/ ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمان بن علی، زاد المسیر، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۸ھ جلد اوّل، ص ۴/ ابوبکر جابر الجزائری، ایسر التفسیر، مکتبہ العلوم وا لحکم مدینہ منورہ، ۱۹۹۶، جلد اول، ص ۹/ الطباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، دارالکتاب الاسلامی ایران، ۱۹۷۳، جلد اوّل ص ۴/ طبرسی، ابوعلی الفضل بن الحسن، منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی المرعشی، ایران ۱۴۰۳، جلد اوّل ص ۱، ۲/ آلوسی، محمود آلوسی حنفی، روح المعانی، انتشارات جہان ایران، جلد اوّل ص ۵/ قسطلانی، ابی العباس شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی لبنان، ۱۳۰۵ھ جلد ۷ ص ۲/ عسقلانی، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری دارنشر الکتب الاسلامیہ پاکستان ۱۹۸۱ جلد ۸ ص ۱۵۵/ مبارکپوری، محمد بن عبدالرحمٰن، تحفۃ الاجوزی، دارالفکر بیروت جلد ۸ ص ۲۷۷/ ابی مالکی، ابوعبداللہ، اکمال اکمال المعلم، دارالکتاب العربی، بیروت جلد ۷ ص ۳۲۱/ محمد طاہر الصدیقی الھندی الفتنی، مجمع بحارالانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار، مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۱۹۹۴ جلد ۴ ص ۱۴۲/ ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم لسان العرب، نشر ادب الحوزۃ ایران ۱۴۰۵ھ جلد ۵ ص ۵۵/ زمخشری، ابوالقاسم محمود بن عمر، اساس البلاغۃ دارالمعرفۃ لبنان، ص ۳۴۱/ زبیدی، سید محمد مرتضیٰ، تاج العروس، المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ جلد ۳ ص ۴۷۰/ جرجانی، سید شریف کتاب التعریفات المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۱۱ھ ص ۳۸/ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۹۷۴ جلد دوم ص ۱۷۳/ عثمانی، محمد تقی، علوم القرآن، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴۱۱ ص ۳۲۳۔۳۲۴

نزول، مکی و مدنی، ناسخ و منسوخ، عام و خاص، مطلق و مقید، حلال و حرام اور عبرت و امثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔ تفسیر کا مترادف لفظ تاویل استعمال ہوتا ہے۔ ابتدا میں لفظ تفسیر ہر کتاب کی تفہیم و تشریح کیلئے استعمال ہوتا تھا﴿۲﴾ لیکن اب یہ قرآنی مفاہیم کی توضیح کیلئے ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

تفسیر کے سلسلہ میں زمانۂ ماضی میں لائق ستائش کام ہوا لیکن زمانہ کے بدلتے تقاضوں اور نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کیلئے تفسیر ہر دور میں لکھی جاتی رہے گی۔ معاشرہ کبھی بھی نئی تفسیروں کی ضرورت سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ علامہ غلام رسول سعیدی نئی تفسیر کی ضرورت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ ''ہمارے علمائے متقدمین نے تفسیر کے موضوع پر اس قدر زیادہ اور عظیم کام کیا ہوا ہے کہ اس پر کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہوسکتا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علماء اسلام کی زیادہ تر کاوشیں عربی زبان میں ہیں جن تک عام اردو دان طبقہ کی رسائی نہیں ہے تو اس بات کی بے شک ضرورت تھی کہ علوم اور معارف کے ان جواہر پاروں کو سہل اور عام فہم انداز میں جدید اسلوبِ نگارش کے مطابق اردو میں منتقل کردیا جائے۔﴿۳﴾

﴿۲﴾ بطور مثال چند کتابوں کے نام درج ہیں:

تفسیر الموطا للمالک۔ عبدالرحمٰن بن مروان متوفی ۴۱۳/تصحیح المقیاس فی تفسیر القسطاس للزمخشری فی العروض۔ تاج الدین عبدالوہاب متوفی ۶۵۴/تفسیر رسالہ سیبویہ۔ علی بن سلیمان متوفی ۳۱۵/ کتاب التنبیہ علی خطا ابن جنی فی تفسیر شعر المتنبی۔ علی بن عیسیٰ متوفی ۴۲۰/تفسیر قاموس الطب۔ علی بن رضوان متوفی ۴۵۳/ تفاسیر العقاقیر فی الادویۃ ومنافعھا۔ علی بن ابی القاسم متوفی ۵۶۵/ الکلمات النافعات فی تفسیر الباقیات الصالحات۔ زین الدین متوفی ۸۷۷/تفسیر غریب الحدیث ۔ عیاض بن موسی متوفی ۵۴۴/تفسیر ایساغوجی فی المنطق۔ غریغوریوس متوفی ۶۸۵/تفسیر ضروب المنطق تفسیر الحماسہ۔ القاسم بن محمد متوفی ۳۵۵/تفسیر دیوان ابی تمام۔ محمد بن احمد متوفی ۳۷۰/تفسیر کتب جالینوس۔ یحیی النحوی/تفسیر الموطا۔ ابوزکریا یحیی بن ابراہیم متوفی ۲۵۹۔/ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون ﴿طبعۃ جدیدۃ منقحۃ﴾ دارالفکر بیروت ۱۹۹۴ جلد پنجم صفحات بالترتیب ۴۲۰، ۵۱۳، ۵۴۲، ۵۵۰، ۵۵۳، ۵۶۰، ۵۸۸، ۶۴۱، ۶۴۷، ۶۵۸ جلد ششم صفحات بالترتیب ۴۰، ۴۴۰، ۴۰۲۔

ابن خلدون نے ایک عنوان اس طرح قائم کیا ہے۔ ''ولنذکر الآن تفسیر حقیقۃ النبوۃ علی ما شرك من المحققین۔'' ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن خلدون، مقدمہ ابن خلدون دار مکتبۃ الھلال بیروت ۱۹۸۶ ص ۶۹۔

﴿۳﴾ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال لاہور ۱۹۹۷ جلد اول ص ۳۷

زمانی تغیرات کے ساتھ نئی تفاسیر کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے عبدالصمد صارم الازہری لکھتے ہیں۔ ''فروعات کی کوئی حدونہایت نہیں ہمیشہ نئی نئی ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں زمانہ رنگ بدلتا رہتا ہے' نئے نئے علوم وفنون ایجاد ہوتے رہتے ہیں ایسی کوئی کتاب نہیں جو تمام فروعات پر حاوی ہو اس لئے ضرورت ہے کہ متبحر' زمانہ شناس علماء حدیث، فقہ وتفسیر کی خدمت میں مشغول رہیں اور تراجم وتفاسیر کا سلسلہ جاری رہے تاکہ خدا اور رسول ﷺ کے احکام اہل زمانہ کی فہم کے قریب ہوتے رہیں اور پیش آمدہ ضروریات کا آسانی سے حل ہوتا رہے۔'' ﴿۴﴾ یہی وجہ ہے کہ اردو اور دیگر زبانوں میں اس سلسلہ میں گرانقدر کام ہوا ہے۔ایران کے محکمہ اوقاف اور امور خیریہ سے وابستہ مرکز ترجمہ قرآن مجید قم (ایران) میں قرآن کریم کے مطبوعہ نسخوں کی ساتویں نمائش میں دنیا کی تراسی زبانوں میں قرآنی تراجم کے بارے میں رپورٹ شائع ہوئی جس میں اردو کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اس میں سب سے زیادہ تراجم شائع ہوئے جن کی تعداد ۵۹۳ تھی۔ ترکی کے ۴۴۰، انگریزی کے ۴۱۰ اور فارسی کے ۳۱۶ تراجم شائع ہوئے۔(ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد، فروری ۲۰۰۰ء، ص:۵)

زمانہ کے گذرنے کے ساتھ ساتھ تفسیرِ قرآن میں پیش رفت کی وضاحت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول اس قول سے بھی ہوتی ہے:

''القرآن یفسرہ الزمان'' ﴿۵﴾

زمانہ سے مراد نئے افکار ہیں جو مختلف حالات میں انسانی معاشرہ میں پیدا ہوتے ہیں اور مفسر کو مطالب ومعانی کی نئی جہتوں سے آشنا کرتے ہیں جو گذشتہ مفسرین کے فکرونظر میں ہرگز نہ سمائے تھے۔

چالیس پچاس سال میں نئے الفاظ اور نئی اصطلاحات تخلیق ﴿۶﴾ ہوتی ہیں اس پس منظر میں

﴿۴﴾ صارم' عبدالصمد' تاریخ التفسیر' مکتبہ معین الادب لاہور ۱۹۸۲ ص ۱۵

﴿۵﴾ اس لسانی ارتقا کا اندازہ ڈاکٹر افتخار عارف کے اس جملہ سے کیا جا سکتا ہے۔''ہمارا خیال ہے بنیادی نظری' تہذیبی' معاشرتی' سیاسی اور دیگر اسباب کی بناء پر پاکستانی اردو کے خدوخال مختلف ہوتے جا رہے ہیں۔'' ﴿محمود الرحمٰن ڈاکٹر پاکستانی اردو کے خدوخال' ماہ نامہ اخبار اردو مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد' اپریل ۱۹۸۸ء﴾

﴿۶﴾ جعفر سبحانی' تفسیر موضوعی مترجم صفدر حسین نجفی' مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور جلد ۲ ص ۲۰

لسانی ارتقا کی وجہ سے بھی نئی تفسیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ گویا تفسیر مختلف ادوار کے افراد اور اقوام کے علمی، فکری، معاشرتی، ادبی، معاشی واقتصادی رجحانات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

تفسیر قرآن اور احادیث نبوی ﷺ

قرآن مقدس کی تشریح وتوضیح کی ذمہ داری بھی نبی کریم ﷺ پر تھی۔ "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" ﴿۷﴾ میں یہی بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ پہلے مفسر قرآن ہیں۔ امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ "خداوند کریم نے جو کتاب سرور کائنات ﷺ پر نازل فرمائی اسکی تاویل وتفسیر آپ کی جانب رجوع کئے بغیر معلوم نہیں کی جاسکتی۔ قرآن کریم میں امر ونہی یا مندوب ومستحب سے متعلق جو امور مذکور ہیں وہ آپ ﷺ کے ذریعہ ہی سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔" ﴿۸﴾ تفسیر میں احادیث کی اہمیت کے پیش نظر امام ابوحیان لکھتے ہیں۔ "مبہم کی تعیین، مجمل کی تفصیل، سببِ نزول اور نسخ یہ جملہ امور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں۔ یہ احادیث ان معتبر کتب میں موجود ومنقول ہیں جو ہم نے سنی اور روایت کیں مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور دیگر کتب حدیث۔ ﴿۹﴾

کتبِ احادیث میں مندرج ہر تفسیری روایت قابلِ قبول نہیں بلکہ محدثین نے ان کے رد وقبول کے معیار مقرر کئے ہیں اس ضمن میں علامہ غلام رسول سعیدی رقمطراز ہیں۔ "لیکن اس میں ضعیف اور موضوع روایات سے احتراز کرنا واجب ہے اور ایسی روایت بہت زیادہ ہیں اسی وجہ سے امام احمد نے کہا کہ تین قسم کی روایات کی کوئی اصل نہیں ہے۔ مغازی، ملاحم اور تفسیر۔" ﴿۱۰﴾

علماء نے قرآن سمجھنے کیلئے رسول اللہ ﷺ کی احادیث بواسطہ صحابہ اور تابعین قلمبند کیں ان میں

﴿۷﴾ القرآن، سورہ النحل، آیت ۴۴

﴿۸﴾ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، دار المعرفۃ لبنان ۱۹۸۶ جلد اول ص ۳۰

﴿۹﴾ ابوحیان، محمد بن یوسف اندلسی، البحر المحیط، دار الفکر ۱۹۸۳ جلد اوّل ص ۶

﴿۱۰﴾ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن ۱۹۹۷ جلد اوّل ص ۱۳۳/ الاتقان فی علوم القرآن جلد اوّل ص ۱۷۸ میں علامہ سیوطی نے بھی یہی لکھا ہے۔

مشہور یہ ہیں:

۱۔ یزید بن ہارون السلمی، متوفی ۱۱۷ھ

۲۔ شعبہ بن الحجاج، متوفی ۱۶۰ھ

۳۔ وکیع بن الجراح متوفی ۱۹۷ھ

۴۔ سفیان بن عینیہ متوفی ۱۹۸ھ

۵۔ عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۲۱ھ ﴿۱۱﴾

خلاصہ یہ کہ حدیثِ نبوی قرآن کریم کے احکام، اوامر اور اسرار و رموز کی شارح و ترجمان ہے۔ جب ہم حدیث پر اس پہلو سے غور و فکر کرتے ہیں کہ وہ ان احکام پر دلالت کرتی ہے جن پر قرآن کریم اجمالاً یا تفصیلاً مشتمل ہے تو اسکی مندرجہ ذیل قسمیں ہوسکتی ہیں:

ا۔ ایسی احادیث جن میں کسی قرآنی حکم کی تائید و تاکید ہوتی ہے۔

ب۔ ایسی احادیث جو قرآن کے مطلب و مفہوم کو واضح کرتی ہیں۔

ج۔ ایسی احادیث جو ان احکام پر مشتمل ہیں جن سے قرآن خاموش ہے۔

عموماً لوگ احادیث کے ذخیرہ میں سے صرف اتنے ہی حصے کو قرآن سے متعلق سمجھتے ہیں جو ابواب تفسیر کے عنوان سے درج ہوتا ہے بقیہ کو قرآن سے غیر متعلق خیال کرتے ہیں حالانکہ حدیث سرتاسر فہم قرآن سے متعلق ہے۔ احادیث پر اگر دقت نظر سے غور کیا جائے تو حدیث و قرآن کا گہرا تعلق واضح طور پر سامنے آجاتا ہے۔

چند کتب احادیث میں مروی روایاتِ تفسیر کا ایک جائزہ درج ذیل ہے۔ (ان میں وہی روایات ہیں جو کتاب التفسیر کے تحت نقل ہوئی ہیں۔)

	نام کتاب	تعداد روایاتِ تفسیر
ا۔	صحیح بخاری ﴿۱۲﴾	۵۰۳

﴿۱۱﴾ شرف الدین، ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم، قرآن حکیم کے اردو تراجم قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۵

﴿۱۲﴾ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل صحیح بخاری ﴿طبعۃ جدیدۃ﴾ مکتبہ العصریہ بیروت ۱۹۹۷ جلد ۳ ص و ۱۳۵۔۱۶۰۴۔

۲۔	صحیح مسلم ﴿۱۳﴾	۳۹
۳۔	الجامع الصحیح ﴿۱۴﴾	۴۹۴
۴۔	السنن الکبریٰ للنسائی ﴿۱۵﴾	۸۳۴
۵۔	مسند احمد بن حنبل ﴿۱۶﴾	۵۴۹
۶۔	المستدرک علی الصحیحین ﴿۱۷﴾	۱۰۶۸ تقریباً
۷۔	مجمع الزوائد ﴿۱۸﴾	۶۷۱
۸۔	المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ ﴿۱۹﴾	۲۹۱
۹۔	کشف الاستار عن زوائد البزار ﴿۲۰﴾	۱۱۳

دسویں صدی ہجری تک لکھی جانے والی تفاسیر میں ان کتب سے اخذ و استفادہ کیا گیا۔ اس میں علوم قرآن کے دیگر پہلوؤں جیسے اسباب نزول، اعجاز قرآن، احکام قرآن، احکام التلاوۃ، اعراب القرآن، معاجم، ناسخ و منسوخ، علوم القرآن، قصص القرآن، متشابہ القرآن، فضائل القرآن وغیرہ ہر معلومات بھی شامل ہیں۔ حضرت امام ربانی اس ذخیرہ علمی سے استفادہ کرتے ہوئے علم تفسیر پر گراں قدر نکات کا اضافہ کیا۔

﴿۱۳﴾ مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری صحیح مسلم موسسۃ عزالدین لبنان ۱۹۸۷ جلد ۵، ص ۵۱۷ تا ۵۲۹

﴿۱۴﴾ ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح، دار احیاء التراث العربی بیروت جلد ۵ ص ۱۵۵ تا ۴۵۵

﴿۱۵﴾ نسائی، ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب، السنن الکبریٰ، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۹۹۱ جلد ۶ ص ۲۸۲ تا ۵۲۶

﴿۱۶﴾ احمد بن حنبل، الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل، تحقیق احمد عبدالرحمان البنا، دار احیاء التراث العربی بیروت جلد ۱۸ ص ۶۵ تا ۳۵۴

﴿۱۷﴾ حاکم، ابو عبداللہ الحاکم النیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، دار الباز عباس احمد الباز مکہ مکرمۃ جلد ۲ ص ۲۲۰ تا ۵۴۱

﴿۱۸﴾ ہیثمی، حافظ نور الدین، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، موسسۃ المعارف لبنان ۱۹۸۶ جلد ۶ ص ۳۰۶ تا ۳۳۲/ جلد ۷ ص ۵ تا ۱۵۱

﴿۱۹﴾ عسقلانی، ابن حجر احمد بن علی العسقلانی، المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ دار المعرفۃ لبنان ۱۹۹۳ جلد ۳ ص ۳۰۰ تا ۴۰۲

﴿۲۰﴾ کشف الاستار موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۴ جلد ۳ ص ۳۵ تا ۸۵

کتب تفاسیر میں سے درج ذیل کتب حضرت مجدّد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے تفسیری نکات کی

مآخذ ہیں:

۱۔ معالم التنزیل — ابو محمد حسین بن مسعود البغوی ﴿م ۵۱۶ھ﴾۔

۲۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون التاویل فی وجوہ التاویل
ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری ﴿م ۵۳۹ھ﴾

۳۔ انوار التنزیل واسرار التاویل — عبداللہ بن عمر بن محمد البیضاوی ﴿م ۶۸۵ھ﴾

۴۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل — عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی ﴿۷۱۰ھ﴾

۵۔ البحر المحیط — ابو عبداللہ محمد بن یوسف اندلسی ﴿۷۴۵ھ﴾

۶۔ حاشیۂ کشاف — علامہ سیّد شریف جرجانی ﴿۸۱۶ھ﴾

۷۔ الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن — ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد الثعالبی ﴿۸۷۶﴾

کتب امام ربانی کا جائزہ لیا جائے تو اس حوالہ سے دو قسم کے مباحث ملتے ہیں۔

(الف) علوم القرآن سے متعلقہ فنی مباحث

(ب) تفسیری نکات

علوم القرآن سے متعلقہ بعض مباحث درج ذیل ہیں:

(i) اعجاز القرآن

لفظ معجزہ ﴿۲۱﴾ کا اطلاق انبیاء علیہم السلام سے صادر ہونے والے ایسے خوارق پر کیا

﴿۲۱﴾ لفظ معجزہ پر وارد ہونے والے مختلف اعتراضات سے بچنے کیلئے مشہور سیرت نگار قاضی سلیمان منصور پوری نے لفظ ''آیت'' استعمال کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس لفظ کے استعمال کے فوائد بھی ذکر کیے ہیں۔ ان کے بقول انجیل وتورات میں لفظ ''نشان'' استعمال ہوا ہے۔

﴿منصور پوری، محمد سلیمان، رحمۃ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور جلد سوم ص ۱۴۰﴾

جاتا ہے جو ان کی نبوت کی دلیل ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے عظیم معجزات میں سے قرآن مجید بھی ایک اعجاز ہے۔ قرآن مجید فقط اپنی مجموعی حیثیت سے معجزہ نہیں بلکہ قرآن کی تمام سورتیں طویل ہوں یا مختصر ان میں سے ہر سورت بجائے خود ایک معجزہ ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ نے معجزہ کی حقیقت' معجزہ کی شرائط' قرآن کی تحدی' تحدی پر ہونے والے اعتراضات کا جواب' اعجاز القرآن کی مختلف وجوہ اور اعجاز القرآن پر وارد ہونے والے شبہات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان موضوعات پر آپ کے افکار و نظریات یہ ہیں:

''معجزہ سے مراد ہمارے نزدیک وہ چیز ہے جس سے اس شخص کی صداقت کا اظہار مقصود ہو جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اسکی چند شرائط ہیں:

﴿الف﴾ یہ اللہ کا فعل ہو کیونکہ تصدیق اسی وقت حاصل ہوگی جبکہ اللہ کی جانب سے ہو۔

﴿ب﴾ یہ خارقِ عادت ہو کیونکہ جو چیز معتاد ہو مثلاً روزانہ آفتاب کا طلوع ہونا اور ہر بہار میں پھولوں کا ظاہر ہونا' وہ صدق پر دلالت نہیں کرتی۔

﴿ج﴾ اسکا معارضہ ناممکن ہو' یہی اعجاز کی حقیقت ہے۔

﴿د﴾ یہ مدعیِ نبوت کے ہاتھوں ظاہر ہو تا کہ معلوم ہو کہ یہ اسکی تصدیق ہے۔

﴿ھ﴾ دعویٰ کے موافق ہو چنانچہ اگر مدعی نبوت کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں لیکن اس نے کوئی دوسرا خارق عادت کام کیا مثلاً پہاڑ کا لٹکانا' تو وہ اسکے صدق پر دلالت نہیں کرے گا کیوں کہ اسکی حیثیت تصدیقِ خداوندی کی نہیں ہے۔

﴿و﴾ جس معجزہ کا دعویٰ کیا ہو اور جسے معجزہ کے طور پر پیش کیا ہو وہ اس کو جھٹلانے والا نہ ہو چنانچہ اگر کہے کہ میرا معجزہ یہ ہے کہ یہ سوسمار بولے گا اور وہ سوسمار کہہ دے کہ یہ جھوٹا ہے تو اس سے اسکا سچا ہونا معلوم نہ ہوگا بلکہ اس کے جھوٹے ہونے کا اعتقاد بڑھ جائے گا اس لئے کہ نفسِ خارق ہی اسکی تکذیب کرنے والا ہے۔

﴿ز﴾ دعویٰ پر مقدم نہ ہو۔ کیونکہ دعویٰ سے پہلے تصدیق عقل میں نہیں آتی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارے میں کلام فرمانا' خشک درخت سے تر و تازہ کھجور کا گرنا' حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا سینہ چاک کیا جانا' آپ ﷺ کے قلب انور کا دھویا جانا' بادل کا سایہ فگن ہونا اور پتھروں اور ٹیلوں کا آپ ﷺ کو سلام

کہنا یہ اس قسم کے امور ہیں جو دعویٰ نبوت سے پہلے ہوئے ہیں اس لئے یہ معجزات نہیں بلکہ کرامات ہیں۔ اس صورت میں ان چیزوں کو ارہاص یا تاسیس نبوت کہتے ہیں۔'' ﴿۲۲﴾

قرآن کی تحدی

قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں جو ظاہراً کہے کہ یہ کتاب معجزے کی اصطلاحی تعریف کے مطابق معجزہ ہے یعنی آیت کے الفاظ یہ ہوں کہ یہ کتاب معجزہ ہے بلکہ قرآن کے خود کو معجزہ بتانے کا انداز یہ ہے کہ اس میں اس کی مثل لانے کا چیلنج کیا گیا ہے۔ گویا چیلنج کرنا ہی دراصل معجزے کا رکنِ اعظم ہے اور حقیقتِ معجزہ کا قوام اسی سے ہے۔ قرآن کی تحدی کی حقیقت' اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کے دفعیہ کے سلسلہ میں امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نکتہ نظر درج ذیل ہے:

''میں ﴿شیخ احمد﴾ کہتا ہوں کہ تحدی اور طلب معارضہ کی تصریح اگرچہ جمہور کے نزدیک معجزے کیلئے شرط نہیں ہے لیکن ضمنی طور پر قرائن واحوال سے جو سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ تحدی ان امور میں سے ہے جو معجزہ میں سب کے نزدیک لازمی ہیں اور اس کے بغیر ﴿کوئی معجزہ﴾ معجزہ نہیں ہوسکتا۔''

قرآن اس وجہ سے معجزہ ہے کہ آپ نے اس کی مثل لانے کی تحدی کی اور کسی نے معارضہ نہیں کیا جہاں تک تحدی کا تعلق ہے تو یہ متواتر ہے اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ قرآن کریم میں تحدی کی بہت سی آیات ہیں مثلاً

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ ﴿۲۳﴾ اس جیسی بات لے آؤ

فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ ﴿۲۴﴾ اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ﴿۲۵﴾ اس کی مانند ایک سورت لاؤ

﴿۲۲﴾ مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی' اثبات النبوۃ ص ۶۲' ۶۳

﴿۲۳﴾ الطور: ۳۴

﴿۲۴﴾ ہود: ۱۳

﴿۲۵﴾ یونس: ۳۸

رہا یہ دعویٰ کہ کسی نے معارضہ نہیں کیا تو اسکی دلیل یہ ہے کہ جب قرآن نے تحدی کی اور بڑے بڑے بلغاو فصحائے عرب سے اس جیسی سورت لانے کو کہا تو باوجودیکہ ان لوگوں کی تعداد بطحاء کے سنگ ریزوں سے زیادہ تھی اور وہ اس چیز کی اشاعت میں سب سے زیادہ حریص تھے جو اس کے دعویٰ کو باطل کردے۔ وہ غایت عصبیت وحمیت جاہلیہ میں مشہور تھے' مباہات اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خاطر ایک دوسرے کو ہلاک کردینے میں معروف تھے۔﴿۲۶﴾

مگر وہ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورت کے برابر بھی کوئی چیز پیش نہ کرسکے یہاں تک کہ انہوں نے حروف کی جنگ ﴿مراد قلمی﴾ کے مقابلہ میں تلوار کی جنگ کو ترجیح دی اگر وہ مقابلہ کرسکتے تو وہ ضرور مقابلہ کرتے اور ہمیں متواتر روایات سے اسکا علم ہوتا۔﴿۲۷﴾

تحدی پر چند اعتراضات

۱۔ کہا جاسکتا ہے شاید یہ تحدی ان لوگوں کو نہ پہنچی ہو جو معارضہ پر قادر ہوں یا شاید معارضہ کو مدعی کی ہمنوائی کرتے ہوئے اس لئے ترک کردیا ہو کہ اسکی دولت سے وافر حصہ حاصل کریں۔

۲۔ شاید ان لوگوں نے پہلے اس کو معمولی چیز سمجھا ہو اور گمان کیا ہو کہ آپ کی دعوت مکمل ہونیوالی نہیں اور آخر میں آپ ﷺ کی شدت شوکت اور متبعین کی کثرت کی وجہ سے آپ سے خائف ہوگئے ہوں اور معاشی ضروریات کی تحصیل نے معارضہ سے روک دیا ہو۔

۳۔ یہ ممکن ہے معارضہ کیا گیا ہو لیکن کسی مانع کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوا بلکہ آپ ﷺ کے اصحاب اور متبعین نے اپنے غلبہ کے وقت اسکو چھپا دیا ہو اور اس کے آثار مٹا دیے ہوں، یہاں تک کہ بالکل محو ہو گیا ہو۔

جوابات

۱۔ مدعی نبوت اگر کوئی ایسی چیز لائے جو اس کے دعویٰ کی تصدیق کرے اور وہ اس کے معارضہ کی تحدی بھی کرے' اور لوگ اس کے معارضہ سے عاجز ہوں تو علم ضروری عادی حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے

﴿۲۶﴾ اثبات النبوۃ ص ۹۶۔۹۷' رسالہ تہلیلیہ ص ۲۹

﴿۲۷﴾ اثبات النبوۃ ص ۹۶۔۹۹

دعویٰ میں سچا ہے اس میں قدح کرنا کھلم کھلا سفسطہ ﴿۲۸﴾ ہے۔

اجمالی جواب یہ ہے کہ تجویزات عقلیہ، علمِ عادی کے منافی نہیں ہوتیں جیسے محسوسات میں ہوتا ہے۔ تمام اعتراضات کے تفصیلی جوابات بالترتیب درج ذیل ہیں:

۲۔ ضروریات عادیہ اور وجدانیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے معارضہ کی طرف لوگ سبقت کرتے ہیں جو کسی ایسے اہم امر میں منفرد ہونے کا مدعی ہو جس سے اپنے معاصرین پر اسے برتری حاصل ہو، وہ لوگوں سے پیروی کرنے کو کہے اور لوگوں کی جان و مال کے متعلق حکم جاری کرے اور یہ ضرورت عادیہ و وجدانیہ سے معلوم ہے کہ اس قسم کے امور میں کوئی شخص اعراض نہیں کر سکتا کہ معارضہ پیش کرنے کی طرف بالکل متوجہ ہی نہ ہو اس صورت میں صرفہ کی جہت سے اسکا دلیل ہونا واضح ہے۔ کیونکہ نفوس جبکہ اس پر فطری طور پر پیدا کئے گئے ہیں پھر ان کا اس سے روک دینا ایک ایسا امر ہے جو خارق عادت ہے اور یہ مدعی کے صدق پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ چیز جو اس نے پیش کی دوسروں کی قدرت میں بھی ہو۔

۳۔ عادت کی بنا پر معلوم ہے کہ قدرت تسلیم کرتے ہوئے معارضہ ضروری ہے اسی طرح عادت کی بنا پر یہ بھی معلوم ہے کہ اسکا اظہار ضروری ہے کیونکہ اسی سے مقصود پورا ہوتا ہے اور بعض اوقات اور اماکن میں مانع کا احتمال تمام اوقات اور اماکن میں اسکے احتمال کو ضروری قرار نہیں دیتا بلکہ ضرورت عادیہ کی بنا پر اسکا انتفاء معلوم ہے پس اگر معارضہ کیا گیا ہوتا تو عادۃً اسکا مخفی رہنا محال ہے کہ نہ مدعی کے اصحاب کی طرف سے ان کے غالب آنے کے وقت اخفا ہو سکتا ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی اخفا کر سکتا ہے۔

"پس ایسی باتوں کے متعلق خبر دینا جن کا وقوع دنیا کے خاتمہ اور قیام قیامت کے وقت ہوگا وہ معجزہ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اس صورت میں تحدی نہیں ہوگی۔ صریحاً اسکا نہ ہونا تو ظاہر ہے اور ضمناً بھی ظاہر ہے کہ اس وقت کسی کا وجود ہی نہ ہوگا جس سے طلب معارضہ کا تصور کیا جا سکے۔" ﴿۲۹﴾

﴿۲۸﴾ سفسطہ اس حکمت کو کہتے ہیں جسکی بنیاد مغالطہ پر ہوتی ہے ﴿کھلی حقیقت کا انکار﴾

﴿۲۹﴾ اثبات النبوۃ ص: ۶۵

اعجاز قرآن کی وجوہ ﴿۳۰﴾

یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن کسی خاص جہت کے اعتبار سے معجزہ ہے اور یہ کہنا کہ وہ فقط فلاں اعتبار ہی سے معجزہ ہے، دیگر کسی اعتبار سے نہیں۔ ایک دعویٰ بلا دلیل اور قول باطل ہے۔ قرآن مجید کے اعجاز کی کچھ وجوہ تو ایسی ہیں جن کے بارہ میں قرآن مجید میں چیلنج کیا گیا ہے تاہم کچھ وجوہ اعجاز ایسی بھی ہیں کہ قرآن مجید میں انکے بارہ میں چیلنج تو نہیں کیا گیا لیکن ان میں وجوہ اعجاز ہونے کی صلاحیت موجود ہے کیونکہ کوئی بھی انسان اپنے کلام کو ان وجوہ سے متصف کر کے پیش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

قرآن مجید کے اعجاز کے بعض اہم وجوہ پر حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ نے روشنی ڈالی ہے۔

آپ کے نزدیک اہم ترین وجوہ اعجاز درج ذیل ہیں:

۱۔ نظم قرآن کا اسلوب بدیع

۲۔ بلاغت

۳۔ اخبار غیب

۴۔ عدم اختلاف و تناقض

۵۔ صرفہ

درج بالا امور کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی آراء درج ذیل ہیں:

متکلمین نے اعجاز قرآن کی وجہ میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ نظم غریب اور اسلوب عجیب پر مشتمل ہے جو عرب کی نظم و نثر سے بالکل نرالا ہے چنانچہ سورتوں اور قصص کی ابتدا اور انتہا اور آیات کے وہ فواصل جو عرب کے کلام میں بمنزلہ سجع کے ہیں، قرآن میں اس طور پر واقع ہوئی ہیں کہ ان کے کلام میں اسکی مثال نہیں ملتی اور وہ اس سے عاجز تھے بعض معتزلہ کا یہی خیال ہے۔ اہل عربیہ اور جاحظ معتزلی کہتے ہیں کہ قرآن کا بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہونا ان تراکیب کی بنا پر ہے جنکی مثال ان کی ﴿اہل عربیہ﴾ تراکیب میں نہیں ملتی۔ اور انکی بلاغت کے درجات اس سے قاصر ہیں۔ چنانچہ جو شخص عربیت اور

﴿۳۰﴾ سید ھبۃ الدین الحسینی نے اپنے رسالہ میں اعجاز القرآن کی اٹھائیس وجوہات ذکر کی ہیں۔
محمد الغزالی، نظرات فی القرآن موسۃ الخانجی مصر ۱۹۵۸ء ص ۱۵۷۔۱۵۹

فنون بلاغت سے واقف ہوگا وہ اعجاز قرآن کو جان لے گا۔ قاضی باقلانی ﴿۳۱﴾ کہتے ہیں کہ وجہ اعجاز دونوں امور ہیں۔ یعنی نظم غریب اور بلاغت کا اعلی درجہ۔ بعض کے نزدیک غیب کے متعلق خبر دینا وجہ اعجاز ہے جیسے آیت

وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ﴿۳۲﴾

یہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ رومی ایرانیوں پر تین سے نو سال تک کی مدت میں غالب آ جائیں گے اور ایسا ہی واقع ہوا۔

بعض کے نزدیک اعجاز کی وجہ اس میں اختلاف اور تناقض کا نہ ہونا ہے۔ باوجودیکہ اس میں طول وامتداد ہے انکا استدلال اس آیت سے ہے۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾

بعض کے نزدیک قرآن کا اعجاز صرفہ کی بنا پر ہے یعنی عرب بعثت سے پہلے قرآن کی مثل کلام پیش کرنے پر قادر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے معارضہ سے روک دیا۔ اس روکنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ الاسفرائینی، استاذ ابو اسحٰق اور نظام معتزلی کہتے ہیں کہ ان کو قدرت کے باوجود اس طرح روک دیا گیا کہ ان کے دواعی کو معارضہ سے پھیر دیا۔ باوجودیکہ وہ فطری طور پر اس پر پیدا کئے گئے تھے خصوصاً اس حال میں کہ ان کے حق میں اسباب داعیہ بہت زیادہ تھے مثلاً یہ جتلایا جانا کہ تم اس سے عاجز ہو سرداری سے نیچے اتارا جانا اور تابع ہونے کی تکلیف میں مبتلا کیا جانا۔ مرتضی جو شیعہ میں سے ہے نے کہا کہ تابع ہونے سے وہ علوم سلب کر لئے جنکی ضرورت معارضہ میں ہوتی ہے۔"

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے وجوہ اعجاز میں بعض علماء کا جو قول "صرفہ" کے حوالہ سے نقل کیا ہے اسکا رد کرتے ہوئے محمد عبدالعزیز فرہاری لکھتے ہیں:

"اَنَّہٗ الصَّرْفَةُ وھُوَ مُخْتَارُ الاستاذِ اَبِی اِسْحٰقَ وَالنَّظَّام الْمُعْتَزِلِی وَالشَّرِیْفِ الْمُرْتَضٰی الشِّیعِی زَعَمُوا اَنَّ القُرآنَ لَیْسَ فِی الْبَلَاغَةِ البَشَروَلٰکنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ صَرَّفَ

﴿۳۱﴾ اعجاز القرآن کے مصنف القاضی ابی بکر الباقلانی

﴿۳۲﴾ سورۃ الروم، ۳-۴

﴿۳۳﴾ سورہ نساء، ۸۲

الْقُوٰی وَالْعُقُوْلَ عَنْ مُعَارَضَتِهٖ مُسْتَدِلِیْنَ بِاَنَّهٗ مُرَکَّبٌ" مِنَ الْکَلِمَاتِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِی الْعَرَبِ وَاُجِیْبَ اَنَّهٗ لَوْ تَمَّ لَقَدَرَ کُلُّ عَرَبِیٍّ عَلٰی مُعَارَضَةِ سَحْبَان" وائل وَذَا بَاطِلٌ ۔" ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ﴿استاذ ابو اسحاق، نظام معتزلی اور شریف مرتضیٰ شیعی نے صرفہ کا مذہب اختیار کیا۔ ان کا گمان ہے کہ قرآن بلاغت کے اعتبار سے بشر کی طاقت سے باہر نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی قوتوں اور عقلوں کو معارضہ سے پھیر دیا۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ عرب کے مستعمل کلمات سے مرکب ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر یہ دلیل صحیح ہے تو ہر عرب سحبان وائل اس کے معارضہ پر قادر ہوتا اور یہ باطل ہے﴾

المسایرۃ اور اسکی شرح المسامرۃ میں بھی اسی نکتۂ نظر کی تائید کی گئی ہے کہ صرفہ وجوہِ اعجاز میں سے نہیں۔ ﴿۳۵﴾

اعجاز قرآن کے بارے میں قادحین کے شبہات

﴿الف﴾ وجہ اعجاز کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس شخص کیلئے ظاہر ہو جو اس سے استدلال کرتا ہے اور اسی میں ﴿یعنی وجوہ اعجاز میں﴾ تمہارا اختلاف اس کے مخفی ہونے کی دلیل ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ اختلاف اور خفاء کسی خاص وجہ میں ہو سکتا ہے لیکن اس میں اختلاف اور خفا نہیں کہ قرآن کریم کا مجموعہ جس بلاغت، نظم غریب، غیب کی خبروں اور علم و عمل کے لحاظ سے حکمت بالغہ پر مشتمل ہے، اور اس کے علاوہ جو وجوہِ اعجاز بیان کئے گئے ہیں ان سب کے لحاظ سے معجزہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے اگر کسی وجہ میں اختلاف ہے تو وہ ان اصحاب کے فکر و نظر اور مبلغِ علم کے باعث ہے۔ یہ بات نہیں کہ اگر وجوہ مذکورہ میں سے کسی ایک خاص وجہ کے اعتبار سے معجزہ نہ ہو تو یہ لازم آئے کہ ان کے مجموعہ کی وجہ سے بھی معجزہ نہ ہو۔ اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک خاص وجہ کی بنا پر معجزہ نہ ہو۔ بہت سے بلیغ ایسے ہیں جو نظم یا نثر پر قادر ہیں اور دوسرے پر قادر نہیں اور ان میں سے کسی ایک پر قادر ہونے سے یہ لازم

﴿۳۴﴾ فرہاری، محمد عبدالعزیز، النبراس شرح العقائد، مکتبہ حقانیہ ملتان ص ۲۷۶

﴿۳۵﴾ کمال بن ابی شریف، المسایرہ شرح المسامرۃ، دائرۃ المعارف الاسلامیہ مکران ص ۲۱۷

نہیں آتا کہ سب پر قادر ہوں اور نہ یہ بات ہے کہ ہر وہ چیز جو ہر ایک کیلئے ثابت ہو وہ کل کیلئے بھی اسی حیثیت سے ثابت ہو کہ وہ کل ہے میں ﴿شیخ احمد﴾ کہتا ہوں کہ اس جواب سے یہ بات لازم آتی ہے کہ صرف مجموعہ قرآن معجزہ ہو۔ اسکی کسی چھوٹی سورت کی مقدار معجزہ نہ ہو۔ یہ خلاف واقع ہے۔ کیونکہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کی مقدار بھی معجزہ ہے اگر تم کہو کہ جواب دینے والے کی مراد یہ ہے کہ مجموعہ قرآن ان وجوہ اعجاز کے مجموعہ کی وجہ سے معجزہ ہے جو بیان کئے گئے ہیں اور اسکی ہر سورت کسی ایک غیر متعین وجہ کی بنا پر معجزہ ہے۔ تو میں ﴿شیخ احمد﴾ کہوں گا کہ اس صورت میں وہ اعتراض دفع نہیں ہوسکتا جو معترض نے کیا ہے کہ وجہ اعجاز کیلئے ضروری ہے کہ بیّن اور ظاہر ہو اور اس تقدیر پر اعجاز کی وجہ ظاہر نہیں رہتی۔ خدا کی پناہ کہ اس کے بین اور متعین ہونے کو ممنوع قرار دیا جائے اور بہ نظر انصاف غور کرنے والے پر یہ پوشیدہ نہیں کہ اسکا ممنوع قرار دینا صریح مکابرہ ہے۔

﴿ب﴾ جمع قرآن کے وقت جب کوئی ایسا شخص جو عدالت میں ان کے نزدیک مشہور نہ تھا کوئی آیت لیکر آتا تو اسکو بغیر گواہ یا قسم کے مصحف میں داخل نہ کرتے اگر قرآن کی بلاغت حدِ اعجاز تک پہنچی ہوئی ہوتی تو اسکو بلاغت کی وجہ ہی سے جان لیا جاتا اور مصحف میں نقل کرنے کیلئے عدالت، گواہ یا قسم کی ضرورت نہ ہوتی۔

اسکا جواب یہ ہے کہ

انکا اختلاف قرآن میں آیت کے مقام اور اسکی تقدیم و تاخیر کے متعلق ہے نہ کہ اس آیت کے قرآن ہونے میں، کیونکہ نبی کریم ﷺ قراءت میں مداومت کرتے پس جس کو ایک شخص لیکر آتا اس کا قرآن میں سے ہونا یقینی تھا گواہ یا قسم کا مطالبہ محض ترتیب کی خاطر تھا۔ پس کوئی اشکال نہیں۔ ایک یا دو آیتوں کا عدم اعجاز ہمارے لئے مضر نہیں۔ کیونکہ معجزہ کے لئے لازمی ہے کہ سب سے چھوٹی سورت کے برابر ہو اور سورت کم سے کم تین آیات کی ہوتی ہے۔

﴿ج﴾ ہر صناعت کی ایک حد ہوتی ہے اور وہ اس حد پر ختم ہو جاتی ہے اس سے تجاوز نہیں کرتی۔ ہر زمانے میں کسی ایسے شخص کا وجود ضروری ہے جو تمام ابنائے زمانہ پر فائق ہو۔ شاید حضرت محمد ﷺ اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لئے آپ نے ایسا کلام پیش کیا جس سے آپ کے معاصر عاجز رہے۔ اگر یہ معجزہ ہے تو ہر وہ شخص جو کوئی ایسی چیز پیش کرے جس کے ذریعے معاصرین پر صناعت میں فائق ہو جائے تو

یہ معجزہ ہوگا اور ظاہر ہے یہ باطل ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ

معجزہ ہر زمانے میں اسی جنس سے ظاہر ہوتا ہے جو اس زمانے کے لوگوں میں اکثر پائی جاتی ہے اور لوگ اس چیز میں انتہائی بلند درجہ پر پہنچ کر اس معتاد حد پر رک جاتے ہیں جہاں تک کسی بشر کیلئے پہنچنا ممکن ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو اس صناعت کی حد سے خارج ہوتی ہے تو وہ جان لیتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اگر یہ حال نہ ہوتا تو قوم کے نزدیک نبی کا معجزہ متحقق نہ ہوتا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا رواج تھا اور جادوگروں کو معلوم تھا کہ سحر کی حد تخیل اور اس چیز کا وہم پیدا کرنا ہے جسکا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ عصا سانپ بن گیا اور ان کے سحر کو نگلنے لگا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ سحر نہیں اور انسانی طاقت سے خارج ہے۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے لیکن فرعون نے اس ہنر کا ماہر نہ ہونے کے باعث یہ گمان کیا کہ جادوگروں کا بڑا ہے جو ان کو تعلیم دیتا ہے۔ یہی حال طب کا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں میں اسکا رواج غالب تھا اور وہ لوگ اس فن کی انتہا کو پہنچ گئے تھے تو جو لوگ اس فن میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے ان لوگوں نے جان لیا کہ مردوں کا زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو تندرست کر دینا فن طب کی حد سے خارج ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بلاغت بلند درجہ پر پہنچی ہوئی تھی اور اس کے باعث وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ انہوں نے سات قصیدے کعبہ کے دروازہ پر لٹکا رکھے تھے تاکہ اس کے معارضہ کیلئے تحدی کریں۔ سیر کی کتابیں اسکی شہادت دیتی ہیں۔ پھر جب نبی کریم ﷺ وہ چیز لے کر آئے جس کی مثل پیش کرنے سے تمام بلغاء عاجز رہ گئے۔ باوجودیکہ انہوں نے کثرت سے جھگڑا اور اختلاف کیا اور آپ کی نبوت کا انکار کیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کفر پر مرے، بعض آپ کی نبوت کے واضح ہونے کے باعث مسلمان ہو گئے، بعض اسلام سے نفرت کے باوجود ذلت اور پستی کو قبول کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہوئے جیسے منافقین، بعض وہ تھے جو ایسے رکیک معارضے میں مشغول ہوئے کہ صاحبان عقل کو اس پر ہنسی آتی ہے۔ مثلاً اس کلام کے ذریعے معارضہ کیا گیا۔

وَالزَّارِعَاتِ زَرْعاً ۔ فَالْحَاصِدَاتِ حصداً والطَّابِغَاتِ طَبْخاً فَلَاكِلَاتِ

اَکْلاً ۔﴿۳۶﴾
اوران میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے جنگ وخونریزی کو اختیار کیا اور جان ومال اور اہل وعیال کو ہلاکت وتباہی کیلئے پیش کیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ یقیناً اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے۔

﴿د﴾ قرآن میں لفظ اور معنی کے لحاظ سے اختلاف ہے۔ حالانکہ اس میں اختلاف کی نفی اس طرح کی گئی ہے

لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غیر اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِیْهِ اِختلاَفاً کَثِیْرًا ۔﴿۳۷﴾

لفظی اختلاف کی مثال جیسے کَـالْعِهْنِ الْمَنْفُوْش ۔﴿۳۸﴾ کی بجائے کَـالصُّوفِ الْمَنْفُوْشِ، فَاسْعَوْإِلیٰ ذِکْرِ اللّٰهِ ﴿۳۹﴾ کی بجائے فَامْضُوْا إِلیٰ ذِکْرِاللّٰه فَهِی

﴿۳۶﴾ یہ معارضہ یمامہ کے مسیلمہ بن حبیب المعروف کذاب نے کیا۔ اس نے نبی کریم ﷺ کے زمانہ نبوت ہی میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ محمد فاضل موحدی نے اس کے اس کلام کو مکمل اس طرح نقل کیا ہے۔

والمبذرات زرعا' والحاصدات حصدا' والذاريات قمحا' والطاحنات طحنا'والخابزات خبزا'والثاردات ثردا'واللاقمات لقما' امالة وسمنا'لقد فضلتم على اهل الوبروما سبقكم اهل امدر'ريفكم فامنعوه والمعتر فاووه والباغي فناووه"

ترجمہ: ﴿قسم ہے کھیت میں بیج بونے والیوں کی اسے اچھی طرح کاٹنے والیوں کی اور گندم کو صاف کرنے والیوں کی اسے اچھی طرح پیسنے والیوں کی روٹیاں بنانے والیوں کی اسے ثرید بنانے والیوں کی اور لقمے بنا کر کھانے والیوں کی سالن اور گھی سے کھانے والیوں کی۔ تحقیق تم خیموں والوں سے فضیلت پا گئے ہو اور عمارتوں میں رہنے والے تم سے سبقت نہیں لے جاسکتے' تم اپنی چراگاہ کی حفاظت کرو۔ اور فقیر کو پناہ دو اور باغی سے عداوت کرو۔﴾

﴿موحدی' محمد فاضل' مدخل التفسیر' مترجم سید محمد تقی نقوی' مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور ۱۴۱۴ھ ص ۱۷۷﴾

﴿۳۷﴾ سورۃ النساء آیت ۸۲

﴿۳۸﴾ سورۃ القارعۃ آیت ۵

﴿۳۹﴾ سورۃ الجمعہ آیت ۹

كَـالْـحِـجَـارَةِ ﴿۴۰﴾ کی بجائے فَـكَـانَـتْ كَـالْـحِـجَـارَةِ اور ضُـرِبَـتْ عَـلَيْـهِـمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ﴿۴۱﴾ کی بجائے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ وَالذِّلَّةُ ہے۔ معنوی اختلاف کی مثال رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا ۔﴿۴۲﴾ ﴿ہمارے رب! ہمارے سفروں میں فاصلہ پیدا کردے۔﴾

صیغہ امر اور رب کی ندا کے ساتھ ہے اور رَبُّـنَـا بَـاعَـدَ ﴿ہمارے رب نے ہمارے سفروں میں فاصلہ پیدا کردیا﴾ صیغہ ماضی اور رب کے رفع کے ساتھ پہلی صورت میں دعاء اور دوسری صورت میں خبر ہے۔

دوسری مثال هَـلْ يَـسْـتَـطِـيْـعُ رَبُّكَ ﴿۴۳﴾ صیغہ غائب اور با کے ضمہ کے ساتھ ہے اور هَـلْ تَـسْـتَـطِـيْـعُ رَبَّكَ خطاب کے ساتھ ہے۔ پہلی صورت میں رب سے متعلق خبر دریافت کرنا ہے اور دوسری صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حالت دریافت کرنا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ان قراءات میں سے جو بذریعہ احاد ﴿۴۴﴾ منقول میں وہ مردود ہیں اور جو بذریعہ تواتر ﴿۴۵﴾ منقول ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے ضمن میں داخل ہیں کہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔﴿۴۶﴾ ان میں سے ہر ایک کافی شافی ہے۔ پس لفظی ومعنوی اختلاف اس کے اعجاز

﴿۴۰﴾ سورۃ البقرہ آیت ۷۴

﴿۴۱﴾ سورۃ البقرۃ آیت ۶۱

﴿۴۲﴾ سورۃ السبا آیت ۱۹

﴿۴۳﴾ سورۃ المائدہ ۱۱۲

﴿۴۴، ۴۵﴾ متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جسے ہر دور میں اتنی بڑی تعداد نے روایت کیا ہو جس کا کذب بیانی پر متفق ہونا محال نظر آتا ہو۔ خبر متواتر سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ وہ روایت جو خبر متواتر کی شرائط پر پوری نہ اترے خبر واحد کہلاتی ہے اس سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے
﴿محمود الطحان ڈاکٹر، اصطلاحات حدیث مترجم مظفر حسین ندوی ادارہ معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۰ ص ۲۹ تا ۳۳﴾

﴿۴۶﴾ صحیح بخاری کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں مخل نہیں۔

﴿ہ﴾ قرآن میں لحن ﴿۴۷﴾ اور بے فائدہ تکرار ہے۔ لحن کی مثال ان ھذان لساحران ﴿۴۸﴾ ہے اور لفظی تکرار کی مثال سورہ الرحمٰن ﴿۴۹﴾ میں ہے، معنوی تکرار کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ان ھذان لساحران کے متعلق کہا گیا ہے کہ کاتبوں کی غلطی ہے، کیونکہ ابوعمرو نے ان ھٰذین پڑھا ہے اور کہا گیا ہے کہ تثنیہ کی حالت میں اسمائے ستہ میں الف کا باقی رکھنا قبائل عرب کی ایک لغت ہے مثلاً

ان اباھا و ابا اباھا لقد بلغا فی المجد غایتا ھا ﴿۵۰﴾

اہل مدینہ اور اہل عراق نے ان مقامات میں اسی لغت پر پڑھا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ صرف ھٰذا کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں نون زیادہ کیا گیا اور الف کو اپنی حالت پر باقی رکھتے ہوئے تبدیلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ان ھٰذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ماتیسر منہ

یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے پس اس میں سے جو تمہارے لئے آسان ہو اس طریقے سے پڑھ لو۔

اس روایت کے مفہوم کے تعین میں علماء کے ۳۵۔ اقوال ہیں۔

الجامع لاحکام القرآن للقرطبی جلد اوّل ص ۴۲، ۴۶

﴿۴۷﴾ غلطی

﴿۴۸﴾ سورہ طٰہٰ، ۶۳

﴿۴۹﴾ سورہ رحمٰن میں فبای الا ربکما تکذبن ۳۱ مرتبہ آیا ہے

﴿۵۰﴾ بے شک اسکا باپ اور دادا دونوں بزرگی کی انتہا تک پہنچ گئے۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب ہی مفسرین نے پسند کیا ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے جو یہ لکھا کہ یہ کاتبوں کی غلطی ہے۔ علامہ آلوسی نے اس پر تفصیل سے بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہ تمام روایات جو قرأت متواتر کے خلاف ہیں سب ضعیف ہیں۔ محمد کرم شاہ پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور ۱۳۹۹ جلد سوم ص ۱۱۹۔۱۲۰/ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد۔ الجامع لاحکام القرآن، انتشارات ناصر خسرو ایران جلد ۱۲ ص ۲۱۶ یا ۲۱۹

نہیں کی گئی۔ جیسا الـذیـن میں کیا گیا ہے اس میں الـذی پر صرف نون کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یا کو تینوں حالتوں میں اپنی حالت پر باقی رکھا گیا۔ اور یہ اس لئے کہ لفظ ھذا کے معرب ﴿۵۱﴾ اور مبنی ﴿۵۲﴾ کے تثنیہ کے درمیان اور لفظ الـذی کے معرب اور مبنی کی جمع کے درمیان اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں ضمیر شان مقدر ہے اور اس صورت میں لام حیز مبتدأ میں ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں اگرچہ یہ استعمال بہت کم ہے۔

تکرارِ لفظی و معنوی کا جواب یہ ہے کہ تکرار کے کئی فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے تحقیق معنی میں مبالغہ اور بات خوب ذہن نشین ہوتی ہے، دوسرے اس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ایک معنی کو ایسی عبارتوں کے ذریعہ ادا کرنے پر قدرت حاصل ہوتی ہے جو ایجاز و اطناب میں مختلف ہیں اور یہ بلاغت کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔ تیسرے یہ کہ ایک قصہ کبھی بہت سے امور پر مشتمل ہوتا ہے، کبھی قصہ کے بیان کرنے کا مقصد صرف بعض امور کا بیان کرنا ہوتا ہے اور بعض امور اس ضمن میں تبعاً آ جاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ﴿۵۳﴾

(ii) متشابہات

متشابہات وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات کا ذکر ہے جن سے جسمیت اور جہت کا اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔

متشابہات کا مفہوم متعین کرنے کیلئے اہل علم نے درج ذیل دو مؤقف اختیار کیے ہیں۔

ا۔ مُفَوِّضِینَ:

امام اعظمؒ فرماتے ہیں "اس قسم کے مقامات پر مناسب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور اس سے جو کچھ مراد لیا ہے اس پر ایمان لائیں اور اسکی کوئی تاویل نہ کریں، چنانچہ ایسے مواقع پر ہمیں

﴿۵۱﴾ معرب ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جو ماضی، امر حاضر معروف اور حرف کے مشابہ نہ ہو اور اس کے آخر میں تبدیلی ہوتی رہتی ہو۔

﴿۵۲﴾ مبنی ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جو ہمیشہ ایک حالت پر رہے عامل کی تبدیلی سے اس کے آخر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

﴿۵۳﴾ اثبات النبوۃ ص ۱۰۱ تا ۱۰۷

کہنا چاہیے کہ اسکا ہاتھ تو ہے لیکن وہ مخلوق کے ہاتھ کی طرح نہیں ﴿۵۴﴾

۲۔مؤوّلین:

مؤولین کا موقف یہ ہے کہ متشابہات کی تاویل کرنی چاہیے جیسے ''یدٌ'' سے طاقت وقدرت مراد لینی چاہیے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار مفوضین میں ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے موقف کو اس طرح واضح کیا ہے:

قرب، معیت اور احاطۂ حق کے الفاظ جو قرآن میں وارد ہوئے ہیں منجملہ متشابہاتِ قرآنی کے ہیں جیسے لفظ ''ید'''' اور ''وجہ'' وغیرہ اور یہی حال لفظ اول و آخر، ظاہر و باطن اور ان جیسے دوسرے الفاظ کا ہے۔ لہٰذا ہم حق سبحانہ وتعالیٰ کو قریب کہتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ قرب کیا چیز ہے؟ اسی طرح ہم اسے اول کہتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ اول سے کیا مراد ہے؟ قرب اور اولیت کے جو معنی ہمارے علم وفہم کے احاطہ میں آتے ہیں حق سبحانہ اس سے پاک اور برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف ومشاہدہ میں سما سکتا ہے حق تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے۔ حق تعالیٰ کے قرب اور معیت کی جس کیفیت کو بعض خودساختہ صوفیوں نے کشف کے طور پر دریافت کیا ہے اور وہ اسی کشفی معنی کے لحاظ سے حق سبحانہ کو قریب اور ساتھ سمجھتے ہیں وہ مستحسن نہیں ہے۔ انہوں نے فرقۂ مجسمہ ﴿۵۵﴾ کے مذہب میں قدم رکھ دیا اور جو بعض علماء نے اسکی تاویل فرمائی اور قرب سے مراد علمی قرب لیا ہے تو وہ اسی طرح ہے جیسے انہوں نے ''ید'' کی تاویل قدرت سے کی ہے اور ''وجہ'' کی تاویل ذات سے کی ہے۔ یہ ان لوگوں کے نزدیک جائز ہے جو تاویل کو جائز سمجھتے ہیں اور ہم تو تاویل کو جائز قرار نہیں دیتے اور اسکی تاویل کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے علم کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ ہی کو اس کی تاویل معلوم ہے۔ ﴿۵۶﴾

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ متشابہات کا علم علماء راسخین کو دیا گیا ہے یا نہیں۔ فقہاء شافعیہ اس بات

﴿۵۴﴾ عینی، بدرالدین، عمدۃ القاری جلد اوّل ص ۱۴۴

﴿۵۵﴾ وہ فرقہ جو خدا کیلئے جسم ثابت کرتا ہے۔

﴿۵۶﴾ مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، مبداؑ و معاد ص ۱۷۷

کے قائل ہیں کہ علماء راسخین کیلئے متشابہات کا علم ثابت ہے ﴿۵۷﴾ لیکن احناف نفی کرنے کے ساتھ بعض صورتوں میں ثبوت کے قائل بھی ہیں۔ ﴿۵۸﴾ علماء راسخین اور متشابہات کے حوالہ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف درج ذیل ہے۔

متشابہات قرآنی بھی ظاہر معنوں پر نہیں بلکہ تاویل پر محمول ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَایَعلَمُ تَاوِیلَه اِلَّا اللّٰهُ ﴿۵۹﴾

یعنی ان متشابہات کی تاویل اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تو معلوم ہوا کہ متشابہات خدائے جل وعلا کے نزدیک بھی تاویل پر محمول ہیں۔ ظاہری معنی پر محمول نہیں اور علمائے راسخین کو بھی اس تاویل کے علم سے حصہ عطا فرماتے ہیں جس طرح علم غیب پر جو اس ذات سبحانہ کے ساتھ خاص ہے، خاص رسولوں کو مطلع فرماتا ہے۔ ﴿۶۰﴾

''علماء راسخین کی علامت بیان کر دیتا ہوں تا کہ ہر ظاہر دان، عالم راسخ ہونے کا دعویٰ نہ کر سکے اور اپنے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ نہ سمجھنے لگے۔ عالم راسخ وہ ہے جس کو کتاب وسنت کے متشابہات کی تاویل سے حصہ حاصل ہو اور قرآن مجید کی صورتوں کے اوائل میں جو حروف مقطعات ہیں ان کے اسرار سے بہرہ ور ہو۔ متشابہات کی تاویل بہت ہی دقیق اسرار میں سے ہے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ تاویل ''ید'' کی تاویل قدرت

﴿۵۷﴾ نووی، یحیٰی بن شرف، شرح مسلم نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ جلد دوم ص ۳۳۹

﴿۵۸﴾ محمود آلوسی، ابوالفضل، روح المعانی، دار احیاء التراث العربی بیروت جلد سوم ص ۸۳،۸۵

﴿۵۹﴾ وما یعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون امنابه کل من عند ربنا۔ اور نہیں جانتا اسکے صحیح معنی کو بغیر اللہ تعالیٰ کے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ ﴿آل عمران آیت ۷﴾

بعض علماء نے والراسخون کا عطف اللہ پر کیا ہے اس قول کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کی حقیقی مراد اللہ اور علمائے راسخین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا لیکن دوسرے علماء نے الا اللہ پر وقف کیا ہے اور والراسخون کو مستقل جملہ قرار دیا ہے۔ ان کے قول کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور علمائے راسخین نہ جاننے کے باوجود ان آیات کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔

﴿۶۰﴾ دفتر اول مکتوب ۳۱۰

کی طرح ہے اور ''وجہ'' کی تاویل ''ذات'' کی طرح کیونکہ یہ تاویلیں تو ظاہری علوم سے پیدا ہوتی ہیں ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں۔ ان اسرار کے اصل مالک تو انبیاء علیھم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ اور یہ رموز انہی کے معاملات کی طرف اشارہ ہیں اور یا پھر وہ لوگ جن کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولت عظمیٰ سے سرفراز کیا جائے۔'' ﴿۶۱﴾

ایک دوسرے مقام پر متشابہات کی اہمیت اور علمائے راسخین کی مساعی جمیلہ کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

محکمات اگرچہ امہات کتاب ہیں لیکن ان کے نتائج و ثمرات متشابہات ہیں جو کتاب کے مقاصد ہیں۔ امہات حصول نتائج کیلئے وسائل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ پس کتاب کا مغز متشابہات ہیں اور محکمات ان کا چھلکا ہیں۔ متشابہات ہی ہیں جو رمز اور اشارہ کے طور پر اصل کو بیان کرتی ہیں اور اس معاملہ کی حقیقت کا نشان بتاتی ہیں۔ علمائے راسخین نے چھلکے کو مغز کے ساتھ جمع کر لیا ہے اور شریعت کی صورت و حقیقت کے مجموعہ کو پالیا ہے اور ان بزرگوں نے شریعت کو اس شخص کی طرح تصور کیا ہے جسکا پوست اور مغز، صورت اور حقیقت ہو۔ شرائع اور احکام کے علم کو انہوں نے صورت شریعت جانا ہے۔ حقائق اور اسرار کے علم کو حقیقتِ شریعت کہا ہے۔ ایک جماعت نے صورت شریعت میں گرفتار ہو کر اسکی حقیقت سے انکار کیا ہے اور انہوں نے اپنا پیرو مقتدا ہدایہ ﴿۶۲﴾ اور بزدوی ﴿۶۳﴾ کے سوا کسی چیز کو قرار نہیں دیا۔ ایک دوسری جماعت اگرچہ حقیقتِ شریعت میں گرفتار ہوئی ہے لیکن چونکہ انہوں نے اسکو شریعت کی حقیقت نہیں جانا بلکہ شریعت کو صورت میں منحصر رکھا ہے اور اسے پوست خیال کیا ہے مغز کو اسکے ماسوا میں تصور کیا ہے تو ناچار اس وجہ سے اسکی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے اور متشابہات سے کچھ حصہ نہ پا سکے۔ تو علماء راسخین ہی در حقیقت وارث ہیں۔ ﴿۶۴﴾ یہ مضمون دفتر اوّل کے مکتوب ۲۷۶ میں بھی بیان ہوا ہے۔

دفتر اوّل کے مکتوب ۲۷۶ میں اس مضمون کو بیان کرنے کے بعد ولایت کے اعتبار سے علماء

﴿۶۱﴾ مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۵۴

﴿۶۲﴾ ہدایہ فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب ہے۔ یہ برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانیؒ متوفی ۵۹۳ھ کی تصنیف ہے۔

﴿۶۳﴾ کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، اصول فقہ میں علی بن محمد بزدویؒ متوفی ۴۸۲ھ کی تصنیف ہے۔

﴿۶۴﴾ دفتر دوم مکتوب ۱۸

راسخین کا مقام ومرتبہ یوں بیان کرتے ہیں:

یہ لوگ علمائے راسخین ہیں جنکو حقیقتِ معاملہ پر اطلاع دی گئی ہے اور آدابِ شریعت کو مدنظر رکھنے کی برکت سے ان کو شریعت کی حقیقت تک پہنچا دیا گیا ہے برخلاف فرقۂ ثانیہ کے۔ اگرچہ وہ بھی حقیقت کی طرف متوجہ اور اس میں گرفتار ہیں اور حتی المقدور شریعت کے بجالانے میں سرمو تجاوز نہیں کرتے لیکن چونکہ انہوں نے حقیقت کو شریعت کے ماسوا جانا ہے اور شریعت کو اس حقیقت کا پوست تصور کیا ہے اس لیے اس حقیقت کے ظلال میں سے کسی ظل میں رہ گئے۔ اور اس حقیقت کے اصلی معاملہ تک پہنچنے کی راہ نہیں پائی یہی وجہ ہے کہ ان کی ولایت ظلی ہے اور ان کا قرب صفاتی۔ برخلاف علمائے راسخین کی ولایت کے کہ اصلی ہے اور انہوں نے اصل تک پہنچنے کا راستہ پالیا ہے۔ اور ظلال کے تمام حجابات اور پردوں سے گذر گئے ہیں پس ان کی ولایت، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے اور دوسرے گروہ کی ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت کا ظل ہے۔

مکتوب مذکور میں متشابہات پر تفصیلی بحث کے بعد اپنے بارے میں لکھتے ہیں۔

آخر کار جب حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے متشابہات کی تاویلات کا تھوڑا سا حال اس فقیر پر ظاہر کیا اور اس مسکین کی استعداد کی زمین میں اس دریائے محیط سے ایک چھوٹی سی نہر چلا دی تو معلوم ہوا کہ علمائے راسخین کو بھی متشابہات کی تاویلات کا بہت سا حصہ حاصل ہے۔''

روز قیامت ایک کثیر تعداد کو متشابہات کا علم حاصل ہو جائیگا اس سلسلہ میں یوں رقم طراز ہیں۔

اس دنیا میں ان امتیوں پر متشابہات کی تاویل کے جمال کا صرف نقاب اٹھاتے ہیں لیکن امید ہے کہ آخرت میں ایک بڑا گروہ تبعیت کے طور پر امتیوں میں سے اس دولت سے بہرہ ور ہوگا۔ ﴿٦٥﴾

(iii) آیات کا ظاہر وباطن

آیات کے ظاہر وباطن کے ضمن میں حضرت مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اس حدیث پاک کی تعبیر بیان کی

﴿٦٥﴾ دفتر دوم مکتوب ٣٦

مسند الامام احمد بن حنبل، موسسۃ قرطبۃ قاہرۃ، جلد ا ص ٣٣٥

ان القرآن نزل علی سبعة احرف، لکل آية منها ظهر وبطن، ولکل حد مطلع ﴿٦٦﴾

قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا۔ ہر آیت کا ظاہر اور باطن ہے اور ہر ایک کے لئے ایک مطلع ہے۔

حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ اس روایت کے بارے میں اپنا نکتہ نظر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

میرے دل میں خیال گذرتا ہے کہ "مطلع" کا مطلب آیت میں گہرے اسرار اور دقیق معانی پر صفائے فہم کی وجہ سے واقف ہونا نہیں ہے۔ مطلع یہ ہے کہ ہر آیت کی تلاوت کے وقت قاری کو اس آیت کے متکلم کا شہود حاصل ہو۔ کیونکہ ہر آیت متکلم کے اوصاف میں سے کسی وصف اور اسکی نعوت میں سے کسی نعت کی امانت گاہ ہے۔ پس اس کے لئے آیات کی تلاوت اور ان کے سماع کے وقت تجلیات نئی سے نئی ہوں گی جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے عظیم جلال کی خبر دینے کیلئے آئینہ کا کام دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ ظہر سے مراد قرآن مجید کا نظم ہے جو معجزے کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ بطن سے مراد صفائے فہم کے اختلافِ مراتب کے مطابق اس کے دقیق معانی اور گہرے اسرار پر اسکی تاویل و تفسیر ہے اور حد سے مراد کلام کے مراتب کی انتہا ہے اور وہ ہے کلام کرنے والے کا شہود، اور وہ تجلی صفاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے عظیم جلال کی خبر دیتی ہے اور مطلع وہ ہے جو اس تجلی صفاتی سے اوپر ہے اور وہ تجلی ذاتی ہے جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہے نبی کریم ﷺ نے کلام کی حد اور نہایت کیلئے ایک مطلع ثابت کیا ہے۔ تو مطلع کلام سے اوپر ہوگا اور اسکی نہایت سے بھی اوپر' کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس صفت کے آئینہ میں متکلم کا شہود اس صفت کی تجلی ہے اور مراتب کی انتہاء اسکا کمال ہے اور اسکی تجلی سے اوپر کی اطلاع اس سے ذاتی تجلی کی طرف ترقی کرنے سے ہوگی تو اس جگہ ذات کی طرف وصول، صفت کلام کے ذریعہ اور نظم قرآنی کی تلاوت کے وسیلہ سے ہوگا جو اس صفت پر دلالت

﴿٦٦﴾ الموصلی، ابی یعلی احمد بن علی، مسند ابی یعلی الموصلی، تحقیق ارشاد الحق اثری، ادارہ القبلہ للثقافة الاسلامیہ جدہ ۱۹۸۸، جلد ۵ ص ۸۰/ الہیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر، موارد الظمان الی زوائد ابن حبان، المطبعة السلفية مکہ مکرمہ ص ۴۴۰/ امام طبرانی، معجم الکبیر، مطبعة الوطن العربی ریاض جلد ۱۰، ص ۱۲۵

کرنے والا ہے۔تو لازمی طور پر یہاں دو قدم ہوں گے۔ایک قدم نظم سے لیکر جو کہ مدلول پر دلالت کرنے والی ہے اور صفت ہے اور دوسرا صفت سے موصوف تک۔عارف شعرانی نے کہا ہے یہ وہ قدم ہے جہاں تک تو پہنچا اور شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نے صرف پہلے قدم کا ذکر کیا ہے اور اسی سے سیر کو پورا کر دیا اور تلاوت کا یہی فائدہ بیان کیا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

شیخ شہاب الدین نے اس کے بعد کہا ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن آبائہ الکرام سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا میں اس آیت کی برابر تکرار کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے اسکے کلام کرنے والے سے اسکو سنا۔﴿٦٧﴾

(iv) قرآن کلام الٰہی ہے، مخلوق نہیں

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حروف و آواز سے مرکب ہے اور حادث ہے قدیم نہیں اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ چاہتا ہے کلام کو لوح محفوظ میں پیدا کر دیتا ہے، کبھی جبرئیل میں اور کبھی نبی میں۔ اہلسنت بھی اس قسم کے کلام کے جس کے معتزلہ قائل ہیں، منکر نہیں۔انکی اصطلاح میں اسکا نام کلام لفظی ہے مگر اس کے سوا ایک اور کلام، اللہ کیلئے ثابت کرتے ہیں اور اسکو کلامِ نفسی کہتے ہیں اس پر وہ کلام دلالت کرتا ہے جو الفاظ و اصوات سے مرکب ہوتا ہے۔قرآن اللہ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔قدیم ہے۔قرآن کا اطلاق کلام نفسی اور لفظی دونوں پر ہوتا ہے۔

اس اختلافی مسئلہ پر حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کی رائے درج ذیل ہے۔

قرآن مجید حق تعالیٰ کا کلام ہے جسکو حروف اور آواز کا لباس دیکر ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا ہے۔بندوں کو اس کے ساتھ امر و نہی کا حکم کیا ہے۔جس طرح ہم اپنے نفسی کلام کو حلق و زبان کے ذریعے حروف و آواز کے لباس میں لا کر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقاصد و مطالب کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نفسی کلام کو حلق و زبان کے واسطہ کے بغیر اپنی قدرت کاملہ

﴿٦٧﴾ دفتر سوم مکتوب ١١٨

سے حروف و آواز کا لباس عطا فرما کر اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ اوامر و نواہی کو حروف و آواز کے ضمن میں لا کر ظاہر فرما دیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق تعالیٰ کا کلام ہیں اور ان دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے جیسے ہمارے کلام کی دونوں قسمیں نفسی و لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں (نہ یہ کہ قسمِ اول حقیقت ہے اور قسمِ دوم مجاز کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے اور کلام لفظی کی نفی کرنا اور اس کو خدا کا کلام نہ کہنا کفر ہے) اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو گذشتہ انبیاء علیہما الصلوٰۃ والسلام پر نازل کئے گئے سب حق تعالیٰ کا کلام ہیں۔ ﴿۶۸﴾

حضرت مجدد کا یہ جزیہ زمخشری اور جاحظ اور نظام معتزلی کے کئی اعتراضات و نظریات کا جواب ہے۔

نظر کشفی میں صرف اس قدر فرق معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید گویا دائرے کا مرکز ہے اور باقی دوسری کتابیں بلکہ وہ سارا کلام جو ازل سے ابد تک ہوا ہے اور ہوگا سب گویا اس دائرہ کا محیط ہیں پس قرآن سب کی اصل ہے اور تمام کتابوں سے اشرف ہے کیونکہ مرکز، دائرہ کے اجزاء میں سے سب سے اشرف ہے اور دائرہ کے تمام نقاط کا اصل ہے گویا باقی تمام نقطے اسی کی تفصیل ہیں اور وہ سب کا اجمال ہے۔ ﴿۶۹﴾

''القرآن کلام اللہ غیر مخلوق ان حروف وکلمات کی بلندئ شان سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام نفسی بھی یہی حروف وکلمات ہیں جیسا کہ قاضی عضد الدین نے اس کی تحقیق کی ہے اور بغیر تقدیم و تاخیر انہی کو کلامِ نفسی کہا ہے اور ان کی تقدیم و تاخیر کو اپنے آلۂ حادثہ کے قصور کی طرف راجع کیا ہے۔'' ﴿۷۰﴾

''حضرت امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسئلہ خلق قرآن میں چھ مہینہ تک ایک دوسرے کے ساتھ بحث کرتے رہے اور تبادلۂ خیالات فرماتے رہے۔ چھ مہینے کے بعد یہ بات قرار پائی کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اتنی مدت بحث و مباحثہ اسی لئے ہوتا رہا کہ یہ مسئلہ صاف اور

﴿۶۸﴾ دفتر دوم مکتوب ۶۰

﴿۶۹﴾ دفتر سوم مکتوب ۱۰۰

﴿۷۰﴾ دفتر سوم مکتوب ۱۰۰

واضح نہیں تھا۔''

اس کے بعد حضرت شیخ احمد سرہندی اپنی حتمی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ اگر نزاع کا موجب حروف وکلمات ہیں جو کلام نفسی پر دلالت کرتے ہیں تو بیشک حادث ومخلوق ہیں اور اگر کلام سے مراد مدلولات ہیں تو وہ قدیم اور غیر مخلوق ہیں۔ یہ تنقیح مختلف فکروں کے ملنے کی برکت سے ہے۔''﴿۷۱﴾

(V) قراءت متواترہ وشاذہ

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ قرآن صرف وہ ہے جو بطریق تواتر منقول ہے اور جو بطریق شاذ یا آحاد منقول ہے وہ قرآن نہیں۔﴿۷۲﴾

علامہ جزری نے قراءت کے تواتر کیلئے تین شرائط مقرر کی ہیں۔

۱۔عربیت سے موافقت ۲۔خط مصحف عثمانی سے موافقت ۳۔سند کی صحت

جس قراءت میں ان سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو علامہ جزری اسے ضعیف اور شاذ کہتے ہیں خواہ وہ آئمہ سبعہ سے منقول ہو یا کسی اور سے۔﴿۷۳﴾

حضرت مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ بھی قرآن کیلئے تواتر کی شرط کو ضروری قرار دیتے ہیں اور جو متواتر نہ ہو اسے قرآن قرار نہیں دیتے۔ لکھتے ہیں:

''جو بذریعہ احاد منقول ہے تو وہ مردود ہے اور جو بذریعہ تواتر منقول ہے وہ رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد میں داخل ہے کہ قرآن سات حرفوں﴿۷۳۔ا﴾ پر نازل کیا گیا۔''﴿۷۴﴾

﴿۷۱﴾ دفتر سوم مکتوب ۱۰۰

﴿۷۲﴾ سیوطی جلال الدین' الاتقان فی علوم القرآن جلد اوّل ص ۷۷

﴿۷۳﴾ سیوطی، جلال الدین' الاتقان فی علوم القرآن جلد اوّل ص ۷۷

﴿۷۳۔ا﴾ اس روایت سے شاید استدلال اس لئے کیا کہ علامہ زرکشی لکھتے ہیں:

قراءت سبعہ اپنے ائمہ سے تو بلا شبہ متواتر ہیں مگر رسول اللہ ﷺ سے ان کا تواتر محل نظر ہے۔ (ایضا، ص: ۸۰)

﴿۷۴﴾ اثبات النبوۃ ص ۱۰۶

آپ سے پوچھا گیا کہ ان شانئك هو الابتر میں شانئك یا کے ساتھ ہے یا ہمزہ کے ساتھ؟
آپ نے جو جواب تحریر فرمایا وہ قراءت متواترہ کے سلسلہ میں آپ کے مؤقف کو واضح کرتا ہے۔

جواب یہ ہے۔
جاننا چاہیے شانئك ہمزہ کے ساتھ ہے اور جس نے یا سے لکھا ہے وہ غیر مشہور قراءت ہو گی۔'' ﴿۷۵﴾

(vi) تفسیر اور تاویل میں فرق

تیسری اور چوتھی صدی کے مفسرین نے تاویل کو عام طور پر تفسیر کی جگہ ہی استعمال کیا ہے۔ اسی لئے وہ آیت کی تفسیر کی بجائے تاویل کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں لفظ مترادف تھے۔ لیکن مفسرین کے ایک گروہ کے نزدیک آیت کی تفسیر اور تاویل میں فرق ہے۔

اس میں شک نہیں کہ لفظ تفسیر اور تاویل دونوں ہی آیت کے ابہام کو دور کرنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں لیکن جب آیت کا ابہام لفظ کے معنی اور جملہ کے لغوی مفہوم سے مربوط ہو تو اس قسم کے رفع ابہام کو تفسیر کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر آیت کے مفرد الفاظ یا لغوی مفہوم میں کوئی ابہام نہ ہو بلکہ آیت کا اصلی مطلب اور مقصود و مراد زیادہ احتمالات کی وجہ سے مبہم و پوشیدہ ہو تو اس قسم کے ابہام کے دور کرنے کو تاویل کہتے ہیں۔

سیّد محمد شریف جرجانی لکھتے ہیں۔

تاویل کا لغوی معنی لوٹانا اور اصطلاح میں ایک لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر ایک ایسے معنی

﴿۷۵﴾ دفتر اوّل مکتوب ۲۵۶

تفسیر نیشاپوری کی جس عبارت کے بارے میں اس مکتوب میں میاں شیخ بدیع الدینؒ نے سوال پوچھا تھا وہ درج ذیل ہے۔

القراه شانیك بالیاء یزید و الشمونی و حمزه فی الوقف وقراء قتیبه و نصیر مهموزا محاله

علامہ نظام الدین الحسن بن محمد، غرائب القرآن و رغائب الفرقان مطبۃ اکبری الدمیریہ بولاق ۱۹۸۷ جز ۳۰ ص ۱۷۴

پر محمول کرنا جسکا وہ احتمال رکھتا ہو اور وہ احتمال کتاب وسنّت کے موافق ہو مثلاً اللہ تعالٰی نے فرمایا:

یخرج الحی من المیت

وہ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے۔

اگر اس آیت میں انڈے سے پرندے کو نکالنا مراد ہو تو یہ تفسیر ہے اور اگر کافر سے مومن کو پیدا کرنا یا جاہل سے عالم کو پیدا کرنا مراد ہو تو یہ تاویل ہے۔﴿٧٦﴾

امام ماتریدی نے کہا:

تفسیر میں اس بات کا قطعی بیان ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے اس لفظ سے یہ معنی مراد لیا ہے اور تاویل میں قطعیت کے بغیر کسی ایک احتمال کو ترجیح دی جاتی ہے۔﴿٧٧﴾

حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے بھی تفسیر اور تاویل میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھا۔ لیکن آپ کی تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ منقول روایات جو ہم تک پہنچی ہیں وہ تو آیت کی تفسیر ہیں اور اسکی صوفیانہ انداز میں توجیہہ وتوضیح، آیت کی تاویل ہے۔ اپنا نقطہ نظر شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اور جو ہم نے کہا کہ آیت کریمہ کے یہ تاویلی معنی ہیں اس لئے کہا کہ تفسیری معنی نقل وسماع سے مشروط ہیں۔

من فسر القرآن برأیه فقد کفر﴿٧٨﴾

جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ کافر ہو گیا۔

تم نے سنا ہوگا۔ اور تاویل میں صرف احتمال کافی ہے بشرطیکہ کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو۔﴿٧٩﴾

سورہ النور کی ایک آیت کی صوفیانہ انداز میں تعبیر پیش کرنے سے پہلے حضرت مجدّد لکھتے ہیں:

﴿٧٦﴾ جرجانی، سیّد شریف علی بن محمد جرجانی، کتاب التعریفات، المطبعۃ الخیر مصر۔ ١٣٠٦ھ ص ٣٨

﴿٧٧﴾ آلوسی، سید محمود، روح المعانی جلد ١ ص ٥

﴿٧٨﴾ ان الفاظ سے کوئی بھی حدیث مروی نہیں البتہ تفسیر بالرائے کی مذمت میں دیگر روایات موجود ہیں۔

﴿٧٩﴾ مکتوبات، دفتر اوّل مکتوب ٢٣٤

آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر محمول ہے اور ہم اپنے مکاشفے کے مطابق اسکی تاویل کرتے ہیں۔﴿۸۰﴾

گویا آپ کے نزدیک مرادالٰہی آیت کی تفسیر اور باقی احتمالات تاویل ہیں لیکن اس ضمن میں عموماً آپ اپنے مکاشفات کے ساتھ ساتھ آیت کی وضاحت صوفیانہ اصطلاحات کے رنگ میں کرتے ہیں۔

تفسیر بالرائے کی مذمت میں جو روایت حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے نقل کی، موضوع ہے اس مضمون کی دیگر روایات میں سے بھی کوئی درجۂ صحیح کو نہیں پہنچ سکی۔ ایسی روایات سے مجموعی طور پر جو مفہوم واضح ہوتا ہے اس کی توجیہات بیان کرتے ہوئے امام طبریؒ لکھتے ہیں۔

۱۔ یعنی جس نے مشکلاتِ قرآن کے بارے میں صحابہ وتابعین کے اقوال و مذاہب کو نظر انداز کر کے اپنی رائے سے تاویل کی

۲۔ یا قرآن کے بارے میں ایسی بات کہی جس کے متعلق اسے خود بھی علم ہے کہ یہ صحیح نہیں، صحیح دوسری رائے ہے۔﴿۸۱﴾

(vii) بیان تفسیر میں اسلاف کی آراء پر اعتماد

قرآنی الفاظ سے اپنی مرضی کے معانی ومفاہیم اخذ کرنا رواج پا گیا ہے جسکا نتیجہ نت نئے فرقوں کا ظہور ہے۔ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآنی مفہوم وہی معتبر ہوگا جسے علمائے حق نے بیان کیا اس معاملہ میں کشف والہام بھی قابل اعتبار نہیں۔ اس حوالہ سے آپ کی رائے درج ذیل ہے۔

کتاب وسنت کو ان معانی پر محمول کرنا جنہیں جمہور علماء اہل حق یعنی اہلسنت نے کتاب وسنت سے سمجھا ہے بھی ضروری ہے۔ اور اگر بالفرض ان معانی ومفہوم کے خلاف کشف والہام سے کوئی چیز ظاہر ہو تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہیے اور اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔

مثلاً وہ آیات واحادیث جن کے ظاہر سے توحید وجودی مفہوم ہوتی ہے، اسی طرح احاطہ، سریان

﴿۸۰﴾ دفتر دوم مکتوب ۱۱

﴿۸۱﴾ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر طبری، دار المعرفۃ لبنان ۱۹۸۶، جلد اول ص ۲۷

اور قرب و معیت ذاتی معلوم ہوتی ہے۔ جب علمائے حق نے ان آیات و احادیث سے یہ معنی نہیں سمجھے تو اگر درمیان راہ، سالک پر یہ معانی منکشف ہوں یا ایک ذات کے سوا کسی کو موجود نہ پائے یا اسے محیط بالذات اور اسکا قرب ذاتی جانے تو اس وقت اگرچہ غلبۂ حال اور سکر وقت کی وجہ سے معذور ہے لیکن چاہیے کہ ہمیشہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے التجا اور تضرع کرے کہ اسے اس گرداب سے باہر نکال کر ان امور کا اس پر انکشاف کرے جو آرائے صائبہ، علماء اہل حق کے مطابق ہیں اور ایک بال برابر بھی ان کے معتقداتِ حقہ کے خلاف ظاہر نہ کرے۔ خلاصہ یہ کہ معانی مفہومہ علماء حق کو کشف کی صداقت کا نشان قرار دے اور اپنے الہام کی کسوٹی ان کے سوا کسی شے کو قرار نہ دے۔ کیونکہ وہ معانی جو ان علماء حق کے معانی مفہومہ کے خلاف ہوں درجۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے معتقدات کا مقتدا کتاب وسنت ہی کو جانتا ہے اور اپنے ردی فہم کی وجہ سے کتاب وسنت سے معانی غیر مطابقہ سمجھ لیتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

اللہ اس کے ساتھ بہت کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ علمائے اہل حق کے سمجھے ہوئے معانی ہی لائق اعتبار ہیں اور اس کے خلاف معتبر نہیں اس بنا پر ہے کہ انہوں نے یہ معانی صحابہ اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے آثار اور تتبع سے اخذ کیے ہیں۔ اس لئے نجاتِ ابدی انہیں کے لئے مخصوص ہوگئی اور فلاح سرمدی ان کا حصہ قرار پائی۔ ﴿۸۳﴾

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

ہمارا اور تمہارا قرآن وسنت کے کسی معنی کو سمجھنا کچھ اعتبار نہیں رکھتا۔ اگر ان بزرگوں کی آراء کے مطابق نہیں کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے احکام باطلہ کو قرآن وسنت سے ہی سمجھنے کا دعویدار ہے۔ ﴿۸۴﴾

اسی مضمون کو دفتر اوّل کے مکتوب ۱۹۳ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

﴿۸۲﴾ سورہ البقرۃ آیت ۲۶

﴿۸۳﴾ دفتر اوّل مکتوب ۲۸۶

﴿۸۴﴾ دفتر اوّل مکتوب ۱۵۷

(ب) تفسیری نکات

(ا) لفظ ''اللہ''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علماء نے بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ کی تفسیر میں لفظ ''اللہ'' کے اسرار ورموز بیان کئے ہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے امہات کتب تفسیر سے انتخاب کر کے لفظ اللہ پر سیر حاصل بحث کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بعض نکات بھی بیان کئے۔ اس سلسلہ کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

سید سند (۸۵) نے کشاف کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے جس طرح اہل دانش اللہ کی ذات وصفات کے بارہ میں اس لئے حیران ہیں کہ وہ عظمتِ خداوندی کے انوار میں پوشیدہ ہے، اسی طرح وہ لفظِ اللہ ﴿کی تحقیق﴾ میں بھی حیران ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ میں بھی انہی انوارِ الٰہی کی شعاعیں منعکس ہوگئی ہیں اور اس وجہ سے اہل بصیرت کی آنکھیں خیرہ ہوگئی ہیں چنانچہ ان لوگوں کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا لفظ اللہ سریانی زبان کا ہے یا عربی کا؟ نیز یہ لفظ اسم ہے یا صفت؟ مشتق ہے یا غیر مشتق؟ اگر مشتق ہے تو کس لفظ سے مشتق ہے؟ اگر مشتق نہیں تو آیا یہ عَلم ہے یا غیر عَلم؟

بعض اہل علم کا قول ہے کہ یہ لفظ اصل میں الٰہ تھا اس میں سے ہمزہ کو حذف کر کے اسکی بجائے الف اور لام کو لایا گیا ہے اور اسی وجہ سے یا اللہ ہمزۂ قطعی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ (۸۶) اگر آپ کہیں کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ نداء کی صورت میں ہمزہ قطعی ہوتا ہے اور نداء نہ ہونے کی صورت میں وصلی ہوتا ہے۔ (۸۷) تو ہم کہیں گے کہ نداء کی صورت میں یہ ہمزہ، ہمزہ اصلی کے قائم مقام ہوتا ہے اس لئے وہ قطعی ہوتا ہے۔ نداء نہ ہونے کی صورت میں چونکہ معرفہ ہونے کا مفہوم اس لفظ سے بالکل خارج نہیں ہوتا اس لئے یہ ہمزہ وصلی ہوجاتا ہے۔

---

(۸۵) سید شریف جرجانی

(۸۶)(۸۷) ہمزہ وصلی اور قطعی دونوں زائد ہوتے ہیں اور ابتدائے کلام میں آتے ہیں۔ ہمزہ وصلی ابتدائے کلام میں لکھنے اور پڑھنے کیلئے آتا ہے اور درمیان کلام میں لکھا جاتا ہے تو پڑھا نہیں جاتا۔ ہمزہ قطعی ابتدائے کلام میں اور درمیان کلام دونوں میں لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔

اللہ لفظ معبودِ برحق کے لئے مخصوص ہے کیونکہ الـہ ہر معبود کیلئے مستعمل ہے خواہ وہ معبودِ برحق ہو یا باطل بعدازاں اسکا ﴿یعنی الہ﴾ عام استعمال معبودِ برحق کیلئے مخصوص ہو گیا۔

بعض نے کہا ہے کہ اصل لفظ اَلاِلٰـهُ تھا اس میں درمیان کا ہمزہ ثقیل ہونے کی وجہ سے محذوف ہو گیا اور لام کا لام میں ادغام (۸۸) ہو گیا اس طرح یہ لفظ اللہ بن گیا۔

بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ اللہ کا اشتقاق اَلِهَ اِلاهَةً و اُلُوْهَةً و اُلُوْهِيَّةً سے ہے۔ جس کے معنی تَعَبَّدَ ﴿اس نے عبادت کی﴾ ہیں اسی مادہ سے تَاَلَّهَ اور اِسْتَاْلَهَ کا لفظ ماخوذ ہے جسکا مفہوم بھی تعبد ہے۔

بعض کا قول ہے کہ یہ اَلِـهَ سے ماخوذ ہے جس کے معنی تحیر ﴿حیران ہوا﴾ ہے ﴿اس مفہوم کے مطابق اللہ کہنے کا سبب یہ ہے کہ﴾ عقلیں اس کی معرفت میں حیران ہیں۔ ایک محاورہ یہ بھی ہے اَلِهْـتُ اِلٰـى فُلَانٍ ﴿مجھے فلاں شخص سے سکون حاصل ہوا﴾ اس کے مطابق اللہ کی معرفت سے روحیں سکون اور چین حاصل کرتی ہیں۔ (۸۹)

بعض علماء کا قول ہے کہ اللہ کا لفظ عَلَم ہے یعنی یہ اسمِ جامد ہے اور کسی لفظ سے مشتق نہیں ہے بلکہ ذاتِ باری کے لئے مخصوص ہے کیونکہ یہ اسم موصوف بنتا ہے، صفت نہیں بنتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کیلئے ایسا نام مقرر کیا جائے جو اسکی تمام صفات کو شامل ہو۔ اس لفظ کے علاوہ دوسرے الفاظ ایسے نہیں ہیں جن میں یہ صلاحیت ہو۔ اگر لفظ صفت ہوتا تو لا الہ الا اللہ کلمۂ توحید نہ بنتا جس طرح لا الہ الا الرحمٰن کلمہ توحید نہیں ہے، لا الہ الا الرحمٰن مانع شرکت نہیں ہے۔ مگر یہ قول محلِ نظر ہے کیونکہ مذکورہ بالا دلائل مدعا کو ثابت نہیں کرتے۔ پہلی دلیل صرف صفت ہونے کی تردید کرتی ہے اس لفظ کے علم ہونے کو ثابت نہیں کرتی کیونکہ اسمائے اجناس اور لفظ شے بھی اسی طرح کے ہیں۔

اسی طرح دوسری دلیل سے بھی اسکا علم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تیسری دلیل اس لئے محلِ نظر ہے کہ ممکن ہے یہ لفظ اوصافِ غالبہ میں سے ہو یعنی اس کا استعمال دوسرے کیلئے نہ ہو وہ شرکتِ غیر کو قبول نہ

---

(۸۸) دو ہم جنس اور قریب المخرج حروف میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھنا

(۸۹) لفظ اللہ کے مادہ ہائے اشتقاق کے متعلقہ مباحث کیلئے ملاحظہ فرمایئے:
زمخشری، جاراللہ محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، مکتب الاعلام الامی بیروت ۱۴۱۴ھ، جلد اول، ص: ۵-۴/ بغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، جلد اول، ص: ۳۸

کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ علم بھی نہ ہو اس اصول کے مطابق ہم یہ کہتے ہیں کہ لا الٰہ الا الرحمٰن جیسے کلمات سے بھی توحید کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ الرحمٰن کا اطلاق خدا کے سوا کسی دوسری ذات پر نہیں ہوتا اور اُس کے سوا کوئی دوسرا اسکا موصوف نہیں بن سکتا اور علم کی مانند ہو گیا ہے کہ اب ﴿الرحمٰن﴾ میں شرکت کیلئے مانع ہے جیسا کہ علماء بیان کرتے ہیں۔

قاضی بیضاویؒ (۹۰) نے اللہ تعالیٰ کی مخصوص ذات کیلئے کسی مخصوص لفظ کے علم ہونے کی تردید میں یہ تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی دوسری حقیقی یا غیر حقیقی شے کا لحاظ کئے بغیر انسانی عقل سے ماوراء ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صرف ایک لفظ کے ذریعے اسکا مفہوم ادا ہو سکے؟ (۹۱) مگر یہ قول محلِ نظر ہے کیونکہ یہ دلیل ایسی صورت میں نہیں چل سکتی جبکہ اس لفظ کا واضع (مقرر کرنے والا) خود ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ ایک ذریعہ سے کسی چیز کا علم حاصل کیا جائے تو وہ علم اس سے مختلف ہوگا جو دوسرے ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو اور یہ وہ حقیقت ہے جسے اکثر علماء نے تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ باری تعالیٰ کی مخصوص ذات کا علم کسی ایک ذریعے سے حاصل ہو جائے جیسے واجب بالذات یا معبودِ برحق کا لفظ ہے اور اس لفظ سے جس ذاتِ باری تعالیٰ کا علم حاصل ہوا ہو، اس کا نام اللہ وضع کیا گیا ہو چنانچہ اس لفظ سے اسی مفہوم کا اظہار ہوتا ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اس صورت میں علم حاصل ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ذات کی خصوصیات بھی معلوم ہوں تا کہ کوئی دوسرا اس مفہوم میں شریک نہ ہو سکے ورنہ اس مقصد کیلئے اجمالی علم اور کلی مفہوم کافی نہ ہوگا۔ اس نکتہ پر خوب غور و خوض کیا جائے کیونکہ یہ دقیق مسئلہ ہے۔

بعض محققین نے یہ فرمایا ہے کہ لفظ اللہ کے عجیب و غریب لطائف ہیں۔ اگر اللہ کا ہمزہ نہ بولا

---

(۹۰) عبداللہ بن عمر نام اور نسبت بیضاوی ہے۔ آپ شافعی المسلک تھے اور قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے۔ ''انوار التنزیل و اسرار التاویل فی التفسیر'' آپ کی مشہور تصنیف ہے اور دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ علماء نے اس کے مختلف حواشی تحریر کئے ہیں۔ جو شخص قرآن حکیم کے مطالب و معانی اور اسکے اسرار و رموز سے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

(۹۱) انوار التنزیل و اسرار التاویل، جلد اول، ص: ۳۴-۳۵

جائے تو للّٰہ کا لفظ باقی رہے گا جیسے وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ (۹۲) اگر باقی ماندہ لفظ سے لام محذوف ہو تو لہ باقی رہ جائیگا لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الاَرْضِ (۹۳) میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور اگر اس باقی ماندہ لام کو لَـهٗ سے حذف کر دیا جائے تو ھو کی ہائے مضمومہ ﴿ہُ﴾ باقی رہ جاتی ہے۔ جیسے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ (۹۴) ھو میں 'و' زائد ہے اس لئے یہ هُمَا اور هُمْ میں ساقط ہو جاتا ہے لیکن اس میں قدرے تامل ہے، یہ بات اس پر پوشیدہ نہیں جو عربی داں ہے۔

جہاں تک اس لفظ ﴿اللہ﴾ کے معانی کا تعلق ہے تو اسکی صورت یہ ہے کہ جب آپ اس کے لفظ سے اسے پکاریں گے تو گویا آپ نے اسے اسکی تمام صفات کے ساتھ پکارا ہے، دوسرے اسماء کا یہ حال نہیں ،اسی وجہ سے اسی لفظ سے کلمۂ شہادت درست ہوتا ہے۔ (۹۵)

لفظ اللہ کی صوفیانہ تعبیر

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے ''معارف لدنیہ'' میں لفظ اللہ کے اسرار ورموز کو صوفیانہ طرز پر نہایت سہل طریقہ سے معرفت ۱ تا ۴ میں اس طرح بیان کیا ہے:

اللہ کا مبارک لفظ الف، لام اور ہ سے مرکب ہے جو آلاتِ ﴿حروف﴾ تعریف ہیں۔ یہ مجموعہ ﴿الف، لام اور ہ﴾ ذات واجب الوجود عز سلطانہ کا علَم ہے۔ لہٰذا اس اسمِ مبارک میں تین قسم کے معرفہ بنا دینے والے اسباب جمع ہو گئے ہیں۔ باوجودیکہ ان میں سے ہر سبب اسماء کو معرفہ بنانے کیلئے کافی ہوتا ہے، لیکن یہاں تین اسباب جمع ہو جانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس اسمِ اعظم کا مسمّٰی جل شانہ اپنی کمال بزرگی ، درجہ کی بلندی اور رفعت منزلت کی وجہ سے کسی طرح بھی معرفہ ﴿جانا، پہچانا﴾ نہیں ہو سکتا۔ اور کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر اسے معرفہ بنایا جا سکتا تو ایک آلۂ تعریف ﴿معرفہ بنانے والا حرف﴾ ہی اس کیلئے کافی ہو جاتا۔ کیونکہ سبب کو موجود کرنے میں کثرتِ اسباب کا کوئی دخل نہیں ہوا کرتا۔

---

(۹۲) سورۃ الفتح، آیت: ۴

(۹۳) سورۃ یونس، آیت: ۶۸

(۹۴) سورۃ الحشر، آیت: ۲۳

(۹۵) مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی، رسالہ تہلیلیہ، مترجم رشید احمد، ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۸۳ ص: ۱۷ تا ۲۰

بلاشبہ وہ تو کسی ایک سبب کے پائے جانے ہی سے موجود ہو جاتا ہے پس جب مسبب ان اسباب میں سے کسی ایک سبب کے پائے جانے سے موجود نہیں ہو سکا تو اس سے یہی سمجھا جائیگا کہ ان دونوں ﴿حرفِ تعریف اور اسم﴾ کے درمیان سببیت کا تعلق ہی نہیں اس لئے جب اس کے حق میں اسبابِ تعریف کا سبب ہونا ہی باقی نہ رہا تو سبحانہ وتعالیٰ کی شان میں معروف اور معلوم ہونے کا تصور بھی ختم ہو گیا۔ چنانچہ اس بارگاہِ قدس تک کسی عالم کا علم نہیں پہنچ سکتا اور اسے معرفہ بنانے میں کسی معرفہ ساز کی معرفہ سازی مصروف نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا حق تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں بزرگ تر ہے کہ اسکا ادراک کیا جائے اور اس سے کہیں عظیم تر ہے کہ اسے پہچانا جا سکے اور اس سے کہیں بلند تر ہے کہ اسے جانا جا سکے۔ اس وضاحت سے سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ یہ اسمِ مبارک جل شانہ دوسرے اسماء سے الگ ہے اور باقی تمام اسماء کیلئے جو احکام ہوتے ہیں یہ ان احکام میں شریک نہیں پس لامحالہ اسی امتیاز اور یکتائی کی وجہ سے یہ اسم حق تعالیٰ کی بارگاہِ قدس کے لائق ہے۔

یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب یہ اسمِ مبارک اپنے مسمی پر دلالت ہی نہیں کرتا تو یہ نام رکھنے کا فائدہ ہی کیا ہوا؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ نام کیلئے اس لفظ کو مقرر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جس ذات کا یہ نام رکھا گیا ہے، یہ اسم اسے اپنے ماسوا سے ممتاز اور الگ کر دیتا ہے۔ تاہم ایسا نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے اس ذات کا علم ہو سکے جسکا وہ نام ہے۔ لہٰذا اس مبارک اسم اور دوسرے اسماء کے درمیان ایک دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ وہ اسماء اپنے مسمیات پر دلالت کرتے ہیں اور وہ مسمیات ان ناموں کے ذریعے معلوم ہو جاتے ہیں اور یہ علم انہیں اپنے ماسوا سے ممتاز کر دیتا ہے اور اس اسمِ مقدس میں مسمی کا علم تو پایا نہیں جاتا لیکن وہ اپنے مسمی کو تمام ماسوا سے ممتاز اور الگ کر دیتا ہے۔

۲۔ الف و لام کے داخل ہونے سے اسم نکرہ اسم معرفہ بن جاتا ہے کیونکہ اس آلۂ تعریف ﴿یعنی حرف تعریف﴾ سے وہ معرفہ ہو جاتا ہے اور اس اسم مقدس میں الف و لام خود معرفہ پر آیا ہے اور وہ معرفہ 'ہ' یعنی ضمیر غائب ہے۔ جیسا کہ بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام صرف 'ہ' ہے جو غیبِ ہویت پر دلالت کرتا ہے اور الف و لام تعریف کیلئے آیا ہے۔

گویا اس حرفِ تعریف کے لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مشار الیہ کے تعین میں صرف ضمیر کے ذریعہ سے معرفہ ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک دوسرا آلۂ تعریف بھی درکار ہے جو الف اور

لام ہے، لام پر تشدید مبالغہ کیلئے لائی گئی ہے اور جب یہ حرفِ تعریف باوجود اس مبالغہ کے بھی کافی نہ ہوا اور جس کو معرفہ بنانا تھا اسکا تعین حاصل نہ ہو سکا تو لامحالہ اس پورے مجموعہ کو تعریفِ علَمی میں لے گئے ﴿یعنی اس پورے مجموعہ کو ذاتِ حق کا نام قرار دیا﴾ کہ شاید وہاں جا کر وہ تعین پیدا کر سکے مگر یہاں بھی کوئی ایسا تعین جو ذاتِ حق کے معلوم ہونے کا باعث بن سکے حاصل نہ ہو سکا۔ زیادہ سے زیادہ بس یہ ہو سکا کہ ماسوا سے ایک امتیاز حاصل ہو گیا۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کیلئے سوائے اپنی معرفت سے عاجز ہونے کے اپنی طرف کوئی راہ نہیں بنائی۔(۹۶)

اسم اللہ کی تعظیم کی برکات

ایک دن حضرت مجددؒ قضائے حاجت کیلئے بیت الخلاء گئے وہاں مٹی کا ایک ناتمام پیالہ پڑا ہوا تھا جس پر لفظ مبارک اللہ لکھا ہوا تھا۔ بہتر اس سے قاذورات اٹھاتا۔ آپ کی نظر پڑی تو اسے اٹھالیا۔ پانی سے دھو کر سفید کپڑے میں لپیٹ کر طاق میں ادب سے رکھ دیا جب پانی پیتے تو اس میں پیتے۔ اس سلسلہ میں آپ کو الہام ہوا تم نے ہمارے نام کا احترام کیا ہم تمہارے نام کو رفعت دیں گے۔ اس کے بعد آپ فرماتے تھے کہ اس عمل نے جسقدر فیوض و برکات پہنچائے وہ صد سالہ ریاضت و مجاہدہ سے بھی ناممکن تھے۔(۹۷)

۴۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (۹۸)

ترجمہ: ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کی بجائے گمراہی کو اختیار کیا ہے انکی یہ تجارت نفع بخش نہیں اور وہ صحیح راہ پر نہیں ہیں۔''

حضرت مجددؒ علیہ الرحمۃ نے علمائے سوء کو اس آیت کا مصداق بتایا ہے۔ اس حوالے سے حضرت مجددؒ لکھتے ہیں:

''یہ سب فتنہ و فساد جو دین میں پیدا ہوا ہے انہیں لوگوں کی کم بختی سے ہے کہ انہوں نے دنیاوی

(۹۶) معارف لدنیہ، ص: ۸۵ تا ۸۹

(۹۷) حضرات القدس، جلد اول، ص: ۱۱۳

(۹۸) سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۶

اسباب کی خاطر اپنی آخرت کو برباد کر دیا ہے۔

کسی شخص نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ آسودہ اور فارغ بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بھٹکانے سے ہاتھ کوتاہ کیا ہوا ہے۔ اس نے اسکا سبب پوچھا۔ لعین نے کہا اس وقت کے علماء سو میرا کام کر رہے ہیں اور گمراہ کرنے اور بھٹکانے کے ذمہ دار بن چکے ہیں۔"(۹۹)

۳۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ (۱۰۰)

"اور یاد کرو اس وقت کو جب فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔"

حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا جسکے سبب آپ مسجودِ ملائکہ کہلائے، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اس ضمن میں اپنا نقطۂ نظر اس طرح بیان کرتے ہیں:

"میرے مخدوم یہ عبارتوں کی فروگذاشتوں میں سے ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ آدم مسجودِ ملائکہ ہے حالانکہ سجدہ خالق کیلئے ہے نہ کہ اسکی کسی مخلوق و مصنوع کیلئے خواہ کوئی مخلوق ہو۔"(۱۰۱)

سجدہ کی حقیقت کے بارہ میں جمہور کی رائے بیان کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے پیشانی جھکا رہا ہوں وہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ خاص ہے اسی وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ جو خالق و مالک ہے ساری کائنات کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کبھی بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اولین تھا ہی یہی کہ وہ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کریں تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کیلئے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے اسکی عزت و احترام عبادت کیلئے نہ ہو تو

---

(۹۹) دفتر اول، مکتوب: ۲۱۳

(۱۰۰) سورۃ البقرۃ، آیت: ۳۴

(۱۰۱) دفتر اول، مکتوب: ۲۵۴

اس کو سجدہ تحیہ کہتے ہیں پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم ﷺ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔(۱۰۲)

اس عبارت سے اس شبہ کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے جس کی بناء پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا کہ ''سجدہ خالق کیلئے نہ کہ اسکی مخلوق و مصنوع کیلئے ۔۔۔۔ الخ اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کی نوعیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

۴۔ فَاذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ ۔(۱۰۳)

''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔''

جس طرح ذات ہمارے ادراک اور تصور میں نہیں آسکتی اسی طرح اس کی صفات بھی نہیں آسکتیں کیونکہ صفات میں سے جو بھی سالک کے ادراک میں آسکتا ہے وہ ظلالِ صفات ہیں۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ اپنا تمام وقت اس کی یاد میں مستغرق رکھیں تاکہ حق تعالیٰ بھی بحکم ''اَذْكُرْكُمْ'' تم کو اپنے کرم سے یاد کرے جیسا کہ اس نے یاد کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ کا ذکر حصولِ احوال و مکاشفات کی غرض سے نہ کریں اور دنیوی غرض کو ذہن میں جگہ نہ دیں بلکہ بغیر کسی غرض کے بلکہ اپنی جان پر احسان اٹھا کر ذکر اور بندگی میں مشغول رہیں۔اگر وہ قبول فرمالے تو جس طرح چاہے نواز دے۔(۱۰۴)

۵۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔(۱۰۵)

اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دیں اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اس آیت میں احتمال ہے کہ یہ شرط ﴿کہ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو﴾ اس امر کیلئے لگائی گئی ہو جو کھانے کیلئے فرمایا گیا ﴿یعنی پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ﴾ یعنی جو کچھ ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اس

(۱۰۲) محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۵ء جلد اول، ص:۴۸

(۱۰۳) سورۃ البقرۃ، آیت:۱۵۲

(۱۰۴) حضرات القدس:۱۶۲

(۱۰۵) سورۃ البقرۃ، آیت:۱۷۲

میں سے لذیذ چیزیں کھاؤ بشرطیکہ تمہاری طرف سے یہ بات صحیح ہو کہ تم اپنی عبادت کیلیئے خدا ہی کی ذات کو مخصوص کرتے ہو اور اگر تمہاری جانب سے یہ بات صحیح نہ ہو بلکہ تم اپنے نفس کی لہو ولعب میں ڈالنے والی خواہشات کی بندگی بھی کر رہے ہو تو ان تمام لذیذ چیزوں کو نہ کھاؤ کیونکہ اس صورت میں تم بیمار ہو اور باطنی مرض میں گرفتار ہو اور جو چیزیں بطور رزق کے دی گئی ہیں ان میں سے لذیذ چیزیں تمہارے لئے زہر قاتل ہیں۔ ہاں جب تمہارا باطنی مرض جاتا رہے تو ان لذیذ چیزوں کا کھانا تمہارے لئے درست ہو جائیگا۔ صاحبِ کشاف نے شکر کے مطالبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اس جگہ طیبات کی تفسیر ''مُسْتَلَذَّات'' (۱۰۶) سے کی ہے۔ (۱۰۷)

۶ ۔وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ ۔(۱۰۸)

ترجمہ: ''اے عقلمندو تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔''

اس آیت کے تحت تکلیفاتِ شرعیہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مجدؔد علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''اگر ہر ایک کو اپنے اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ان سے سوائے شرارت اور فساد کے کچھ ظاہر نہ ہوتا ہر بوالہوس دوسرے کے جان و مال پر دست درازی کرتا اور خبث وفساد سے پیش آتا۔ خود بھی ضائع ہوتا اور دوسروں کو بھی ضائع کرتا۔

عِيَاذاً بِاللّٰهِ سبحانه' اگر شرعی موانع اور زواجر نہ ہوتے تو معلوم نہیں کس قدر شرارت اور فساد ظاہر ہوتا۔

کند زنگی مست در کعبہ قے
اگر چوبِ حاکم نباشد ز پے

﴿نشہ میں مست حبشی کعبہ میں قے کردے، اگر حاکم کی لاٹھی سر پر نہ ہو﴾

یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ مالک ومختار ہے اور بندے اس کے مملوک اور غلام ہیں پس جو حکم

(۱۰۶) الکشاف عن حقائق التنزیل جلد اول ص:۲۱۴

(۱۰۷) مبدأ و معاد، ص:۱۴۵-۱۴۶

(۱۰۸) سورۃ البقرۃ، آیت:۱۷۹

وتصرف وہ ان میں فرماتا ہے عین خیر و صلاح ہے اور ظلم و فساد کی آمیزش سے منزہ اور مبرا ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (۱۰۹)

ترجمہ: اللہ سے ان کاموں کے متعلق نہیں پوچھا جا سکتا جو وہ کرتا ہے۔

کرا زہرۂ آنکہ از بیم تو
کشاید زباں جز بہ تسلیمِ تو

﴿کسے طاقت ہے کہ تیرے خوف کے باعث تسلیمِ حکم کے سوا لب کشائی کرے﴾

اگر سب کو دوزخ میں بھیج دے اور ان کو ہمیشہ کا عذاب فرمائے تب بھی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ غیر کی مِلک میں یہ تصرف نہیں جو ستم کی صورت پیدا کرے۔ برخلاف ہماری املاک کے جو درحقیقت اسی کی املاک ہیں۔ ان املاک میں ہمارے تمام تصرفات عینِ ستم ہیں کیونکہ صاحبِ شرع نے بعض مصلحتوں کے باعث ان املاک کو ہماری طرف منسوب کیا ہے ورنہ درحقیقت اسی کی املاک ہیں۔ پس ہمارا تصرف ان املاک میں اسی قدر جائز ہے جس کو مالک نے جائز قرار دیا ہے اور ہمارے لئے مباح کیا ہے۔" (۱۱۰)

رمضان المبارک اور قرآن کریم کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۸۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (۱۱۱)

ترجمہ: "ماہ رمضان المبارک جس میں قرآن اتارا گیا۔"

رمضان المبارک اور قرآن کریم کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"رمضان المبارک قرآن مجید کے ساتھ، جو تمام کمالاتِ ذاتی اور شیونی کا جامع ہے اور دائرۂ اصل میں اس طرح داخل ہے کہ ذرہ برابر ظلیت اسکی طرف راہ نہیں پا سکتی اور حقیقت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ

(۱۰۹) سورۃ الانبیاء، آیت: ۲۳

(۱۱۰) دفتر اول مکتوب: ۲۶۶

(۱۱۱) سورۃ البقرۃ - ۱۸۵

والسلام اسکا ظل اوّل ہے، مکمل مناسبت رکھتا ہے۔ اسی مناسبت کی بنا پر اس مقدس کتاب کا نزول اس ماہ مبارک میں واقع ہوا اور اسی مناسبت کی وجہ سے یہ مہینہ تمام خیرات و برکات کا جامع ہے۔ ہر طرح کی خیر و برکت تمام سال میں جس کسی کو پہنچتی ہے، جس راہ سے بھی پہنچتی ہے، اس عظیم القدر ماہِ مبارک کی بے بہا برکات کا ایک قطرہ ہے۔ (۱۱۲)

جو بھی خیر و برکت ہے اسکا فیضان حضرتِ ذات تعالیٰ و تقدس کی طرف سے ہوتا ہے، اور ذات سبحانہ کے شیونات کا نتیجہ ہے، کیونکہ یہ شر و نقص جو صفحۂ وجود پر آتا ہے اس کا منشا فانی ذات و صفات ہیں۔

مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ من سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۔ (۱۱۳)

ترجمہ: ''جو آپ کو بھلائی پہنچے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جو آپ کو تکلیف پہنچے وہ آپ کی طرف سے ہے۔''

اس پر نصِ قطعی ہے۔''

''پس اس ماہ مبارک کی تمام خیرات و برکات ان کمالاتِ ذاتیہ کا نتیجہ ہیں جن کا کلامِ الٰہی جامع ہے۔ قرآن مجید اس جامع شان کی حقیقت کا خلاصہ ہے۔ لہٰذا اس ماہ مبارک کی قرآن مجید کے ساتھ پوری مناسبت ہے، کیونکہ قرآن تمام کمالات کا جامع ہے۔ یہ مبارک مہینہ ان تمام خیرات و برکات کا جامع ہے جو ان کمالاتِ قرآنی کے نتائج ہیں۔ یہی مناسبت قرآن حکیم کے اس ماہِ مبارک میں نزول کا باعث بنی۔ اس ماہ میں آنے والی شبِ قدر اس ماہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ یہ رات مغز ہے اور یہ ماہِ مبارک اس کیلئے چھلکے کی مانند ہے۔'' (۱۱۴)

اگر اس ماہِ مبارک میں جمعیت نصیب رہی تو سارا سال جمعیت حاصل رہے گی اور اگر اس ماہِ مبارک میں پراگندگی رہی تو سارا سال پراگندگی پیچھا نہیں چھوڑے گی، تو کتنا مبارک ہے وہ شخص جس کے پاس یہ مہینہ آیا اور اس سے راضی اور خوش گیا۔ خرابی ہے اس شخص کیلئے جس سے یہ مہینہ ناراض گیا اور وہ اسکی برکات و خیرات سے محروم رہا۔

---

(۱۱۲) دفتر اول، مکتوب: ۴۰

(۱۱۳) سورۃ النساء-۷۹

(۱۱۴) دفتر اول، مکتوب: ۱۶۲

اس ماہِ مبارک میں قرآن مجید کے ختم کی سنت بھی اسی تعلق کی بنا پر معلوم ہوتی ہے تاکہ تمام اصلی کمالات اور ظلی برکات میسر ہوں تو جس نے ان دونوں کو جمع کر لیا، امید ہے کہ وہ اسکی برکات سے محروم نہیں رہے گا اور اسکی خیرات اس سے روکی نہیں جائیں گی۔ وہ برکات جو اس مبارک مہینہ کے ایام سے متعلق ہیں، کچھ اور ہیں، اور وہ خیرات جو اس کی راتوں سے وابستہ ہیں، کچھ اور ہیں اسی راز کے باعث شاید یہ بات ہے کہ جلدی روزہ افطار کرنے کا حکم ہے اور سحری میں تاخیر کرنے کے متعلق وارد ہوا ہے تاکہ دن رات کے دونوں وقتوں کے اجزاء میں امتیاز و فرق حاصل ہو۔ (۱۱۵) اور سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی اپنے عجز و محتاجی کا اظہار ہے جو مقام بندگی کے مناسب ہے۔ (۱۱۶)

۹۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ (۱۱۷)

ترجمہ: سما لیا اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمینوں کو۔

"اس آیت سے پتا چلتا ہے کہ کرسی بھی آسمانوں سے جدا ہے اور ان سب سے زیادہ وسیع ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کرسی عالم امر سے نہیں کیونکہ کرسی کو عرش سے نیچے کہتے ہیں اور عالم امر کا معاملہ عرش سے اوپر ہے۔ چونکہ کرسی عالم خلق سے ہے اور اسکی پیدائش آسمانوں سے جدا ہے۔ اس لیۓ اسکی پیدائش ان چھ دنوں کے علاوہ کسی وقت ہوئی اس معنی میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ عالمِ خلق سب کا سب انہی چھ دنوں میں پیدا نہیں ہوا کیونکہ پانی جو عالمِ خلق سے ہے ان چھ روز کے علاوہ ہے اور ان چھ دنوں سے پہلے ہے۔" (۱۱۸)

۱۰۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ۔ (۱۱۹)

ترجمہ: اور ﴿اے حبیب﴾ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں ﴿تو آپ فرما دیں﴾ کہ بیشک میں ان کے قریب ہوں۔

(۱۱۵) دفتر اول، مکتوب: ۴۴

(۱۱۶) دفتر اول، مکتوب: ۴۵

(۱۱۷) سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۵۵

(۱۱۸) دفتر دوم، مکتوب: ۷۶

(۱۱۹) سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۶

''حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ کا قرب، اگرچہ بے چون و بے چگون ہے لیکن اس مقام تک وہم کی رسائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اقربیت ہے جو وہم کے احاطہ سے خارج اور خیال کے دائرہ سے باہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرب دان تو بہت ہیں اور اقربیت دان بہت ہی تھوڑے۔

قرب کی انتہاء حصولِ اتحاد تک ہے اگرچہ اتحاد بھی صرف تو ہم ہے اور اقربیت، قرب کی جانب میں اتحاد سے بہت آگے ہے۔ اگرچہ عقل، اپنے سے بھی نزدیک تر چیز کو بعید تصور کرتی ہے اور یہ عقل کی تنگ نظری ہے کہ اس نے دور بینی کی عادت اختیار کرلی ہے اور اپنے سے نزدیک تر کو نہیں پایا۔'' (۱۲۰)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا (۱۲۱)

ترجمہ: ''کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں نہیں ہوتی۔ مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے۔ اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ اس سے زیادہ میں مگر وہ انکے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں۔''

''اس بلند ذات کی معیت اور اسکا قرب اس سبحانہ کی ذات کی طرح بے چون و بے چگون ہے۔ اس لیئے چوں کیلئے بے چون تک پہنچنے کا کوئی رستہ نہیں لہٰذا قرب و معیت کا جو معنی بھی ہماری عقل و فہم میں آئے یا ہمارے کشف و شہود سے معلوم ہو وہ بلند ذات اس سے منزہ و مبرا ہے۔ کیونکہ یہ فرقہ تجسیمیہ میں قدم رکھنے والی بات ہے۔ ہم ایمان رکھتے ہیں کہ وہ بلند ذات ہمارے قریب اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم قرب و معیت کا معنی نہیں جانتے کہ کیا ہے۔'' (۱۲۲)

۱۱۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ. (۱۲۳)

ترجمہ: ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کیلئے ظاہر کی گئی ہے۔''

---

(۱۲۰) دفتر سوم، مکتوب: ۱۰

(۱۲۱) سورۃ المجادلہ، آیت: ۷

(۱۲۲) دفتر دوم، مکتوب: ۸

(۱۲۳) سورۃ آل عمران، آیت: ۱۱۰

نبی کریم ﷺ کے فضائل وکمالات اور آپ کی عظمت وشان کے متعلق مختلف روایات نقل کرنے کے بعد امت محمدیہ کے شرف وکمال کی وجہ نسبت رسول ﷺ بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''پس یہ بات ضروری ہے کہ ایسے پیغمبر سیّد البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والے خیر الامم ہوں۔'' (۱۲۴)

دوسری جگہ آپ ﷺ کی اطاعت واتباع کو معیارِ فضیلت قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کی متابعت کے سبب خیر الامم ہوئی ہے اور اس میں اکثر اہل جنت ہیں۔'' (۱۲۵)

مکتوب ۲۴۸ میں لکھتے ہیں:

''سب امتوں میں یہی امت اتباع کے سبب اس تجلی ﴿تجلی ذاتی (۱۲۶)﴾ سے مخصوص ہے اور یہ دولتِ عظمیٰ اسی امت سے مختص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خیر الامم ہے۔'' (۱۲۷)

۱۲۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ. (۱۲۸)

''اور ضروری کاموں میں ان سے مشورہ لیں۔''

صحابہ کرامؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی گنجائش تھی۔ اور آپ کی رائے میں ردوبدل کی گنجائش تھی کیونکہ قیاس کا امر اور مشورہ کا امر ردوبدل حاصل ہوئے بغیر کوئی صورت نہیں رکھتا۔ بدر کے قیدیوں کے فدیہ اور قتل کے متعلق جو اختلاف واقع ہوا تھا (۱۲۹) اور حضرت فاروق اعظمؓ نے ان کے قتل کا

(۱۲۴) دفتر اول، مکتوب: ۴۴

(۱۲۵) دفتر اول، مکتوب: ۲۴۹

(۱۲۶) صوفیہ کی اصطلاح میں ذات، صفات اور اسماء کا کسی پر ظہور تجلی کہلاتا ہے۔

(۱۲۷) دفتر اول، مکتوب: ۲۴۸

(۱۲۸) سورۃ آل عمران، آیت: ۱۵۹

(۱۲۹) غزوہ بدر میں جنگی قیدیوں سے سلوک کے بارے میں سرکار دوعالم ﷺ نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور اس میں تمام صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مسئلہ میں وہ اپنی رائے پیش کریں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے یوں پیش کی ''یارسول اللہ ﷺ ان سے فدیہ لیا جائے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فیصلہ کیا تھا تو وحی فاروق اعظمؓ کی رائے کے مطابق آئی اور فدیہ لینے پر وعید نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمرؓ اور سعد بن معاذؓ کے کوئی اور نجات نہ پاتا۔'' (۱۳۰)

کیونکہ حضرت سعدؓ نے بھی ان قیدیوں کے قتل کا اشارہ کیا تھا۔ (۱۳۱)

۱۳۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ (۱۳۲)

ترجمہ: ''اے محبوب فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔''

جو کچھ کل کام آئے گا وہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت ہے، احوال و مواجید، علوم و معارف، اشارات و رموز، اگر اس متابعت کے ساتھ جمع ہو جائیں تو فبہا، اور بہت اچھے ہیں، ورنہ استدراج اور خرابی کے سوا کچھ نہیں۔ تم پر حضور ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اختیار کرنا لازم ہے۔ قولاً، عملاً اور اعتقاداً حضور ﷺ کی شریعت کی مخالفت سے بچنا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی متابعت سراسر برکت ہے اور آپ کی مخالفت نحوست و بربادی ہے۔ (۱۳۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اور ان کو آزاد کر دیا جائے فدیہ سے جو سرمایہ اکٹھا ہو گا وہ مسلمانوں کیلئے تقویت کا باعث ہو گا اور اللہ کی رحمت سے کوئی بعید نہیں کہ ان میں سے کئی لوگ ایمان لے آئیں اور اپنی بہترین صلاحیتوں کے باعث امت کی تقویت کا باعث بنیں'' ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ''بخدا میں اس تجویز کو ہرگز پسند نہیں کرتا میری رائے ابوبکر کی رائے سے سراسر مختلف ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ہر قیدی کو اس کے مسلمان رشتہ دار کے حوالے کیا جائے اور ہمیں حکم دیا جائے کہ ہم اپنے رشتہ دار کافروں کی گردنیں اڑا دیں کیونکہ یہی لوگ کفر کے پیشوا اور اس کے سردار ہیں۔ آج اگر ان کو تہ تیغ کر دیا جائے تو آئندہ یہ اسلام کی ترقی میں مزاحم نہ ہو سکیں گے۔ ﴿محمد کرم شاہ، پیر۔ جلد سوم، ص: ۳۸۵﴾

(۱۳۰) رازی، محمد بن ضیاء الدین، مفاتیح الغیب، دار الفکر، بیروت ۱۳۹۸ھ، جلد ۴، ص: ۳۸۷

(۱۳۱) دفتر دوم، مکتوب: ۹۶

(۱۳۲) سورۃ آل عمران، آیت: ۳۱

(۱۳۳) دفتر اول، مکتوب ۱۸۵

یہ طے شدہ بات ہے کہ ہر وہ چیز جس میں محبوب کے اخلاق و عادات پائے جاتے ہوں، محبوب کے ساتھ وابستگی اور اسکے تابع ہونے کی وجہ سے محبوب اور پیاری ہوتی ہے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور پیروی میں کوشش کرنا بندے کو مقامِ محبوبیت تک لے جاتا ہے۔(۱۳۴)

اتباع رسول ﷺ کی برکات وثمرات کو بیان کرتے ہوئے آپ یوں رقمطراز ہیں:

''چونکہ سرورِ دو عالم ﷺ محبوب رب العالمین ہیں تو آپ کی متابعت کرنے والے بھی آپ کی متابعت کی برکت سے مرتبہ محبوبیت تک پہنچ جاتے ہیں۔''(۱۳۵)

آپ ﷺ کی اتباع کا ایک ذرہ تمام دنیوی لذتوں اور اخروی نعمتوں سے کئی درجہ بہتر ہے۔ فضیلت سنت بیضاء کی متابعت سے وابستہ ہے۔(۱۳۶)

''آنسرور علیہ وآلہ الصلوٰت والتسلیمات کی میراثِ صوری، عالمِ خلق سے تعلق رکھتی ہے اور میراثِ معنوی عالمِ امر سے۔ وہاں سب ایمان معرفت اور رشد و ہدایت ہے۔ میراثِ صوری کی نعمتِ عظمٰی کا شکر یہ ہے کہ میراثِ معنوی اور باطنی سے مزین و آراستہ ہوں اور میراثِ معنوی سے آراستگی کامل اتباعِ مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے بغیر نہیں آسکتی۔(۱۳۷)

اتباع کے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے سات درجات بیان کئے ہیں۔ ان درجات کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا درجہ عوام اہل اسلام کا ہے جو شریعت کے احکام اور سنت سنیہ کی متابعت سے وابستہ ہے۔ جبکہ اس کے ساتھ دل کی تصدیق تو ہو، لیکن اطمینانِ نفس ابھی حاصل نہ ہوا ہو۔ کیونکہ وہ درجہ ولایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور علماء ظاہر اور وہ عابد و زاہد لوگ جن کا معاملہ ابھی اطمینان نفس کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا سب اسی درجہ متابعت میں شریک ہیں اور اتباع کی ظاہری صورت کے حصول میں سب برابر ہیں۔ اور چونکہ نفس اس مقام میں کفر اور انکار سے آزاد نہیں ہوتا تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ صرف متابعت کی صورت

---

(۱۳۴) دفتر اول، مکتوب:۴۲

(۱۳۵) دفتر اول، مکتوب:۴۴

(۱۳۶) دفتر اول، مکتوب:۱۱۴

(۱۳۷) دفتر اول، مکتوب:۱۶۵

رکھتا ہے اور متابعت کی یہ صورت، حقیقی متابعت کی طرح آخرت کی کامیابی اور خلاصی کا ذریعہ ہے اور جہنم کے عذاب سے نجات اور جنت کے داخلہ کی بشارت دینے والی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی کمال بخشش سے نفس کے انکار کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ اور صرف دل کی تصدیق پر کفایت فرمائی ہے۔ اور نجات کا دارومدار اسی تصدیق پر رکھا ہے۔

میتوانی کہ دہی اشکِ مراحسنِ قبول

اے کہ دُر ساختہ قطرۂ بارانی را

اے وہ ذات کہ جس نے بارش کے ایک قطرے کو موتی بنا دیا تو یہ بھی کر سکتا ہے کہ میرے آنسو کے قطرے کو حسن قبول عطا فرمائے۔

متابعت کا دوسرا درجہ رسول اللہ ﷺ کے ان اقوال و اعمال کی اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں اخلاق کی تہذیب اور رذیل صفات کی مدافعت اور امراضِ باطنی اور معنوی بیماریوں کا ازالہ ہے۔ جو طریقت کے مقام سے متعلق ہیں اور اتباع کا یہ درجہ ان اربابِ سلوک کے ساتھ خاص ہے جنہوں نے صوفیہ کے طریقہ کو اپنے مقتدا شیخ سے اخذ کیا ہو۔ اور سیر الی اللہ کے صحراؤں اور بیابانوں کو قطع کر رہے ہوں۔

متابعت کا تیسرا درجہ آنحضرت ﷺ کے احوال، اذواق اور مواجید کی متابعت ہے۔ یہ درجہ ولایت خاصہ کے مقام سے تعلق رکھتا ہے اور یہ ان اربابِ ولایت کے لیئے خاص ہے جو مجذوب سالک ہوں یا سالک مجذوب۔

جب ولایت کا مرتبہ اپنی انتہاء کو پہنچ گیا تو نفسِ مطمئنہ ہو گیا اور سرکشی اور نافرمانی سے باز آ گیا اور انکار سے اقرار میں اور کفر سے اسلام میں آ جاتا ہے۔ اس کے بعد اب متابعت کی جو بھی کوشش کرے گا وہ حقیقی متابعت ہوگی۔ اگر نماز ادا کرے گا تو متابعت کی حقیقت بجا لائے گا اور اگر روزہ ہے تو اس کا بھی یہی حال ہوگا۔ اور اگر زکوۃ ہوگی تو وہ بھی اسی طریقہ پر ہوگی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ شریعت کے تمام احکام کی بجا آوری میں اتباع کی حقیقت موجود ہوگی۔

متابعت کا چوتھا درجہ وہ ہے جو پہلے درجہ میں تھا۔ پہلے درجہ میں اس کی صورت تھی اور اس درجہ میں اتباع کی حقیقت ہے اور یہ چوتھا درجہ اتباع علماء راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کے لیئے مخصوص ہے جو نفس کے

اطمینان کے بعد متابعت کی حقیقت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو ہرچند تمکینِ قلب کے بعد ایک طرح کا اطمینانِ نفس حاصل ہوتا ہے۔ لیکن نفس کو کمال درجہ کا اطمینان کمالاتِ نبوت کے حصول سے حاصل ہوتا ہے، جو بطریقِ وراثت علمائے راسخین کو حاصل ہوتے ہیں۔

پس علمائے راسخین بواسطۂ کمالِ اطمینانِ نفس شریعت کی حقیقت سے جو حقیقی اتباع ہے موصوف ہیں۔ اور دوسروں کو چونکہ کمالات حاصل نہیں ہوتے۔ لہٰذا کبھی تو وہ شریعت کی صورت سے موصوف ہوتے ہیں اور کبھی شریعت کی حقیقت سے متصف۔

علماء راسخین کی علامت بیان کر دیتا ہوں تا کہ ہر ظاہر دان عالمِ راسخ ہونے کا دعویٰ نہ کر سکے اور اپنے نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ نہ سمجھنے لگے۔ عالمِ راسخ وہ ہے جس کو کتاب و سنت کے متشابہات کی تاویل سے حصہ حاصل ہو۔ اور قرآن مجید کی سورتوں کے اوائل میں جو حروفِ مقطعات ہیں ان کے اسرار سے بہرہ ور ہو۔ اور متشابہات کی تاویل بہت ہی دقیق اسرار میں سے ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ تاویل ید ﴿ہاتھ﴾ کی تاویل، قدرت کی طرح ہے اور وجہ ﴿چہرہ﴾ کی تاویل، ذات کی طرح کیونکہ یہ تاویلیں تو ظاہری علوم سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان اسرار کے اصل مالک تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں اور یہ رموز انہی کے معاملات کی طرف اشارہ ہیں۔ اور یا پھر وہ لوگ ہیں جن کو تبعیت اور وراثت کے طور پر اس دولتِ عظمیٰ سے سرفراز کیا جائے۔

اور اس درجۂ متابعت کا حصول جو کہ اطمینانِ نفس اور صاحبِ شریعت علیہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی حقیقت کو پا لینے سے تعلق رکھتی ہے۔ کبھی تو بغیر وسیلۂ فناء و بقاء اور بغیر سلوک و جذبہ کے ہو جاتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ احوال و مواجید اور تجلیات و ظہورات کی قسم کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی درمیان میں نہ آئے اور یہ دولت حاصل ہو جائے۔ لیکن اس دولت تک ولایت کی راہ سے پہنچنا بہت زیادہ قریب ہے بہ نسبت اس کے جو دوسری راہ سے پہنچے۔ اور وہ دوسری راہ اس فقیر کے خیال میں سنتِ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتباع کا التزام اور بدعت کے نام و نشان سے بھی پرہیز کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور بدعت حسنہ سے بھی، جب تک بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کرے گا اس دولت کی خوشبو بھی اس کی جان کے دل و دماغ میں نہ پہنچے گی۔

متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت ﷺ کے کمالات کی اتباع کا ہے کہ ان کمالات کے حصول میں

علم اور عمل کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے وابستہ ہے۔ اور یہ نہایت ہی بلند مقام ہے۔ پہلے ذکر شدہ مراتب کو اس مرتبہ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

اصل میں یہ کمالات اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جن کو تبعیت و وراثت کے طور اس دولت سے مشرف فرمادیں۔

اور متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کی اتباع کا ہے جو آنحضرت ﷺ کے مقامِ محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح درجۂ پنجم میں کمالات کا فیضان محض فضل اور احسان سے تھا اسی طرح اس چھٹے درجہ میں آنحضرت کے کمالات کا فیضان صرف محبت سے ہے جو کہ پہلے فضل اور احسان سے بلند ہے۔ اور متابعت کا یہ درجہ بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

پہلے درجہ کو چھوڑ کر متابعت کے باقی پانچ درجے سب کے سب عروج کے مقامات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا عروج متابعت سے وابستہ ہے۔

متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول و ہبوط سے تعلق رکھتا ہے اور متابعت کا یہ ساتواں درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے۔ اس لیئے کہ اس مقام نزول میں تصدیقِ قلب اور اطمینانِ نفس بھی ہے اور جسم کے عناصر اربعہ کا اعتدال بھی اس میں ہے کہ وہ سرکشی اور نافرمانی سے باز آجاتے ہیں یوں سمجھیں کہ پہلے درجات میں اس متابعت کے اجزاء تھے اور یہ درجہ ان کے لحاظ سے کل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس مقام میں پہنچ کر تابع اپنے متبوع سے اس طرح کی مشابہت پیدا کر لیتا ہے کہ گویا پیروی ﴿تبعیّت﴾ کا نام درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ اور تابع اور متبوع کا امتیاز دور ہو جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تابع اپنے متبوع کی طرح جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے وہ اصل سے براہِ راست حاصل کرتا ہے۔ گویا دونوں ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں اور دونوں ایک ہی پہلو کی آغوش میں ہیں اور دونوں ایک ہی بستر میں ہیں اور دونوں شیر و شکر کی طرح ملے ہوئے ہیں۔ تابع کہاں ہے اور متبوع کون؟ اور تبعیّت کیسی؟ اتحادِ نسبت میں تغایرِ نسبت کی کوئی گنجائش نہیں۔

عجب معاملہ ہے کہ اس مقام کا جتنا بھی گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تبعیت کی نسبت بالکل معلوم نہیں ہوتی اور تابعیت اور متبوعیت کا کوئی امتیاز نظر نہیں آتا۔ بس اتنا ہے کہ تابع اپنے آپ کو طفیلی سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو نبی کے کمالات کا وارث جانتا ہے۔ ﴿علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام﴾ یہ تو یقینی بات ہے کہ

تابع اور ہوتا ہے اور طفیلی اور وارث اور۔ ہر چند کہ یہ سب بظاہر تابع کی قطار میں نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ تابع میں متبوع کا حیلولۃ ﴿حائل ہونا﴾ درکار ہے اور طفیلی اور وارث کے لیے متبوع کا حائل ہونا درکار نہیں ہے۔ تابع اپنے متبوع کا بچا کھچا کھانا کھاتا ہے اور طفیلی ضمنی طور پر ساتھ بیٹھ کر کھانے والا ہے۔(۱۳۸)

سلسلہ نقشبندیہ کی فضیلت بھی اتباع رسول ﷺ کی بناء پر ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''اور اس طریق ﴿سلسلہ نقشبندیہ﴾ کی منزلوں کو طے کرنا صاحبِ شریعت ﷺ کی مکمل پیروی کے بغیر میسر نہیں ہوتا۔ برخلاف دوسرے سلسلوں اور طریقوں کے کہ کسی قدر پیروی کے ساتھ یہ لوگ ریاضتوں اور مجاہدوں کی مدد سے انقطاع کے مقام تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس دعویٰ کیلئے ذلیل کی ضرورت ہے اور دلیل یہ ہے کہ یہ بزرگ محض جذبہ کی مدد سے راہ کو طے کرتے ہیں اور دوسرے طریقوں میں پُر مشقت ریاضتوں اور شدید مجاہدوں کے ذریعے منازل قطع کرتے ہیں۔ اور جذبہ محبوبیت کی صفت کو چاہتا ہے جب تک آدمی محبوب نہ بن جائے اسے جذب نہیں کہتے اور محبوبیت کی حقیقت محبوب رب العالمین ﷺ کی متابعت اور پیروی سے وابستہ ہے۔ آیہ کریمہ

فَاتَّبِعُونِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔

اسی مضمون پر شاہد ہے۔ لہٰذا جس قدر متابعت کامل تر ہوگی اسی قدر جذبہ زیادہ ہوگا اور جس قدر جذبہ زیادہ ہوگا اسی قدر منازل کو قطع کرنا آسان تر اور تیز تر ہوگا۔ لہٰذا کامل متابعت اور پیروی ان بزرگوں کے طریقہ کی شرط ہے۔''(۱۳۹﴾

اتباع رسول ﷺ کی اہمیت و فضیلت بیان کرتے ہوئے اپنے ذاتی افعال کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''یہ فقیر کبھی تو نماز وتر شروع رات میں ادا کر لیتا تھا اور کبھی آخری رات میں ادا کرتا تھا۔ کارکنان

(۱۳۸) دفتر دوم، مکتوب:۵۴- اتباع کے موضوع پر ان مکتوبات میں بھی آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ دفتر اول، مکتوب:۹، ۷۵، ۷۷، ۲۵۶

(۱۳۹) معارف لدنیہ ص:۱۸۱

﴿قضا وقدر﴾ نے ایک رات مجھے دکھایا کہ نماز وتر کو دیر سے ادا کرنے کی صورت میں جب نمازی سو جاتا ہے اور اسکی نیت یہ ہوتی ہے کہ رات کے آخری حصہ میں وتر کی نماز ادا کریگا تو اس کے نیک اعمال کو لکھنے والے فرشتے وتر کی نماز ادا کرنے کے وقت تک تمام رات نیکیاں اس کے نام لکھتے رہتے ہیں۔ پس جس قدر بھی وتر کی نماز کو تاخیر سے ادا کریگا بہتر ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود اس فقیر کو تو وتر کی تعجیل اور تاخیر میں بجز سیّد البشر کی پیروی کے اور کوئی چیز منظور نہیں ہے اور یہ فقیر کسی فضیلت کو بھی پیروی کے برابر نہیں سمجھتا۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ وتر کی نماز کبھی اول شب میں ادا فرمالیا کرتے تھے اور کبھی آخر شب میں۔ یہ فقیر اپنی سعادت اسی میں سمجھتا ہے کہ کسی بات میں آنحضرت ﷺ کا تشبہ حاصل ہو جائے۔ اگرچہ یہ تشبہ صرف صورت کے طور پر ہی ہو۔ لوگ بعض سنتوں کے سلسلہ میں شب بیداری کی نیت اور اس جیسی باتوں کو دخل دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی کوتاہ اندیشی سے تعجب ہوتا ہے۔ ہم تو ہزار شب بیداریوں کو بھی پیروی رسول ﷺ کے نصف دانۂ جو کے عوض نہ خریدیں۔''

ماہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کیلئے بیٹھے دوستوں کو جمع کر کے ہم نے کہا کہ وہ رسول ﷺ کی پیروی کے سوا کوئی دوسری نیت نہ کریں کیونکہ ہمارا تبتل اور انقطاع کیا ہوسکتا ہے ہمیں حضور انور ﷺ کی ایک پیروی حاصل ہو جائے تو ہم سو گرفتاریاں قبول کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن حضور ﷺ کی پیروی کے وسیلے کے بغیر ہمیں ہزار تبتل اور انقطاع قبول نہیں۔ (۱۴۰)

۱۴۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (۱۴۱)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ تم سے پابندیوں کا بوجھ ہلکا کرے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ نے بندوں کو ان کی طاقت اور استطاعت کے مطابق مکلّف بنایا ہے اور ان کے ضعفِ خلقت کے باعث تکلیف میں ان کیلئے آسانی رکھی ہے۔

اللہ کی طرف سے بندوں کیلئے آسانی کیوں نہ ہو حالانکہ وہ ذات سبحانہ حکیم، رؤف اور رحیم ہے۔ اس کی حکمت، نرمی اور رحمت کے یہ لائق نہیں کہ بندے کو اس امر کی تکلیف دے جو اس کی استطاعت سے باہر ہو۔ چنانچہ اس نے کسی انسان کو بہت بڑی چٹان اٹھانے کی تکلیف نہیں دی جس کے اٹھانے پر بندہ قادر

---

(۱۴۰) مبدأ و معاد ص: ۱۷۸-۱۷۹

﴿۱۴۱﴾ سورۃ النساء آیت: ۲۸

نہیں بلکہ ایسے امور کی تکلیف دی جو بندے کیلئے بہت آسان ہیں۔ جیسے نماز۔ جو قیام، رکوع، سجود اور آسان قراءت پر مشتمل ہے اور یہ سب نہایت ہی آسان کام ہیں۔ اسی طرح روزوں میں بھی بہت سہولت ہے اور زکوٰۃ کی بھی یہی نوعیت ہے۔ چنانچہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے سارا یا نصف مال دینا لازم نہیں کیا گیا تاکہ بندوں کو گراں اور بھاری محسوس نہ ہو۔

یہ بھی اللہ کی کمال کرم نوازی ہے کہ ہر مامور بہ کا اس کے ادا نہ ہونے کی صورت میں بدل اور عوض مقرر کر دیا۔ چنانچہ وضوؑ کی بجائے تیمّم جائز قرار دیا گیا۔ اسی طرح یہ حکم بھی دیا کہ جو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہو بیٹھ کر ادا کرلے اور جو بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو لیٹ کر نماز ادا کرلے اور جو رکوع وسجود پر قدرت نہ رکھتا ہو اشارہ سے نماز ادا کرلے۔ وغیر ذالك ۔

جیسا کہ نظرِ انصاف واعتبار سے احکام شرعیہ کو دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں۔ ایسا شخص دیکھے گا کہ تمام تکلیفاتِ شرعیہ میں نہایت آسانی اور سہولت ہے۔ تکلیفاتِ شرعیہ کے آسان ہونے کی گواہی اس سے ملتی ہے کہ عوام زیادہ تکلیفاتِ شرعیہ کی آرزو کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض یہ آرزو رکھتے ہیں کہ فرض روزے ایک ماہ سے زائد ہونے چاہییں اور بعض فرض نمازوں کے زیادہ ہونے کے آرزومند ہیں، علیٰ ھذا القیاس اور اس تمنا کی وجہ صرف یہی ہے کہ احکامِ شرعیہ میں نہایت آسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

جو لوگ احکام شرعیہ ادا کرنے میں تنگی محسوس کرتے ہیں، اسکا سبب اور علاج تحریر فرماتے ہوئے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بعض حضرات کو احکام شرعیہ کی ادائیگی میں آسانی کا محسوس نہ ہونا انکی نفسانی تاریکیوں اور طبعی میل کچیل کی وجہ سے ہے۔ نیز نفس امارہ کی خواہش کی وجہ سے جو خدا تعالیٰ سبحانہ کی عداوت میں ہر وقت ڈٹا رہتا ہے۔ فرماتا ہے:

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ(۱۴۲)

ترجمہ: ''مشرکین پر وہ بات بہت گراں گزرتی ہے۔ جسکی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں۔''

اور فرماتا ہے:

﴿۱۴۲﴾ سورۃ الشوریٰ آیت: ۱۳

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ ۔(۱۴۳)

ترجمہ: ''اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے۔مگر عاجزی کرنیوالوں پر بھاری نہیں۔''

تو خواہش نفس اور متابعتِ شریعت ایک دوسرے کے مقابل ہیں لہٰذا احکامِ شرعیہ کے بجالانے میں مشکل اور تنگی محسوس کرنا خواہشِ نفس کے موجود ہونے کی دلیل ہے تو جس قدر شرع پر عمل مشکل محسوس ہو گا اتنی ہی مقدار میں خواہش بھی موجود ہوگی۔جس وقت خواہشِ نفس بالکل مٹ جائیگی مشکل اور تنگی بھی بالکل ختم ہوجائیگی۔(۱۴۴)

۱۵۔مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔(۱۴۵)

ترجمہ: ''جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

پس رسول کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت نہ کرنا خدا تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی ہے۔جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے خلاف اور الگ کوئی چیز تصور کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان کے حال کی قرآن مجید میں خبر دیتا ہے اور ان پر کفر کا حکم لگاتا ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا (۱۴۶)

ترجمہ: اور وہ چاہتے ہیں فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ چاہتے ہیں کہ بین بین کا کوئی راستہ بنالیں۔درحقیقت وہی لوگ پکے کافر ہیں۔(۱۴۷)

اس مضمون ﴿یعنی اطاعتِ رسول عین اطاعتِ حق سبحانہ وتعالیٰ ہے﴾ کی تاکید و تحقیق کیلئے

﴿۱۴۳﴾ سورۃ البقرۃ آیت:۴۵

﴿۱۴۴﴾ دفتر اول، مکتوب:۲۸۹

﴿۱۴۵﴾ سورۃ النساء آیت:۸۰

﴿۱۴۶﴾ سورۃ النساء آیت:۱۵۱،۱۵۰

﴿۱۴۷﴾ دفتر اول، مکتوب:۸۰

"قَدْ" تاکید یہ لایا گیا ہے تاکہ کوئی نادان ان دو اطاعتوں میں فرق نہ کرے۔

بعض مشائخ کبار قدست اسرارھم نے سکر اور غلبۂ حال کے باعث ایسی باتیں کہیں جن سے ان دو اطاعتوں میں فرق کا اظہار ہوتا ہے اور ایک کے مقابلہ میں دوسرے کی محبت کی پسندیدگی مترشح ہوتی ہے۔

منقول ہے کہ سلطان محمود غزنویؒ اپنی بادشاہت کے ایام میں خرقان کے قریب فروکش تھا۔ اس نے وہاں سے اپنے وکلاء کو شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا اور التماس کی کہ حضرتِ شیخ، بادشاہ کی ملاقات کیلئے تشریف لائیں اور اپنے وکلاء سے کہہ دیا کہ اگر شیخ کی طرف سے آنے میں توقف محسوس کریں تو آیۂ کریمہ

۱۴۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔(۱۴۸)

پڑھیں جب وکلاء نے شیخ کی طرف سے ملاقات کیلئے جانے میں توقف محسوس کیا تو مذکورہ آیتِ کریمہ تلاوت کی۔ شیخ نے جواب میں فرمایا میں اَطِیْعُوا اللّٰہَ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے شرمندہ ہوں۔ اُولِی الْاَمْر کی اطاعت کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔ حضرتِ شیخ نے حق سبحانہ کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کا غیر تصور کیا یہ بات استقامت سے دور ہے۔ مستقیم الاحوال مشائخ اس طرح کے کلمات زبان پر نہیں لاتے اور شریعت، طریقت اور حقیقت کے تمام مراتب میں حق تعالیٰ کی اطاعت اس کے رسول کی اطاعت میں جانتے ہیں۔(۱۴۹)

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا ۔(۱۵۰)

ترجمہ: "بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں امانت والوں کو دے دو۔"

اس آیت کی صوفیانہ تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد رحمۃ اللہ لکھتے ہیں:

صوفیہ نے اپنے کمالات کو اللہ تعالیٰ کے کمالات کا ظل پایا ہے۔ وجود اور وجود کے تمام توابع کو اسکے کمالات کے عکوس جانا ہے تو لازماً اپنے آپ کو انہوں نے اسکے کمالات کے امانتدار کی حیثیت سے

﴿۱۴۸﴾ سورۃ النساء آیت: ۵۹

﴿۱۴۹﴾ دفتر اول، مکتوب: ۱۵۲

﴿۱۵۰﴾ سورۃ النساء آیت: ۵۸

زیادہ نہیں دیکھا اور سوائے ان کمالات کے آئینہ ہونے کے اپنے آپ کو کچھ نہیں پایا اس امانت کو اسکے اہل کے سپرد کرتے ہیں اور ان کمالات کو پورے ذوق سے اصل کو دے دیتے ہیں اور اپنے آپ کو معدوم پاتے ہیں۔(۱۵۱)

۱۷۔اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ ۔(۱۵۲)

ترجمہ: بے شک اللہ کریم معاف نہیں فرماتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔

آیت کا اصلی مطلب تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے البتہ احتمال ہے کہ اسکا معنی یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا کہ اسکی شریعتوں کا التزام نہ کیا جائے۔ کیونکہ شریعت کا التزام نہ کرنا شرک کو لازم ہے پس ملزوم کا ذکر کر کے لازم کا ارادہ کیا۔اب وہ اعتراض رفع ہو جائیگا جو خیال میں آتا ہے کہ جیسے شرک نہیں بخشا جاتا ویسے ہی تمام شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جاتا تو پھر تخصیص کی کیا وجہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ "اس کے ساتھ شرک کیا جائے" کا معنی یہ ہو کہ اسکی شریعت کا انکار کیا جائے اس لئے کہ شریعت کا انکار اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے تو وہ بھی نہیں بخشا جائیگا۔شرک اور کفر میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے۔پس شرک ایک خاص قسم کا کفر ہے۔پس اللہ تعالیٰ نے خاص کا ذکر کیا اور عام مراد لیا۔تو اب وہ اعتراض رفع ہو گیا جو وہم میں آتا تھا کہ جیسے شرک نہیں بخشا جاتا ویسے ہی ساری شریعتوں کا انکار بھی نہیں بخشا جاتا۔"(۱۵۳)

اس آیت کریمہ کے ایک دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اہل کفر کیلئے عفو اور مغفرت نہیں۔اگر کافر محض ہے تو عذابِ ابدی اسکے کفر کی جزاء ہے۔اور اگر ذرہ بھر ایمان رکھتا ہے تو اسکی جزاء دوزخ کا عذابِ موقت ہے۔اسکے تمام کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں چاہے تو ان کو بخش دے اور چاہے عذاب دے۔فقیر کے نزدیک دوزخ کا عذاب خواہ موقت ہو، خواہ دائمی، کفر اور صفاتِ کفر کے ساتھ مخصوص ہے۔وہ اہل کبائر جن کے گناہ توبہ یا شفاعت یا صرف عفو و احسان کی وجہ سے بخشے نہیں گئے یا جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دنیا کے رنج، تکلیفوں، موت کی سکرات اور سختیوں کے ساتھ نہیں ہوا امید ہے کہ ان کے عذاب میں بعض کو عذابِ قبر کافی ہوگا اور بعض کو قبر کی تکلیفوں کے علاوہ

﴿۱۵۱﴾ دفتر سوم، مکتوب:۸۹

﴿۱۵۲﴾ سورۃ النساء،۱۱۶

﴿۱۵۳﴾ دفتر سوم، مکتوب:۳

قیامت کی سختیوں اور ہول کے ساتھ کفایت کریں گے اور ان کے گناہوں میں سے کوئی ایسا گناہ باقی نہ چھوڑیں گے جس کے لئے عذابِ دوزخ کی ضرورت پڑے۔ آیت کریمہ

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ (۱۵۴)

ترجمہ: جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے نہ ملایا انہیں کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

اسی مضمون کی مؤید ہے کیونکہ ظلم سے مراد شرک ہے۔

اگر کہیں کہ کفر کے سوا بعض اور برائیوں کے جزاء بھی دوزخ کا عذاب ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَاءُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِداً فِيْهَا ۔(۱۵۵)

ترجمہ: جو کسی مومن کو عمداً قتل کرتا ہے۔ پس اسکی جزاء جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

اور اخبار میں بھی آیا ہے جو شخص ایک نمازِ فریضہ کو عمداً قضاء کریگا اسکو ایک حقبہ دوزخ میں عذاب دیں گے۔ پس دوزخ کا عذاب صرف کفار کے ساتھ مخصوص نہ رہا۔

میں کہتا ہوں کہ قتل کا یہ عذاب اس شخص کیلئے ہے جو قتل کو حلال جانے کیونکہ قتل کو حلال جاننے والا کافر ہے، جیسے مفسرین (۱۵۶) نے ذکر کیا ہے اور کفر کے سوا اور برائیاں جن کیلئے دوزخ کا عذاب آیا ہے وہ بھی صفاتِ کفر کی آمیزش سے خالی نہ ہونگی۔ جیسے اس برائی کو خفیف سمجھنا اس کو بجالاتے وقت لاپرواہی کرنا اور شریعت کے امر و نہی کو حقیر سمجھنا۔ (۱۵۷)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی تحقیق کے مطابق دارحرب کے مشرکین کے اطفال کو قیامت کے دن محاسبہ کے بعد معدوم کر دیا جائیگا۔ اس مؤقف کی دلیل بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

بہشت میں داخل ہونا ایمان سے وابستہ ہے خواہ ایمان اصالت کے طور پر ہو یا تبعیت کے طور پر

﴿۱۵۴﴾ سورۃ الانعام آیت: ۸۲

﴿۱۵۵﴾ سورۃ النساء آیت: ۹۳

﴿۱۵۶﴾ انوار التنزیل و اسرار التاویل، ج: ۳ ص: ۱۷

﴿۱۵۷﴾ دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

اگرچہ تبعیت دارِاسلام میں ہوتی ہے جیسے اہل ذمہ کے بچوں کیلئے۔ لیکن ان میں ایمان مطلقاً مفقود ہے۔ پس بہشت میں ان کا داخل ہونا متصور نہیں اور دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں ہمیشہ رہنا عقل وبلوغ کی بنا پر ذمہ داری ثابت ہونے کے بعد شرک پر منحصر ہے۔ اور یہ بھی ان میں مفقود ہے۔ پس ان کا حکم حیوانوں کا سا ہے کہ بعث ونشور کے بعد حساب کیلئے کھڑا کریں گے اور ان سے ایک دوسرے کے حقوق کا بدلہ دلوانے کے بعد ان کو معدوم اور نیست ونابود کر دیں گے۔ اور ان مشرکوں کے حق میں بھی جو پیغمبروں کی فترت کے زمانہ ﴿دو پیغمبروں کا درمیانی زمانہ﴾ میں ہوئے ہیں اور جن کو کسی پیغمبر کی دعوت نہیں نصیب ہوئی یہ حکم ہے۔(۱۵۸)

۱۸۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً ۔(۱۵۹)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین پسند کر لیا۔

سورۂ مائدہ کی اس آیتِ کریمہ کے حوالے سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے وضاحت فرمائی ہے کہ بدعات کا دین میں کوئی دخل نہیں۔ ہر کام سنتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہو، یہی دین کی اکملیت وکاملیت ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"بعض لوگ ان محدثات کو امورِ مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور ملت کی تتمیم ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کے بجالانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کو سیدھے رستے کی ہدایت دے۔ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا، نعمت تمام ہو چکی اور حق تعالیٰ کی رضامندی اس دین کو حاصل ہو چکی۔ پس ان محدثات سے دین کا کمال طلب کرنا حقیقت میں اس آیتِ کریمہ کے مفہوم کا انکار ہے۔ علمائے مجتہدین نے احکامِ دین کو ظاہر کیا ہے از سرِنو کسی ایسے امر کو ایجاد نہیں کیا جو دین میں سے نہیں ہے۔ پس احکامِ اجتہادیہ، امورِ محدثہ میں سے نہیں بلکہ اصول

﴿۱۵۸﴾ دفتر اول، مکتوب:۲۵۹

﴿۱۵۹﴾ سورۃ المائدۃ آیت:۳

دین میں سے ہیں۔"(۱۶۰)

۱۹۔قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْر" ۔(۱۶۱)

ترجمہ:"بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا۔"

اگر نور سے مراد قرآن ہو تو ہو سکتا ہے وہ باعتبار تنزیل ہو جیسا کہ کلمہ "قَدْ جَآءَ كُمْ" اس طرف اشارہ کرتا ہے۔(۱۶۲)

۲۰۔وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ۔(۱۶۳)

ترجمہ:"اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔"

ولایتِ خاصہ حاصل ہونے کے بعد وصول کی منازل بھی اعمال شریعت سے منسلک ہیں۔اس راہ میں ماموراتِ شرعیہ کو بجالانا اور ممنوعات سے اجتناب ضروری ہے۔اس حوالہ سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"ذکر الٰہی جل شانہ جو اس راہ میں عمدہ چیز ہے۔ماموراتِ شرعیہ میں سے ہے۔ممنوعات شرعیہ سے اجتناب بھی اس راہ کی ضروریات سے ہے اور ادائے فرض اللہ کے نزدیک کرنے والی چیز ہے۔پیر راہ بین اور رہنما جو وسیلہ اور ذریعہ بنے،بھی مامور شرعی ہے۔"(۱۶۴)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے نزدیک وسیلہ سے مراد مرشد ہے۔(۱۶۵)

۲۱۔وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔(۱۶۶)

ترجمہ:اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائیگا۔

﴿۱۶۰﴾ دفتر اول،مکتوب:۲۶۰

﴿۱۶۱﴾ سورۃ المائدۃ آیت:۱۵

﴿۱۶۲﴾ دفتر سوم،مکتوب:۷۷

﴿۱۶۳﴾ سورۃ المائدہ آیت:۳۵

﴿۱۶۴﴾ دفتر دوم،مکتوب:۵۰

﴿۱۶۵﴾ شاہ اسماعیل دہلوی نے بھی وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے۔صراط مستقیم،ادارہ نشریاتِ اسلام لاہور ص:۶۹

﴿۱۶۶﴾ سورۃ المائدہ آیت:۶۷

اور رسول کریم ﷺ کبھی اپنے دشمنوں سے نہ بھاگے اگر چہ بہت زیادہ خوف کا مقام ہوتا، مثلاً احد اور احزاب کے دن، یہ آپ کے دل کے قوی ہونے اور باطن کی قوت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر آپ کو اللہ کی پناہ اور حفاظت پر اعتماد نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے اسکا وعدہ کیا تھا تو عادتاً یہ ممتنع ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کا حال نہیں بدلا اگر چہ مختلف حالات پیش آئے۔(۱۶۷)

۲۲۔ لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۔(۱۶۸)

ترجمہ: ''اسے نگاہیں نہیں پاسکتیں اور سب نگاہیں اس کی نظر میں ہیں۔ اور وہ بڑا باریک بین اور پوری طرح باخبر ہے۔''

حضرت ذات تعالیٰ و تقدس میں جس طرح وحدتِ محضہ ہے فراخی اور کشادگی بھی ہے لیکن وہ وحدت محضہ اور وسعت نہیں جو ہمارے فہم میں آسکتی ہے اور نہ ہی وہ اجمال و تفصیل ہمارے ادراک میں آسکتا ہے۔ بساطت و وسعت جو حضرت ذات تعالیٰ میں ہم ثابت کرتے ہیں وہ ایک دوسرے سے جدا ہیں، ایک دوسرے کا عین نہیں ہیں۔ جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے لیکن ان دونوں کے درمیان فرق و امتیاز جو ان کے اندر اس مرتبہ میں ثابت ہے ہمارے احاطۂ ادراک سے خارج اور ہمارے افہام کے دائرہ سے باہر ہے۔(۱۶۹)

۲۳۔ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ۔(۱۷۰)

ترجمہ: بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے، سو اسکی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی ملت کو صراط مستقیم فرمایا۔ آپ کی ملت کے سوا دوسرے تمام رستوں کو سبل ﴿مختلف رستے﴾ قرار دیا، ان کی اتباع اور پیروی سے منع فرمایا۔ خود حضور ﷺ نے اظہار شکر اور مخلوق کو بتانے اور ان کی ہدایت کیلئے فرمایا:

﴿۱۶۷﴾ اثبات النبوۃ ص:۱۰۹

﴿۱۶۸﴾ سورۃ الانعام آیت:۱۰۳

﴿۱۶۹﴾ دفتر دوم، مکتوب:۶

﴿۱۷۰﴾ سورۃ الانعام آیت:۱۵۳

خَيْرُ الْهُدٰى هَدْىُ مُحَمَّدٍ ۔(۱۷۱) بہترین سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے۔
آپ نے یہ بھی فرمایا:
اَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَادِيْبِي (۱۷۲) مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور بہت ہی اچھا سکھایا۔(۱۷۳)

۲۴۔خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ۔(۱۷۴)
ترجمہ:''نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔''
عند کل مسجد کی تفسیر کیلئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے مفسرین کا یہ قول نقل کیا ہے۔
ای عند کل صلوۃ ۔(۱۷۵)
یعنی ہر نماز کے وقت۔
اس آیت میں لفظ زینت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:
''لذیذ کھانوں اور نفیس ملبوسات میں حظ نفس ملحوظ خاطر نہیں ہونا چاہیے اور نفیس لباس حکمِ ربی کہ زینت اختیار کرو کے تحت پہننا روا ہے۔اور کوئی نیت نہیں ہونی چاہیے۔(۱۷۶)
ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:
لباس پہننے میں عبادت کیلئے اور نماز کی ادائیگی کیلئے زینت کی نیت ہو۔نفیس لباس پہننے میں لوگوں کا دکھلاوا مقصود نہ ہو کیونکہ وہ منع ہے۔(۱۷۷)

﴿۱۷۱﴾ صحیح مسلم ج:۲ص:۱۱

﴿۱۷۲﴾ کنز العمال ج:۱۱ص:۴۰۶/ علامہ سیوطی نے اسے صحیح کہا،فیض القدیر شرح الجامع الصغیر جلد اول ص:۲۲۴ لیکن امام سخاوی لکھتے ہیں سندہ ضعیف جدا،المقاصد الحسنۃ،شمس الدین سخاوی ص:۵۲،ناصر الدین البانی کہتے ہیں کہ اسکی اسناد ثابت نہیں لیکن مفہوم صحیح ہے۔سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ جلد اول ص:۱۰۲

﴿۱۷۳﴾ دفتر اول،مکتوب ۱۴۱

﴿۱۷۴﴾ سورۃ الاعراف:۳۱

﴿۱۷۵﴾ الکشاف جلد دوم ص:۱۰۰/انوار التنزیل واسرار التاویل جلد سوم ص:۱۷

﴿۱۷۶﴾ دفتر اول،مکتوب:۷۰

﴿۱۷۷﴾ دفتر سوم،مکتوب:۱۷

۲۵۔رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ ۔(۱۷۸)

ترجمہ:''یقیناً میری رحمت ہر چیز کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔''

اس آیت سے محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کیا ہے کہ قیامت کے دن کفار کو بھی رحمتِ الٰہی سے حصہ ملے گا۔جہنم کی آگ ان کے لئے ایسے ہی ٹھنڈی ہو جائیگی جیسے ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی۔حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اس قول کا رد فرماتے ہیں:

''﴿صاحبِ فصوص﴾ اس مسئلہ میں بھی صواب سے دور جا پڑے انہوں نے نہ جانا کہ مومنوں اور کافروں کے حق میں رحمت کا وسیع ہونا صرف دنیا ہی سے مخصوص ہے اور آخرت میں کافروں کو رحمت کی بو بھی نہ پہنچے گی۔جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (۱۷۹)

ترجمہ:بلاشبہ کافروں کے علاوہ رحمت الٰہی سے کوئی مایوس نہیں ہوتا۔

اور رحمتی وسعت کل شیءٍ کے بعد قران مجید میں ہے۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ(۱۸۰)

ترجمہ:سو میں اپنی ﴿رحمت﴾ ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں،زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں۔

شیخ نے آیت کے اوّل حصہ کو پڑھا ہے اور آخر حصہ پر عمل نہیں کیا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۸۱)

ترجمہ:بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔

اور آیت کریمہ

﴿۱۷۸﴾ سورۃ الاعراف:۱۵۶

﴿۱۷۹﴾ سورۃ یوسف:۸۷

﴿۱۸۰﴾ سورۃ الاعراف:۱۵۶

﴿۱۸۱﴾ سورۃ الاعراف:۵۶

فَلَاتَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۔(۱۸۲)

ترجمہ: تم ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے کئے گئے وعدوں کے خلاف کرے گا۔

یہ آیت خلف وعدہ کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ ممکن ہے اس جگہ وعدہ خلافی کے نہ ہونے کا اقتصار وانحصار اس سبب سے ہو کہ وعدہ سے اس جگہ مراد رسولوں کی نصرت و فتح اور کفار پر ان کا غلبہ ہے اور یہ بات، وعدہ و وعید دونوں کو متضمن ہے۔ یعنی رسولوں کیلئے وعدہ ہے اور کفار کیلئے وعید۔ تو گویا اس آیت میں خُلفِ وعدہ کی بھی اور خلفِ وعید کی بھی نفی ہے۔ تو آیت مذکور شیخ کے خلاف ہے، اسکی مؤید نہیں۔ نیز وعید کے خلاف ہونا، وعدہ کے خلاف ہونے کی طرح کذب کو مستلزم ہے اور یہ بات حق تعالیٰ کی بلند بارگاہ کے مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ نے ازل میں جان لیا تھا کہ کفار کو ہمیشہ کا عذاب نہ دوں گا اور پھر باوجود اس کے کسی مصلحت کی خاطر اپنے علم کے خلاف کہہ دیا کہ ان کو ہمیشہ کا عذاب کروں گا، اس امر کا تجویز کرنا نہایت ہی برا ہے۔ (۱۸۳)

دوسرے مقام پر آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دنیا جو آزمائش و ابتلاء کا مقام ہے، میں دوست و دشمن ملا جلا دیا گیا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کیا گیا ہے۔ درج بالا آیت اس مضمون کو ظاہر کرتی ہے اور قیامت کے دن دشمن کو دوست سے جدا کر دیں گے۔

آیت کریمہ، وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۔(۱۸۴)

''آج کے دن مجرمو الگ ہو جاؤ۔''

اس بات کی خبر دیتی ہے۔

اس وقت رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام نکلے گا اور دشمنوں کو محروم مطلق اور واضح طور پر ملعون قرار دیں گے۔

آیت کریمہ، فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا

﴿۱۸۲﴾ سورۃ ابراہیم: ۴۷

﴿۱۸۳﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۶۶

﴿۱۸۴﴾ سورۃ یٰسین: ۵۹

يُؤْمِنُوْنَ ۔(۱۸۵)

ترجمہ: ''تو اسے میں ان لوگوں کیلئے لکھوں گا جو پرہیز گار ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔''

اس معنی کی شاہد و گواہ ہے۔یعنی میں اپنی رحمت ثابت کردوں گا ان لوگوں کیلئے جو کفر و معاصی سے پرہیز کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ نے کرم و رحمت کو آخرت میں ابرار اور نیک اہل اسلام کیلئے مخصوص کر دیا ہے۔ہاں عام اہل اسلام کو بھی اگر خاتمہ اچھا ہوا تو رحمت سے حصہ ملے گا۔اگرچہ زمانہ دراز کے بعد عذابِ دوزخ سے نجات پائیں گے لیکن گناہوں کی تاریکی اور آسمان سے نازل شدہ احکامِ خداوندی سے لاپروائی کرنے والا کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ دنیا سے نورِ ایمان کو سلامتی کے ساتھ لے جائیگا۔ علمائے دین نے فرمایا ہے کہ گناہِ صغیرہ پر اصرار گناہ کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور گناہِ کبیرہ پر اصرار کفر تک لے جاتا ہے۔(۱۸۶)

۲۶۔اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۔(۱۸۷)

ترجمہ: کیا میں تمہارا رب نہیں؟

میثاق کے روز جو ذرات آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکالے گئے تھے انہوں نے اللہ کا قول بے واسطہ اچھی طرح سنا اور پورے کے پورے ذرے نے بَلٰی کا جواب دیا وہ سب کان تھے اور سب زبان تھے کیونکہ اگر کان زبان سے الگ ہوتا تو بے چوں کے کلام کا سماع حاصل نہ ہوتا اور مرتبۂ بے چون کے تعلق کے لائق نہ ہوتا۔(۱۸۸)

۲۷۔وَرِضْوَان'' مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۔(۱۸۹)

ترجمہ: اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے۔

﴿۱۸۵﴾ سورۃ الاعراف:۱۵۶

﴿۱۸۶﴾ دفتر اول، مکتوب:۹۶

﴿۱۸۷﴾ سورۃ الاعراف:۱۷۲

﴿۱۸۸﴾ دفتر سوم، مکتوب:۹۲

﴿۱۸۹﴾ سورۃ التوبہ:۷۲

شریعت کے تین جزء ہیں۔علم، عمل، اخلاص۔ جب تک یہ تینوں جزء نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت متحقق ہوگئی تو حق تعالیٰ سبحانہ کی رضا جو تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں سے فائق واعلیٰ ہے، بھی متحقق ہوگئی۔ اس لئے شریعت تمام دنیوی واخروی سعادتوں کی ضامن وکفیل ہے اور کوئی ایسا مطلوب ومقصود نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان کو اس کی احتیاج ہو۔

طریقت وحقیقت جس کے ساتھ صوفیہ کرام ممتاز ہیں، دونوں شریعت کی خادم ہیں ان دونوں سے شریعت کے تیسرے جزء یعنی اخلاص کی تکمیل ہوتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں سے مقصود بھی شریعت کی تکمیل ہے، نہ کوئی اور امر جو شریعت کے علاوہ ہو۔

احوال، مواجید، اور علوم ومعارف جو صوفیہ کو راستہ میں ہاتھ آتے ہیں وہ مقاصد نہیں ہیں بلکہ اوہام وخیالات ہیں، جن سے اطفالِ طریقت کی تربیت مطلوب ہوتی ہے۔ ان تمام سے گذر کر مقام رضا میں پہنچنا چاہیئے، جو جذبہ اور سلوک کے مقامات کی انتہاء ہے کیونکہ طریقت وحقیقت کی منازل طے کرنے سے اخلاص کا حاصل کرنا مقصود ہے جو رضا کو مستلزم ہے۔ تینوں قسم کی تجلیات اور عارفانہ مشاہدات سے گذر کر ہزاروں میں سے کسی ایک کو اخلاص کی دولت اور رضا کے مقام تک پہنچاتے ہیں۔ کوتاہ اندیش لوگ احوال ومواجید کو مقاصد اور مشاہدات وتجلیات کو مطالب شمار کرتے ہیں۔ اس لئے وہم وخیال کے زنداں میں گرفتار رہتے ہیں اور شریعت کے کمالات سے محروم رہتے ہیں۔

۲۸۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَاتَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِىْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۔(۱۹۰)

ترجمہ: مشرکین پر وہ بات بہت گراں گزرتی ہے جسکی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے لئے چن لیتا ہے اور اپنی طرف ہدایت دیتا ہے اس کو جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اخلاص کا مقام حاصل کرنے اور رضا کے مرتبہ تک پہنچنے کیلئے ان احوال ومواجید کا طے کرنا ضروری ہے۔(۱۹۱)

﴿۱۹۰﴾ سورۃ الشوریٰ آیت:۱۳

﴿۱۹۱﴾ دفتر اول، مکتوب:۳۶

۲۹۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔(۱۹۲)

ترجمہ: اے نبی کافی ہیں آپکو اللہ اور وہ ایمان والے جنہوں نے آپ کی پیروی کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کا شانِ نزول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اسلام ہے۔(۱۹۳)

یہ تو ظاہر ہے کہ چھوٹے اور نچلے لوگوں کی خدمات بڑے لوگوں کے مرتبہ میں اضافہ پیدا کرتی ہیں۔ بادشاہ اور امراء اپنے جاہ وجلال اور تسلط میں خادموں اور نوکروں کے محتاج ہیں اور اپنے کمالات کو ان سے وابستہ سمجھتے ہیں۔

جب خیر البشر ﷺ کی مہمات میں بھی ایمانداروں کو داخل فرمایا تو دوسروں کیلئے کیا مضائقہ ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ چھوٹے اور نچلے لوگوں کی خدمات بڑے لوگوں کے مرتبہ میں اضافہ پیدا کرتی ہیں۔(۱۹۴)

۳۰۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ''۔(۱۹۵)

ترجمہ: بے شک مشرک ناپاک ہیں۔

وہ جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ مشرک کتوں کی طرح نجس العین ہیں۔(۱۹۶) تو اس قسم کے الفاظ شاذ ہیں اور بہت سے اکابرِ دین سے منقول ہیں۔ یہ توجیہ اور تاویل پر محمول ہیں۔ مشرک نجس العین کس طرح ہو سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے گھر سے کھانا کھایا۔(۱۹۷) اور ایک مشرک کے برتن سے وضو کیا۔(۱۹۸) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ایک عیسائی عورت کے مٹکے سے وضو کیا۔(۱۹۹)

﴿۱۹۲﴾ سورۃ الانفال: ۶۴

﴿۱۹۳﴾ مجمع الزوائد ج: ۷ ص: ۳۱

﴿۱۹۴﴾ دفتر دوم، مکتوب: ۹۷، ۹۹، ۶۲، ۹۵

﴿۱۹۵﴾ سورۃ التوبۃ آیت: ۲۸

﴿۱۹۶﴾ ملا علی قاری نے کالخنزیر کے لفظ نقل کئے ہیں۔ مرقاۃ ج: ۲ ص: ۴۱

﴿۱۹۷﴾ مدارج النبوت ج: ۲ ص: ۴۲۴

﴿۱۹۸﴾ صحیح بخاری ج اول، ص: ۱۲۸

﴿۱۹۹﴾ امام شافعی، محمد بن ادریس، الام، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۹۳ء، ج: ۱ ص: ۵۶

اگر سوال کیا جائے کہ ہوسکتا ہے یہ آیتِ کریمہ ان روایات کے بعد نازل ہوئی ہو اور انکی ناسخ ہو۔

یہ ممکن ہے مگر اس کیلئے ضروری ہے کہ اس آیت کا بعد میں نازل ہونا ثابت کیا جائے تا کہ دعوائے نسخ میں صحت پیدا ہو کیونکہ مانع ہونے کی وجہ سے دلیل لانے کا پابند نہیں اگر اس کا متاخر ہونا تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی چاہیئے کہ یہ حرمت کی مثبت نہ ہو اور نجاست سے مراد اندرونی خباثت ہو۔ کیونکہ منقول ہے کہ کوئی بھی پیغمبر ایسے امر کا مرتکب نہیں ہوا جسکا انجام اسکی شریعت یا کسی دوسرے نبی کی شریعت میں حرام تک پہنچے اور بالآخر حرام ہو جائے اگرچہ وہ کام ارتکاب کے وقت مباح ہو۔ شراب جو پہلے مباح تھی آخر میں حرام ہوگئی۔ کسی پیغمبر نے نہیں پی۔ اگر مشرکین کا انجام بالآخر ظاہری نجاست قرار پاتا اور وہ کتوں کی طرح نجس العین ہوتے تو رسول اللہ ﷺ جو محبوبِ رب العلمین ہیں کبھی ان کے برتنوں کو ہاتھ نہ لگاتے چہ جائیکہ وہ انکا کھانا اور پانی استعمال کرتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ نجس العین ہر وقت نجس العین ہوتا ہے اس میں اباحتِ سابق یا لاحق کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اگر مشرک نجس العین ہوتے تو چاہیئے تھا کہ ابتداء ہی سے ایسے ہوتے اور رسول اللہ ﷺ ابتداء ہی سے ان کے ساتھ نجس العین سمجھ کر سلوک کرتے اور جب آپ نے ایسا نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ مشرک نجس العین نہیں۔ (۲۰۰)

۳۱۔ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔(۲۰۱)

ترجمہ: اے حبیب کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبری کرنا ضروری ہے۔ ادنیٰ تبری یہ ہے کہ دل سے ہو اور اعلیٰ یہ ہے کہ دل اور جسم دونوں سے ہو۔ اور تبری سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی کی جائے۔ وہ دشمنی خواہ دل سے ہو، جب کہ ان کے ضرر کا ڈر ہو، خواہ جسم سے ہو، جب کہ ان کے ضرر کا ڈر نہ ہو۔

حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو یہ بزرگی پائی اور شجرۂ انبیاء علیہم السلام بن گئے سب حق تعالیٰ کے دشمنوں سے تبری کرنے کے باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا

---

(۲۰۰) دفترِ سوم، مکتوب ۲۲

(۲۰۱) سورۃ التوبہ ۹: ۷۳

مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ (۲۰۲)

ترجمہ: بے شک تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی زندگی میں خوبصورت نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے برملا کہہ دیا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ان معبودوں سے بھی جن کی تم اللہ کے سوا پوجا کرتے ہو۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کیلئے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لاؤ۔

اور حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے فقیر کی نظر میں اس تبرا کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ اس بیزاری کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو کفر اور کافروں کے ساتھ عداوت ہے۔ لات وعزی اور ان کی عبادت کرنے والے بالذات حق سلطانہ کے دشمن ہیں اور دوزخ کا دائمی عذاب اس برے فعل کی جزا ہے۔ اور آلهة انفسی یعنی ہوائے نفسانی اور تمام برے اعمال یہ نسبت نہیں رکھتے۔ کیونکہ غضب و عداوت ان کی نسبت ذاتی نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو صفات کی طرف منسوب ہے اور اگر عقاب وعتاب ہے تو افعال کی طرف راجع ہے یہی وجہ ہے کہ دوزخ کا دائمی عذاب ان برے افعال کی جزا نہیں بنا بلکہ ان کی مغفرت کو اپنی مشیت اور ارادہ پر موقوف رکھا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جب کفر اور کافروں کے ساتھ ذاتی عداوت ثابت ہو چکی تو ناچار رحمت ورأفت جو صفاتِ جمال میں سے ہے آخرت میں کافروں کو نہ پہنچے گی اور رحمت کی صفت عداوت ذاتی کو دور نہ کریگی کیونکہ وہ چیز جو ذات سے تعلق رکھتی ہے، اس چیز کی نسبت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے زیادہ اقویٰ اور ارفع ہے۔ پس مقتضائے صفت مقتضائے ذات کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور یہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلٰى غَضَبِي۔ (۲۰۳) ﴿میری رحمت غضب پر بڑھی ہوئی ہے﴾ اس غضب سے مراد غضبِ صفاتی سمجھنا چاہیئے جو گناہ گاروں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضبِ ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ (۲۰۴)

﴿۲۰۲﴾ سورۃ الممتحنہ:۴

﴿۲۰۳﴾ بدیوی، یوسف علی، الاحادیث القدسیۃ، دار ابن کثیر، دمشق ۱۹۹۱ء ص:۱۳۷، ۱۳۸، رقم:۲۲۲، ۲۲۵/ ابو بکر عبداللہ بن زبیر، مسند الحمیدی، اہلحدیث ٹرسٹ کراچی، ص:۳۱۵

﴿۲۰۴﴾ دفتر اول، مکتوب:۲۶۶

ایک دوسرے مکتوب میں اہل کفر کو ذلیل ورسوا کرنے کی ضرورت اور کفار سے میل جول کے نقصانات پر بحث کرتے ہوئے سورہ توبہ کی اسی آیت کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو خلقِ عظیم سے موصوف ہیں کفار سے جہاد اور ان پر سختی کا حکم دیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے سخت رویہ اختیار کرنا بھی خلق عظیم میں داخل ہے۔ ثابت ہوا کہ اسلام کی عزت کفر اور اہل کفر کی خواری اور ذلت میں ہے۔ جس نے کفار کو عزت دی اس نے اسلام کو ذلیل کیا۔ عزت دینے سے یہ مراد نہیں کہ ان کی خواہ مخواہ تعظیم ہی کی جائے اور انہیں اونچی جگہ بٹھایا جائے بلکہ انہیں اپنی مجالس میں جگہ دینا، ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا، ان سے گفتگو کرنا بھی ان کے اعزاز میں شامل ہے۔ انہیں کتوں کی طرح دور رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی دینوی غرض اور کام ان سے متعلق ہو اور ان کے سوا کسی سے حاصل نہ ہو سکے تو انہیں بے قدر جانتے ہوئے بقدرِ ضرورت ان سے معاملہ کرنا چاہیئے۔ اور کمالِ اسلام تو یہ ہے کہ دینوی غرض کیلئے بھی ان سے رابطہ نہ کیا جائے اور ان سے میل جول نہ رکھا جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں انہیں اپنا اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کا دشمن قرار دیا ہے۔ خدا اور اسکے رسول علیہ السلام کے ان دشمنوں سے میل جول اور انس ومحبت بڑی تقصیروں میں شامل ہے۔ ان دشمنوں کے ساتھ انس کا کم ازکم نقصان یہ ہے کہ احکامِ شرعی کے اجراء کی قدرت اور کفر کے نشانات اٹھانے کی قوت مغلوب اور کمزور ہو جاتی ہے اور ان سے تعلق دوستی کا حیاء اس میں مانع ہو جاتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا ضرر و نقصان ہے۔ دشمنانِ خدائے عزوجل سے دوستی والفت خدا تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہے۔ اور اس کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دشمنی پیدا ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔ انسان گمان کرتا ہے کہ وہ اہل اسلام سے ہے اور خدا، رسول کی تصدیق اور ان پر ایمان رکھتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس طرح کے برے اعمال اسکی دولتِ اسلام کو بالکل مٹا کر رکھ دیتے ہیں۔

ہندوستان میں اہل کفر سے جزیہ کا موقوف ہونا ان علاقوں کے سلاطین اور حکمرانوں کے ساتھ دوستی کی شومی کے باعث ہے۔ ان سے جزیہ لینے کا اصل مقصد ان کی ذلت وخواری ہے اور یہ ذلت وخواری اس حد تک ہے کہ اچھے کپڑے نہیں پہن سکتے اور بناؤ سنگھار نہیں کرسکتے اور ان کے اموال لے لینے کے خوف سے ہمیشہ ڈرتے اور لرزتے رہتے ہیں۔ بادشاہوں کو یہ کیا حق حاصل ہے کہ جزیہ لینے سے روکیں۔ اللہ تعالیٰ نے جزیہ وضع ہی ان کی ذلت وخواری کیلئے کیا ہے۔ مقصود ان کی رسوائی اور اہل اسلام کی عزت اور

غلبہ ہے۔

جہود ہر کہ شود کشتہ شود اسلام است

﴿مرتد کو قتل کرنا ہی صحیح اسلام ہے﴾

دولتِ اسلام کے حصول کی علامت اہل کفر کے ساتھ بغض وعناد رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں ان کو نجس و ناپاک کہا ہے۔ پس اہل اسلام کی نظر میں بھی اہل کفر نجس و پلید ہی ہونے چاہیں۔ اور جب ان کو اس طرح ذلیل وخوار دیکھیں اور جانیں گے تو ضرور ان کی صحبت سے پرہیز اور ان کی ہم نشینی کو برا تصور کریں گے۔ ان سے باتیں پوچھنا اور پھر ان کے مطابق عمل کرنا ان دشمنوں کا کمال اعزاز ہے جو سراسر منع ہے۔ جو شخص ان کی توجہ کا طالب اور ان کے توسط سے مانگے اسے کیا حاصل ہوگا؟ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَمَادُعَآءُ الْکَافِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلاَلٍ ۔(۲۰۵)

ان دشمنانِ دین کی دعاء باطل اور بے نتیجہ ہے۔ اس کی قبولیت کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں ان سے طالبِ دعا ہونے میں ان کے اعزاز واکرام میں اضافہ ضرور ہوتا ہے۔ کفار اگر دعاء کریں تو اپنے بتوں کو ضرور دعا میں وسیلہ بنائیں گے۔ خیال کرنا چاہیئے کہ معاملہ کہاں تک پہنچتا ہے اور مسلمانی کی بو بھی باقی نہیں رہتی۔(۲۰۶)

اختصار کے ساتھ اس مضمون کو دفتر اول کے مکتوب ۱۶۵ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ دفتر اول کے مکتوب ۱۹۳ میں اسی آیت کریمہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

کفار کے ساتھ جہاد کرنا اور ان پر سختی کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے۔

۳۲۔ اَلاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْراً وَّ نِفَاقاً ۔(۲۰۷)

ترجمہ: ''دیہاتی ﴿منافق﴾ کفر میں اور نفاق میں بہت زیادہ سخت ہیں۔''

اس آیت کریمہ کے تحت حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے نبی کریم ﷺ کے مخالفین کے بارے میں لکھا

﴿۲۰۵﴾ سورۃ الرعد آیت: ۱۴

﴿۲۰۶﴾ دفتر اول مکتوب: ۱۶۳

﴿۲۰۷﴾ سورۃ التوبۃ: ۹۷

ہے۔

''اس ملت زہراؑ کے بانی رسول اللہ ﷺ کے مخالف ساری مخلوقات میں بد بخت ترین لوگ ہیں۔ یہ فرمان الٰہی ان کی حالت کا پتہ دیتا ہے۔'' (۲۰۸)

۴۳۔وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ (۲۰۹)

ترجمہ: اور وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

عرش مجید خداوند تعالیٰ کی عجیب وغریب مصنوعات میں سے ہے۔ وہ عالم کبیر میں عالمِ خلق اور عالمِ امر کے درمیان برزخ ہے، اور دونوں سے مناسبت بھی رکھتا ہے۔ عالم خلق چھ دنوں میں پیدا ہوا ہے۔ یعنی زمین، آسمان اور پہاڑ وغیرہ جن کا ذکر خَلَقَ الاَرْضَ فِیْ يَوْمَيْنِ (۲۱۰) میں واقع ہوا ہے۔

عرش کی ایجاد ان کی پیدائش سے مقدم ہے۔ بلکہ ﴿آیت بالا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی بھی اس عالم خلق سے پہلے پیدا ہوا ہے۔ پس عرش مجید جس طرح زمین کی جنس سے نہیں آسمان کی جنس سے بھی نہیں۔

جب عرش کی پیدائش زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے معلوم ہوگئی تو زمانہ کا حصول متصور ہو گیا اور ایام کا ثبوت واضح ہو گیا۔ اور اعتراض ﴿کہ جب زمین و آسمان نہیں تھے تو چھ دن کی تعین و تشخیص کس طرح ہوگئی۔ اتوار کا دن سوموار سے کیونکر جدا ہوا، منگل بدھ سے کس طرح الگ ہوا، اور جمعرات کا دن کیسے ممتاز ہوا﴾ ختم ہوا۔

یہ کب ضروری ہے کہ مخصوص ایام کا امتیاز آفتاب کے طلوع وغروب سے ہو کیونکہ بہشت میں یہ طلوع وغروب نہیں لیکن دنوں کا امتیاز ثابت ہے، جیسا کہ اخبار (۲۱۱) میں وارد ہے۔ (۲۱۲)

﴿۲۰۸﴾ معارف لدنیہ ص: ۱۸۳

﴿۲۰۹﴾ سورۃ ھود: ۷

﴿۲۱۰﴾ سورۃ حٰم السجدہ: ۹

﴿۲۱۱﴾ مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص: ۴۲۴

﴿۲۱۲﴾ دفتر دوم، مکتوب: ۷۰

اس آیت سے آسمانوں کو قدیم سمجھنے کے نظریہ کا رد بھی ہوتا ہے۔ (۲۱۳)

۳۴۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (۲۱۳۔الف)

ترجمہ: بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

درویش کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے حبیب ﷺ کے طفیل اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دوسروں کی برائیاں اس کے حق میں نیکیاں بن جاتی ہیں اور دوسروں کے رذائل ان کے لئے اوصاف حمیدہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ریاء اور سمعہ جو کہ برائیوں میں سے ہیں اور اوصاف رذائل میں شمار ہوتے ہیں اس کے حق میں وہ حسن پیدا کرتے ہیں اور شکر کا حکم اختیار کرتے ہیں۔

اس لئے درویش ہر قسم کی عظمت و کبریائی کو اپنے آپ سے منسوب کر کے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور ہر قسم کے حسن و جمال اور خیر و کمال کو اپنے آپ سے دور کر کے خدا تعالیٰ کی طرف مخصوص کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو سوائے برائی اور نقص کے اور کچھ بھی نہیں سمجھتے اور اپنے اندر ذلت و انکساری کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ اگر بالفرض عظمت اور کبریائی کے افراد میں سے کوئی فرد بظاہر ان کی طرف متوجہ ہو تو وہ اس کو اپنے لئے زینہ پائے گا کہ اس کے راستے اوپر کی طرف چڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اس ذات پاک تک پہنچ جائے گا جو عظمت و کبریائی کے لائق ہے اور حسن و جمال اور خیر و کمال بھی یہی حال ہے کہ ان میں سے اس کا حصہ صرف زینہ بننے کا ہے۔ باقی امانتیں امانتوں کے مالکوں کی طرف راجع ہیں۔

پس ریا اور سمعہ کی صورت میں اس کا مقصود اپنی شہرت و فخر اور رفعت و عظمت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار اور اس کے احسان کی اطلاع ہے جو کہ اس کی نسبت واقع ہوا ہے۔ پس اس صورت میں ریا اور سمعہ عین حمد و شکر حق تعالیٰ ہوگا کہ اب وہ رذالت سے نکل کر محامد میں شامل ہو گئے اور اسی پر قیاس کر لو۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (۲۱۳۔ب)

﴿۲۱۳﴾ دفتر سوم، مکتوب: ۱۷

﴿۲۱۳۔الف﴾ سورۃ ہود، ۱۱۴:

﴿۲۱۳۔ب﴾ دفتر دوم، مکتوب: ۵۶

۳۵۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔(۲۱۴)

ترجمہ: سن لو، اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اطمینانِ قلب کا راستہ اللہ سبحانہ کا ذکر ہے۔ نظر و استدلال اس کا رستہ نہیں ہے

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

اپنے مسلک کی بنیاد صرف عقلی دلائل پر رکھنے والوں کے پاؤں لکڑی کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ لکڑی کے پاؤں بالکل کمزور ہوتے ہیں۔

کیونکہ ذکر کے ذریعے جنابِ قدس خداوندی کے ساتھ ایک گونہ مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی مناسبت نہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

تاہم ذکر کے ذریعہ ذاکر اور مذکور کے درمیان ایک خاص قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا موجب بنتا ہے اور جب محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو دل سے اطمینان کے سوا سب کچھ نکل جاتا ہے اور جب معاملہ اطمینانِ قلب کے حصول تک پہنچ گیا تو ایسے شخص کو دولتِ ابدی حاصل ہوگئی۔

ذکر گوز کرتا ترا جان است
پاکی دل ز ذکرِ یزداں ست

﴿جب تک تجھ میں جان ہے اسکے ذکر میں مصروف رہ۔ دل کی طہارت اللہ کے ذکر ہی سے نصیب ہوتی ہے﴾ (۲۱۵)

حدیث نبوی ﷺ کے حوالہ سے ذکر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد لکھتے ہیں:

حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے سوا خدا تعالیٰ کے چند ایسے فرشتے ہیں جو رستوں اور بازاروں میں اہلِ ذکر کی تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ جب وہ ذاکرین کے گروہ کو کہیں ذکر

﴿۲۱۴﴾ سورۃ الرعد: ۲۸

﴿۲۱۵﴾ دفتر اول مکتوب ۹۲

کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ تمہارا مطلب حاصل ہوگیا۔ پس جمع ہو کر اپنے پروں سے ان کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ جب وہ ذکر سے فارغ ہوتے ہیں تو فرشتے آسمان پر جاتے ہیں۔ پس حق تعالیٰ، حالانکہ اپنے بندوں کے حال کو بخوبی جانتا ہے، فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کیسے دیکھا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ خدایا تیری حمد و ثنا کرتے تھے اور تجھ کو بزرگی سے یاد کرتے تھے اور تجھ کو تمام عیوب اور نقائص سے پاک بیان کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو پھر ان کا کیا حال ہو؟ ملائکہ عرض کرتے ہیں کہ پھر اس سے زیادہ بزرگی اور پاکیزگی سے یاد کریں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے کیا طلب کرتے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ بہشت مانگتے تھے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے بہشت کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ بہشت کو دیکھ لیں تو کیا کیفیت ہو؟ پھر فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے ڈرتے ہیں۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ دوزخ سے ڈرتے تھے اور تجھ سے پناہ مانگتے تھے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ دیکھ لیں تو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ پھر اس سے زیادہ پناہ مانگیں۔ (۲۱۸)

اور اس سے زیادہ ڈریں اور بھاگیں۔ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے فرشتو تم گواہ رہو میں نے سب کو بخش دیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں یارب اس ذکر کی مجلس میں فلاں آدمی ذکر کیلئے نہیں آیا تھا بلکہ کسی دنیاوی حاجت کیلئے آیا تھا اور ان میں بیٹھ گیا تھا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ (۲۱۶) ﴿جس نے میرا ذکر کیا میں اسکا ہم نشین ہوں﴾ (۲۱۷)

ذکر الٰہی کی اہمیت و فضیلت کے ضمن میں رقمطراز ہیں:

حدیث میں ہے۔

﴿۲۱۶﴾ زبیدی، سید مرتضی، اتحاف السادۃ المتقین، دار الفکر بیروت، جلد ۶ ص: ۲۸۷

﴿۲۱۷﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۰۳

﴿۲۱۸﴾ صحیح مسلم جلد ۵ ص: ۲۴۲، رقم: ۲۶۸۹

الدنیا ملعونة وملعون مافیها الاذکر اللّٰه ۔(۲۱۹)

دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے، مگر اللہ کا ذکر (نہیں)۔

جب کہ ذاکر لوگ، بلکہ ان کے وجود کا ہر ذرہ اللہ سبحانہ کے ذکر سے پُر ہے تو حق تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اس وعید سے خارج ہیں اور اہلِ دنیا میں شمار نہیں ہوتے اس لیے کہ دنیا اس چیز کا نام ہے جو دل کو حق سبحانہ سے روکے اور اس کے غیر میں مشغول کرے۔ وہ چیز مال واسباب یا مرتبہ اور سرداری کی طلب اور ننگ و ناموس ہو۔ اس سلسلہ میں

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا ۔(۲۲۰) ﴿اس شخص سے روگردانی کرو جو ہمارے ذکر سے پھر چکا ہے﴾ نصِ قطعی ہے۔(۲۲۱)

حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کے نزدیک جو کام بھی شریعت کے مطابق کیا جائے وہ ذکر ہے۔

۳۶۔ یَمْحُوْ اللّٰهُ مَایَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْکِتٰبِ ۔(۲۲۲)

ترجمہ: اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے۔

حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ قضاء کی دو قسموں قضائے مبرم اور قضائے معلق کی وضاحت کرتے ہوئے اس آیتِ کریمہ کے حوالہ سے اپنا واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

میرے حضرت قبلہ گاہی (حضرت خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت سیّد محی الدین جیلانی قدس سرہ نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ قضائے مبرم میں تبدیلی کسی کی مجال نہیں مگر میری ہے۔ اگر چاہوں تو میں اس میں بھی تصرف کرسکتا ہوں۔ اس بات سے بہت تعجب کیا کرتے تھے اور اسے بعید از فہم فرماتے تھے۔

﴿۲۱۹﴾ ابن ماجہ، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، المکتبۃ العلمیۃ بیروت، تحقیق محمد فواد عبدالباقی، جلد۲، ص:۱۳۷۷، رقم:۴۱۱۲

﴿۲۲۰﴾ سورۃ النجم:۲۹

﴿۲۲۱﴾ دفتر اول مکتوب:۱۹۷

﴿۲۲۲﴾ سورۃ الرعد:۳۹

یہ نقل بہت مدت تک اس فقیر کے ذہن میں رہی یہاں تک کہ حضرتِ حق تعالیٰ نے اس دولت سے مشرف فرمایا۔ایک دن ایک بلیّہ کے دفع کرنے کے در پے ہوا جو کسی دوست کے حق میں مقرر ہو چکی تھی۔اس وقت بڑی التجاء، عاجزی اور نیاز وخشوع کی تو معلوم ہوا کہ لوحِ محفوظ میں اس امر کی قضاء کسی امر سے معلق اور کسی شرط سے مشروط نہیں ہے۔اس بات سے بڑی یاس وناامیدی حاصل ہوئی اور حضرت سیّد محی الدین قدس سرہ کی بات یاد آئی۔دوبارہ پھر ملتجی اور متضرع ہوا۔اور بڑے عجز و نیاز سے متوجہ ہوا۔تب محض فضل وکرم سے اس فقیر پر ظاہر کیا گیا کہ قضائے معلق دو طرح کی ہے۔ایک وہ قضاء ہے جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ میں ظاہر ہوا ہے اور فرشتوں کو اس پر اطلاع دی ہے۔اور دوسری وہ قضاء ہے جس کا معلق ہونا صرف خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔اور لوح محفوظ میں قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔اور قضائے معلق کی اس دوسری قسم میں بھی پہلی قسم کی طرح تبدیلی کا احتمال ہے۔

پھر معلوم ہوا کہ حضرت سیّد قدس سرہ کی بات بھی آخری قسم کے بارہ میں ہے جو قضائے مبرم کی صورت رکھتی ہے۔نہ اس قضاء کے بارہ میں جو حقیقت میں مبرم ہے۔

کیونکہ اس میں تصرف وتبدیلی عقلی اور شرعی طور پر محال ہے اور حق یہ ہے کہ جب کسی کو اس قضاء کی حقیقت پر اطلاع ہی نہیں ہے تو پھر اس میں تصرف کیسے؟ (۲۲۳)

اس مکتوب میں آپ نے قضائے مبرم کیلئے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ۔(۲۲۴)

﴿میرے ہاں حکم نہیں بدلا جاتا﴾

۳۷۔وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنَ ۔(۲۲۵)

ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت کرو حتی کہ تمہارے پاس یقین آجائے۔

جس طرح پیدائش انسانی سے مقصود عبادات شرعیہ کا بجالانا ہے اسی طرح ادائے عبادت سے مقصود دولت یقین کا حاصل کرنا ہے جو حقیقت ایمان ہے۔

﴿۲۲۳﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۱۷

﴿۲۲۴﴾ سورۃ ق: ۲۹

﴿۲۲۵﴾ سورۃ الحجر: ۹۹

کلمہ حتیٰ جس طرح غایت کے معنی کیلئے آتا ہے معنی علیت کیلئے بھی آتا ہے۔علیت کیلئے ہونے کی صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی:

ای لاَجَلِ أنْ يَاتِيَكَ الْيَقِيْنُ

﴿یعنی تا کہ تم کو یقین حاصل ہو جائے﴾

گویا وہ ایمان جو ادائے عبادات سے پہلے ہوتا ہے وہ صورت ایمان ہے، نہ کہ حقیقت ایمان جسے یہاں یقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عز شانہ فرماتا ہے

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا أیْ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْ صُوْرَةً اٰمِنُوْ حَقِيَةً بِأدَاءِ وَظَائِفِ العِبَادَاتِ اْمأمُوْرَةِ ۔

اے ایمان والو، ایمان لاؤ۔ یعنی اے صورۃ ایمان لانے والو، عبادات مامورہ کی ذمہ داریوں کو ادا کر کے حقیقۃ ایمان لاؤ۔

فنا اور بقا کا مقصود بھی یہی دولت حاصل کرنا ہے، یہی یقین ہے اور بس۔ (۲۲۶)

اس آیت سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ شریعت کے احکام بجالانے کا مقصد حصولِ معرفت ہے اور جب معرفت حاصل ہو جائے تکلیفاتِ شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔ان لوگوں کی عبارت کی تاویل کرتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

اور یقین کے معنی یا اللہ کرتے ہیں جیسے سہل تستریؒ نے کہا ہے یعنی عبادت کی انتہاء خدا کی معرفت حاصل ہونے تک ہے۔ بظاہر جس شخص نے یقین کے معنی اللہ سبحانہ کے کئے ہیں اس سے اسکی مراد یہ ہوگی کہ عبادت کی تکلیف کی انتہا حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانے تک ہے نہ کہ نفس عبادت کی انتہاء، کیونکہ یہ امر الحاد و زندقہ تک پہنچانے والا ہے۔ (۲۲۷)

آیت کریمہ میں الیقین سے مراد باجماع مفسرین موت ہے یعنی حیاتِ ظاہری کے خاتمہ تک عبادت کا حکم ہے۔حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے یہاں صوفیہ کے انداز پر آیت کی تفسیر بیان کی ہے۔

﴿۲۲۶﴾ دفتر اول، مکتوب: ۹۸

﴿۲۲۷﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۷۶

۳۸۔ وَمَاظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔(۲۲۸)

ترجمہ: اللہ نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کا فیض ہمیشہ اور ہر وقت از قسم مال، اولاد، ہدایت و رہنمائی بغیر تخصیص کے نازل و وارد ہوتا رہتا ہے۔ بعض فیوض کے قبول کرنے اور بعض کے قبول نہ کرنے میں فرق اس طرف سے ہے۔ موسم گرما کا سورج دھوبی اور کپڑے دونوں پر یکساں چمکتا ہے لیکن اس سے دھوبی کا منہ سیاہ ہوتا ہے اور اسکا کپڑا سفید۔

اللہ تعالیٰ کے فیض کا قبول نہ ہونا جنابِ قدس خداوندی جل سلطانہ سے اعراض اور روگردانی کے باعث ہے۔ روگردانی کرنے والے کیلئے ذات لازم اور نعمت سے محرومی ضروری امر ہے۔ یہاں کوئی شخص یہ اعتراض نہ کرے کہ بہت سے حق تعالیٰ سے روگردان لوگ دینوی نعمتوں سے سرفراز ہیں اور ان کی روگردانی ان کی محرومی کا سبب نہیں بنی۔ کیونکہ یہ نعمت نہیں بلکہ نعمت کی صورت میں نعمت کو، اسکی خرابی اور بربادی کیلئے بطریقِ استدراج ظاہر کیا گیا ہے۔ تا کہ ایسا شخص روگردانی اور گمراہی میں منہمک رہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (۲۲۹)

﴿کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو انکی مال و اولاد کی کثرت سے مدد کر رہے ہیں۔ تو ہم انہیں بھلائیاں پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے لیکن وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں۔(۲۳۰)

اس آیت میں حق سبحانہ سے ظلم کی نفی اور ان لوگوں کیلئے ظلم ثابت ہونا ظاہر ہے کیونکہ ﴿خدا کی جانب سے﴾ ظلم کی تخلیق ان کے ارادے کے بعد پیدا ہوئی ہے اور ان کا ارادہ اس علم کے بعد صادر ہوتا ہے جو انہیں بھلائی اور برائی کے متعلق حاصل ہے اور بھلائی و برائی دونوں کا شریعت میں وضاحت کے ساتھ

﴿۲۲۸﴾ سورۃ النحل:۳۳

﴿۲۲۹﴾ سورۃ المومنون:۵۵،۵۶

﴿۲۳۰﴾ دفتر اول مکتوب:۱۶۴

بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ بھلائی اور برائی دونوں یکساں طور پر ان کی قدرت میں ہوتی ہے لہٰذا ﴿پہلے﴾ بندے خود ہی اس برائی کا ارادہ کرتے ہیں جس کا برا ہونا شریعت میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد جیسا کہ وہ ارادہ کرتے ہیں حق تعالیٰ اس برائی کو پیدا کر دیتا ہے اور وہ خود ہی اس خیر اور بھلائی کو چھوڑ دیتے ہیں جو ان کی قدرت میں ہوتی ہے اور جسکا بھلا ہونا شریعت کی رو سے انہیں معلوم ہے۔ لہٰذا خدا نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ تو خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں۔

اب یہ بات رہ گئی کہ ان کی قدرت اور ارادہ بھی تو اللہ سبحانہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ تو یہ بات بھی ان بندوں سے ظلم کی نفی نہیں کرتی کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ نے جو قدرت پیدا فرمائی ہے اس کی نسبت بھلائی اور برائی دونوں کی طرف برابر ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ خدا نے ان میں برائی ہی کی قدرت پیدا کی ہو اور بھلائی کی قدرت پیدا نہ فرمائی ہو جس سے وہ برائی کے کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ یہی حال تخلیق کردہ ارادہ کا ہے کہ جب اسے خیر اور شر دونوں کا علم ہو چکا ہے تو اب وہ ان دونوں میں سے جس جہت کو چاہے ترجیح دے سکتا ہے۔ پس بندہ شریعت کی رو سے برائی اور شر کو جانتے ہوئے بھی شر ہی کو اختیار کرتا ہے حالانکہ اس کی قدرت کی نسبت، بھلائی اور برائی دونوں کی طرف یکساں طور پر تھی۔ اسی طرح ارادہ کے اعتبار سے بھی دونوں زیر قدرت صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو دوسری کی بجائے مخصوص کر لینا اس کیلئے درست تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس پر جو کچھ ظلم ہوا ہے وہ خود اس کے نفس ہی نے کیا ہے اور حق تعالیٰ سبحانہ نے اس پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ (۲۳۱)

۳۹۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کریم ﷺ کے اعظم معجزات میں سے معراج کا واقعہ بھی ہے۔ ﴿۲۳۲﴾ سورۂ بنی اسرائیل کی

﴿۲۳۱﴾ معارف لدنیہ ص: ۱۶۵-۱۶۶، ۱۷۰

﴿۲۳۲﴾ معراج النبی پر لکھی گئی کتابوں کی اجمالی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ الإسراء والمعراج، الحافظ عبدالغني المقدسي الدمشقي المتوفى سنة ۶۰۰ھ

۲۔ صلاة النبي ﷺ بالأنبياء ليلة الإسراء، الحافظ عبدالغني المقدسي (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابتداء اور سورہ نجم میں اسکا ذکر ملتا ہے۔ واقعہ معراج کے سال ماہ اور تاریخ کے تعین میں بہت سے اقوال ہیں۔ لیکن اس پر اتفاق ہے کہ یہ ہجرت سے قبل ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) "خ" ظاهرية دمشق مجموع ١٧ ورقة ٨١

٣۔ كتاب المعراج، الحافظ أبي الخطاب بن دحية، المتوفى سنة ٦٣٣ھ

٤۔ تفسير حديث الإسراء على طريقة المتكلمين، ابن المنير السكندرى، المتوفى سنة ٦٨٣ھ

٥۔ النور الوهاج في الإسراء والمعراج، سليمان بن عبدالقوى، المتوفى سنة ٧١٦ھ

٦۔ رسالة في رؤية النبي لله تعالىٰ، هل كانت بعيني رأسه؟ ابن تيمية، المتوفى سنة ٧٢٨ھ

٧۔ زهر الربيع في معراج النبي الشفيع، محمد بن عثمان اللؤلؤى الدمشقي المتوفى سنة ٨٦٧ھ

٨۔ السراج الوهاج في ازدواج المعراج؛ شمس الدين محمد بن أبي بكر بن ناصر الدين الدمشقي؛ المتوفى سنة ٨٤٢ھ

٩۔ منهاج الأصول في معراج الرسول؛ محمد بن ناصر الدين الدمشقي۔

١٠۔ أحاديث المعراج الموضوعة، لأحمد بن محمد بن إبراهيم الفيشي، المتوفى سنة ٨٤٨ھ

١١۔ ضوء السراج في احاديث المعراج؛ أبي بكر عبدالرحمٰن بن محمد البسطامي المتوفى سنة ٨٥٨ھ

١٢۔ الكوكب الوهاج في أحاديث المعراج؛ أبي بكر عبدالرحمٰن بن محمد البسطامي المتوفى سنة ٨٥٨ ھ

١٣۔ الأية الكبرى في شرح قصة الإسرا، حافظ جلال الدين السيوطي، المتوفى سنة ٩١١ھ

١٤۔ تزيين الأرائك في إرسال نبينا إلى الملائك، حافظ جلال الدين السيوطي۔

١٥۔ الأيات البينات في معراج سيد أهل الأرض والسموٰت؛ لمحمد بن يوسف الشامي الصالحي، المتوفى سنة ٩٤٢ھ

١٦۔ الفضل الفائق في معراج خير الخلائق، محمد بن يوسف الشامي الصالحي۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

واقعہ معراج کے بعض مباحث میں کبار صحابہ رضی اللہ عنہم سے لیکر متاخرین علماء تک بہت اختلاف ہے۔ انہیں میں شب معراج دیدار الٰہی کی بحث ہے۔ حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ١٧ ۔الأيات العظيمة الباهرة في معراج سيدأهل الدنيا والأخرة؛ محمد بن يوسف الشامي الصالحي .

١٨ ۔ الابتهاج في الكلام على الإسراء والمعراج لنجم الدين محمد بن أحمد الغيطي المتوفى سنة ٩٨٢ھ

١٩ ۔ قصة المعراج؛ أحمد بن سلامة القليوبي، المتوفى سنة ١٠٥٩ھ

٢٠ ۔ السراج المنير في شرح معراج البشير النذير غيطي؛ لعلي بن عبدالقادر البنتيتي، المتوفى سنة ١٠٦٥ھ

٢١ ۔ السراج الوهاج بشرح قصتي الإسراء والمعراج غيطي؛ لعبد السلام بن إبراهيم اللقاني المصري، المتوفى سنة ١٠٧٨ھ

٢٢ ۔ الابتهاج برؤية النبي ربه بعين البصيرة ليلة المعراج؛ أحمد بن الحموى

٢٣ ۔ حسن الابتهاج بروية النبي ﷺ ربه ليلة المعراج ،احمد بن محمد الحموى المصيرى، المتوفى سنة١٠٩٨ھ

٢٤ ۔ الضوء الوهاج في قصة الاسراء والمعراج، محمد بن عبد رب الرسول البرزنجي المتوفى سنة ١١٠٣ھ

٢٥ ۔ ضياء السراج في ليلة الاسراء والمعراج، محمد بن عبد رب الرسول البرزنجي المتوفى سنة ١١٠٣ھ

٢٦ ۔ الفتح المبين على معراج ،الشيخ نجم الدين (الغيطى) محمد بن خليل العجلونى المتوفى سنة١١٤٨ھ

٢٧ ۔ قصة اسراء النبي ومعراجه، حسن بن على الطنطاوى المدابغي، المتوفى سنة ١١٧٠ھ

٢٨ ۔ درة التاج في قصة الاسراء و المعراج ، طٰهٰ بن محمد الجبريني،المشهور بابن المهنا المتوفى سنة١١٧٨ھ

٢٩ ۔ قصة المعراج ،جعفر بن حسن الرزنجي، المتوفى سنة ١١٨٤ھ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عنہما رویت کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن ابن عباس، حسن بصری رویت کے قائل ہیں۔ علامہ قرطبی نے مفہم شرح مسلم میں اس مسئلہ میں توقف کرنے کو ترجیح دی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں کسی جانب بھی دلیل قطعی نہیں ہے۔ (۲۳۳)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) ۳۰۔ حاشیة علیٰ قصة المعراج ،غیطی، احمد بن محمد الدردیر، المتوفی سنة ۱۲۰۱ھ

۳۱۔ هدية الحی القيوم بشرح المعراج المنظوم، عبدالله بن محمد علی الدمليجی، سويدان، المتوفی سنة ۱۲۴۳ھ

۳۲۔ اتحاف اولی الوفا فی بیان معراج المصطفیٰ، حسن بن عمر الشطی الدمشقی، المتوفی سنة ۱۲۷۴ھ

۳۳۔ قصة المعراج ، عثمان بن محمد شطا البکری

۳۴۔ صفوة البشرا فی الاسراء، شهاب الدين احمد الحلوانی الخلنجی،، المتوفی سنة ۱۳۰۸ھ

۳۵۔ قصة المعراج ابی الفرج بن عبدالقادر الخطیب الدمشقی، المتوفی سنة ۱۳۱۱ھ

۳۶۔ البشر باخبار المعراج والإسراء، جعفر بن اسماعیل البرزنجی، المتوفی سنة ۱۳۱۷ھ

۳۷۔ اليسری للمحتاج للاسراء والمعراج، محمد بن خلیل الهجرسی، المتوفی سنة ۱۳۲۸ھ

۳۸۔ الاسراء والمعراج، جمال الدين محمد بن محمد سعيد القاسمی الدمشقی، المتوفی سنة ۱۳۳۲ھ

۳۹۔ حسن الابتهاج بالاسراء والمعراج ، منظومة، محمد عارف بن احمد الحسينی المعروف بالمنير الدمشقی، المتوفی سنة ۱۳۴۲ھ

۴۰۔ الكلمات الطيبات فی الماثور عن الاسراء والمعراج متمم الروايات، محمد بخيت المیطعی، مفتی مصر، المتوفی سنة ۱۳۵۴ھ

۴۱۔ مطلع الابتهاج فيما يتعلق بالإسراء والمعراج؛ لسويدان بن سليمان المنزلی ۔

۴۲۔ الإسراء والمعراج،بحث تحليلی علمی؛ بقلم عبدالرحمٰن الخانی وعبدالرؤوف الأسطوانی ۔

﴿۲۳۳﴾ فتح الباری، جلد ۸ ص: ۶۰۷-۶۰۹

واقعہ معراج میں رویت الٰہی اور عدم رویت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم صرف رویت یعنی دیدار کی طلب ہی کے باعث ہلاک ہوگئی اور موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلب رویت کے بعد لن ترانی کا زخم کھایا اور بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ اور اس طلب سے تائب ہوئے اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جو رب العالمین کے محبوب اور تمام اولین و آخرین موجودات میں سے بہترین ہیں باوجود اس کے کہ معراج بدنی کی دولت سے مشرف ہوئے اور عرش و کرسی سے گذر کر مکان و زمان سے بھی اوپر چلے گئے۔ باوجود قرآنی اشاروں (۲۳۴) کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رویت میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عدم رویت کے قائل ہیں۔ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں:

والاصح انه ﷺ مارای ربه سبحانه ليلة المعراج .

﴿یعنی صحیح یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معراج کی رات اپنے رب کو نہیں دیکھا﴾ (۲۳۵)

عدم رویت کے سلسلہ میں ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

روبرو گفتگو کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ متکلم نظر بھی آئے اس لئے ہوسکتا ہے کہ سننے والے کی نظر کمزور ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے نور کی چمک دمک برداشت کرنے سے قاصر ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا: (۲۳۶)

کہ وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ (۲۳۷)

اس اعتراض کا جواب، کہ اس دنیا میں ظاہری آنکھوں سے رویت ممکن نہیں، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے الفاظ درج ذیل ہیں:

﴿۲۳۴﴾ سورۃ النجم کی ابتدائی آیات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

﴿۲۳۵﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۷۳

﴿۲۳۶﴾ امام مسلم، صحیح مسلم، تحقیق ڈاکٹر موسیٰ شاہین، موسسۃ عزالدین، ۱۹۸۷ جلد اول ص: ۲۱۰، رقم ۱۷۸، حدیث کے الفاظ یہ ہیں نورانی اراہ

﴿۲۳۷﴾ دفتر دوم، مکتوب ۵۱

شب معراج آنحضرت ﷺ کی رویت دنیا میں واقع نہیں ہوئی بلکہ آخرت میں واقع ہوئی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ اس رات چونکہ دائرہ مکان وزمان اور تنگی امکان سے باہر نکل گئے تھے اس لئے ازل وابد کو آن واحد میں معلوم کرلیا۔ بدایت ونہایت کو ایک ہی نقطہ میں متحد دیکھا اور ان اہل بہشت کو جو کئی ہزار سال بعد بہشت میں جائیں گے، بہشت میں دیکھ لیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کو جو فقرائے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے پانچ سو سال بعد بہشت میں جائیں گے، دیکھا کہ اس مدت کے گزرنے سے پہلے ہی آگئے اور آنحضرت ﷺ نے اس توقف کی وجہ پوچھی۔ پس وہ رویت جو اس مقام میں واقع ہوئی وہ رویتِ آخرت ہے اور اس اجماع کے منافی نہیں ہے جو رویت کے عدم وقوع پر ہوا ہے اسکو رویت دنیوی کہنا تجوز پر محمول ہے اور ظاہر پر مبنی ہے۔ (۲۳۸)

معراج کی رات نبی کریم ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ اس ضمن میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

اور ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج جب حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کے نزدیک سے گذرے تو دیکھا کہ آپ قبر میں نماز ادا فرما رہے ہیں۔ (۲۳۹) اور اسی لحظہ میں جب آپ آسمان پر پہنچے تو حضرت کلیم کو وہاں پایا۔ (۲۴۰)

واقعہ معراج قلیل وقت میں وقوع پذیر ہوا۔ اسکی وضاحت کرتے ہوئے آپ رقمطراز ہیں:

حضرت رسالت ﷺ شبِ معراج میں عروج کے مرتبے طے کرنے اور وصول کی منزلیں قطع کرنے کے بعد جو کئی ہزار برسوں میں میسر ہوسکیں، جب اپنے دولت خانہ میں واپس آئے تو دیکھا کہ بستر

﴿۲۳۸﴾ دفتر اول، مکتوب: ۲۸۳

﴿۲۳۹﴾ مَرَرْتُ عَلَی مُوسَی لَیْلَةَ أُسْرِیَ بِی عِنْدَ الْکَثِیْبِ الاحمَرِ وَھُوَ قائم" یُصَلِّی فِی قَبرِہ۔
صحیح مسلم جلد۴، ص:۵۲۴ رقم ۲۳۷۵/مسند ابو یعلی الموصلی جلد۶، ص:۷۱، رقم ۳۳۲۵، جلد۷، رقم ۴۰۶۷، ۴۰۸۴/ علاؤالدین، صحیح ابن حبان، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۷، جلد اول، ص:۲۴۲، رقم ۵۰/ مصنف ابن ابی شیبۃ جلد۱۴، ص:۳۰۸/ البانی ناصر الدین، صحیح سنن النسائی، المکتب الامی بیروت، ۱۹۸۸، جلد اول ص:۳۵۹۔

﴿۲۴۰﴾ دفتر دوم مکتوب: ۱۶

خواب ابھی گرم ہے اور کوزہ میں وضو کا پانی ابھی حرکت میں ہے۔(۲۴۱)

نبی کریم ﷺ کی اتباع کے طفیل اولیائے کاملین بھی نعمت معراج سے نوازے جاتے ہیں۔ اس معراج کی حقیقت، انبیاء اور اولیاء کی معراج میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مجددؒ رقمطراز ہیں:

نبی کریم ﷺ کو شبِ معراج جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا جسد عنصری کے ساتھ عروج حاصل ہوا۔ آپ پر جنت اور دوزخ پیش کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جن علوم کی وحی آپ پر نازل کرنی تھی نازل کی۔ اور آپ حق تعالیٰ کی رویت بصری سے مشرف کیے گئے اس طرح کی معراج حضور ﷺ کیلئے خاص ہے اور وہ اولیاء جو حضور ﷺ کی کمال متابعت سے موصوف ہیں اور آپ کے قدم مبارک کے نیچے چلتے ہیں انہیں بھی اسی مرتبہ مخصوصہ سے حصہ ملتا ہے۔

وللارض من کأس الکرام نصیب

﴿کریم لوگوں کے پیالے میں زمین کا بھی حصہ ہے﴾

اس باب میں آخری بات یہ ہے کہ دنیا میں رویت کا وقوع حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔ جو اولیاء کرام آپ کے قدم کے نیچے ہیں انہیں جو حالت نصیب ہوتی ہے وہ رویت کی حالت نہیں۔ رویت اور اس حالت میں فرق اصل اور فرع اور شخص اور اسکے سایہ کا فرق ہے۔ رویت اور یہ حالت ایک دوسرے کا عین نہیں۔(۲۴۲)

اللہ اولیاء کو معراج کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے۔ انبیاء اور اولیاء کی معراج میں فرق بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ حالات حضور اکرم ﷺ کے جسم اور روح دونوں کو پیش آئے تھے اور جو مشاہدات ہوئے تھے وہ بصارت اور بصیرت دونوں سے ہوئے تھے لیکن دوسرے لوگوں کو جو ﴿بہرحال﴾ طفیلی ہیں، اگر یہ حالت بطور تبعیت کے پیش آتی ہے تو وہ صرف روح تک ہی محدود رہتی اور بصیرت کے ساتھ مخصوص ہوا کرتی ہے۔(۲۴۳)

﴿۲۴۱﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۱۰

﴿۲۴۲﴾ دفتر اول مکتوب: ۱۳۵، مکتوب ۲۱۸

﴿۲۴۳﴾ مبدأ و معاد ص: ۱۸۹

نماز مومن کی معراج ہے، اس سلسلہ میں حضرت مجددؒ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے، نماز ادا کرنے کے وقت گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس دولت سے جو عالم آخرت سے مخصوص ہے حصہ حاصل کر لیتا ہے۔ اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا فائدہ پالیتا ہے کیونکہ عالم دنیا کمالات ظلی پر منحصر ہے اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے وہ آخرت سے مخصوص ہے پس معراج اس امت کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سبب کہ شب معراج دنیا سے آخرت میں چلے گئے اور بہشت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی رویت کی دولت سے مشرف ہوئے۔ (۲۴۴)

۴۰۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۔ (۲۴۵)

ترجمہ: اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھئے جو اپنے رب کو صبح شام پکارتے ہیں اور اسکی رضا کے طلب گار ہیں اور ان سے آپ کی نگاہیں نہ ہٹیں۔

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ میاں مزملؒ کو لکھتے ہیں:

فقراء کی محبت کا نقد سرمایہ آپ کے ہاتھ میں موجود ہے اور حدیث کے مطابق المرء مع من احبہ ﴿آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا﴾ آپ بھی فقراء کے ساتھ ہوں گے۔ بہر حال چند روزہ زندگی فقراء کے ساتھ گزاریں۔ ﴿درج بالا آیت﴾ نص قطعی ہے کہ حق سبحانہ نے اپنے حبیبِ پاک علیہ من الصلوٰت اتمہا و من التسلیمات ایمنہا کو اس بات کا حکم دیا ہے۔ (۲۴۶)

۴۱۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۔ (۲۴۷)

﴿۲۴۴﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۶۱

﴿۲۴۵﴾ سورۃ الکہف: ۲۸

﴿۲۴۶﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۵۶

﴿۲۴۷﴾ سورۃ طٰہٰ: ۵

ترجمہ: اس نے ﴿اپنی شان کے لائق﴾ عرش پر استواء فرمایا۔

اس آیت سے اگر چہ بظاہر ثبوتِ جہت اور ثبوتِ مکان کا وہم پیدا ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس سے جہت اور مکان کا اثبات ایسے مقام ﴿عرش﴾ کیلئے کیا ہے جہاں نہ کوئی جہت ہے نہ کوئی مکان ہے۔ یہ تو خدائے تعالیٰ کی بے جہتی ہے اور بے مکانی سے کنایہ ہے۔ (۲۴۸)

۴۲۔ لَایُحِیطُوْنَ بِهٖ عِلْماً ۔ (۲۴۹)

ترجمہ: اور لوگ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

انسان اپنے فہم وادراک اور علم ودانش سے ذات وصفاتِ الٰہی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ آیت قرآنیہ کے اس جزء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

بشر خالق کو کتنا پا سکتا ہے اور ممکن واجب سے کیا اخذ کر سکتا ہے؟ اور حادث قدیم ذات جلت عظمۃ کا کس طرح احاطہ کر سکتا ہے؟ (۲۵۰)

علم کی حقیقت تو اس بات کی مقتضی ہے کہ وہ شئے معلوم کا احاطہ کر لے اور ماسوا سے اسے الگ کر کے پہچان لے لیکن حق تعالیٰ کی ذات تو کسی شخص کے بھی احاطہ میں نہیں آ سکتی کیونکہ احاطہ اور تمیز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ چیز محدود ہو جسکا احاطہ اور تمیز حاصل ہو رہی ہے اور باری تعالیٰ کی شان میں یہ ممکن نہیں ہے لہٰذا اس کے ساتھ تو علم متعلق ہی نہیں ہو سکتا اور حق تعالیٰ کی ذات کسی کی معلوم نہیں بن سکتی بلکہ حق تعالیٰ کی صفات بھی اس کی ذات ہی طرح غیر معلوم ہیں کسی طرح سے بھی علم کے احاطہ میں نہیں آتیں۔ اور وہ کسی مخلوق کیلئے معلوم بھی نہیں بنتیں۔ (۲۵۱)

۴۳۔ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ

﴿۲۴۸﴾ معارف لدنیہ ص ۱۳۰

﴿۲۴۹﴾ سورۃ طٰہٰ: ۱۱۰

﴿۲۵۰﴾ دفتر اول مکتوب: ۱۷۳

﴿۲۵۱﴾ معارف لدنیہ ص: ۱۱۳

اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ (۲۵۲)

ترجمہ: بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔ جس روز تم اسکی ہولناکیوں کو دیکھو گے تو ہر دودھ پلانے والی ماں اس لختِ جگر سے غافل ہو جائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی ہوگی اور ہر حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور لوگ تجھے ایسے نظر آئیں گے جیسے وہ نشے میں مست ہوں۔ حالانکہ وہ نشے میں مست نہیں ہوں گے۔ بلکہ عذابِ الٰہی بڑا سخت ہوگا۔

آخرت کے جہاں میں مالکیت اور ملکیت، کیا حقیقی اور کیا مجازی ذاتِ مالك يوم الدين کے ساتھ خاص ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ندا فرمائے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (۲۵۳) یعنی آج کس کی سلطنت ہے اور خود ہی جواب میں فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی صرف اللہ واحد قہار کیلئے ہے۔ اس روز بندوں کیلئے دہشت اور خوف میں مبتلا ہونے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوگا اور حسرت وندامت کے سوا کچھ متصور نہ ہوگا۔ سورہ الحج کی آیت ۱-۲ میں اس روز کی شدت وسختی اور اس دن کے انتہائی اضطراب کی خبر دی ہے۔

دراں روز کز فعل پرسند وقول
اولوالعزم را دل بر زد زہول
بجائیکہ دہشت برند انبیاء
تو عذرِ گنہ راچہ داری بیا

اس روز جبکہ قول وفعل کے بارہ میں باز پرس ہوگی، اولوالعزم انبیاء کرام کا دل خوف سے لرز رہا ہوگا۔ وہ جگہ جہاں انبیاء پر بھی دہشت طاری ہوگی تو بتا اپنے گناہوں کا کیا عذر پیش کرے گا؟ (۲۵۴)

۴۴۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْ اُمْنِيَّتِهٖ

﴿۲۵۲﴾ سورۃ الحج: ۱-۲

﴿۲۵۳﴾ سورۃ المؤمن: ۱۶

﴿۲۵۴﴾ دفتر اول مکتوب: ۴۷

فَيَنسَخُ اللّٰهُ مايُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ ايٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيم" حكيم" ۔(۲۵۵)

ترجمہ:اور ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کوئی رسول یا نبی بھیجا اور اس نے چاہا کہ لوگ ہدایت پا جائیں تو شیطان نے انکی اس آرزو کے پورا ہونے میں رکاوٹ ڈالی تو پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی رکاوٹوں کو ختم کر دیتا رہا اور اپنی نشانیوں کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

مروی ہے کہ ایک دن حضرت سید البشر ﷺ مجلس میں تشریف فرماتھے، قریش کے سردار اور کفار کے رئیس بھی اس مجلس میں موجود تھے، بہت سے صحابہؓ بھی موجود تھے۔ حضرت سید البشر نے سورۃ النجم پڑھنی شروع کی جب ان کے باطل خداوں کا ذکر آیا تو آنحضرت ﷺ ہی کا کلام سمجھا اور اس میں کچھ تمیز نہ کر سکے تو کافروں نے جو وہاں موجود تھے شور مچا دیا اور کہنے لگے محمد ﷺ نے ہمارے ساتھ صلح کر لی اور ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے۔ حاضرین میں سے اہل اسلام بھی اس کلام سے متحیر ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کو شیطان لعین کے کلام سے اطلاع نہ ہوئی اور فرمایا کہ یہ کیا واقعہ ہے اصحاب کرام نے عرض کی اثنائے کلام میں اس قسم کے فقرے حضور علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہیں آنحضرت ﷺ بہت متفکر اور غم ناک ہوئے اسی اثنا میں جبریل امین حاضر ہوئے اور وحی لائے کہ وہ کلام القائے شیطانی تھا۔ کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں گذرا جس کے کلام میں شیطان نے القانہ کیا ہو۔ پس ازاں اللہ تعالیٰ نے اس کو رد کیا اور اپنے کلام کو محکم کیا۔

اس واقعہ سے حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ درج ذیل ہے:

پس جب آنحضرت ﷺ کی زندگی میں بیداری کے وقت صحابہ کی مجلس میں شیطان لعین نے اپنے کلام باطل کو آنحضرت کے کلام میں القا کر دیا اور کسی نے تمیز نہ کی تو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد خواب کی حالت میں جو حواس کے معطل و بے کار ہونے کا محل اور شک وشبہ کا مقام ہے باوجود دیکھنے والے کی تنہائی کے کہاں سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ شیطان کے تصرف اور مکر وفریب سے محفوظ اور مامون ہے۔(۲۵۶)

حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے جس واقعہ کا ذکر کیا ہے اسے ''واقعہ غرانیق'' کہا جاتا ہے۔ اگرچہ

﴿۲۵۵﴾ سورۃ الحج:۵۲

﴿۲۵۶﴾ دفتر اول مکتوب:۲۷۳

بعض تفاسیر میں اس داستاں کو بیان کیا گیا جن میں تنویر المقباس، جامع البیان، کشاف، مدارک، جلالین، درمنثور، جمل، مظہری، تبیان، مجمع البیان، اور قمی شامل ہیں، لیکن اس واقعہ کا حقیقت حال سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ اس سے آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ درست ہے۔

واقعہ غرانیق ان نصوص قطعیہ سے متصادم ہونے کی بناء پر قابل اعتبار نہیں جن میں قرآن کی حفاظت، نزول وحی کے وقت خصوصی اہتمام (۲۵۷) اور عصمت نبوت، شامل ہیں۔

نظرۃ النعیم کے مولفین لکھتے ہیں:

”والحق فی ان هذه القصه تصطدم بنصوص القرآن الکریم و عصمة النبوة فی قضیة الوحی، و تتعارض مع عقیدة التوحید وهی الاصل فی العقیدة الاسلامیة“

﴿موسوعۃ فی نظرۃ النعیم، فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، صالح بن عبداللہ، عبدالرحمٰن بن محمد، دار الوسیلۃ، سعودی عرب ۱۹۹۸ء﴾

ایسی تمام روایات جو مفسرین نے نقل نہیں کی ہیں وہ ہیں بھی مرسل۔ اور ان کو کتب صحاح میں آئمہ محدثین نے نقل نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر نے جن روایات (۲۵۸) پر صحت کا حکم لگایا ہے علامہ البانی نے (۲۵۹) انکار کیا ہے۔ اور علامہ قاسمی نے نہایت غیظ وغضب سے **فهی هفوة من ابن حجر یغفرها الله له** (۲۶۰) کہا جس سے ابن حجرؒ کے استدلال کی کمزوری عیاں ہو جاتی ہے۔

جس نے غرانیق کا قصہ وضع کیا اس نے اس بات پر بھی غور نہ کیا کہ سورہ النجم مکی ہے اور سورہ الحج مدنی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ مکی زندگی کے اس زمانہ میں مدنی سورت کی تلاوت کی جائے۔ الغرض عقلی اور نقلی جس پہلو سے بھی غور کیا جائے واقعہ غرانیق کی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ ثابت نہیں ہوتی۔ ایسی ہر روایت جو روح قرآن اور حضور ﷺ کے پیغمبرانہ منصب سے متصادم ہو، اگرچہ اسکی سند کتنی ہی عالی کیوں نہ ہو، باطل ہوگی۔ امام سیوطی لکھتے ہیں:

﴿۲۵۷﴾ سورۃ الجن: ۲۷

﴿۲۵۸﴾ فتح الباری، جلد ۸ ص: ۳۵۴-۳۵۵

﴿۲۵۹﴾ نصب المجانیق ص: ۱۹ تا ۲۶

﴿۲۶۰﴾ تفسیر القاسمی جلد ۵ ص: ۲۱۱

وخالف القرآن والمتواتر من السنة وجب تاويله وان لم يقبل التاويل كان باطلا

کہ جو حدیث قرآن کریم اور متواتر حدیث کے مخالف ہو اس کی تاویل کرنا واجب ہے، اگر تاویل ممکن نہ ہو تو وہ حدیث خود باطل ہو جائے گی۔ (انباء الاذکیاء ص:۱۰)

متقدمین و متاخرین، مفسرین، محدثین اور سیرت نگاروں نے اس واقعہ کا ناقابل تردید دلائل سے رد کیا ہے۔ چند مفسرین، محدثین اور سیرت نگار درج ذیل ہے:

ابن عطیہ(۲۶۱)، امام رازی(۲۶۲)، ابوسعود(۲۶۳)، ابوحیان(۲۶۴)، ابن کثیر(۲۶۵)، نظام الدین نیشاپوری(۲۶۶)، امام بیضاوی(۲۶۷)، شوکانی(۲۶۸)، طباطبائی(۲۶۹)، ابن عاشور(۲۷۰)، علامہ آلوسی(۲۷۱)، امام قرطبی(۲۷۲)، ابن العربی(۲۷۳)، احمد مصطفیٰ المراغی(۲۷۴)، جابر

﴿۲۶۱﴾ ابن عطیہ، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۳ء جلد ۴، ص:۱۲۹

﴿۲۶۲﴾ مفاتیح الغیب، جلد ۲۲ ص:۵۰

﴿۲۶۳﴾ ابوسعود محمد بن محمد، ارشاد العقل السلیم، داراحیاء التراث العربی لبنان، ۱۹۹۴ء، جلد ۶ ص:۱۱۳

﴿۲۶۴﴾ البحر المحیط، جلد ۶ ص:۳۸۲

﴿۲۶۵﴾ ابن کثیر، ابوالفدا اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق سامی بن محمد السلامۃ دارطیبۃ، الریاض ۱۹۹۷ء جلد ۵ ص:۴۴۴

﴿۲۶۶﴾ نیشاپوری نظام الدین، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، دارالکتب العلمیۃ لبنان، ۱۹۹۶ء، جلد ۵ ص:۹۱

﴿۲۶۷﴾ بیضاوی، عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل واسرار التاویل، دارالفکر بیروت، ۱۹۹۶ء جلد ۴ ص:۴

﴿۲۶۸﴾ شوکانی محمد بن علی، فتح القدیر، مکتبہ المعارف ریاض، جلد ۳ ص ۴۶۲

﴿۲۶۹﴾ طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، مؤسسہ مطبوعاتی اسماعیلیان قم، ۱۹۸۲ء، جلد ۱۴ ص:۳۹۷

﴿۲۷۰﴾ ابن عاشور محمد الطاہر، التحریر والتنویر، جلد ۱۷، ص:۳۰۴

﴿۲۷۱﴾ روح المعانی، جلد ۱۷ ص:۱۷۷

﴿۲۷۲﴾ الجامع لاحکام القرآن جلد ۱۲ ص:۸۲-۸۳

﴿۲۷۳﴾ احکام القران ج ۳ ص:۱۲۹۰-۱۲۸۹

﴿۲۷۴﴾ المراغی، احمد مصطفیٰ تفسیر المراغی، داراحیاء التراث العربی، بیروت جلد ۱۷ ص:۱۳۱

الجزائری (۲۷۵)، الزحیلی (۲۷۶)، محمد الامین (۲۷۷)، جمال الدین القاسمی (۲۷۸)، ابو بلال غنیم (۲۷۹)، سید قطب (۲۸۰)، طنطاوی (۲۸۱)، ابن جوزی (۲۸۲)، پیر محمد کرم شاہ (۲۸۳) امین احسن اصلاحی (۲۸۴) سید ابوالاعلیٰ مودودی (۲۸۵)، مفتی محمد شفیع (۲۸۶) غلام اللہ (۲۸۷)، اشرف علی تھانوی (۲۸۸)، شبیر عثمانی (۲۸۹)

محدثین:

امام بزاز، امام بیہقی (۲۹۰)، نووی (۲۹۱)، عینی (۲۹۲)، کرمانی (۲۹۳) غلام رسول

﴿۲۷۵﴾ جابر الجزائری، الیسر التفاسیر، مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ ۱۹۹۶ء جلد ۳، ص: ۴۸۸

﴿۲۷۶﴾ وھبۃ الزحیلی، ڈاکٹر، التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنھج، دالفکر المعاصر بیروت ۱۹۹۱ء جلد ۱۷، ص: ۲۴۹

﴿۲۷۷﴾ محمد الامین، اضواء البیان، مکتبۃ ابن تیمیۃ قاہرہ، جلد ۵ ص: ۳۰۷

﴿۲۷۸﴾ القاسمی، جمال الدین، تفسیر القاسمی، مؤسسۃ التاریخ العربی البنان ۱۹۹۴ء جلد ۵ ص: ۲۱۱

﴿۲۷۹﴾ ابو بلال غنیم حاشیہ تفسیر القرآن اوابوالمظفر السمعانی، دار الوطن الریاض ۱۹۹۷ء جلد ۳ ص: ۴۴۸

﴿۲۸۰﴾ سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الشرق بیروت ۱۹۸۵ء جلد ۴ ص: ۲۴۳۲-۲۴۳۳

﴿۲۸۱﴾ طنطاوی، الشیخ جوہری، الجواہر فی تفسیر القرآن، ۱۳۵۰ھ جلد ۱۱ ص: ۴۶

﴿۲۸۲﴾ ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی، زادالمسیر، المکتب الاسلامی بیروت، جلد ۵ ص: ۴۴۱

﴿۲۸۳﴾ ضیاء القرآن، جلد ۳ ص: ۲۱۶

﴿۲۸۴﴾ تدبر قرآن جلد ۵ ص: ۲۷۱

﴿۲۸۵﴾ تفہیم القران جلد ۳ ص: ۲۳۸-۲۴۵

﴿۲۸۶﴾ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۹۴ء جلد ۶ ص: ۲۷۶

﴿۲۸۷﴾ غلام اللہ خاں، جواہر القرآن، کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی، ج: ۲، ص: ۴۴۷

﴿۲۸۸﴾ تھانوی، اشرف علی، بیان القرآن، میر محمد کتب خانہ کراچی، جلد ۲ ص: ۷۸

﴿۲۸۹﴾ عثمانی، علامہ شبیر احمد، حواشی قرآن، مکتبہ رشیدیہ لاہور ص: ۶۸۳

﴿۲۹۰﴾ فتح القدیر، جلد ۳ ص: ۲۶۴

﴿۲۹۱﴾ سیرت النبی جلد اول ص: ۱۴۶

﴿۲۹۲﴾ عینی، بدرالدین، عمدۃ القاری، دار الفکر بیروت، جز ۱۹ ص: ۲۶

﴿۲۹۳﴾ کرمانی، علامہ محمد بن یوسف، شرح البخاری، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۱ھ جلد ۶ ص: ۱۵۳/ جلد ۱۸ ص: ۱۱۶

سعیدی (۲۹۴)، انور شاہ کشمیری (۲۹۵)، ملا علی قاری (۲۹۶)

سیرت نگار:

قسطلانی (۲۹۷)، ہیکل (۲۹۸)، شبلی نعمانی (۲۹۹)، ابوشہبۃ (۳۰۰)، شیخ عبدالحق (۳۰۱) محمد رضا (۳۰۲)، جعفر سبحانی (۳۰۳) پروفیسر محمد طاہر القادری (۳۰۴)، قاضی عیاض (۳۰۵)

ذیل اصحاب علم نے اس واقعہ کے رد میں مستقل کتابیں لکھیں:

محمد بن ابن اسحاق بن خزیمہ (۳۰۶)، محمد عبدہ المصری (۳۰۷)، محمد ناصر الدین البانی، راحت

﴿۲۹۴﴾ سعیدی، غلام رسول، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال لاہور، ۱۹۹۶ء جلد ۷ ص: ۳۵۰

﴿۲۹۵﴾ کاشمیری، انور شاہ، فیض الباری، پروگریسو بکس لاہور، جلد ۲ ص. ۲۸۸

﴿۲۹۶﴾ ملا علی قاری، ملا علی بن سلطان، مرقات، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۳۹۲ھ جلد ۳ ص: ۳۲/ شرح شفا علی بامش نسیم الریاض، دار الفکر بیروت، جلد ۴ ص: ۹۲

﴿۲۹۷﴾ شرح زرقانی علی المواہب الدنیہ، دار الکتب العلمیہ جلد ۲ ص: ۱۹

﴿۲۹۸﴾ ہیکل، محمد حسین، حیاۃ محمد، قاہرہ ۱۹۶۸ء ص: ۱۶۵

﴿۲۹۹﴾ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دار الاشاعت کراچی ۱۹۸۵ء جلد اول ص: ۱۳۶

﴿۳۰۰﴾ ابوشہبۃ محمد بن محمد، السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ، دار القلم دمشق، جلد اول ص. ۳۶۵

﴿۳۰۱﴾ محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، مدارج النبوت، مترجم غلام معین الدین مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، جلد دوم ص: ۶۷

﴿۳۰۲﴾ محمد رضا، شیخ محمد رسول اللہ، مترجم محمد عادل قدوسی، تاج کمپنی لاہور، ص: ۱۸۷

﴿۳۰۳﴾ جعفر سبحانی، فروغ ابدیت، مترجم نصیر حسین، امامیہ پبلشرز لاہور ص: ۲۲۰-۲۲۱

﴿۳۰۴﴾ طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر، سیرۃ الرسول، منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۸ء جلد ۵، ۳۳۷-۳۵۹

﴿۳۰۵﴾ قاضی عیاض، ابوالفضل، الشفا، مترجم سید محمد متین ہاشمی، انجمن اصلاح المسلمین گوجرانوالہ ۱۹۸۳ء جلد ۲ ص: ۱۹۷

﴿۳۰۶﴾ السیرۃ النبویۃ فی ضوء القرآن والسنۃ جلد اول ص: ۳۶۵

﴿۳۰۷﴾ البانی محمد ناصر الدین، نصب المجانیق لنسف قصۃ الغرانیق، منشورات المکتب الاسلامی دمشق، ص ۲۶

ناہید(۳۰۸)، احمد بن عبد الفتاح(۳۰۹)، احمد بن الحسن الجوہری(۳۱۰)

درج بالا فہرست کو ملاحظہ فرما کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس واقعہ کے باطل ہونے پر امت کے محققین کا اجماع ہے۔

۴۵۔ وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ جَمِيْعاً اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔(۳۱۱)

ترجمہ: اے مسلمانو! اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ مراد کو پہنچ جاؤ۔

اللہ نے فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحاً عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔(۳۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص دل سے توبہ کرو۔ بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہارے گناہ تم سے دور کر دے اور تمہیں باغوں میں داخل کر دے، جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں۔

قرآن کریم میں ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَا لْاِثْمِ وَبَاطِنَه‘ ۔(۳۱۳)

ترجمہ: اور چھوڑ دو کھلا گناہ اور پوشیدہ گناہ۔

• تو گناہوں سے توبہ کرنا ہر شخص کیلئے فرض عین اور ضروری ہے۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی انسان اس سے بے نیاز ہو۔ جبکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بھی توبہ سے بے نیاز نہ ہوئے۔ خاتم النبیین اور پیغمبروں کے سردار علیہ وعلیہم الصلوات والتحیات نے فرمایا:

﴿۳۰۸﴾ ایم-اے ﴿اسلامیات ۱۹۸۹ء﴾ کیلئے گورنمنٹ کالج فیصل آباد کی طالبہ کا لکھا ہوا غیر مطبوعہ مقالہ جس کے نگران ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی تھے۔

﴿۳۰۹﴾ منهل التحقيق فی مسئلۃ الغرانيق

﴿۳۱۰﴾ رسالۃ فی الغرانيق

﴿۳۱۱﴾ سورۃ النور، ۳۱

﴿۳۱۲﴾ سورۃ التحریم: ۸

﴿۳۱۳﴾ سورۃ الانعام: ۱۲۰

میرے دل پر کچھ غبار سا آ جاتا ہے اور میں دن رات میں اپنے اللہ سے ستر مرتبہ بخشش مانگتا ہوں۔(۳۱۴)

پھر اگر گناہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہوں اور بندوں کے حقوق اور مظالم سے تعلق نہ رکھتے ہوں جیسے زنا کرنا، شراب پینا،، راگ سننا اور غیر محرم کی طرف دیکھنا اور قرآن مجید کو بغیر وضو کے چھونا یا بدعت کا عقیدہ رکھنا۔ ان سے توبہ یہ ہے کہ گناہوں پر ندامت اور حسرت وافسوس ہو اللہ تعالیٰ کی جناب میں معافی کی درخواست کرے اور اگر اس نے فرائض چھوڑے ہوں تو انکا ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

اگر گناہ لوگوں کے مظالم اور حقوق سے تعلق رکھتے ہوں تو ان سے توبہ اس طرح ہے کہ وہ حقوق ادا کرے اور ان سے معافی لے، ان سے اچھا سلوک کرے اور ان کیلئے دعا مانگے اور اگر صاحبِ حق فوت ہو چکا ہو تو اس کیلئے استغفار کرے۔ نیکی کر کے اسے بخشے اور مال اسکی اولاد کے سپرد کرے، اسکے وارث اگر معلوم نہ ہوں تو گناہ اور مال کے اندازے کے مطابق صاحب مال کی نیت سے یا جیسے بغیر حق کے تکلیف دی ہے، فقیروں اور مسکینوں پر مال صدقہ کرے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

میں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سنا وہ کہتے تھے اور وہ سچے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو آدمی گناہ کرے پھر کھڑا ہو وضو کرے، نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسکو معاف کر دے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: جو آدمی کوئی برائی کر لے یا اپنی جان پر ظلم کرلے پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگے تو اللہ تعالیٰ کو غَفُوْرًا رَّحِیمًا پائے گا۔(۳۱۵)

ایک حدیث میں ہے: جو آدمی کوئی گناہ کرے پھر اس پر اسکو ندامت ہو تو وہ ندامت اس گناہ کا کفارہ ہے۔(۳۱۶) ایک اور حدیث میں ہے: جب بندہ کہتا ہے میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں پھر گناہ کرتا ہے اور پھر اسی طرح کہتا ہے پھر تیسری مرتبہ گناہ کرتا ہے اور معذرت کرتا ہے پھر چوتھی مرتبہ بھی ایسا ہی کرتا ہے تو اس وقت اسکا یہ قول کبیرہ گناہوں میں لکھا جاتا

﴿۳۱۴﴾ مشکوۃ المصابیح ،ص:۲۰۳

﴿۳۱۵﴾ مشکوۃ المصابیح ،ص:۱۱۷

﴿۳۱۶﴾ مجمع الزوائد، جلد ۱۰ ص:۲۰۲

ہے۔(۳۱۷) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مسوف ہلاک ہو گئے، جو کہتے ہیں کہ عنقریب توبہ کر لیں گے۔

مجاہد نے کہا ''جو آدمی صبح و شام توبہ نہ کرے وہ ظالمین میں سے ہے''

اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہو اور تمام حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز نصیب ہو جائے تو یہ بہت بڑی نعمت ہے اور انتہا درجہ کی دولت ہے ورنہ بعض گناہوں سے توبہ اور بعض محرمات سے پرہیز بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کے انوار و برکات دوسرے بعض میں بھی سرایت کریں اور تمام گناہوں سے توبہ اور پرہیز کی توفیق نصیب ہو جائے۔(۳۱۸)

اگر گناہ گار مومن سکراتِ موت سے پہلے توبہ کی توفیق پالے تو نجات کی بڑی امید ہے کہ توبہ قبول کرنے کا وعدہ ہے۔ اگر توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوا تو اسکا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ چاہے تو معاف کر دے اور جنت بھیج دے اور چاہے تو گناہ کے مطابق سزا دے۔ آگ سے یا بغیر آگ کے، لیکن آخر کار اسے نجات حاصل ہو گی اور اس کا انجام بہشت ہے۔(۳۱۹)

۴۶۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ط اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ لا يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (۳۲۰)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو۔ اس میں چراغ ہو وہ چراغ شیشے کے ایک فانوس میں ہو۔ وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے۔ جو موتی کی طرح چمک رہا ہے۔ جو برکت والے زیتون کے درخت سے جو شرقی ہے نہ غربی روشن کیا گیا ہے۔ قریب ہے کہ اسکا تیل روشن ہو جائے اگرچہ آگ اسے نہ چھوئے۔ یہ نور ہی نور ہے۔

ممکنات سب کے سب عدمات ہیں۔ جو سراسر ظلمت و شر ہیں اور ان میں خیر و کمال اور حسن و جمال حضرتِ وجود کی طرف سے ہے جو نفیسِ ذات تعالیٰ ہے اور ہر خیر و کمال اور حسن و جمال کا عین ہے۔

---

(۳۱۷) اصبھانی، ابو نعیم احمد بن عبداللہ، ذکر اخبار اصبھان، موسسۃ النصر طہران، ۱۹۲۴ء جلد ۲، ص: ۱۲۴

(۳۱۸) دفتر دوم مکتوب: ۲۶

(۳۱۹) دفتر دوم مکتوب: ۲۷

(۳۲۰) سورۃ النور، آیت: ۳۵

تو بالضرور آسمانوں اور زمینوں کا نور حضرت وجود ہی ہوگا جو واجب تعالیٰ و تقدس کی حقیقت ہے اور چونکہ یہ نور آسمانوں اور زمین میں ظلال کے واسطے سے ہے اس لئے ان وہم کرنے والوں کے وہم کو دور کرنے کیلئے اس نور کی مثال بیان کی اور اس طرح فرمایا:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ

تا کہ واسطوں کا ثبوت ہو جائے۔ (۳۲۱)

درج بالا مکتوب میں حضرت مجدد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اس آیت کے تاویلی معنی مفصل کسی اور جگہ لکھے جائیں گے۔ یہ تفصیلات آپ نے دفتر دوم کے مکتوب گیارہ میں بیان کیں جو کہ درج ذیل ہیں:

اگرچہ آسمانوں اور زمین کا نور وہی حق تعالیٰ ہے لیکن وہ نور ظلال کے پردوں سے ملا ہوا ہے۔ ظلیت کے واسطہ کے بغیر ظہور نہیں فرماتا اور یہ سب ... شی کے انوار ہیں۔ جنہوں نے ظلال میں سے کسی ظل کے پردے میں چھپ کر ظہور فرمایا ہے۔ جس طرح دریائے محیط سے برتنوں کے ذریعے پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں اور نفع اٹھاتے ہیں۔ جس طرح بڑی مشعل سے چھوٹے چھوٹے چراغ جلاتے ہیں اور ان چھوٹے چھوٹے چراغوں سے اطراف واکناف کو روشن کرتے ہیں۔ ﴿اس آیت میں﴾ شاید انہیں معارف کی طرف اشارہ ہو کیونکہ آیت مذکورہ میں تمثیل اس بنا پر اختیار کی گئی ہے تا کہ آسمانوں اور زمین میں اس نور کے ظہور کو بے واسطہ نہ سمجھ لیں، ظل کو اصل کے ساتھ مشتبہ نہ کرلیں، اور نورِ ظل کو نورِ اصل سے لیا ہوا اور روشن کیا ہوا جانیں۔

نور اسے کہتے ہیں جس سے اشیاء روشن ہوں۔ تمام آسمان اور زمین اسی بلند ذات کے ساتھ روشن ہیں کیونکہ اس سبحانہ نے ان کو عدم کی تاریکیوں سے باہر نکالا ہے وجود اور توابع وجود کے ظلال کے ساتھ متصف کر کے منور کیا ہے۔ اور اس نور کو چراغ کی طرح جاننا چاہیئے جو اس طاق میں بطور امانت رکھا گیا ہے۔ ﴿مشکوۃ پر کاف تمثیل کا داخل ہونا اس بناء پر ہے کہ وہ طاق اس چراغ پر مشتمل ہے﴾ اور شیشے سے اسماء اور صفات کا ملاحظہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ نور اسماء و صفات سے ملا ہوا ہے۔ شیون واعتبارات سے معرا نہیں ہے۔ صفات عز سلطانہ کا شیشہ حسن وجود اور جمال قدم کے ساتھ ایک درخشاں ستارے کی طرح

﴿۳۲۱﴾ دفتر اول مکتوب ۲۳۴

ہے۔ چراغ جو اس طاق میں رکھا ہوا ہے وہ زیتون کے مبارک درخت سے روشن ہوا ہے۔ یہ جامع ظہور عرش سے کنایہ ہے کہ استواء اس ظہور سے رمز و اشارہ ہے۔ کیوں کہ دوسرے ظہورات جو آسمانوں اور زمین سے تعلق رکھتے ہیں اس ظہور جامع کیلئے اجزاء کی مانند ہیں اور جب وہ ظہورِ جامع لا مکانی اور بے جہت ہے، اسے لَا شَرْقِيَّةٍ اور لَا غَرْبِيَّةٍ کہا جا سکتا ہے يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ" اس شجرۂ مبارکہ کی صفتِ مادحہ ہے اور اس درخت ممثل بہ کی صفائی اور روشنی کا بیان ہے۔

نُورٌ" عَلَىٰ نُورٍ ۔ یعنی شیشے کا پردہ صفائی اور درخشندگی کے لحاظ سے نور میں اور زیادہ بڑھ گیا ہے۔ اس کے حسن و جمال میں اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ صفات کے کمالات ذات تعالیٰ و تقدس کے کمالات کے ساتھ جمع ہو چکے ہیں اور صفات کا حسن ذات تعالیٰ کے حسن کے ساتھ مل گیا ہے۔ کئی گنا زیادہ نور اور کمال ظہور کے باوجود يهدى الله لنوره من يشاء جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ ہاں

مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوراً فَمَالَهٗ مِنْ نُّورٍ ۔ (۳۲۲)

جسے اللہ روشنی عطا نہ کرے اس کیلئے کچھ روشنی اور نور نہیں۔ (۳۲۳)

۴۷۔ رِجَالٌ" لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ" وَّلَا بَيْعٌ" عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۔ (۳۲۴)

ترجمہ: وہ مرد جنہیں تجارت اور خرید و فروخت یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔

مشائخ میں سے ایک گروہ جو اپنے آپ اور اپنے ارادہ سے پوری طرح باہر آ چکے ہیں نے بعض حقانی نیتوں کے باعث اہل دنیا کی صورت اختیار کر رکھی ہے اور بظاہر دنیا کی طرف راغب نظر آتے ہیں۔ فی الحقیقت انہیں اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ تجارت اور بیع وغیرہ ان کیلئے ذکرِ حق سے مانع نہیں ہے۔ ان امورِ دنیا کے ساتھ عین تعلق کے اندر بھی بے تعلق ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا کہ میں نے منیٰ کے بازار میں ایک تاجر دیکھا جو کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کر رہا تھا مگر

﴿۳۲۲﴾ سورۃ النور، آیت: ۴۰

﴿۳۲۳﴾ دفتر دوم مکتوب: ۱۱

﴿۳۲۴﴾ سورۃ النور: ۳۷

اسکا دل ایک لحظہ کیلئے بھی یادِ حق سے غافل نہ تھا۔(۳۲۵)

یہ آیت صوفیہ کے ایک خاص مقام کا بیان ہے۔اس مقام کے حامل اصحاب کیلئے اس آیت کے حوالہ سے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

وہ تجلی ... جو دوسروں کیلئے برق کی طرح ہے ان بزرگوں کیلئے دائی ہے اور وہ حضور جس کے بعد غیب ہو ان عزیزوں کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے۔اس آیت میں اس حال کا بیان ہے۔(۳۲۶)

۴۸۔اِنَّكَ لَاتَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ(۳۲۷)

ترجمہ: بے شک آپ ﴿اے ﴾ ہدایت یافتہ نہیں کرتے جس کا ہدایت یافتہ ہونا آپ کو پسند ہو لیکن اللہ ہدایت یافتہ کرتا ہے۔جسے چاہیے۔

جب سید البشر ﷺ کا ارادہ توقف میں پڑ سکتا ہے تو دوسروں کی وہاں کیا مجال ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس صاحب ارادہ کی تمام مرادیں حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوں ورنہ آنحضرت ﷺ کے بعض اقوال وافعال پر حق تعالیٰ کی طرف سے اعتراض نازل نہ ہوتا۔جیسا کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ...... الخ (۳۲۸)

اور اس کی معافی عطا فرمانے کی بھی کوئی گنجائش نہ ہوتی جب کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ...... الخ (۳۲۹)

کیونکہ معافی کا تصور تو تقصیر اور کوتاہیوں ہی میں ہوسکتا ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ حق جل وعلا کی تمام مرادات بھی حق سبحانہ کی مرضیات نہیں ہوا کرتیں مثلاً کفر اور معاصی۔(۳۳۰)

﴿۳۲۵﴾ دفتر اول مکتوب:۳۳

﴿۳۲۶﴾ دفتر اول مکتوب:۲۴۳

﴿۳۲۷﴾ سورۃ القصص،آیت:۵۶

﴿۳۲۸﴾ سورۃ الانفال،آیت:۶۷

﴿۳۲۹﴾ سورۃ التوبۃ،آیت:۴۳

﴿۳۳۰﴾ مبدأ ومعاد،ص:۱۹۹—۲۰۰

۴۹۔مَنْ کَانَ یَرْجُوا لِقَاءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لاٰتٍ ۔(۳۳۱)

ترجمہ: جوشخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو وہ سن لے کہ اللہ کی ملاقات کا وقت ضرور آنے والا ہے۔

خدائے عزوجل کے دوست حدیث کے مطابق المرء مع من احب (۳۳۲) ﴿شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے محبت ہوگی﴾ خدائے تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ہیں۔ بدن کا ساتھ ہونا اس معیت و اتصال میں قدرے مانع ہے۔اس مادی صورت اور تاریکی سے لبریز شکل سے مفارقت اور جدائی کے بعد سب قرب ہی قرب اور اتصال ہی اتصال ہے۔

اَلْمَوْتُ جَسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ ۔(۳۳۳)

اس آیت میں مشتاق لوگوں کیلئے تسلی بھی ہے۔(۳۳۴)

۵۰۔اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ۔(۳۳۵)

ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے۔

آدمی کیلئے جس طرح عقائد کا درست ہونا ضروری ہے اسی طرح اعمالِ صالحہ کا بجالانا بھی ضروری ہے۔عبادتوں میں جامع اور طاعات میں سب سے زیادہ خدا کے قریب کرنے والی طاعت نماز کا ادا کرنا ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ فَمَنْ قَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدِمَ الدِّیْنَ ۔(۳۳۶)

﴿۳۳۱﴾ سورۃ العنکبوت، آیت: ۵

﴿۳۳۲﴾ ابن عدی، ابواحمد عبداللہ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مکتبۃ الاثریہ، شیخوپورہ، جلد دوم، ص: ۵۹۰

﴿۳۳۳﴾ یہ حیان بن الأسود کا قول ہے، سیوطی جلال الدین، شرح الصدور، تحقیق یوسف علی بدیوی، مکتبہ دار التراث المدینۃ المنورۃ، ۱۹۸۹ء ص: ۴۰

﴿۳۳۴﴾ دفتر اول مکتوب: ۴۵

﴿۳۳۵﴾ سورۃ العنکبوت، آیت: ۴۵

﴿۳۳۶﴾ کنز العمال رقم ۱۸۸۸۹، جلد ۷ ص: ۲۸۴/عسقلانی، ابن حجر، التلخیص الحبیر، المکتبہ الاثریہ، سانگلہ ہل ۱۹۶۴ء جلد اول ص: ۱۷۳، ابن حجر یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ھو منکر باطل

﴿نماز دین کا ستون ہے، تو جس نے اسے قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کرلیا اور جس نے اسکو چھوڑ دیا اس نے دین کی عمارت کو گرادیا﴾

جس شخص کو ہمیشہ پابندی سے نماز ادا کرنے کی توفیق عطا ہو جاتی ہے اسے فحشاء اور منکر سے بھی بچا لیا جاتا ہے۔ ﴿سورۃ العنکبوت﴾ کی آیت اس بات کی تائید کرتی ہے۔ وہ نماز جو فحشاء اور منکرات سے نہیں روکتی، صرف صورت نماز ہے اور حقیقتِ نماز سے خالی ہے۔ لیکن حقیقت کے ہاتھ آنے تک صورت کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے۔ جو شے پوری حاصل نہ ہو سکے اسے بالکل ترک نہیں کر دینا چاہیئے۔ خدائے اکرم الاکرمین اگر صورت کو ہی حقیقت کا درجہ دیدے تو کوئی بعید نہیں۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ پورے خشوع وخضوع کے ساتھ باجماعت پوری نمازیں ہمیشہ پابندیٔ وقت کے ساتھ ادا کرتے رہو۔ کیونکہ نماز فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۔(۳۳۷)

ترجمہ: بے شک فلاح پا گئے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔(۳۳۸)

۵۱۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَالْحَدِیْثِ ۔(۳۳۹)

ترجمہ: اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو مقصدِ حیات سے غافل کردینے والی باتوں کو خریدتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ سماع و رقص در حقیقت لہو و لعب میں داخل ہے آیتِ کریمہ سرور کے منع ہونے کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ مجاہدؒ جو ابن عباسؓ کے شاگرد ہیں اور کبار تابعین سے ہیں کہتے ہیں لھو الحدیث سے مراد سرور ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے کہ لھوالحدیث سے مراد سمر یعنی بے ہودہ قصے کہانیاں اور سرورت۔(۳۴۰) حضرت ابن عباس اور ابن مسعودؓ قسم کھاتے تھے کہ بیشک وہ غنا اور سرور ہے۔ حضرت مجاہدؒ اللہ تعالٰی کے قول لَایَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ﴿زور میں حاضر نہیں ہوتے﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔(۳۴۱)

﴿۳۳۷﴾ سورۃ المؤمنون ۱-۲

﴿۳۳۸﴾ دفتر اول مکتوب: ۸۵

﴿۳۳۹﴾ سورۃ لقمٰن: ۶

﴿۳۴۰﴾ نسفی، عبداللہ بن احمد، المکتبۃ العلمیۃ، لاہور، جلد چہارم ص: ۱۲۸

﴿۳۴۱﴾ الجامع لاحکام القرآن، جلد ۱۳ ص: ۸۰

ای لا یَحضُرُونَ الغنَاءَ ﴿یعنی سرور و سماع میں حاضر نہیں ہوتے﴾

اور امام الہدیٰ ابو منصور ماتریدیؒ سے حکایت کی گئی ہے کہ:

جس نے ہمارے زمانے کے کسی قاری کو قراءت کے وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا (۳۴۲)، کافر ہو جاتا ہے اور اس کی عورت اس سے جدا ہو جاتی ہے اور اسکی تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

ابو نصرؒ الدبوسی نے قاضی ظہیر الدینؒ خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ:

جس نے کسی گانے والے یا کسی اور سے سرود سنا یا فعل حرام کو دیکھا اور اسکو اچھا جانا از روئے اعتقاد کے یا بغیر اعتقاد کے تو اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل قرار دیا اور جس نے شریعت کے حکم کو باطل کہا وہ کسی مجتہد کے نزدیک مومن نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اسکی اطاعت قبول نہیں کرتا بلکہ اسکی نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔

آیات و احادیث اور روایاتِ فقیہہ غناء اور سرور کے حرمت میں اس قدر ہیں کہ انکا شمار کرنا مشکل ہے۔ اگر کوئی منسوخ حدیث یا روایت شاذہ کو سرود کے مباح ہونے کے حق میں پیش کرے تو اسکا ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیئے کیونکہ کسی فقیہ نے کسی زمانہ میں سرور کے مباح ہونے کا فتویٰ نہیں دیا اور نہ ہی رقص و پاکوبی کو جائز قرار دیا ہے۔ (۳۴۳)

ایک مکتوب میں آپ نے نغمہ و سرور کو شکر ملا زہر قرار دیا ہے۔ (۳۴۴)

۵۲۔ اِنَّا عَرَضْنَا الاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْماً جَهُوْلاً ۔ (۳۴۵)

ترجمہ: ہم نے یہ امانت آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی، انہوں نے اسے اٹھانے

﴿۳۴۲﴾ اس زمانے کے قاری قرآن کو گانے کی طرز پر پڑھتے تھے۔ جیسے ہمارے زمانے میں نعتیں پڑھی جاتی ہیں، اور تعریف کرنے والا کافر اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس نے ایک حرام فعل کی تعریف کی۔

﴿۳۴۳﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۶۶

﴿۳۴۴﴾ دفتر سوم مکتوب: ۳۴

﴿۳۴۵﴾ سورۃ الاحزاب: ۷۲

سے انکار کر دیا اور ڈر گئے انسان نے اسے اٹھالیا۔ بے شک یہ بہت بڑا ظالم و جاہل ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی نے اس آیت کے جو اسرار و رموز بیان فرمائے وہ مفسرین میں سے کسی اور نے بیان نہیں کیے۔ بطور تمہید روح انسانی کی وسعت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ ۔(۳۴۶)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے کیف ہے۔ اس نے آدم کی روح کو جو آدم کا خلاصہ ہے بے مثل و بے کیف پیدا فرمایا تو جس طرح حق سبحانہ وتعالیٰ لامکانی ہے روح بھی لامکانی ہے۔ روح کو بدن کیساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ وتقدس کو عالم کے ساتھ ہے کہ عالم میں داخل ہے نہ خارج، متصل ہے نہ منفصل، قیومیت یعنی تدبیر وتصرف کے سوا اور کوئی نسبت مفہوم نہیں ہوتی۔ بدن کے ہر ذرے کی منتظم روح ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام عالم کا قیوم و مدبر ہے بدن کیلئے اللہ تعالیٰ کی قیومیت وتدبیر روح کی قیومیت کے واسطہ سے ہے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو فیض بھی وارد ہوتا ہے، اس فیض کا محل ورود اولا اور ابتداء روح ہے پھر روح کے واسطہ سے وہ فیض بدن کو پہنچتا ہے۔ جبکہ روح بے چونی وبے چگونی کی حالت پر پیدا کی گئی ہے تو لامحالہ بے چونی بے چگونی حقیقی ﴿اللہ تعالیٰ﴾ کی اس میں گنجائش ہے۔

لَایَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَاسَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ عَبْدِیْ الْمُؤْمِنِ ۔(۳۴۶۔الف)

میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمان میں لیکن بندہ مومن کے قلب میں سماتا ہوں۔

کیونکہ ارض وسماء اس وسعت وفراخی کے باوجود دائرۂ مکان میں داخل ہیں اور چون وچگون کے داغ سے داغدار ہیں اس لئے لامکانی ذات جو کمیت اور مقدار سے مقدس اور پاک ہے، مکان میں سمانے کی گنجائش نہیں رکھتی۔ اور بے چون، چون میں قرار پذیر نہیں ہوسکتی۔ تو لامحالہ عبدِ مومن کے قلب کی تخصیص کی

﴿۳۴۶﴾ بدیوی، یوسف علی، الاحادیث القدسیۃ، دار ابن کثیر، بیروت، ص:۵٦ رقم ۹۸

﴿۳۴۶۔الف﴾ اصل لفظ ماوسعنی سمائی ولا ارض، بل وسعنی عبدالمومن ہیں۔

ابن تیمیہ اس روایت کے بارہ میں لکھتے ہیں: ھذا مذکور فی الاسرا ئیلیات ولیس لہ اسناد معروف عن النبی ﷺ ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، احادیث القصاص، تحقیق محمد الصباغ، المکتب الاسلامی مصر ۱۹۷۲ء ص:٦٦-٦۷

وجہ یہ ہے کہ غیر مومن کامل کا قلب لامکان کی بلندی کے نیچے آچکا ہے اور مقدار و کیفیت کا گرفتار ہو چکا ہے اور اس کے حکم کا پابند ہو چکا ہے۔ پس اس نزول اور گرفتاری کی بنا پر چونکہ دائرۂ مکانی میں داخل ہو چکا ہے اور مقدار و کیف کا گرفتار ہو چکا ہے اور کیف و مثل کی حالت پیدا کر چکا ہے۔ اس لئے اس قابلیت کو ضائع کر چکا ہے۔

اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُم اَضَلُّ ۔(۳۴۷)

ترجمہ: یہ لوگ چار پایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔

مشائخ میں سے جس نے بھی اپنے قلب کی وسعت کی خبر دی اسکی مراد یہی قلب کی لامکانیت ہے کیونکہ مکانی شے اگرچہ کتنی وسیع ہو بہر حال تنگ ہے۔ عرش عظمت و فراخی کے باوجود چونکہ مکانی ہے، لامحالہ لامکانی ﴿روح﴾ کے سامنے رائی کے دانہ کے حیثیت رکھتا ہے بلکہ اس سے بھی کمتر۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ قلب چونکہ انوارِ قدم کی تجلی کا محل بن چکا ہے بلکہ قدیم ذات کے ساتھ بقاء حاصل کر چکا ہے اس لئے عرش و مافیہا اگر اس میں آ پڑیں تو بالکل محو و لاشے ہو جائیں اور ان کا کچھ اثر و نشان باقی نہ رہے۔ جیسا کہ سیّد الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ محدث ﴿فانی﴾ کو جب قدیم کے ساتھ ملا یا جائے تو فانی اور محدث کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔

یہ ایک یکتا لباس ہے جو صرف روح کے قد پر ہی سیا گیا ہے ملائکہ بھی یہ خصوصیت نہیں رکھتے کیونکہ یہ بھی دائرۂ مکان میں داخل ہیں۔ اور چوں کہ ساتھ متصف ہیں اسی بنا پر انسان رحمان جل سلطانہ کا خلیفہ قرار پایا۔ ہاں ہاں! شے کی صورت ہی شے کا خلیفہ بن سکتی ہے۔ جب شے کی صورت پر پیدا نہ کیا گیا ہو تو اسکی خلافت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک خلافت کے لائق نہ ہو امانت کے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا۔

لَايَحْمِلُ عَطَايَا الْمَلِكِ اِلَّا مَطَايَاه‘ ۔(۳۴۸)

ترجمہ: بادشاہ کے عطیات کو اسی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں۔

یہ بیان کرنے کے بعد کہ بارِ امانت اٹھانے کی استعداد انسان ہی میں رکھی گئی آیتِ مذکورہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

﴿۳۴۷﴾ سورۃ الاعراف:۱۷۹

﴿۳۴۸﴾ دفتر اول مکتوب:۲۸۷

آسمان و زمین اور پہاڑ وہ جامعیت کہاں سے لائیں کہ اللہ کی صورت میں مخلوق ہوں، اس کی خلافت کے حق دار ٹھہریں اور اسکی امانت کا بوجھ اٹھائیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر بالفرض اس امانت کے بوجھ کو آسمان، زمین اور پہاڑوں کے حوالے کر دیتے تو وہ پارہ پارہ ہو جاتے اور ان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہتا۔ وہ نیابت اس حقیر کے خیال میں تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسانوں میں سے کامل افراد کے ساتھ مخصوص ہے یعنی کامل انسان کا معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ بحکم اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں اور تمام مخلوق کو وجود، بقاء اور تمام کمالاتِ ظاہری و باطنی کے فیوض اسکے واسطے سے پہنچتے ہیں۔

اگر فرشتہ ہے تو اسی سے متصل ہے اگر انسان و جن ہیں تو اسی کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں اور حقیقت میں تمام اشیاء کی توجہ اسی کی جانب ہے اور تمام اسی کی طرف دیکھنے والے ہیں۔

اِنّه' كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً ۔

یعنی اپنے نفس پر بہت ظلم کرنے والا اس قدر کہ اپنے وجود اور وجود کے توابع میں سے کوئی بھی اثر اور حکم باقی نہیں رکھتا۔ جب تک اپنے اوپر اس قدر ظلم نہ کرے، امانت کا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ جَھُولاً بہت زیادہ جہالت والا اتنا کہ اسے اپنے مطلوب کا کوئی ادراک اور علم نہیں ہوتا بلکہ ادراک سے عاجز اور مقصود کے علم سے جاہل ہوتا ہے۔ یہ عجز و جہل اس مقام کمال میں معرفت ہے۔ کیونکہ یہاں جو سب سے زیادہ جاہل ہے وہ سب سے بڑا عارف ہے اور اس میں تو شک نہیں کہ جو سب سے بڑا عارف ہو وہی امانت اٹھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ یہ دونوں صفتیں گویا بارِ امانت کے اٹھانے کا سبب ہیں۔ (۳۴۹)

۵۳۔ اِعْمَلُوْآ اٰلَ دَاو'دَ شُكْراً وَقَلِيْل'' مِّنْ عِبَادِیَ الشَّكُوْرَ ۔ (۳۴۹۔ الف)

ترجمہ: اے آلِ داؤد تم شکر کیلئے نیک کام کرو اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہیں۔

اس آیتِ کریمہ کے تحت شکر کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

جان لو شکر عبادت ہے اس سے کہ بندہ ہر چیز کو ایسی جگہ صرف کرے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے خواہ وہ اعضاء ہوں یا ظاہری و باطنی قوتیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو شکر حاصل نہیں ہو سکتا۔ (۳۵۰)

﴿۳۴۹﴾ دفتر دوم مکتوب: ۴۷

﴿۳۴۹۔ الف﴾ سورۃ سباء: ۱۳

﴿۳۵۰﴾ دفتر سوم مکتوب: ۱۰۴

۵۳۔اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ ۔(۳۵۱)

ترجمہ: پاک کلمے صرف اسی کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔

مفسرین نے کہا(۳۵۲) ہے کہ الکلم الطیب سے مراد کلمۂ توحید لاالہ الا اللہ ہے۔(۳۵۳)

۵۴۔ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَّمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۔(۳۵۴)

ترجمہ: پھر ہم نے اس کتاب کا انہیں وارث بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا تھا۔ پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنیوالے ہیں بعض میانہ رو ہیں اور بعض نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے سبقت لے جانیوالے ہیں۔

وارثانِ کتاب میں سے جو کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں پہلی جماعت یہی ہے، جو اپنی جان پر ظلم کرنے والی ہے جو کہ وزارت وقیومیت کے منصب سے مشرف ہوئی ہے۔

اوران برگزیدہ لوگوں میں سے دوسری جماعت جسکو مقتصد سے تعبیر فرمایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو خُلّت کی دولت سے مشرف ہوئے ہیں اور صاحبِ سِر اور اہلِ مشورہ ہیں۔اگر چہ بادشاہت کے کاروبار اور معاملہ کا تعلق وزیر سے وابستہ ہے لیکن خلیل ہم نشین ہے اور صاحبِ انس والفت ہے یہ اپنی خوشی کیلئے ہے اور وہ وزیر دوسروں کی مہمات کیلئے۔ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔اوراس بلند مقام کے سردار ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں اوران کے بعد جس کو بھی اس بلند مقام سے مشرف کردیں۔خلت کے مقام سے بالاتر، محبت کا مقام ہے جس پر تیسری جماعت جو سابق بالخیرات ہیں مشرف ہوئے ہیں۔مددگار اور ہم نشین اور ہے، دوست اور محبوب اور، وہ اسرار ومعاملات جو محبّ اور محبوب کے مابین پیش آئے ہیں یار وندیم کو ان میں کیا دخل؟ ہر چند انس والفت کے کمال کے وقت محبت کے مخفی اسرار کو خلیل جلیل سے بھی بیان کیا جا سکتا

﴿۳۵۱﴾ سورۃ فاطر:۱۰

﴿۳۵۲﴾ الجامع لاحکام القرآن،جلد۱۹ص:۸۷

﴿۳۵۳﴾ رسالہ تہلیلیہ ص:۲۳

﴿۳۵۴﴾ سورۃ فاطر:۳۲

ہے۔ لیکن اسکو محبّ اور محبوب نہیں بنایا جا سکتا۔ محبوں کے حلقہ کے سردار حضرت کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور محبوبوں کی جماعت کے سردار حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ ان صاحب دولتوں کی تبعیت ووراثت میں جس کو بھی ان مقامات سے مشرف کریں۔

وہ مقامات جو مقام محبت سے اوپر ہیں ان کو بھی فقیر نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے۔ اس جگہ بھی صدر نشین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں یہ سب مقامِ سابقین میں داخل ہیں جو کہ وارثانِ کتاب میں سے تیسرے فرقہ کا حصہ ہے۔ (۳۵۵)

۵۶۔ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ۔ (۳۵۶)

ترجمہ: خبردار دین خالص صرف اللہ ہی کیلئے ہے۔

اس بات کو ننگ وعار جانیں کہ خدا تعالیٰ جل سلطانہ کی ملک میں لات وعزیٰ کو شریک کریں۔ اے برادر یہاں بارگاہِ خداوندی میں دین خالص کی ضرورت ہے۔ اس بارگاہ میں شرک کے غبار کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔

لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ ۔ (۳۵۷)

ترجمہ: اگر تم بھی شرک کرو گے تو تمہارے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے۔

ایک گھڑی کیلئے اپنے اندر جھانک کر دیکھیں اگر دین خالص میسر ہے تو تمہیں بشارت ہے۔ ورنہ اس حادثہ کا علاج ہونا چاہیئے۔ (۳۵۸)

ایک دوسرے مکتوب میں دنیا کی طمع اور لالچ کے حوالہ سے، صوفیانہ انداز میں ملا طاہر بدخشی کو لکھتے ہیں:

اپنے خلفاء کو اچھی طرح تاکید کریں کہ مرید کے مال میں طمع اور اس سے دنیوی منافع کی امید پیدا نہ ہو۔ کیونکہ یہ بات مرید کی ہدایت میں رکاوٹ ہے اور پیر کی خرابی کا باعث ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے

﴿۳۵۵﴾ دفتر دوم مکتوب: ۴۲

﴿۳۵۶﴾ سورۃ الزمر: ۳

﴿۳۵۷﴾ سورۃ الزمر: ۶۵

﴿۳۵۸﴾ دفتر اول مکتوب: ۱۷۴

دین خالص کا مطالبہ ہے اور شرک کی اس بارگاہ میں کسی طرح بھی کوئی گنجائش نہیں۔(۳۵۹)

اس آیت کے تناظر میں طریقِ صوفیہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ملا ایوب محتسب کو لکھتے ہیں:

اور چونکہ طالب کو اخلاص کا حکم ہے اور وہ بغیر فناء کے حاصل نہیں ہوتا اور محبتِ ذاتیہ کے سوا متصور نہیں اس لئے طریق صوفیہ کا سلوک بھی، جس سے فناء اور محبت ذاتیہ حاصل ہوتی ہے ضروری ہے تا کہ اخلاص کی حقیقت ہاتھ آئے۔(۳۶۰)

۵۷۔اِنَّکَ مَیِّت" وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ۔(۳۶۱)

ترجمہ: بے شک آپ بھی دنیا سے انتقال فرمائیں گے اور انہیں بھی مرنا ہے۔

اپنے آپ کو اور تمام دوسروں کو مردہ اور بے جان خیال کرنا چاہیئے اور بے حس وحرکت گمان کرنا چاہیئے۔درج بالا آیت نص قاطع ہے۔(۳۶۲)

مجدد علیہ الرحمہ نے اس آیت میں میت اور میتون کو فی الحال کے معنی میں لیا ہے۔یعنی اس وقت بھی آپ میت ہیں اور آپ کے مخالفین بھی میت ہیں۔

۵۸۔اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا ۔(۳۶۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جانوں کو موت کے وقت اور جنکا وقت ابھی نہیں آیا ان کی روحیں حالت نیند میں قبض کرتا ہے۔

یہاں توفی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف فرمائی حالانکہ جان نکالنے والا ملک الموت ہے۔اس لئے ممکن ہے بعض خاص الخاص کے ساتھ جان نکالنے کا معاملہ فرشتۂ موت کے بغیر ہی ہو۔بعض احادیث میں جو ملک الموت کا توسط مذکور ہے تو وہ بعض دوسرے خواص کیلئے ہو۔(۳۶۴)

﴿۳۵۹﴾ دفتر اول مکتوب:۱۷۱

﴿۳۶۰﴾ دفتر اول مکتوب:۲۴۳

﴿۳۶۱﴾ سورۃ الزمر:۳۰

﴿۳۶۲﴾ دفتر اول مکتوب:۱۶۶

﴿۳۶۳﴾ سورۃ الزمر:۴۲

﴿۳۶۴﴾ حضرات القدس جلد دوم ص:۱۲۱

۵۹۔اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۔(۳۶۵)

ترجمہ: انہیں دوزخ کی آگ پہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے۔

عذابِ قبر پر درج بالا آیت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت مجدّد علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

قبر دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخ ہے۔ اس کا عذاب ایک وجہ سے عذابِ دنیوی سے مناسبت رکھتا ہے اور انقطاع پذیر ہے اور دوسری وجہ سے عذابِ آخرت کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے، جو درحقیقت آخرت کے عذابوں میں سے ہے۔ درج بالا آیت کریمہ عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔

مسلمان کیلئے عذابِ قبر کی افادیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ شخص بہت ہی سعادت مند ہے جس کی لغزشوں اور قصوروں کو کمالِ کرم اور مہربانی سے بخش دیں اور اسکا مؤاخذہ نہ کریں اور اگر مؤاخذہ کرنا بھی چاہیں تو کمال مہربانی سے دنیا کے رنجوں اور مصیبتوں کو اسکے گناہوں کا کفارہ بنادیں اور اگر گناہ باقی رہ جائیں تو قبر کی تنگی اور ان تکلیفوں کو جو اس مقام میں مقرر کی گئی ہیں اسکے گناہوں کا کفارہ بنادیں تا کہ پاک و پاکیزہ محشر میں اٹھے۔(۳۶۶)

۶۰۔قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۔(۳۶۷)

ترجمہ: آپ فرمایئے میں تمہاری مانند انسان ہی ہوں البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اس جہان میں آپ کی عنصری پیدائش کو آپ کی ملکی پیدائش پر غالب کیا ہوا ہے۔ تا کہ مخلوقات کے ساتھ جن میں بشریت زیادہ غالب ہے وہ مناسبت جو افادہ اور استفادہ کا سبب ہے زیادہ پیدا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو اپنی بشریت کے ظاہر کرنے کیلئے بڑی تاکید سے امر فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ میں مثلکم کا لانا تاکیدِ بشریت کیلئے ہے۔ اور وجود عنصری سے رحلت کر جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کی جانب غالب ہوگئی اور بشریت کی مناسبت گم ہوگئی۔(۳۶۸)

﴿۳۶۵﴾ سورۃ المؤمن: ۴۶

﴿۳۶۶﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۶۶

﴿۳۶۷﴾ سورۃ حم السجدۃ، ۶

﴿۳۶۸﴾ دفتر اول مکتوب: ۲۰۹

آپ نے یہ بھی لکھا کہ انبیاء علیہم السلام کا مخصوص کلمہ اپنی بشریت کا اعلان ہے۔(۳۶۹)
ذات وصفات کے وجودی اور شہودی زوال، کے سلسلہ میں ایک سوال کے جواب میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

اگر تو کہے کہ تم نے انسان کی ذات اور صفات کے زائل ہوجانے کو جائز رکھا ہے تو اسکے متعلق کیا کہتے ہو جو قرآن مجید میں خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے متعلق آیا ہے:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ ۔

اور جو حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام میں آیا ہے:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اَغْضَبُ کَمَا یَغْضَبُ الْبَشَرُ ۔(۳۷۰)

﴿میں بھی تمہارے جیسا بشر ہوں مجھے بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جیسے دوسرے لوگوں کو آتا ہے﴾

اور یہ بات انسانیت کے اثر کے باقی رہنے ہی کی وجہ سے ہے تو میں ﴿حضرت مجدد علیہ الرحمہ﴾ کہوں گا اس طرح نہیں ہے اور نہ یہ اسکے اثر کی بقاء پر دلیل ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ جب انسان کامل کو فناء اور بقاء کے بعد عالم اور مخلوق کو دعوت دینے کیلئے واپس کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو اسکے ساتھ بشری صفات اور انسانی خصوصیات کو مرکب کردیا جاتا ہے تاکہ اسکے اور عالم کے درمیان مناسبت زائل ہونے کے بعد ازسرنو مناسبت پیدا ہوجائے اور اللہ تعالیٰ اس مناسبت سے اس کے اور عالم کے درمیان افادہ اور استفادہ کا دروازہ کھول دے۔

ان بشری صفات کو زوال کے بعد پھر واپس کرنے اور اسے ملحق کرنے میں ایک اور حکمت بھی ہے اور وہ ہے مکلفین کا امتحان اور دعوت دیئے گئے لوگوں کی آزمائش تاکہ ناپاک سے پاک الگ ہوجائے اور جھٹلانے والا تصدیق کرنے والے سے جدا ہوجائے اور ان صفات کے رجوع سے معاملہ ملتبس ہونے اور حال کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے ایمان بالغیب حاصل ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ جَعَلْنٰہُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰہُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْہِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۔(۳۷۱)

﴿۳۶۹﴾ دفتر اول مکتوب:۶۳

﴿۳۷۰﴾ مسند احمد، رقم:۸۲۱۱

﴿۳۷۱﴾ سورۃ الانعام:۹

﴾اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو اسے مرد ہی ﴿ کی صورت میں ﴾ بناتے اور وہی شبہ ہم ان پر ڈال دیتے جو شبہ وہ اب کر رہے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ انسانِ کامل سے ذات اور صفات کے زوال کا کیا مطلب ہے حالانکہ اسکا ظاہر ہمیشہ صفاتِ بشری پر قائم ہے وہ کھاتا پیتا ہے اور آرام کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق فرمایا:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَداً لاَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ ۔(۳۷۲)

﴾اور ہم نے ان نبیوں کو ایسے جسم والا نہیں بنایا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں ﴿

تو میں کہوں گا فناء اور بقاء باطن کی صفات سے ہیں ان کا اصل میں ظاہر سے کوئی تعلق نہیں۔ پس ظاہر ہمیشہ اپنے مقام پر ہے اور باطن کبھی علیحدہ ہوتا ہے اور کبھی صفات سے موصوف ہوتا ہے۔(۳۷۳)

بشریت کے لوازمات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مختلف تعلقات جو بشریت کیلئے لازمی ہیں خواص وعوام سے زائل نہیں ہوتے اور اللہ جل سلطانہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شان میں فرماتا ہے:

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَداً لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ ۔(۳۷۴)

کفار جو ظاہر بین تھے کہا کرتے تھے:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ۔(۳۷۵)

﴾اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے ہیں ﴿

پس جس کسی کی نظر صرف ان کی صفات بشریت کے سمجھنے تک محدود رہی اور ﴾صفات بشریہ کے ﴿قبوں کو چاک نہ کیا وہ ان کے کمالات کی دولت سے محروم رہا۔ دنیا اور آخرت کا خسارہ اسکو حاصل ہوا۔ یہ بزرگ فنا اور بقا کے بعد اسکے نور کے ظہور کے سوا اور کچھ نہیں ہیں۔ آیہ کریمہ

﴾۳۷۲﴿ سورۃ الانبیاء:۸

﴾۳۷۳﴿ دفتر سوم مکتوب:۵۳

﴾۳۷۴﴿ سورۃ الانبیاء:۸

﴾۳۷۵﴿ سورۃ الفرقان:۷

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتاً فَاَحْيَيْنَاه' وَجَعَلْنَا لَه' نُوراً ۔(۳۷۶)

﴿اور کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اسے روشنی عطا کی﴾

اسی کی طرف اشارہ ہے۔(۳۷۷)

۶۰۔لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ' وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۔(۳۷۸)

ترجمہ: اس کی مانند کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ جاننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس کلام کا ابتدائی حصہ تو تنزیہہ (۳۷۹) محض کے اثبات کیلئے ہے، جیسا کہ خود ظاہر ہے اور وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ کے الفاظ تنزیہہ کی تکمیل اور اتمام کیلئے ہیں۔(۳۸۰)

اس کا بیان اس طرح ہے کہ جب ثبوتِ سمع و بصر، عالم کے ساتھ مماثلت کا وہم ڈالتا ہے، اگرچہ کچھ قدرے ہی ہو، تو اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو رفع کرنے کیلئے مخلوقات سے سمع و بصر کی نفی فرما دی، یعنی صرف وہی ذات جل شانہ سمیع و بصیر ہے۔ وہ سمع و بصر جو مخلوق میں پائی جاتی ہے اسکا دیکھنے اور سننے میں کچھ دخل نہیں مخلوق میں ان دو صفات کو پیدا کرنے کے بعد جس طرح خدا تعالیٰ سمع و بصر پیدا کرتا ہے اس سے مخلوق سننے اور دیکھنے کا کام لیتی ہے۔ یہ بھی عادتِ الٰہی کے اس طرح جاری ہونے کی وجہ سے ہے، ورنہ مخلوقات کی صفات کی تاثیر اس میں کچھ نہیں ہوتی۔ اور اگر تاثیر تسلیم بھی کی جائے تو وہ بھی حق تعالیٰ ہی کی پیدا کردہ ہے۔ لہٰذا جس طرح مخلوق کی ذواتِ جماد محض ہیں اسی طرح ان کی صفات بھی جمادِ محض ہیں۔ جس طرح صاحبِ قدرت محض اپنی قدرت سے پتھر میں صفتِ کلام پیدا کر دے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ فی الحقیقت پتھر کلام کر رہا

﴿۳۷۶﴾ سورۃ الانعام: ۱۲۲

﴿۳۷۷﴾ شرح رباعیات ص: ۶۴

﴿۳۷۸﴾ سورۃ الشوریٰ: ۱۱

﴿۳۷۹﴾ اللہ کی کوئی صفت اور مثال بیان نہیں کی جا سکتی۔ وہ سرحدِ ادراک سے وراء الوراء ہے۔ یہ درجہ تنزیہ کہلاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی مشابہت سے بالا اور منزہ ہیں۔

﴿۳۸۰﴾ شرح رباعیات میں اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا گیا ہے "ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ جل وعلا کے اس قول وھو السمیع البصیر کالانا تنزیہِ صفاتی کی طرف اشارہ کی غرض سے ہو جیسا کہ لیس کمثلہ شیٔ سے اشارہ تنزیہ ذاتی کی طرف ہے۔﴿شرح رباعیات ص: ۶۹﴾

ہے اور اس میں صفتِ کلام موجود ہے۔ جس طرح پتھر جمادِ محض ہے اسی طرح یہ صفت ﴿کلام﴾ اگر فرض کر لی جائے تو یہ بھی جمادِ محض ہی ہے۔ حروف و آواز کے پیدا ہونے میں اسکا کوئی دخل نہیں۔ تمام صفات اسی طرح کی ہیں۔ غایۃ مافی الباب اتنی بات ہے کہ یہ دو صفات چونکہ زیادہ ظاہر تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی نفی خصوصیت سے فرمائی۔ اس سے باقی صفات کی نفی بطریقِ اولیٰ ثابت ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے صفتِ علم پیدا فرمائی، اس کے بعد اس میں معلوم کی طرف توجہ پیدا فرمائی، اسکے بعد معلوم کے ساتھ اسکا تعلق پیدا فرمایا، اسکے بعد معلوم کو اس پر منکشف کر دیا۔ جب خود ہی انسان میں صفتِ علم پیدا فرمانے کے بعد اپنی عادت کے مطابق اس میں انکشاف پیدا فرمایا تو اس سے ثابت ہو گیا کہ علم کے انکشاف میں اس کا کچھ دخل نہیں۔ (۳۸۱)

اسی آیت کریمہ کے حوالہ سے معارف لدنیہ میں لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ نے بلیغ ترین انداز میں اپنی ذات سے مماثلت کی نفی فرمادی ہے۔ اس آیت میں اپنے مثلِ مثل ﴿یعنی مثل جیسی چیز﴾ کی نفی فرمائی گئی ہے حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی کرنا تھا مطلب یہ ہے کہ جو اس کے مثل کا بھی مثل نہیں ہوسکتا تو اسکا مثل بطریق اولیٰ نہیں ہوگا لہٰذا کنایہ کے طور پر اصل مثل کی نفی ہوگئی کیونکہ یہ کنایہ صریح کے مقابلہ میں بلیغ ترین ہے۔ جیسا کہ علمائے بیان نے اسکو ثابت کیا ہے اور اسکے متصل ہی وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ فرمایا ہے جس سے مقصود صفاتی مماثلت کی بھی نفی کر دینا ہے، جیسا کہ پہلے حصے لیس کمثلہ شیء سے مماثلت ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔ (۳۸۲)

۶۲۔ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَاتَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ ۔ (۳۸۳)

ترجمہ: مشرکین پر وہ بات بہت گراں گزرتی ہے جسکی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں۔

جاننا چاہیئے جس طرح ظاہری مرض احکامِ شرعیہ کے بمشکل ادا ہونے کا باعث ہے باطنی مرض بھی اسی دشواری کو مستلزم ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۳۸۱﴾ دفتر اول، مکتوب: ۱۸

﴿۳۸۲﴾ معارف لدنیہ ص: ۱۳۶-۱۳۷

﴿۳۸۳﴾ سورۃ الشوریٰ: ۱۳

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (۳۸۴)

اور عاجزی کرنے والوں کے سوا دوسروں کیلئے نماز یقیناً گراں ہے۔

ظاہر مرض میں قویٰ اور اعضاء کی کمزوری اس دشواری کو مستلزم اور مرض باطنی میں یقین کا ضعف اور ایمان کی کمی اس دشواری کا موجب ہے۔ ورنہ تکالیف شرعیہ میں سراسر آسانی اور سہولت ہے۔ آیات کریمہ

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۔(۳۸۵)

اللہ تمہارے لیئے آسانی چاہتا ہے، تنگی نہیں، اور

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۔(۳۸۶)

اللہ چاہتا ہے کہ تم پر پابندیوں کا بوجھ ہلکا کرے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

دونوں اس بات کی دلیل ہیں۔(۳۸۷)

۶۳۔قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا (۳۸۸)

ترجمہ: آپ فرمایئے کہ میں بجز قرابت کی محبت کے اس دعوتِ حق پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اور جو شخص کوئی نیکی کماتا ہے، ہم اس کیلئے اس میں حسن دوبالا کردیں گے۔

اس آیت کریمہ کے تحت محبتِ اہل بیتؓ کے اثبات کیلئے حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"نصِ قطعی سے آنحضرت ﷺ کے قرابت داروں کی محبت ثابت ہے اور دعوت کی اجرت ان کی محبت مقرر کی ہے۔"(۳۸۹)

---

(۳۸۴) سورۃ البقرۃ:۴۵

(۳۸۵) سورۃ البقرۃ:۱۸۵

(۳۸۶) سورۃ النساء:۲۸

(۳۸۷) دفتر اول مکتوب:۲۱۹

(۳۸۸) سورۃ الشوریٰ:۲۳

(۳۸۹) دفتر اول مکتوب:۲۶۶/ دفتر دوم مکتوب:۱۵

اس آیتِ کریمہ میں مفسرین نے مودۃ فی القربی کی مختلف تشریحات کی ہیں۔ بعض کے نزدیک یہی تفسیر جو حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اختیار کی ہے قابل ترجیح ہے۔ لیکن علمائے اہلسنت کی ایک کثیر تعداد نے اس توجیہ کو اختیار نہیں کیا۔

تفسیر نمونہ۔ جو ممتاز شیعہ علماء کی نگارشات کا مجموعہ ہے میں پہلے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی آیت مودۃ فی القربی کے علاوہ قرآن مجید میں پندرہ اور مقامات پر ''القربیٰ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ہر جگہ قریبیوں اور نزدیکیوں کے معنی میں ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ بعض لوگ اس بات پر کیوں اصرار کرتے ہیں کہ صرف اسی آیت میں ''قربیٰ'' کو ''تقرب الی اللہ'' کے معنی میں منحصر کر دیا جائے اور اسکے واضح اور ظاہر معنی سے جو قرآن میں ہر جگہ استعمال ہوا ہے صرفِ نظر کر لیا جائے۔

مندرجہ بالا آیت کی اس تفسیر پر شاہدِ ناطق وہ بہت سی روایات ہیں جو شیعہ اور سنی کتب میں خود آنحضرت ﷺ کی زبانی نقل ہوئی ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ''قربیٰ'' سے مراد پیغمبر علیہ وآلہ السلام کے نزدیکی اور مخصوص لوگ ہیں۔ (۳۹۰)

شیعہ نے اس آیت سے نظریۂ امامت کا استنباط کیا ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے اسکا مدلل جواب دیا ہے۔ (۳۹۱)

آلِ رسول ﷺ کی محبت اہم فریضہ ہے۔ لیکن اس آیت تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کے تحت ایک دوسری تاویل بھی مفسرین نے نقل کی ہے۔ دوسرے نقطۂ نظر کی وضاحت کیلئے جسٹس پیر محمد کرم شاہؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تفاسیر سے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں۔ پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

الا حرف استثناء ہے۔ یہاں مستثنیٰ منقطع ہے یعنی ''المودۃ فی القربیٰ'' جو مستثنیٰ ہے یہ مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں تاکہ آیت کا یہ مفہوم ہو کہ میں تم سے کوئی اجر، کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا مگر یہ اجر طلب کرتا ہوں کہ تم آپس میں پیار محبت کرو۔ تقریباً یہی مفہوم ایک دوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ قُلْ مَآ

﴿۳۹۰﴾ تفسیر نمونہ، مترجم سید صفدر حسین نجفی، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور ۱۴۱۶ھ جلد ۲۰، ۳۴۵-۳۴۶

﴿۳۹۱﴾ روح المعانی جلد ۲۵ ص: ۲۸

اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿سورۃ الفرقان:۵۷﴾یعنی میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا سوائے اس کہ جو چاہے، اپنے رب کی راہ اپنا لے۔ مجھے صرف تمہاری بھلائی اور خیر خواہی مطلوب ہے۔ اگر تم سدھر جاؤ اور تمہارے اطوار درست ہو جائیں تو یہی میری کاوشوں کا بہترین معاوضہ ہے۔ اظہارِ خلوص کیلئے اس سے زیادہ اثر انگیز اسلوب اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر مختلف انبیاء علیہ السلام کے یہ اعلانات مذکور ہیں: لا اسئلکم علیه اجرا ان اجری الا علیٰ رب العالمین ۔ میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ جب دیگر انبیاء علیہ السلام اپنی قوموں سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کر رہے، کسی مالی یا ادبی منفعت کی خواہش نہیں کر رہے ہے، تو فخر الانبیاء سید الرسل ﷺ کے متعلق یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ حضور نے کسی قسم کی منفعت کی خواہش کی ہو۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت کسی قارون کے بھرے ہوئے خزانے، ربع مسکون کی فرمانروائی، ان دعا ہائے نیم شبی، ان گریہ ہائے سحر گاہی، کا صلہ نہیں ہو سکتی جن سے اس رحمت عالمیان ﷺ نے بنی نوع انسان کو مشرف فرمایا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس مرقعِ دلبری وزیبائی کی نوکِ مژگاں پر لرزتا ہوا ایک آنسو سارے عالم سے زیادہ قیمتی ہے اگر حضور اپنی ان دلسوزیوں، ان اشکباریوں کے معاوضہ کا تصور بھی کرتے تو شانِ رفیع سے بہت فروتر ہوتا۔ دشمنوں کو انگشت نمائی کا موقع مل جاتا۔ یہودی اور عیسائی ہمیں طعنہ دے سکتے کہ ہمارے راہنماؤں نے تو یہ اعلان کیا کہ لا اسئلکم علیه اجرا ان اجری الا علیٰ رب العالمین۔ اور تمہارے رسول نے مودۃ قربیٰ کا مطالبہ کر کے اپنی محنت ومشقت کا معاوضہ طلب کیا ﴿العیاذ باللہ﴾

اس آیت سے تھوڑا پہلے فرمایا کہ من کان یرید حرث الدنیا نؤته منها جو شخص دنیا کی کھیتی کا خواہاں ہوگا ہم اسے اسی میں سے دیں گے۔ اس سیاق وسباق کو پیش نظر رکھتے ہوئے میرے نزدیک تو آیت کی یہی تفسیر زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۳۹۲)

امین احسن اصلاحیؒ نے اپنے استاد امام فراہیؒ کے حوالے سے اس آیت کا درج ذیل مفہوم نقل کیا ہے۔

وہ اس استثنا کو استدراک کے مفہوم میں لیتے ہیں اور آیت کی تاویل سورہ سباء کی آیت ۴۷: قُلْ مَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَکُمْ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ کہہ دو میں نے تم سے کوئی اجر مانگا ہے تو تمہارے

﴿۳۹۲﴾ محمد کرم شاہؒ، پیر، ضیاء القران، جلد چہارم، ص: ۳۷۶-۳۷۷

لئے مانگا ہے۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ میں جو تمہیں صلۂ رحم، ادائے حقوق، اور انفاق کی دعوت دیتا ہوں تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ میں ذاتی غرض سامنے رکھ کر کہہ رہا ہوں بلکہ تمہاری ہی دنیا اور آخرت کی بہبود کیلئے ہے۔ یہ مال تمہارے اغنیاء سے لیکر تمہارے ہی غرباء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس طرح میں تمہیں **مؤدۃ فی القربیٰ** کی راہ دکھا رہا ہوں اس میں میرا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے۔ (۳۹۳)

گویا تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول سے، اور دیگر قرائن مثلاً سورۂ شوریٰ کا مکی ہونا، خود نبی کریم ﷺ کا اہل بیت کیلئے صدقات حرام قرار دینا، اور باغ فدک کا مسئلہ، اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ کی تاویل جو حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ نے کی دیگر مفسرین کے نزدیک قابل ترجیح نہیں۔ لیکن محبت و مؤدتِ آلِ رسول ﷺ بہرحال ایمان کا تقاضا ہے۔

۶۴۔ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَه ۔ (۳۹۴)

ترجمہ: اور وہی ہے جو بارش برساتا ہے اسکے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلا دیتا ہے اپنی رحمت کو۔

جب کام ناامیدی کو پہنچا اور تمام امیدیں منقطع ہو گئیں تو اس ﴿اللہ﴾ نے کام بنایا۔ (۳۹۵)

۶۵۔ اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه' هَوٰهُ ۔ (۳۹۶)

ترجمہ: تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنالیا۔

حضرت مجددؒ علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ باطل معبود دو ہیں۔ ایک آفاقی۔ جن سے مراد لات و عزیٰ ہیں اور دوسرے نفسی۔ اس سے مراد نفسانی خواہشات ہیں۔ اس آیت کریمہ میں حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کے نزدیک ''نفسانی خواہشات'' مراد ہیں۔ (۳۹۷)

☆ ۳۹۳ ☆ اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۸ء جلد ۷ ص: ۱۶۵-۱۶۶

☆ ۳۹۴ ☆ سورۃ الشوریٰ، آیت: ۲۸

☆ ۳۹۵ ☆ دفتر اول، مکتوب: ۱۳

☆ ۳۹۶ ☆ سورۃ الجاثیہ، آیت: ۲۳

☆ ۳۹۷ ☆ معارف لدنیہ ص: ۱۴۴

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِ اِنَّا كنا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔(۳۹۸)

ترجمہ: یہ ہمارا نوشتہ ہے جو تمہارے بارے میں سچ بولتا ہے جو تم دنیا میں عمل کیا کرتے تھے ہم لکھ لیا کرتے تھے۔

علمائے کرام نے اس سے فرشتوں کا لکھنا مراد لیا ہے اور خدا کی طرف اس استناد کو مجازی بتایا ہے۔(۳۹۹) ایک مرتبہ میں ﴿شیخ احمد سرہندیؒ﴾ یہ آیت بار بار تلاوت کر رہا تھا کہ یکا یک میرے دل میں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر لکھنے کی نسبت خود اپنی طرف فرمائی ہے تو اسکی کوئی حقیقت ضرور ہوگی۔ اس کے بعد ایسا ظاہر ہوا کہ اس مرتبۂ مقدسہ میں فرشتوں کی اعمال نویسی کے علاوہ ایک اور قسم کا لکھنا بھی ثابت ہے۔ وہ ان افراد کیلئے ہوگا جن کے حالات سے اللہ تعالیٰ اپنے سوا فرشتوں کو بھی مطلع نہیں کرنا چاہتا۔(۴۰۰)

۲۶۔وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَاناً حَمَلَتْهُ اُمُّه‘ كُرْهاً وَّوَضَعَتْهُ كُرْهاً ۔(۴۰۱)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے اسکو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے پیٹ میں اٹھایا اور بڑی مشقت سے جنا۔

حقوق العباد کی اہمیت اور عظمت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ والدین کی خدمت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

جس طرح حق جل وعلا کے احکام کی فرماں برداری، اور جن باتوں سے اس نے روکا ہے، ان سے رکنا ضروری ہے اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی اور ان سے ہمدردی کا سلوک کرنا بھی ضروری ہے۔

اَلتَّعْظِيْمُ لِاَمْرِ اللّٰهِ وَالشَّفَقَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ ۔(۴۰۲)

﴿۳۹۸﴾ سورۃ الجاثیہ، آیت: ۲۹

﴿۳۹۹﴾ الجامع لاحکام القرآن جلد: ۱۶ ص: ۱۷۵

﴿۴۰۰﴾ حضرات القدس، جلد دوم ص: ۱۲۱

﴿۴۰۱﴾ سورۃ الاحقاف، آیت: ۱۵

﴿۴۰۲﴾ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج ۱۱، ص: ۲۹۰ لیکن یہ حدیث نہیں۔

اللہ کے احکام کی تعظیم اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا سلوک

یہ حدیث ان ہی دو صفتوں کی ادائیگی کا بیان اور دین کے دونوں پہلوؤں پر دلالت کرتی ہے۔ پس دین کے دو پہلوؤں میں سے ایک پر کفایت کرنا کوتاہی ہے اور کل کو چھوڑ کر ایک جز پر اکتفا کرنا کمالِ فرماں برداری سے دور ہے۔ (۴۰۳)

سورۃ الاحقاف کی آیت ۱۵ درج کرنے کے بعد والدین کے شکر گزار بننے کے متعلق سورہ لقمان آیت ۱۴ ﴿ان اشکرلی ولوالدیک﴾ نقل کرنے کے بعد حقوق اللہ و حقوق العباد کے درجات میں تفاوت کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اس کے باوجود اعتقاد یہ ہونا چاہیئے کہ مطلوب حقیقی تک وصول کے مقابلے میں سب کچھ بے کاری ہے۔ بلکہ جس طرح منازلِ سلوک کو طے کرنا چاہیئے، اسکے سامنے محض معطل رہنا ہے، آپ نے حسنات الابرار سیئات المقربین سنا ہوگا۔''

هرچه جز عشقِ خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جان کندن است

خدائے احسن کے عشق کے سوا جو کچھ بھی ہے چاہے شکر کھانے کا کام ہی کیوں نہ ہو اپنی جان کے ہلاک کرنے کے مترادف ہے

اللہ کا حق تمام حقوق پر مقدم ہے مخلوق کے حقوق ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر ہے ورنہ کس کی مجال ہے کہ اسکی خدمت کو چھوڑ کر دوسروں کی خدمت میں مشغول ہو۔ مخلوقات کی خدمت انجام دینا اس اعتبار سے حق تعالیٰ کی خدمات میں داخل ہے لیکن اِس خدمت اور اُس خدمت میں بڑا فرق ہے۔ مزارع اور ہل چلانے والے بھی بادشاہوں کے خادم ہی شمار ہوتے ہیں لیکن خاص مقربوں کی خدمت کچھ اور چیز ہے، وہاں زراعت اور ہل چلانے کا نام لینا بھی سراسر معصیت ہے اور ہر کام کی مزدوری کام کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔ ہل چلانے والے کو دن بھر محنت شاقہ کرنے کے باوجود دن کی مزدوری صرف ایک ٹکہ ملتی ہے اور مقرب لوگ ایک گھڑی کی خدمت سے لاکھوں روپے کے مستحق بن جاتے ہیں۔ لیکن لاکھوں روپے کے مستحق ہونے کے باوجود انہیں ان روپوں سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ وہ بادشاہ کے قرب میں گرفتار

﴿۴۰۳﴾ دفتر اول، مکتوب: ۱۷۰

ہیں انہیں اور کسی شے سے تعلق نہیں ہوتا۔ ہل چلانے والے خدمتگار اور بادشاہ کے مقرب دونوں کی خدمتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔(۴۰۴)

۶۷۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۔(۴۰۵)

ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

امام محی السنۃ بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: کہ ان لوگوں میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائیگا جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے۔(۴۰۶)

اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں کیونکہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ اس قوم سے خوش ہوا اور اس میں شک نہیں ہے کہ ایسے آدمی کو کافر کہنا جسے کتاب وسنت میں بہشت کی بشارت مل چکی ہو، خود بدترین قسم کا کفر ہے۔(۴۰۷)

۶۸۔ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ۔(۴۰۸)

ترجمہ: وہ آپس میں بڑے رحمدل ہیں۔

سورۃ الفتح کی آیت کے ان الفاظ سے حضرت مجددّ الف ثانی علیہ الرحمہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ مشاجراتِ صحابہ کی بنیاد بغض و کینہ نہ تھی صحابہ کی اجتہادی خطاؤں میں خلوص وللّٰہیت تھا۔ ان الفاظِ قرآنیہ سے ایسے لوگوں کا رد کرتے ہوئے، جو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، حضرت مجددّ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"روافض کے گمان میں تمام صحابۂ پیغمبر علیہم الصلوات والتسلیمات منافق اور فریبی تھے۔ ﴿معاذ اللہ﴾ اور ان کا ظاہر ان کے باطن کے برعکس تھا تو چاہیئے کہ ان کے نزدیک اس امت کے بدترین لوگ

﴿۴۰۴﴾ دفتر اول، مکتوب:۱۲۷

﴿۴۰۵﴾ سورۃ الفتح، آیت:۱۸

﴿۴۰۶﴾ معالم التنزیل جلد ۴، ص:۱۹۴

﴿۴۰۷﴾ دفتر دوم، مکتوب:۹۶

﴿۴۰۸﴾ سورۃ الفتح، آیت:۲۹

صحابہ کرام اور سب صحبتوں اور مجلسوں میں بدترین حضرت خیر البشر علیہ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت و مجلس ہو۔ کیونکہ یہ نفاق اور فریب وغیرہ جیسے برے اخلاق اسی مجلس سے پیدا ہوئے۔ چاہیئے کہ تمام زمانوں سے بدتر زمانہ صحابہ کا زمانہ ہو، جو نفاق، عداوت، بغض اور کینہ سے لبریز تھا۔ حالانکہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے کلام مجید میں انہیں رحماء بینهم فرماتا ہے۔ یہ لوگ جب سابقین امت کو ان برے اخلاق سے متصف کرتے ہیں تو متاخرینِ امت میں کیا بھلائی اور خیر پائیں گے۔'' (۴۰۹)

سورۂ الفتح کی آیات کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ فضائل وکمالاتِ صحابہؓ یوں بیان کرتے ہیں:

تو اے مخاطب! میں تجھے کہتا ہوں کہ اکابرین دین اور کبرائے اسلام پر طعن کرنے سے پرہیز کر جنہوں نے کلمۂ اسلام بلند کرنے اور سیدِ انام علیہ السلام کی مدد و نصرت میں اپنی پوری کوشش صرف کر دی۔ رات دن پوشیدہ اور ظاہر دین کی تائید کیلئے اپنے اموال خرچ کئے اور حب رسول ﷺ کی خاطر اپنے خاندان، قبیلے، اولاد، بیویاں، وطن، مکانات، چشمے، اپنی کھیتی باڑیاں، درخت اور نہریں سب کچھ چھوڑ دیا۔ رسولِ پاک ﷺ کی ذات کو اپنی ذات پر ترجیح دی۔ اپنے اموال اور اولاد کی محبت کے مقابلے میں آپ کی محبت کو اختیار کیا۔ آپ کی صحبت میں برکاتِ نبوت سے سرفراز ہوئے، وحی کا مشاہدہ نصیب ہوا اور حضورِ ملائکہ سے بھی مشرف ہوئے، خوارق ومعجزات دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین الیقین بن گیا۔ انہیں یقین کی وہ دولت عطا کی گئی جو بعد میں کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ دوسروں کے احد پہاڑ جتنے خرچ کیے ہوئے سونے کا ثواب صحابہ کے ایک سیر جو کے ثواب کے برابر نہیں ہو سکتا۔ (۴۱۰) یہی وہ حضرات ہیں جنکی اللہ تعالیٰ نے صفت وثنا کی ہے۔ اللہ ان سے راضی ہو چکا ہے وہ اللہ سے۔ یہ ان کا حال تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال اس طرح مذکور ہے کہ یہ اس کھیتی کی مانند ہیں جس نے ان کو نکالا۔ پس اسے قوی اور طاقتور کیا پھر وہ موٹی ہوئی پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کسان کو بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ تا کہ اللہ ان کے ساتھ کافروں کو غیظ وغضب میں مبتلا کرے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ سے ناراض رہنے والوں کو کفار کہا ہے۔ اسلئے میں بار بار کہتا ہوں کہ صحابۂ کرام سے

﴿۴۰۹﴾ دفتر دوم، مکتوب: ۳۶

﴿۴۱۰﴾ صحیح مسلم جلد ۵ ص: ۱۲۲

بغض رکھنے سے بالکل اسی طرح بچنا ضروری ہے جس طرح کفر سے۔(۴۱۱)

مُلا مراد کشمی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ کی اس کمال مہربانی کی وجہ سے جو وہ آپس میں رکھتے تھے مدح فرمائی ہے۔ کیونکہ رحیم جو کہ رحما کا واحد ہے مہربانی میں مبالغہ کو متضمن ہے اور چونکہ صفت مشبہ استمرار پر بھی دلالت کرتی ہے چاہیئے کہ ان کی آپس میں مہربانی، استمرار اور دوام کی صفت پر ہو، رسول کریم ﷺ کی حیات اور وصال کے بعد بھی۔ جو کچھ ایک دوسرے کے حق میں مہربانی کے منافی ہے اسکی ان بزرگوں سے ہمیشہ نفی کرنی چاہیئے۔ پھر جب تمام صحابہؓ کرام رضوان اللہ اس پسندیدہ صفت سے متصف ہوں جیسا کہ کلمہ والذین کا مقتضا ہے جو کہ عموم اور استغراق کے صیغوں سے ہے تو پھر اکابر صحابہ کے متعلق کیا کہا جائے کہ ان میں تو یہ صفت اتم و اکمل ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہیں(۴۱۲) اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔(۴۱۳) یعنی لوازم و کمالات جو نبوت میں درکار ہیں وہ تمام حضرت عمر رکھتے ہیں لیکن چونکہ منصب نبوت خاتم الرسل ﷺ پر ختم ہو چکا ہے لہٰذا منصبِ نبوت کی دولت سے مشرف نہ ہوئے۔ نبوت کے لوازمات میں سے ایک کمال درجہ کی مہربانی اور خلقت پر شفقت بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ اخلاق جو شفقت و مہربانی کے خلاف ہیں اور برے اخلاق میں سے حسد کینہ، بغض، عداوت اس جماعت کے حق میں جو صحبتِ خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ السلام کے شرف سے مشرف ہو چکی ہو کس طرح تصور کیئے جا سکتے ہیں۔ اگر یہ لوگ بھی ان ردی صفات سے موصوف ہوں گے، کہ اس امت مرحومہ کے کمینہ آدمی کو بھی ان برے اخلاق سے عار ہے تو پھر یہ لوگ کیوں اس امت کے بہترین آدمی ہوں گے اور یہ امت کس وجہ سے خیر الامم ہوگی؟ اور ایمان کی اسبقیت اور مال و جان خرچ کرنے کی اولیت کی کیا بزرگی و فضیلت رہے گی؟ اور

﴿۴۱۱﴾ دفتر دوم، مکتوب: ۳۶/ دفتر دوم، مکتوب: ۹۵

﴿۴۱۲﴾ الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص: ۴۳۸ رقم ۱۷۸۷

﴿۴۱۳﴾ الجامع الصحیح جلد ۵ ص: ۶۱۹ رقم ۳۶۸۶

بہترین زمانہ کی کیا تاثیر ہوگی؟ اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا کیا اثر رہے گا؟ (۴۱۴)

۶۹۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔ (۴۱۵)

ترجمہ: تاکہ انہیں دیکھ کر کفار آتشِ غیظ میں جلتے رہیں۔

یہ سورۃ الفتح کی ایک آیت جو مدحِ صحابہؓ میں ہے کا ایک حصہ ہے۔ آیت کے اس حصہ سے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے صحابہ سے بغض وعناد رکھنے والوں کے کفر پر استدلال کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اور تمام بدعتی فرقوں میں سے بدترین وہ گروہ ہے جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم سے بغض وعناد رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں خود اس گروہ کو کفار کے نام سے یاد کرتا ہے۔ قرآن مجید اور شریعت مطہرہ کی تبلیغ واشاعت صحابہ کرامؓ نے کی ہے۔ اس مبارک گروہ پر طعن واعتراض سے قرآن وشریعت کا مشکوک ہونا لازم آتا ہے۔ قرآن حکیم کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کیا ہے۔ اگر حضرت عثمان مطعون وقابل اعتراض ٹھہریں تو قرآن کو بھی غلط کہنا پڑے گا۔ (۴۱۶)

۷۰۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔ (۴۱۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کریم کی آواز سے بلند نہ کیا کرو۔ اور نہ آپ سے زور سے بات کیا کرو جس طرح تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ اس بے ادبی سے کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

جو لوگ آنسرور ﷺ کے ساتھ گفتگو کے دوران آواز بلند کرتے تھے۔ کس سختی کے ساتھ انہیں آواز بلند کرنے سے روکا گیا ہے۔ اور اس فعل پر وعید اور ڈانٹ نازل ہوئی۔ (۴۱۸)

﴿۴۱۴﴾ مکتوبات دفتر سوم، مکتوب: ۲۴

﴿۴۱۵﴾ سورۃ الفتح، آیت: ۲۹

﴿۴۱۶﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۵۴

﴿۴۱۷﴾ سورۃ الحجرات، آیت: ۲

﴿۴۱۸﴾ مکتوبات دفتر دوم، مکتوب: ۳۶

۱۷۔اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَه' قَلْب'' اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَشَھِیْد ۔(۴۱۹)

ترجمہ: بے شک اسمیں ضرور نصیحت ہے اُس کیلئے جو صاحبِ دل ہو یا کان لگائے اس حال میں کہ وہ متوجہ ہو۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اس آیت کے حوالہ سے عوارف المعارف میں اپنی تحقیقات رقم فرمائیں۔حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے ان کونقل کرنے کے بعد اپنی تحقیقات بیان کی ہیں۔حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ابوبکر واسطیؒ نے کہا کہ یہ ایک مخصوص قوم کیلئے نصیحت ہے سب لوگوں کیلئے نہیں اور وہ، وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوَمَنْ كَانَ مَیْتاً فَاَحْیَیْنٰهُ ۔(۴۲۰)

واسطیؒ نے یہ بھی کہا کہ مشاہدہ ذہول پیدا کرتا ہے اور حجاب فہم لاتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز پر تجلی کرتے ہیں تو وہ جھک جاتی ہے اور دبک جاتی ہے۔(۴۲۱)

مجدّد علیہ الرحمہ نے اپنی تحقیقات کو اس طرح بیان کیا:

شیخ شہاب الدینؒ اور واسطیؒ نے جو کچھ کہا وہ کچھ لوگوں کے حق میں صحیح ہے۔یہ آیت کچھ دوسرے لوگوں کیلئے اس کے خلاف فیصلہ کرتی ہے اور وہ اربابِ تمکین ہیں۔ان کیلئے مشاہدہ اور فہم اکٹھے ہوجاتے ہیں۔جو کچھ واسطیؒ نے پہلے کہا وہ دلالت کرتا ہے کہ نصیحت اہلِ تمکین کیلئے ہے کیونکہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد زندہ کیا یعنی ان کو فناء کے بعد بقاء سے مشرف کیا ہے۔اہلِ تلوین کیلئے فناء ہے نہ بقاء نہ ان کو دوسری زندگی عطا ہوئی ہے کیونکہ وہ وسطِ طریق میں ہیں اور فناء اور بقاء کے احوال ہیں اور دوسرا قول اگر انہوں نے آیت کے بیان میں کہا ہے تو دلالت کرتا ہے کہ نصیحت، حجاب اور پوشیدگی کی حالت میں اہلِ تلوین کیلئے ہے نہ کہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے وقت کیونکہ وہ نسیان کا وقت ہے، تو یہ قول آپ کے پہلے قول کے منافی ہے اور اگر آپ نے اس معرفت کو اپنے توسطِ حال میں کسی اور مقام پر، نہ کہ اس آیت کے بیان

﴿۴۱۹﴾ سورۃ قٓ، آیت:۳۷

﴿۴۲۰﴾ سورۃ الانعام:۱۲۲

﴿۴۲۱﴾ سہروردی، عمر بن محمد شہاب الدین، عوارف المعارف، مترجم: سید رشید احمد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص:۵۷

میں کہا ہو پھر کوئی منافات نہیں اور نہ شیخ قدس سرہ پر کوئی اعتراض۔ جو واسطی نے کہا ہے وہ کچھ لوگوں کے حق میں صحیح ہے اور وہ اہلِ تلوین ہیں اور یہ آیت اس کے خلاف کچھ اور لوگوں کیلئے فیصلہ کرتی ہے اور وہ اربابِ تمکین ہیں کیونکہ واسطیؒ نے آیت کے معنی میں بیان کیا ہے کہ نصیحت اربابِ تمکین کیلئے مخصوص ہے کیونکہ وہی موت کے بعد زندہ ہوتے ہیں نہ کہ اہل تلوین۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر آپ نے اہل تلوین کے احوال میں ایک مستقل معرفت کا بیان کیا ہے، جس کا آیت کے بیان سے تعلق نہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ آیت کے حکم کے خلاف کہتے ہیں اس لئے کہ آیت ایک قوم کے حق میں وارد ہوئی ہے اور یہ معرفت ایک دوسری قوم کے احوال کا بیان ہے اور اگر واسطیؒ نصیحت کو ابتداء میں اہل تمکین سے مخصوص نہ کرتے اور نصیحت کو اہلِ تلوین کیلئے بھی انکی حالتِ احتجاب میں اپنے دوسرے قول سے ثابت کرتے تو آپ کے دونوں اقوال میں منافات نہ ہوتی اور نہ ہی شیخ کا اعتراض ان پر وارد ہوتا۔

اور میرے نزدیک بظاہر اس آیت میں دونوں فریقوں کے حال کا بیان ہے۔ یعنی من کان له قلب میں اربابِ قلوب کا حال ہے جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں انہیں کو اصحابِ تلوین بھی کہتے ہیں اور اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ میں اہل تمکین کے حال کا بیان ہے۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے عینِ شہود کی حالت میں فہم کیلئے اپنے کانوں کو لگا رکھا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ قومِ اول کیلئے بعض وقتوں میں نصیحت ہے اور دوسری قوم کیلئے تمام احوال میں نصیحت ہے۔

اگر شیخ قدس سرہ اس طرح کہتے کہ یہ آیت اس کے خلاف ایک دوسری قوم کا حکم بھی بیان کرتی ہے تو بہت ہی مناسب ہوتا۔ کلمہ ''اَوْ'' منعِ خلو کیلئے ہے پس فریقین کو نصیحت میں جمع کرنے کے منافی نہیں۔ (۴۲۲)

۷۲۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۔ (۴۲۳)

ترجمہ: ہم اسی کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

اگرچہ حق تعالیٰ کا ہمارے ساتھ ہم سے زیادہ اقرب ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے لیکن کیا کہا جائے کہ حق تعالیٰ ہماری عقل و فہم اور ہمارے علوم و ادراکات سے وراء الورا ہے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ

﴿۴۲۲﴾ مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۱۱۷

﴿۴۲۳﴾ سورۃ قٓ، ۱۶:

یہ ماوراء ہونا قرب میں ہے نہ جانب بُعد میں کیونکہ حق تعالیٰ ہر نزدیک سے زیادہ نزدیک ہے حتیٰ کہ اسکی ذاتِ احدیت کو ان صفات کی نسبت جن کے آثار و افعال ہم ہیں زیادہ نزدیک پاتے ہیں۔ یہ معرفت، نظرِ عقل سے ماوراء ہے۔ کیونکہ عقل اپنے سے زیادہ نزدیک کا تصور نہیں کر سکتی۔ ایسی مثال جو اس بحث کی توضیح و تشریح کر سکے ہر چند تلاش کی گئی نہیں ملی۔ اس معرفت کی دلیل و سند نصِ قطعی اور کشفِ صحیح ہے۔(۴۲۴)

۷۳۔ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔(۴۲۵)

ترجمہ: اور خود تمہارے اندر بھی نشانیاں ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتیں۔

حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا: اہل اللہ، فناء اور بقاء کے بعد جو دیکھتے ہیں اپنے اندر دیکھتے ہیں اور جو کچھ پہچانتے ہیں اپنے اندر پہچانتے ہین۔ ان کی حیرت اپنے وجود میں ہی ہوتی ہے۔(۴۲۶)

۷۴۔ وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۔(۴۲۷)

ترجمہ: جن اور انسان اس لئے پیدا کئے گئے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں۔

لِیَعْبُدُوْنِ ۔

پس جن و انس کی پیدائش سے مقصود یہ ہے کہ ان کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے جو ان کا کمال ہے۔ نہ کوئی ایسا امر جو حق سبحانہ کی جناب کی طرف عاید ہو سکے۔ اور حدیث قدسی میں جو یہ واقع ہوا۔

فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاُعْرَفَ ۔(۴۲۸)

﴿۴۲۴﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۲۵۸

﴿۴۲۵﴾ سورۃ الذاریات، آیت: ۲۱

﴿۴۲۶﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۳۰/ دفتر دوم، مکتوب: ۴۲

﴿۴۲۷﴾ سورۃ الذاریات، آیت: ۵۶

﴿۴۲۸﴾ حضرت مجاہد کا قول ہے۔ الجامع لاحکام القرآن جلد ۱۷ ص: ۵/ المقاصد الحسنۃ ص: ۳۳۲/ احادیث القصاص ص: ۷۰ قال ابن تیمیہ انہ لیس من کلام النبی ﷺ/ و قال القاری معناہ صحیح مستفاد من قولہ تعالیٰ وماخلقت الجن والانس الالیعبدون ۔ کشف الخفا جلد ۲ ص: ۱۷۳

میں نے خلقت کو اس لئے پیدا کیا کہ پہچانا جاؤں ﴿۴۲۹﴾

اس جگہ یہ معرفت مراد ہے نہ یہ کہ میں معرفہ بنوں اور ان کی معرفت کے ذریعے کمال حاصل کروں۔

عبادت تذلل اور شکستگی سے عبارت ہے۔ (۴۲۹۔الف) تو انسان کی پیدائش سے مقصود اس کی عاجزی اور انکساری ہے۔ خاص کر مسلمانوں اور دینداروں کی پیدائش و خلقت کہ ان کیلئے تو دنیا قید خانہ ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے نزدیک امراض قلبی کی موجودگی میں عبادت بے فائدہ ہے بلکہ نقصان دہ ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

جب تک انسان مرضِ قلبی میں مبتلا ہے فی قلوبھم مرض" کوئی عبادت و طاعت اس کیلئے نفع مند نہیں بلکہ مضر ہے۔

رُبَّ تَالٍ لِلقُرآنِ والقُرآنُ یَلعَنُہ'۔

﴿بہت سے قرآن کی تلاوت کرنے والے ایسے ہیں جن پر قرآن لعنت کرتا ہے﴾

حدیث مشہور ہے اور

رُبّ صَائِمٍ لَیس له مِنْ صِیَامِهٖ اِلاَّ الجُوعُ والظَماُ۔ (۴۳۱)

﴿بہت سے روزے دار ایسے ہیں جنہیں روزے سے سوا بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (۴۳۲)

شریعت نے جن عبادات کا بندوں کو مکلف بنایا ہے اس میں نفع بندوں کا ہی ہے۔ آپ" رقمطراز ہیں:

﴿۴۲۹﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

﴿۴۲۹۔الف﴾ اصل العبودیة، الخضوع والتذلل (لسان العرب جلد ۹، ص: ۱۰)

﴿۴۳۰﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۶۴

﴿۴۳۱﴾ الترغیب والترہیب جلد ۲، ص: ۹۰/سنن ابن ماجہ جلد ۲ص: ۵۳۹ رقم ۱۶۹۰

﴿۴۳۲﴾ دفتر اول، مکتوب: ۱۰۵

وہ عبادت جو شرعِ محمدی نے بیان کی ہے ان عبادات سے مقصود بھی بندوں کے منافع اور مصالح ہیں۔(۴۳۳)

عبادت بجالاتے وقت غرض پیش نظر نہیں ہونی چاہیئے۔اس سلسلہ میں آپکا ارشاد ہے:

غیر حق تعالیٰ کی عبادت سے اس وقت نجات نصیب ہوگی جبکہ خداوند جل وعلا کے سوا کوئی چیز مقصود نہ رہے اگر چہ وہ مقاصدِ اخروی اور بہشتی نعمتوں میں سے ہی کیوں نہ ہو۔اگر چہ یہ مقاصد حسنات میں سے ہیں لیکن مقربین کے نزدیک سیئات میں داخل ہیں۔جب اخروی امور کو مقاصد قرار دینے کی نوعیت یہ ہے تو امورِ دنیویہ کو مقاصد قرار دینے کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے۔(۴۳۴)

فتنہ، مصائب اور پریشانیوں میں عبادت کا جو درجہ ہے اس کی وضاحت حدیث کے حوالے سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے:

عِبَادَۃ'' فِی الھَرَجِ کَھِجرَۃِ اِلَیَّ ۔(۴۳۴۔الف)

فتنہ کے وقت عبادت میں مصروف رہنا میری طرف ہجرت کا ثواب رکھتی ہے۔

پس عبادت سے روکنے والے اسباب درحقیقت عبادت پر راغب کرنے والے اسباب ہیں۔(۴۳۵)

لوگ کہتے ہیں کہ عرفاء کو مقامِ عرفان کے حصول کے بعد عبادت کی حاجت نہیں رہتی حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے ان کا رد کیا ہے اور بتایا ہے کہ عرفاء کو مبتدیوں سے زیادہ عبادت کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں آپ لکھتے ہیں:

عارفوں کو عبادت کی اس قدر حاجت ہے کہ اسکا دسواں حصہ بھی مبتدیوں کو نہیں۔کیونکہ ان کے عروج عبادات سے وابستہ ہیں اور ان کی ترقیاں شرائع اور احکام کے بجالانے پر منحصر ہیں۔عبادات کے

﴿۴۳۳﴾ دفتر اول، مکتوب: ۴۷

﴿۴۳۴﴾ مکتوبات دفتر اول مکتوب: ۱۱۰

﴿۴۳۴۔الف﴾ الترغیب والترہیب جلد ۴ ص: ۲۹ رقم ۴۶۴۱

﴿۴۳۵﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۸۵

ثمرات اور فائدے جن کی امید عوام کو کل قیامت کے دن ہے، عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہیں پس یہ عبادت کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔(۴۳۶)

اسلام اور ہندومت میں تصورِ عبادت میں فرق واضح کرتے ہوئے ہروی رام کو آپ نے لکھا:

ہمارے پیغمبر علیہم الصلوات والسلام تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار گزرے ہیں۔ انہوں نے مخلوق کو خالق کی عبادت کی ترغیب دی۔ اور غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا۔ اور اپنے آپ کو بندۂ عاجز سمجھا۔ وہ اس ذات تعالیٰ کی ہیبت وعظمت سے ڈرتے اور لرزتے رہے۔ ہندوؤں کے خداؤں ﴿مراد پیشواء﴾ نے مخلوقات کو اپنی عبادت کی ترغیب دی ہے اور اپنے آپ کو الٰہ جانا ہے۔ اگرچہ وہ پروردگار کے قائل ہوئے ہیں لیکن اپنے اندر حلول واتحاد بھی ثابت کیا ہے اور اسی بناء پر مخلوق کو اپنی عبادت کی ترغیب دی ہے۔(۴۳۷)

دورانِ عبادت عابد لذت ومزہ محسوس کرتا ہے، لیکن مختلف عبادتوں کی لذت وحلاوت مختلف ہے یہاں تک کہ نوافل اور فرائض کی لذت میں بھی فرق ہے۔ اس ضمن میں آپ نے لکھا:

عبادت میں لذت اور اس کے ادا کرنے میں رنج وتکلیف کا دفع ہونا حق سبحانہ وتعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ہے۔ خاص کر ادائے نماز میں جو غیر منتہی کو میسر نہیں۔ علی الخصوص فرض نماز کی اداء میں کیونکہ ابتداء میں نفل نماز کے ادا کرنے میں لذت نصیب ہوتی ہے اور نہایۃ میں پہنچ کر یہ لذت فرض کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے۔(۴۳۸)

۷۵۔ وَمَایَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۔(۴۳۹)

ترجمہ: اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے، ان کا فرمانا نہیں ہوتا مگر وہی جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

﴿۴۳۶﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۲۷۵

﴿۴۳۷﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۱۶۷

﴿۴۳۸﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۱۳۷

﴿۴۳۹﴾ سورۃ النجم: ۳۔۴

یہ قرآنی آیت نطق کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ اہل تفسیر (۴۴۰) نے اسکو بیان کیا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی تمام کہی ہوئی باتیں وحی کے مطابق ہوتیں تو آپ کی بعض باتوں پر اعتراض وارد نہ ہوتے اور ان پر معافی دیئے جانے کے الفاظ کے استعمال کی گنجائش نہ ہوتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ۔(۴۴۱)

اللہ نے آپکو معاف فرمادیا۔ آپ نے انہیں کیوں اذن دے دیا۔ (۴۴۲)

آیت کریمہ کا یہ مفہوم درحقیقت واقعہ قرطاس کے سلسلہ میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں بیان کیا۔

واقعۂ قرطاس ہی کے ضمن میں اس آیتِ مبارکہ کے حوالہ سے اپنے رسالہ ردِ روافض میں لکھتے ہیں:

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وما ینطق عن الھوی اس مطلب کی طرف مشیر ہے کہ قرآن کی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں فرماتے اور اگر ایسا ہوتا کہ آپ کے تمام اقوال وافعال وحی کے بموجب ہوتے تو آپ کے بعض اقوال وافعال پر اعتراض نہ ہوتا اور عتاب وارد نہ ہوتا۔ (۴۴۳) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰاَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِىْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۔(۴۴۴)

﴿اے نبی کریم آپ کیوں ان چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جنہیں اللہ نے آپ کیلئے حلال فرمایا۔ آپ ﴿ازراہِ شفقت﴾ بیویوں کی رضا چاہتے ہیں۔ اللہ بہت بخشنے والا بیحد رحم فرمانے والا ہے۔

یا فرمان الٰہی ہے:

﴿۴۴۰﴾ حوالہ جات آگے مذکور ہیں۔

﴿۴۴۱﴾ سورۃ التوبۃ: ۴۳

﴿۴۴۲﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۹۶

﴿۴۴۳﴾ تفسیر بیضاوی جلد ۲، ص: ۴۳۸

﴿۴۴۴﴾ سورۃ التحریم: ۱

عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ ۔ (۴۴۵)

﴿آپ کو معاف فرمایا آپ نے انہیں کیوں اذن دیدیا﴾

اور قرآن پاک میں ہے:

مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۔ (۴۴۶)

ایک اور مقام پر فرمایا:

لَاتُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْھُمْ مَاتَ اَبَداً ۔ (۴۴۷)

ترجمہ: اور آپ ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھیں۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق پر رسول کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی (۴۴۸) اور دوسری روایت سے پتا چلتا ہے کہ نماز سے پہلے مگر ارادۂ نماز کے بعد اس آیت کا نزول ہوا۔ (۴۴۹) بہرحال فعل سے نہی کا ثبوت بہم پہنچتا ہے خواہ وہ اعضائے بدنی کا فعل ہو یا دل کا۔ اس قسم کی مثالیں قرآن کریم میں بہت ہیں تو ہوسکتا ہے آنجناب کے بعض افعال واقوال رائے اور اجتہاد سے ہوں۔

قاضی بیضاوی آیت مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ﴿۴۵۰﴾ ﴿اچھی طرح زمین میں خون بہائے بغیر قیدی بنانا نبی کے شایاں نہیں﴾ کی تفسیر کے ذیل میں کہتے ہیں (۴۵۱) یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ حضرات انبیاء اجتہاد کرتے ہیں اور اجتہاد کبھی خطاء ہو جاتا ہے لیکن وہ اس

﴿۴۴۵﴾ سورۃ التوبۃ: ۴۳

﴿۴۴۶﴾ سورۃ الانفال: ۶۷

﴿۴۴۷﴾ سورۃ التوبۃ: ۸۴

﴿۴۴۸﴾ فتح الباری کتاب التفسیر جلد ۸، ص: ۳۳۳ تا ۳۳۷

﴿۴۴۹﴾ الدر المنثور، ج ۳، ص: ۲۶۶

﴿۴۵۰﴾ سورۃ الانفال: ۶۷

﴿۴۵۱﴾ ان الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام یجتھدون و انہ قد یکون خطاء ولکن لایقرون علیہ (انوار التنزیل، ج ۳، ص: ۱۲۲)

اجتہاد پر قائم نہیں رہتے۔ صحابہ کرامؓ عقلی اور اجتہادی امور واحکام میں اختلاف کی گنجائش اور خلاف کا حق رکھتے تھے۔ بعض اوقات صحابہ کی رائے کے مطابق وحی آتی تھی۔

اس کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے مسئلہ کی تفصیل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

پس ہم کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ آنخضرت ﷺ کا کاغذ منگوانے کیلئے حکم دینا یا جیشِ اسامہؓ کی تیاری کیلئے فرمانا اور اسی طرح آپ کا مروان (۴۵۲) کو نکلوانا بطریق وحی نہ ہو بلکہ محض رائے اور اجتہاد سے ہو لہٰذا ان امور کی مخالفت کو ہم کفر تسلیم نہیں کرتے۔ (۴۵۳)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اجتہادی اور غیر اجتہادی امور کی تفصیل واقعہ قرطاس کے ضمن میں بیان کی اس واقعہ کے بارے میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے افکار ونظریات درج ذیل ہیں:

آپ سے ابوالحسن بہا بدخشی نے درج ذیل سوال دریافت کیا:

سوال: خاتم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے مرض الموت میں کاغذ طلب کیا اور فرمایا ایتونی بقرطاس اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی۔ (۴۵۴) ﴿کہ میرے پاس کاغذ لاؤ میں تمہیں کچھ لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو﴾ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ کاغذ لانے سے منع کر دیا اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حسبنا کتاب اللہ اور یہ بھی فرمایا: اھجر استفھموہ۔

﴿۴۵۲﴾ یہ مشہور ہے کہ مروان کو نکالا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مروان کے والد الحکم بن ابی العاص کو مدینہ سے طائف کی طرف جلاوطن کیا گیا تھا۔ مروان اس وقت کم سن تھا بلکہ بعض کے نزدیک، پیدائش ہی طائف میں ہوئی۔ الحکم بن ابی العاص کی مدینہ واپسی خلافتِ عثمانی میں ہوئی۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ابی الفضل، الاصابہ فی تمیز الصحابۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۲۴ھ، جلد اول ص: ۳۴۵/ ابن الاثیر محمد بن محمد، داراحیاء التراث العربی، بیروت جلد ۲، ص: ۳۴/ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابہ، داراحیاء التراث العربی بیروت جلد اول ص: ۳۱۷

﴿۴۵۳﴾ رد روافض، ص: ۲۷ تا ۳۳

﴿۴۵۴﴾ فتح الباری، جلد اول ص: ۲۰۸

رسول اللہ ﷺ جو فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جیسا کہ

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

ارشاد باری ہے۔ وحی کی تردید اور اس سے روکنا کفر ہے۔ قرآن میں ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔(۴۵۵)

﴿جو فیصلہ نہ کریں اللہ کے اتارے ہوئے حکم کے مطابق وہی لوگ کافر ہیں﴾

اور یہ بھی ہے کہ پیغمبر کیلئے ہذیان کو تجویز کرنا آپ کی شریعت کے احکام سے اعتماد اٹھانے کو مستلزم ہے۔(۴۵۶) اس سوال کے جواب کیلئے آپ نے چھ مقدمات بیان کئے۔ پانچویں مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وہ توقف جو صرف استفسار کی بنا پر ہو وہ برا نہیں۔ ملائکہ کرام نے بھی آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت کی وجہ معلوم اور دریافت کرنے کیلئے عرض کیا تھا۔

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۔(۴۵۷)

﴿کیا تو اس میں اُسکو نائب بنائے گا جو زمین میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا۔ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں﴾

حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی بشارت کے وقت فرمایا:

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا(۴۵۸)

﴿میرے رب میرے لیئے لڑکا کہاں سے ہوگا؟ حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کیوجہ سے سوکھ گیا ہوں﴾

حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے کہا تھا:

﴿۴۵۵﴾ سورۃ المائدۃ:۴۴

﴿۴۵۶﴾ مکتوبات دفتر دوم، مکتوب:۹۶

﴿۴۵۷﴾ سورۃ البقرۃ:۳۰

﴿۴۵۸﴾ سورۃ مریم:۸

اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَکُ بَغِیًّا (۴۵۹)

﴿مریم بولیں کیونکر میرے لڑکا ہو سکتا ہے؟ حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں﴾

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی استفہام کی غرض سے کاغذ لانے میں توقف کیا ہو تو اس میں کیا حرج ہے؟ اور کیا شور ہے۔ (۴۶۰)

ایک دوسرے مکتوب میں آپ نے یہ وضاحت کر دی کہ کاغذ منگوانا امور اجتہادیہ میں سے تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازراہِ شفقت حسبنا کتاب اللّٰہ کہا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ لکھتے ہیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ زمانۂ وحی منقطع ہو گیا ہے اور احکام سماوی مکمل ہو چکے ہیں۔ رائے اور اجتہاد کے سوا اثباتِ احکام کی اب کوئی صورت نہیں۔ اس وقت آنحضرت جو کچھ بھی تحریر فرمائیں گے امورِ اجتہادیہ میں سے ہو گا۔ جس میں دوسروں کو بھی فاعتبروا یااولی الابصار کے مطابق شرکت کی اجازت ہے۔ اس طرح آپ نے بہتری اس میں محسوس کی کہ اس قدر درد و تکلیف کی حالت میں آپ کو رنج و تکلیف نہیں دینی چاہیئے، اس لئے دوسروں کی رائے اور اجتہاد پر ہی کفایت کرنی چاہیئے۔ حسبنا کتاب اللّٰہ یعنی قرآن مجید جو قیاس اور استنباط کا ماخذ ہے مجتہدین کیلئے کافی ہے۔ وہ اس سے احکام کا استنباط کر لیں گے۔ کتاب اللہ کے ذکر کی تخصیص اس بناء پر ہو سکتی ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے قرائن سے معلوم کر لیا ہو گا کہ جن احکام کو آپ لکھنا چاہتے ہیں، ان کا ماخذ کتاب اللہ ہے، سنت نہیں کہ سنت کا بھی ذکر کیا جائے۔ پس حضرت عمر فاروق کا روکنا شفقت و مہربانی کے طور پر تھا کہ آنحضرت ﷺ کو شدتِ تکلیف میں مزید رنج و تکلیف میں نہ ڈالا جائے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کاغذ طلب کرنے کا حکم بھی استحسان و استحباب کے طور پر تھا نہ کہ وجوب کے طور پر تاکہ دوسرے استنباط کی زحمت سے آرام میں رہیں۔ اگر کاغذ لانے کا حکم وجوب کے طور پر ہوتا تو آپ اپنے حکم کے جاری کرنے میں مبالغہ اور تاکید فرماتے اور صرف اختلاف کی بناء پر اس سے صرفِ نظر نہ کرتے۔

حضرت مجددؒ نے اھجر استفھموہ کا درج ذیل جواب لکھا:

﴿۴۵۹﴾ سورۃ مریم، ۲۰

﴿۴۶۰﴾ مکتوبات دفتر دوم، مکتوب: ۹۶

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت سمجھا ہوگا کہ حضور ﷺ سے یہ کلام درد و تکلیف کی وجہ سے بلا قصد و ارادہ صادر ہوا ہے، جیسا کہ لفظ اکتب سے وہم ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کبھی نہیں لکھا۔ نیز آپ نے فرمایا لن تضلو ابعدی ۔

جب دین کامل اور نعمت تمام اور رضائے مولیٰ اس سے وابستہ ہو چکی اس کے بعد ضلالت و گمراہی کی کیا صورت ہوگی۔ اور ایک ساعت میں آپ کیا لکھیں گے جس سے گمراہی دور ہوگی۔ جو تیئس سال میں لکھا جاتا رہا، کیا وہ کافی نہیں اور وہ گمراہی دور نہیں کرتا کہ ایک گھڑی میں شدتِ مرض کے باوجود کچھ تحریر فرمائیں جو گمراہی دور کرے۔ یہیں سے حضرت عمر فاروق نے سمجھا ہوگا کہ یہ کلام بر بناء بشریت بلا قصد آپ کی زبانِ مبارک پر جاری ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی تحقیق کرو۔ ﴿۴۶۱﴾

واقعۂ قرطاس کے سلسلہ میں اٹھنے والے سوالات کا جواب دیتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے ومایںطق عن الھویٰ کی تفسیر بیان کی ہے:

سورہ النجم کی اس آیت میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے جو نقطہ نظر پیش کیا اس کی توضیح و تشریح مفتی جلال الدین کے ایک فتویٰ سے ہوتی ہے۔ حضرت مجدد کے بیان کردہ نکات کی وضاحت کیلئے فتویٰ نقل کیا جاتا ہے:

مکرمی حضرت مفتی صاحب قبلہ دام الطافکم۔ السلام علیکم

التماس اینکہ حدیث قرطاس کے بارے میں آپ کے فتویٰ کا مطالعہ کیا۔ بجز عبارت ذیل کے آپ نے بہت خوب تحریر فرمایا ہے وہ عبارت یہ ہے کہ:

محبوب خدا ﷺ کا ہر کلام وحیِ الٰہی نہیں ہے تو یہ نص صریح وما ینطق عنہ الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں اطمینان بخش مدلل جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

باسمہ تعالیٰ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ الاعلیٰ

محترم المقام زید احترامکم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ثم السلام علیکم

محبوب خدا ﷺ کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں ہے یہ بات نصِ صریح کے خلاف نہیں اس لیئے کہ آیت

﴿۴۶۱﴾ مکتوبات دفتر دوم، مکتوب: ۳۶

کریمہ وما ینطق عنہ الھویٰ ان ھوالا وحی یوحیٰ کا مرجع قرآن عظیم ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے کہ انہ ضمیر معلوم وھوالقرآن کانہ یقول ماالقرآن الاوحی یعنی آیت کریمہ ان ھوالا وحی یوحیٰ کا مرجع قرآن ہے۔ گویا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن صرف وحی ہے اور تفسیر روح البیان میں ہے: ان ھوای ماالذی ینطق بہ من القرآن الاوحی من اللّٰہ تعالیٰ یوحیٰ الیہ بواسطۃ جبرئیل علیہ السلام اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قران وحی الٰہی ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے حضور ﷺ کی جانب وحی کیا جاتا ہے۔ اور مدارک میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں ہے: وماآتاکم بہ من القرآن لیس بمنطق یصدر عن ھواہ وربہ انما ھووحی من عنداللّٰہ یوحی الیہ یعنی جو قرآن کہ رسول تمہارے پاس لائے ہیں وہ ایسا کلام نہیں ہے جو ان کی خواہش اور رائے سے ہو، وہ صرف وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اور تفسیر ابوالسعود میں ہے: ان ھوای ماالذی ینطق بہ من القرآن الاوحی من اللّٰہ تعالیٰ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جسے رسول قرآن بتاتے ہیں وہ صرف وحی الٰہی ہے اور تفسیر خازن میں ہے: ومانیطق عن الھویٰ ای بالھوی والمعنی لایتکلم بالباطل وذلک انھم قالواان محمدا یقول القرآن من تلقآء نفسہ ان ھوای ما ھو یعنی القرآن وقیل نطقہ فی الدین الاوحی من اللّٰہ یوحی الیہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ کفار ومشرکین کہتے تھے کہ محمد ﷺ قرآن اپنی طرف سے کہتے ہیں اس لئے آیت کریمہ کا یہ معنی ہوا کہ وہ باطل کلام نہیں فرماتے ہیں۔ قرآن اور بعض لوگوں نے کہا کہ نبی کا ہر وہ کلام جو دین کے بارے میں ہو صرف وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور معالم التنزیل میں ومانیطق عن الھویٰ کی تفسیر خازن کی مثل لکھنے کے بعد تحریر فرمایا: ان ھومانطقہ فی الدین وقیل القرآن یعنی دین کے بارے میں رسول کا کلام اور بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن صرف وحی خداوندی ہے جو رسول کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

ان معتبر تفسیروں سے واضح ہوگیا کہ آیت کریمہ ان ھوالاوحی یوحی میں ھو کا مرجع قرآن عظیم ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن وحی الٰہی ہے نہ کہ ہر کلام اور تفسیر معالم التنزیل میں جو ھو کا مرجع نطقہ فی الدین بتایا تو اس سے بھی ہر کلام کا وحی الٰہی ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف دینی کلام کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے البتہ تفسیر جمل اور صاوی میں ہے کہ حضور ﷺ کے تمام اقوال وافعال اور سب احوال وحی الٰہی

ہیں جیسا کہ ہمارے مقررین عام طور پر بیان کرتے ہیں مگر اس کے بارے میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ وہ ظاہر کے خلاف ہے اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس آیت کریمہ سے حضور ﷺ کے ہر قول وفعل کا وحی ثابت کرنا ایک وہم ہے اس لئے کہ ھو کا مرجع اگر قرآن کو تسلیم کیا جائے تو اس معنی کا خلاف ہونا ظاہر ہے اور ھو سے مراد حضور کا قول ہو تو ان کے قول سے وہی قول مراد ہے کہ جسے کفار و مشرکین شاعر کا قول کہتے تھے تو خدائے تعالیٰ نے رد کرتے ہوئے فرمایا: ولابقول شاعر اور وہ قول قرآن کریم ہی ہے۔ علامہ امام رازی کی اصل عبارت یہ ہے:

الظاھر خلاف ماھو المشھور عند بعض المفسرین وھو ان النبی ﷺ ماکان ینطق الاعن وحی ولاحجة لمن توھم ھذا فی الایة لان قوله تعالیٰ ان ھو الاوحی یوحی ان کان ضمیر القرآن فظاھر وان کان ضمیرا عائدا الیٰ قوله فالمرادمن قوله ھو القول الذی کانوا یقولون فیه انه قول شاعر وردالله علیھم فقال ولابقول شاعر وذلك القول ھو القرآن ۔

اور امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور سید عالم ﷺ کے ہر قول کو وحی الٰہی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور نے کبھی اپنے اجتہاد سے کچھ نہیں فرمایا اور یہ بھی ظاہر کے خلاف ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے لڑائیوں میں اجتہاد فرمایا اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یا شہد کو جب حضور نے اپنے لئے حرام فرمالیا تو آیت کریمہ نازل ہوئی یاایھاالنبی لم تحرم یعنی اے نبی تم نے کیوں حرام فرمالیا ﴿پ ۲۸ سورۂ مریم﴾ معلوم ہوا کہ اگر حضور کا حرام فرمانا وحی الٰہی ہوتا تو لم تحرم نہ فرمایا جاتا اسی طرح حضور ﷺ نے جب کچھ لوگوں کو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دیدی تو آیت کریمہ عفاالله عنك لم اذنت لھم نازل ہوئی یعنی اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دیدیا۔ ﴿پ ۱۰، ع ۱۲﴾ ثابت ہوا کہ حضور کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں، ورنہ حضور کے اجازت دینے پر لم اذنت لھم نہ فرمایا جاتا۔ امام رازی کے اصل الفاظ یہ ہیں:

ھذایدل علی انه ﷺ لم یجتھد وھو خلاف الظاھر فانه فی الحروب اجتھد وحرم ماقال الله لم تحرم واذن لمن قال الله تعالیٰ عفا الله عنك لم اذنت لھم ﴿تفسیر کبیر جلد ۷، ص: ۷۰۰﴾

علاوہ ان کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا ہر قول وفعل وحی الٰہی نہیں ہے۔ مثلاً بخاری شریف جلد دوم صفحہ:۶۷۴ میں ہے کہ سرکار اقدس ﷺ نے ﴿کسی مصلحت سے﴾ عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: **لاتصل علی احدمنهم مات ابداو لاتقم علی قبره.** ﴿پ۱۰ع۱۶﴾ اور کھجوروں کے بارے میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حضور ﷺ کا یہ قول مشہور ہے **انتم اعلم دنیاکم** اور سیّد عالم ﷺ نے اٹھارہ دن تک طائف کا محاصرہ جاری رکھا اور فتح نہیں ہوا۔ حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشورے پر حضور نے محاصرہ اٹھا لیا ﴿زرقانی جلد سوم ص:۳۳﴾ معلوم ہوا کہ طائف کا محاصرہ وحی الٰہی سے نہیں تھا ورنہ صحابی کے کہنے پر حضور محاصرہ نہ اٹھاتے۔

ان تمام شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضور ﷺ کا ہر قول وفعل وحی الٰہی نہیں ہے لہٰذا جن لوگوں نے کہا کہ ان کا ہر قول وفعل وحی الٰہی ہے تو ان کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دینی امور میں حضور کا ہر قول وفعل وحی الٰہی ہے جیسا کہ معالم التنزیل میں فرمایا اور یا تو ان لوگوں کا قول عام مخصوص منہ البعض ہے۔ **هذاماظهر لی والعلم بالحق عندالله تعالیٰ ورسوله عزاسمه و صلی الله تعالیٰ علیه وسلم.** (۴۶۲)

۷۶۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنىٰ ۔(۴۶۳)

ترجمہ: دو کمانوں کی مقدار یا اس سے بھی زیادہ نزدیک ہوئے۔

مقام قاب قوسین اوادنیٰ میں سر عظیم یہ ہے کہ جب انسانِ کامل سیر الی اللہ کے تمام ہونے کے بعد سیر فی اللہ سے متصف ہوتا ہے تو اخلاق اللہ سے متخلق ہو جاتا ہے اور جب مجمل طور پر اس سیر کو بھی تمام کر لیتا ہے اور اسماء وصفات کے پرتو کے ظہور کے دائرہ کو جو سیر فی اللہ سے وابستہ ہے ختم کر لیتا ہے تو اس لائق ہو جاتا ہے کہ محبوب بلاواسطہ ظلیت کے شائبہ اور حلول ومحلیت کے توہم کے بغیر اس میں ظہور فرمائے۔ چوں کہ محبوب کی صفاتِ ذاتیہ اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہیں تو لازمی طور پر ذات کے ساتھ صفات کا ظہور بھی عاشق کے عین میں ہوگا اور وہ دو قوس تک پہنچ جائیگا جو کہ قوس ذات اور قوس صفات ہیں۔ یہ مقام، قاب

﴿۴۶۲﴾ امجدی، جلال الدین، فتاویٰ فیض الرسول، شبیر برادرز لاہور ۱۹۹۲ء، جلد اول، ص:۱۲۳ تا ۱۲۶

﴿۴۶۳﴾ سورۃ النجم:۹

قوسین کے مقامات میں نہایت اعلی ہے جو ظلیت کے شائبہ کے بغیر ظہور اصلی سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر خدا کے فضل و کرم سے عاشقِ صادق کو محبوب کی ذات سے اس درجہ تعلق ہو جائے کہ اس کا کوئی اسم اور صفت باقی نہ رہے تو اس وقت فضلِ خداوندی جل سلطانہ سے اسم اور صفت اسکی نظر سے اٹھ جاتے ہیں اور سوائے ذات کے کوئی چیز اس کو ملحوظ اور مشہود نہیں رہتی اگر چہ صفات ہوتی ہیں لیکن اسکو شہود نہیں ہوتیں اس حالت میں او ادنی کا راز ظاہر ہوتا ہے۔ (۴۶۴)

قاب قوسین کے معاملہ میں ظاہر میں مظہر کا رنگ پیدا ہوتا ہے کیونکہ سالک کو ذات وصفت کے زوال کا معاملہ حاصل نہیں ہوا، بخلافِ معاملہ او ادنیٰ کے کہ اس میں مظہر کا کوئی حکم واثر نہیں رہتا۔ اسی لئے اس دوسرے مرتبہ میں مظہر ایک ایسا امر ہوتا ہے جو مرتبہ وجوب سے حاصل ہوا ہوتا ہے اور وہ ایک خاص خلعت ہے جو عارف کو معاملہ پورا کر لینے کے بعد مرتبۂ اصل سے عنایت فرماتے ہیں اور اسکو صورت کے افاضہ سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ پس مظہر اس معاملہ میں ایک ایسا امر ہوتا ہے جس میں عدم کی بو راہ نہیں پاسکتی اور امکان کے شائبہ کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ پس اگر ہم اس مرتبہ میں انفعال ﴿اثر قبول کرنا﴾ کا اثبات کریں تو وہ اپنے آپ سے ہوگا نہ کہ غیر کی طرف سے کیونکہ غیر کا کوئی اثر اور نشان باقی نہیں رہا:

وَلَوَجْهِهِ مِنْ وَجْهِهِ قَمَرٌ

وَلِعَيْنِهِ مِنْ عَيْنِهِ كحْلٌ .

اگر چہ وہ انفعال جو مرتبۂ قاب قوسین میں ثابت کیا جائیگا وہ بھی حق ہے اور وہ حضور جو اس مرتبہ میں ہوتا ہے اصل کا ظہور ہے لیکن اس میں ظلیت کا شائبہ ہوتا ہے۔ اور وہ بلند مرتبہ کے لائق نہیں وہ انفعال جو اس مرتبہ مقدسہ او ادنـیٰ کے لائق ہوتا ہے وہ ہے جس میں ظلیت کی بو راہ نہ پاتی ہو اور کسی صورت میں بھی غیر کو درمیان میں دخل نہ ہو کیونکہ غیر عدم کی آلودگی سے خالی نہیں ہے اور امکان کے نقص سے باہر نہیں ہے ہاں اگر مراتبِ ظلال کے انفعالات ایسے ہوں تو ان ممکن کی گنجائش ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اس معاملہ میں اوادنیٰ میں عارف اپنے بائیں جانب کے لکھنے والے کو نہیں پاتا۔ اسکا راز یہ ہے کہ اس وقت اس کی بائیں جانب، دائیں جانب کا حکم حاصل کر لیتی ہے۔ کیونکہ بائیں جانب عدم کے تقاضوں میں سے ہے پھر جب عدم کے احکام زائل ہو گئے اور خالص وجود باقی رہ گیا تو اب اس

﴿۴۶۴﴾ مکتوبات دفتر دوم، مکتوب: ۹۰

جگہ بائیں جانب ہے، ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اسکو اچھی طرح سمجھ اور بے دینی میں مبتلا نہ ہو۔

اللہ نے فرمایا، ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی، واضح ہو کہ اس دُنُوّ ﴿قرب﴾ کا تحقق او ادنیٰ کے تحقق کے بعد ہے جو پہلے ذکر ہوا۔ کیونکہ جب تک عارف کا کوئی اثر اور حکم باقی ہے اور عدم کی آلودگی سے مبرا نہیں ہوا اسکو اس دُنُوّ کی لیاقت نہیں۔ اس دُنُوّ کے تحقق کے بعد تَدَلّٰی ہے جو نزول کے ہم معنی ہے۔ جب تَدَلّٰی کا تحقق ہو جاتا ہے اور عارف کو خلق میں لاتے ہیں تو اس وقت قوسین کی صورت ظاہر ہوتی ہے اگرچہ قوس اول کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہا لیکن جب اسکو تَدَلّٰی سے مشرف فرماتے ہیں تو اس وقت قوسین کی صورت متوہم ہوتی ہے۔

پس بعد از تَدَلّٰی /فکان قاب قوسین او ادنیٰ اس اعتبار سے فرمایا ہے کہ اس وقت قوسین کی صورت ثابت ہے نہ کہ اسکی حقیقت او ادنیٰ کیونکہ اس جگہ قوسین ثانی کا کوئی اثر اور حکم باقی نہیں رہا تو اس جگہ حقیقت میں دو قوس ہیں ہی نہیں۔ (۴۶۵)

بہت زیادہ کوشش کی ضرورت ہے تب جا کر قوسین سے او ادنیٰ تک وصول میسر آ سکتا ہے۔ (۴۶۶)

سوال: امکان کے آثار و احکام کا بقاء مقام قاب قوسین میں ظاہر ہے کہ قوس امکان و قوس وجوب اس جگہ برپا ہے لیکن مقام او ادنیٰ میں جو کہ اصل میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے امکان کے احکام کا بقاء کیا معنی رکھتا ہے؟

جواب: وجوب اور امکان میں مابہ الامتیاز چیز عدم ہے جو کہ امکان کی ایک طرف ہے کیونکہ امکان کی دوسری طرف وجود ہے جو قدر مشترک ہے، درمیان وجوب اور امکان کے، اور مقام او ادنیٰ میں اس عدم کے احکام زوال پذیر ہو جاتے ہیں اور قوسین کا امتیاز رفع ہو جاتا ہے۔ نہ کہ امکان بالکل مرتفع ہو جاتا ہے اور وجوب سے بدل جاتا ہے کہ وہ محال ہے۔ البتہ اس قدر ضرور ہے کہ مقامِ قاب قوسین میں ظلماتی حجابات سے باہر نہیں آتا کہ وہ عدم کے آثار ہیں اور مقام او ادنیٰ میں اگر حجاب ہیں، تو نورانی ہیں اور وہ وجود امکانی

﴿۴۶۵﴾ مکتوبات دفتر سوم، مکتوب: ۱۱۱

﴿۴۶۶﴾ مکتوبات دفتر دوم، مکتوب: ۲۱

کی راہ سے آتے ہیں اور اسی توجیہ پر ایک بزرگ کی اس بیت کے معنی کو محمول کیا جا سکتا ہے

چوں ممکن گردا مکاں بر فشاند
بجز واجب درو چیزے نہ ماند

اور امکان کی گرد جھاڑنے کا مطلب عدم کے احکام کا زوال ہے جو کہ سراسر کدورت ہے۔(۴۶۷)

۷۷۔ وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ" كَلَمْحٍ م بِالْبَصَرِ ۔(۴۶۸)

ترجمہ: اور ہمارا حکم یکدم ہوتا ہے جیسے پلک جھپکی جاتی ہے۔

حق تعالیٰ کا علم اگر چہ جزئیات سے متعلق ہو لیکن تغیر کی آمیزش اس میں دخل نہیں پاتی اور حدوث کا گمان اس صفت میں پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ فلاسفہ نے زعم کیا ہے۔ کیونکہ تغیر اس تقدیر پر متصور ہو سکتا ہے جب کہ ایک کو دوسرے کے بعد جانا ہو۔ اور جب سب کو آنِ واحد میں جان لے تو پھر تغیر وحدوث کی گنجائش نہیں ہے۔ پس کچھ حاجت نہیں ہے کہ ہم اسکے واسطے تعلقات متعددہ ثابت کریں تا کہ تغیر وحدوث ان تعلقات کی طرف راجع ہو نہ کہ صفت علم کی طرف جیسے بعض متکلمین نے فلاسفہ کے شبہ کو دفع کرنے کیلئے کیا ہے۔ ہاں اگر معلومات کی جانب تعلقات کا تعدد ثابت کریں تو ہو سکتا ہے۔

اور اسی طرح کلام بسیط ہے کہ ازل سے ابد تک اسی ایک کلام سے گویا ہے۔ اگر امر ہے تو وہیں سے پیدا ہے۔ اور اگر نہی ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے اور اگر اعلام ہے تو وہ بھی وہیں سے ماخوذ ہے اور اگر استعلام ہے تو وہ بھی وہیں سے ہے اور اگر تمنی یا ترجی ہے تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے۔

تمام نازل شدہ کتابیں اور مرسلہ صحیفے اس کلامِ بسیط کا ایک ورق ہیں اگر تورات ہے تو وہیں سے لکھی گئی ہے اور اگر انجیل ہے تو اس نے بھی وہیں سے لفظی صورت حاصل کی ہے اور اگر زبور ہے تو وہیں سے مسطور ہے۔ اور اگر فرقان ہے تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا۔

واللہ کلام حق کہ علی الحق یکیست وبس

واللہ! اللہ کا کلام درحقیقت ایک ہی ہے۔

﴿۴۶۷﴾ مکتوبات دفتر سوم، مکتوب: ۱۲۲

﴿۴۶۸﴾ سورۃ القمر: ۵۰

ہاں نزول میں مختلف آثار آئے ہیں۔

اور اسی طرح ایک ہی فعل ہے اور اسی ایک فعل کے ذریعے اولین وآخرین مصنوعات وجود میں آرہے ہیں۔ ﴿سورۂ قمر کی آیت بالا﴾ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے اگر احیاء اور اماتت ہے تو اسی فعل سے وابستہ ہے اور اگر انعام یا ایلام ہے تو اسی فعل سے متعلق ہے اور ایسے ہی اگر ایجاد ہے یا اعدام تو وہ بھی اسی فعل سے پیدا ہے۔

پس حق تعالیٰ کے فعل میں بھی تعددِ تعلقات ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ہی تعلق سے تمام اولین وآخرین مخلوقات اپنے وجود کے اوقاتِ مخصوصہ میں ظاہر ہورہی ہیں۔ یہ تعلق بھی حق تعالیٰ کے فعل کی طرح بے چون و بے چگون ہے۔ کیونکہ چون کو بے چون کی طرف کوئی راہ نہیں۔ (۴۶۹)

اللہ رب العزت اسباب میں تاثیر پیدا فرماتا ہے۔ ورنہ اسباب کی حیثیت جمادات کی سی ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ مختلف آیات کے حوالہ سے اپنا عقیدہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسباب کو مدنظر رکھتے ہیں اور باوجود اس رعایت کے اپنے امر اور کام حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بدنظری کا لحاظ کرکے اپنے بیٹوں کو فرمایا:

۷۸۔ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ (۴۷۰)

ترجمہ: اے بیٹو ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔

اور باوجود اس رعایت کے پھر اپنے امر کو حق تعالیٰ کے سپرد فرمایا:

مَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ج وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (۴۷۱)

ترجمہ: میں تمہیں اللہ کی تقدیر سے ذرا سا بھی نہیں بچا سکتا۔ حکم تو صرف اللہ کا نافذ ہوتا ہے

﴿۴۶۹﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

﴿۴۷۰﴾ سورۃ یوسف: ۶۷

﴿۴۷۱﴾ سورۃ یوسف: ۶۷

میرا، اسی پر بھروسہ ہے اور تمام بھروسہ کرنے والوں کو صرف اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

اور حضرت حق تعالیٰ نے ان کی اس معرفت کو پسند فرمایا اور اپنی طرف نسبت دے کر اس طرح فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۴۷۲)

ترجمہ: اور وہ صاحب علم اس وجہ سے تھا کہ ہم نے اسے علم عطاء کیا تھا لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ قرآن مجید میں بھی ہمارے پیغمبر ﷺ کو اسباب کے توسط کی طرف اشارہ فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔(۴۷۳)

ترجمہ: اے نبی مکرم! آپ کو اللہ تعالیٰ اور وہ مومن کافی ہیں جو آپ کے فرمانبردار ہیں۔

باقی رہی اسباب کی تاثیر، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات تاثیر کو ان میں نہ پیدا کرے۔ اور کوئی اثر ان پر مترتب نہ ہو۔ جیسے ہم روزمرہ اسباب میں اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسببات کا وجود مرتب ہو اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر کا مطلق انکار مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔ تاثیر کو ماننا چاہیئے۔ اور کسی تاثیر کو اس سبب کے وجود کی طرح حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی ایجاد سے جاننا چاہیئے۔

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اسباب کا توسط اور وسیلہ توکل کے منافی نہیں جیسے اکثر ناقصوں نے گمان کیا ہے۔ بلکہ اسباب کے توسط میں کمال توکل ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اسباب کو مدنظر رکھ کر اپنے کام کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کرنے کو توکل فرمایا ہے:

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۔(۴۷۴)

﴿۴۷۲﴾ سورۃ یوسف: ۶۸

﴿۴۷۳﴾ سورۃ الانفال: ۶۴

﴿۴۷۴﴾ سورۃ یوسف: ۶۷

ترجمہ: اسی پر میں نے توکل کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنا چاہیئے۔(۴۷۵)

۷۹۔ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتَابٍ مَّکْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ۔(۴۷۶)

ترجمہ: بے شک یہ بڑی عزت والی کتاب قرآن ہے۔ محفوظ کتاب ہے۔ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھوتے۔

آیت کا مطلب حقیقی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے مگر وہ رمز جو اس مقام پر ذہن رسا میں آتی ہے یہ ہے کہ قرآن کے پوشیدہ اسرار کا احساس وہی لوگ کر سکتے ہیں جو تعلقاتِ بشریہ کی آلودگی سے پاک ہو چکے ہیں۔

دوسرا اشارہ یہ ہے کہ نہ پڑھیں قرآن مجید کو، یعنی نہیں چاہیئے کہ پڑھیں قرآن مجید کو مگر وہ لوگ جن کے نفوس ہوا و ہوس سے پاک ہو چکے ہوں اور شرکِ جلی و خفی اور آفاقی و انفسی خداؤں سے پاک ہو چکے ہوں۔(۴۷۷)

۸۰۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ۔(۴۷۸)

ترجمہ: اے مسلمانوں! برابر نہیں تم میں وہ لوگ جنہوں نے ﴿فتح مکہ﴾ سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا اور وہ لوگ اُن لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اپنے مال خرچ کیے اور دشمن سے لڑے۔ اللہ نے ان سب سے جنت کا وعدہ فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور جان و بے اندازہ مال خدمتِ لائقہ میں خرچ کرنے میں سب سابقین سے سبقت لے جانے والے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ آیت کریمہ آپ کی شان میں نازل ہوئی۔

اور حُسنیٰ جنت ہے پس تمام صحابہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور لڑائی کی یا بعد از

﴿۴۷۵﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

﴿۴۷۶﴾ سورۃ الواقعۃ: ۷۷ تا ۷۹

﴿۴۷۷﴾ مکتوبات دفتر سوم، مکتوب: ۴

﴿۴۷۸﴾ سورۃ الحدید: ۱۰

فتح مکہ ان سب کیلئے جنت کا وعدہ ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ انفاق اور قتال کی نسبت قید کیلئے نہیں بلکہ مدح کیلئے ہے کیونکہ تمام صحابہ ان دو صفات سے متصف تھے۔ پس سب کیلئے جنت کا وعدہ ہے۔ (۴۷۹)

۸۱۔ اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌم بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (۴۸۰)

ترجمہ: دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ، سامانِ آرائش، آپس میں فخر کرنا اور ایک دوسرے سے اولاد میں بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ دنیا کی حقیقت اور اسکی محبت دور کرنے کے علاج کے متعلق خان خاناں کو لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو پانچ بلکہ چار چیزوں میں منحصر کیا ہے۔ جب عمل صالح میں مشغول ہوں تو جزو اعظم لعب ولہو کم ہونے لگتا ہے۔ اور ریشم اور چاندی سونے کے استعمال سے جن پر عمدہ اور اعلیٰ زیب و زینت کا مدار ہے۔ پرہیز کرنے لگتے ہیں تو دوسرا جزو جو زینت ہے زائل ہونے لگتا ہے اور جب یقین ہو جائے کہ اللہ کے نزدیک فضیلت و بزرگی، پرہیزگاری اور تقویٰ سے ہے نہ کہ حسب و نسب سے تو فخر کرنے سے باز آتے ہیں۔ اور جب جانیں کہ مال و اولاد حق تعالیٰ کے ذکر سے مانع ہیں اور اسکی بارگاہ سے روکتے ہیں تو ان کے زیادہ حاصل کرنے کو ترک کر دیتے ہیں اور ان کے بڑھانے کو معیوب جانتے ہیں۔ (۴۸۱)

۸۲۔ مَاآتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَانَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوْا اللّٰہَ ۔ (۴۸۲)

ترجمہ: ''رسول کریم جو تمہیں عطا کریں لے لو اور جس سے منع فرمائیں رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔''

اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب کے تذکرہ کے بعد تقویٰ کا ذکر کیا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ

﴿۴۷۹﴾ مکتوبات دفتر دوم، مکتوب ۹۶، ۹۹/ دفتر سوم، مکتوب: ۲۴

﴿۴۸۰﴾ سورۃ الحدید: ۲۰

﴿۴۸۱﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۲۳۲

﴿۴۸۲﴾ سورۃ الحشر: ۷

ہے کہ منہیات سے باز رہنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ یہی تقویٰ کی حقیقت ہے جو دین کا اصل مقصود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مِلاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَع ۔(۴۸۳)

''تمہارے دین کا اصل مقصود ورع ہے۔''

رسول کریم ﷺ نے ایک اور مقام پر فرمایا ہے۔

لاتَعْدِلُ بالرِّعَةِ شيئا ۔(۴۸۴)

﴿ورع کے برابر کسی شے کو نہ سمجھے﴾

اس کے زیادہ ضروری اور مہتم بالشان ہونے کی وجہ منہیات سے ہٹ جانا ہے، وجود میں عام اور نفع میں زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ اوامر کے بجالانے کے ضمن میں بھی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ کسی امر کا بجالانا اسکی ضد سے ہٹ جانا ہے اور یہ ظاہر ہے لیکن منہیات سے ہٹ جانے کا عموم کی جہت کے سوا، کثیر النفع ہونا اس لیئے ہے کہ اس میں محض نفس کی مخالفت ہے اور اس میں نفس کیلیئے کوئی لذت نہیں۔ برخلاف امتثالِ اوامر کی صورت کے کہ اس میں اکثر نفس کیلیئے لذت بھی ہوتی ہے۔ ہر وہ چیز جس میں نفس کی زیادہ مخالفت ہو، بلاشبہ اسکا نفع زیادہ ہوگا اور وہ نجات کا قریب ترین رستہ ہے۔ کیونکہ تکالیفِ شرعیہ کا اصل مقصد نفس کو مغلوب کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت وعداوت میں لگا رہتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے:

عَادِنَفْسَكَ فَاِنَّهَا انْتَقَبسَتْ بِمُعَادَاتِیْ ۔(۴۸۵)

اپنے نفس کو دشمن جان کیوں کہ وہ میری عداوت پر قائم ہے۔

پس مشائخ کے طریقوں میں سے جس طریقہ میں احکامِ شرعیہ کی زیادہ رعایت ہوگی، وہ وصول الی اللہ کے تمام طریقوں سے زیادہ اقرب ہوگا۔(۴۸۶)

۸۳۔ يَآ اَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا

﴿۴۸۳﴾ مشکوۃ المصابیح ص:۳۴، مسند ابن ابی شیبہ جلد:۵ ص ۲۸۴، رقم:۲۶۱۱۵

﴿۴۸۴﴾ الجامع الصحیح، جلد:۴ ص:۶۶۹، رقم:۲۵۱۹، امام ترمذی نے اسے حسن غریب کہا۔

﴿۴۸۵﴾ ان الفاظ سے کتب احادیث میں روایت نہیں ملتی۔

﴿۴۸۶﴾ دفتر سوم، مکتوب:۹

يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ اَيْدِيهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۸۷﴾

ترجمہ: اے نبی! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں آپ سے بیعت کرنے کیلئے اس پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ چوری کرینگی، نہ بدکاری کرینگی، نہ اپنی اولاد کو قتل کرینگی، نہ بہتان اپنے پاس سے گھڑ کر لائیں گی، اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان اور نیکی کے کاموں میں۔

یہ آیت فتح مکہ کے روز نازل ہوئی۔ (۴۸۸) رسول اللہ ﷺ جب مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی بیعت شروع کی۔ عورتوں کی بیعت صرف قول سے ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ ہرگز کسی بیعت کرنے والی عورت سے نہیں چھوا کیونکہ برے اور ردی اخلاق عورتوں میں مردوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ اس بنا پر عورتوں کی بیعت کے وقت، مردوں کی بیعت سے کچھ زیادہ احکام درمیان میں لائے گئے اور خداوند تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس وقت ان برے اخلاق سے نہی فرمائی گئی۔

پہلی شرط یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بنانا چاہیئے کیا وجوبِ وجود میں اور کیا استحقاق عبادت میں کیونکہ جس کے اعمال ریاء اور طمع کی آمیزش سے پاک نہ ہوں۔ اور دل اللہ تعالیٰ سے طلب اجر کے خیال کے سواے نہ ہو اگرچہ وہ بات ذکر ہی کیوں نہ ہو، وہ آدمی شرک کے دائرہ سے باہر نہیں ہوتا، موحد اور مخلص نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلشِّرْكُ فی امتی اَخْفٰی من دَبِيبِ النَّمْلِ الَّتِی تَدِبُّ فی لَيْلَةٍ مُّظْلِمَةٍ علی صَخْرَةٍ سَوْدَاءَ۔ (۴۸۹)

میری امت میں شرک چیونٹی کے اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چلنے کے نشان سے بھی زیادہ مخفی

﴿۴۸۷﴾ سورۃ الممتحنہ: ۱۲

﴿۴۸۸﴾ یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر نازل نہیں ہوئی بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ (الواحدی، علی بن احمد، اسباب النزول، تحقیق ایمن صلح شعبان، دار الحدیث القاہرہ ۱۹۹۵ء، ص: ۳۶۰

﴿۴۸۹﴾ درمنثور، جلد ۴، ص: ۲۵۷

ہے۔

لافِ بے شرکی مزن کان ازنشان پائے مور
درشبِ تاریک برسنگِ سیاہ پنہاں تراست

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

اِتَّقُوا الشرکَ الاَصْغَرَ قالوا ما الشِّرْکُ الاصْغَر قَالَ عَلَیہِ وعَلیٰ آلِہِ الصَّلوٰۃُ والسَّلامُ اَلرِّیَاءُ۔ (۴۹۰)

چھوٹے شرک سے بچو، صحابہؓ نے پوچھا چھوٹا شرک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ریاء

شرک کی رسومات کی تعظیم اور کفر کے مراسم کے احترام کو شرک میں بڑا دخل حاصل ہے، دو دینوں کی تصدیق کرنے والا بھی مشرک ہے۔ اسلام اور کفر کے مجموعی احکام کی آمیزش کرنے والا بھی مشرک ہے۔ کفر سے بیزاری، اسلام کی شرط ہے اور شرک کی آمیزش سے بیزاری، توحید کی شرط ہے۔

بیماریوں اور مرضوں میں شیطانوں اور بتوں سے مدد طلب کرنا جو جاہل مسلمانوں میں عام ہے، عین شرک اور گمراہی ہے۔ گھڑے ہوئے یا بن گھڑے پتھروں سے حاجتیں طلب کرنا نفسِ کفر اور واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض گمراہوں کے حال کی شکایت کرتے ہوئے فرمایا:

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ ط وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا (۴۹۱)

﴿وہ چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمے لے جائیں شیطان کی طرف حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اُسکا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر ﴿ہدایت سے﴾ بہت دور گمراہی کی راہ پر لے جائے۔

اکثر عورتیں اپنی کمال جہالت کی وجہ سے اس ممنوع استمداد میں مبتلا ہیں اور ان بے مسمّٰی اسماء سے اپنی مصیبتیں دور کرنے کی درخواست کرتی ہیں۔ شرک اور مشرکوں کی رسومات کی ادائیگی میں گرفتار ہیں۔ خصوصاً یہ بات ان کی نیک و بد بو سے، چیچک کی وباء پھیلنے کے وقت جس کو ہندی زبان میں ستیلہ کہتے ہیں

﴿۴۹۰﴾ درمنثور، جلد ۴، ص: ۲۵۷

﴿۴۹۱﴾ سورۃ النساء: ۶۰

مشہود و محسوس ہے۔ کم ہی کوئی عورت ایسی ہوگی جو اس باریک شرک سے خالی ہوگی اور استمداد کی رسومات میں سے کسی قسم کا اقدام نہ کرتی ہو۔ سوائے اس کے جسے اللہ بچائے۔

ہندوؤں کے معظم دنوں کی تعظیم کرنا، ان دنوں ہندوؤں کی متعارف رسوم کا بجالانا بھی شرک کو مستلزم اور کفر کا موجب ہے۔ جیسے کافروں کی دیوالی کے دنوں میں جاہل مسلمان خصوصاً انکی عورتیں کافروں کی رسوم بجالاتے اور اسے اپنی عید بناتے ہیں اور کافروں کے ہدیوں کی طرح اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے گھروں میں تحفے تحائف بھیجتے ہیں اور اپنے برتنوں پر کافروں کی طرح اس موسم میں رنگ کرتے ہیں ان کو سرخ رنگ کے چاولوں سے بھر کر بھیجتے ہیں اور ان دنوں میں خاص اہتمام کرتے ہیں۔ یہ سب شرک ہے اور دین اسلام سے کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَھُمْ مُشْرِکُوْنَ ۔(۴۹۲)

اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے شرک کرتے ہیں۔

حیوانات کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور انکی قبروں پر جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں فقہی روایات میں اس عمل کو داخل شرک کیا ہے اور اس معاملہ میں بڑا مبالغہ کیا ہے۔ اس ذبح کو جنوں کے ذبیحوں کی جنس سے قرار دیا ہے۔ جو کہ شریعت میں ممنوع ہے اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہے۔

نذر کی بہت سی اقسام ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ کسی جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانیں اور اس کے ذبح کرنے کا ارتکاب کریں اور جنوں کے ذبیحوں سے ملحق کریں اور شیطانوں کے پجاریوں سے تشبہ پیدا کریں۔ اور اسی قسم کا عورتوں کا وہ روزہ بھی ہے جو وہ بیبیوں اور پیروں کی نیت سے رکھتی ہے اور ان کے اکثر نام اپنی طرف سے تراش کر اپنے روزوں کو ان کے نام نیت کرتی ہیں اور روزوں کے لیئے دنوں کا تعین بھی کرتی ہے۔ اور اپنے مطالب و مقاصد کو ان روزوں سے وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلہ سے ان پیروں سے اپنی حاجتیں چاہتی ہیں اور اپنی حاجتوں کو پورا ہونے کو ان کی طرف سے جانتی ہیں۔ یہ عبادت میں شرک ہے۔ اور غیر کی عبادتوں کے ذریعہ اپنی حاجت کو چاہنا ہے۔ اس کام کی برائی کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ حالانکہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿۴۹۲﴾ سورۃ یوسف: ۱۰۶

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ ۔(۴۹۳)

کہ روزہ میرے ہی لیئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

یعنی روزہ صرف میرے لیئے ہی خاص ہے اور میرے علاوہ روزے کی عبادت میں اور کوئی شریک نہیں ہے۔ اگرچہ کسی عبادت میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک جائز نہیں ہے لیکن روزے کی تخصیص اس عبادت کے اہتمام اور اس عبادت کے شرک کی نفی کی تاکید کیلیئے ہے۔ اور بہانہ ہے وہ جو بعض عورتیں اس فعل کی بُرائی کے اظہار کے وقت کہتی ہیں کہ ہم یہ روزے خدا تعالیٰ کیلیئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب پیروں کو بخشتی ہیں۔ اگر وہ اس معاملہ میں سچی ہیں تو روزوں کیلیئے دنوں کا تعین کس لیئے ہے اور کھانے کی تخصیص اور افطاری کے موقع پر مختلف برائیوں کے اوضاع واطوار کس لئے ہیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ روزہ افطار کرتے وقت حرام امور کا ارتکاب کرتی ہیں اور حرام چیزوں سے روزہ افطار کرتی ہیں اور بے ضرورت سوال اور گدا کرتی ہیں۔ اور اس سے روزہ کھولتی ہیں اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کو ان محرمات کے ارتکاب سے مخصوص سمجھتی ہیں۔ یہ خود عین گمراہی ہے اور شیطان مردود کی تزیین ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بچانے والے ہیں۔

اور دوسری شرط جو عورتوں کی بیعت کے وقت درمیان میں لائے وہ چوری کرنے سے ممانعت ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے ہے اور چونکہ یہ بدخصلت عورتوں کے اکثر افراد میں پائی جاتی ہے اور کم ہی کوئی ایسی عورت ہوگی کہ اس برائی کی باریکیوں سے خالی ہو تو اس برائی سے ممانعت ان کی بیعت کیلیئے شرط قرار پائی۔ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کے مال میں اُن کی اجازت کے بغیر تصرف کرتی ہیں اور بے باکی سے تلف اور خرچ کرتی ہیں وہ چوری میں داخل ہے اور چوری کے کبیرہ گناہ سے متصف ہیں۔ یہ بات عام عورتوں کے متعلق کہی جاسکتی ہے کہ ان میں یہ عادت ثابت ہے اور یہ خیانت عورتوں کے تمام افراد میں قریباً قریباً موجود ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ بچائیں۔

کاش! اس بات کو گناہ سمجھیں اور برا تصور کریں۔ اس بُرائی کو حلال کرنے کا ڈر ان کے حق میں غالب ہے اور اس حلال سمجھنے کی راہ سے اس معاملہ میں کفر کا خوف زیادہ ہے۔ حکیم مطلق جل شانہ نے عورتوں کو شرک سے روکنے کے بعد چوری کرنے سے ممانعت فرمائی کہ یہ برائی ان کے حق میں بذریعہ اس کو

﴿۴۹۳﴾ بدیوی، یوسف علی، الاحادیث القدسیہ، دار ابن کثیر بیروت، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۰۰۰، رقم: ۱۵۶

حلال سمجھنے کے ان کا کفر میں راسخ قدم ہونا ہے اور باقی تمام کبیرہ گناہوں کی بہ نسبت ان کے حق میں بدتر ہے۔

اور چونکہ عورتوں کو اپنے شوہر کا مال بار بار لینے سے خیانت کا ملکہ پیدا ہوجاتا ہے اور دوسرے لوگوں کے مال میں تصرف کرنے کی قباحت ان کی نگاہ سے زائل ہوجاتی ہے۔ یہ کوئی بعید نہیں ہے کہ شوہروں کے علاوہ دوسروں کے املاک میں بھی ظلم سے تصرف کریں اور دوسروں کے اموال میں بے باکی سے خیانت اور چوری کریں۔ توقع ہے کہ یہ معنی تھوڑے سے غور سے واضح اور لائح ہوجائے گا۔ پس ثابت ہوا کہ عورتوں کو چوری سے منع کرنا اسلام کے اہم کاموں میں سے ہے اور شرک کے بعد ان کی نسبت اس برائی کی قباحت متعین ہوگئی۔

عورتوں کی بیعت میں تیسری شرط جو منصوص ہے وہ زنا سے نہی ہے۔ عورتوں کی بیعت خصوصاً اس شرط سے اس لئے مشروط ہے کہ زنا کا حصول اکثر عورتوں کی رضامندی کے حصول سے وابستہ ہے۔ کہ وہ اس عمل کیلئے اپنے آپ کو مردوں پر پیش کرتی ہیں۔ پس عورتیں اس عمل میں سابق ہوتی ہیں اور اس عمل میں ان کی رضا معتبر ہوتی ہے۔ پس عورتوں کے حق میں اس عمل سے ممانعت زیادہ مؤکد ہوگی اور مرد اس عمل میں عورتوں کے تابع ہیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (۴۹۴)

زنا کار عورت اور زنا کار مرد ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو کوڑے لگائیں۔

اور یہ بُرائی دنیا و آخرت میں نقصان دینے والی ہے اور تمام دینوں میں بُری اور منکر ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت پیغمبر ﷺ سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اے آدمیوں کے گروہ زنا سے پرہیز کرو کہ اس میں چھ چیزیں ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ وہ جو تین چیزیں دنیا میں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ زنا کرنے والے سے نورانیت اور صفائی اور رونق زائل ہوجاتی ہے۔ دوسری یہ کہ زنا فقر اور محتاجی کا باعث ہے۔ تیسری یہ کہ آدمی کی عمر کو کم کرتا ہے اور وہ تین چیزیں جو زانیوں کیلئے آخرت میں ہیں۔ ان میں سے ایک خداوند تعالیٰ کی ناراضگی اور غصہ ہے۔ دوسرا

﴿۴۹۴﴾ سورۃ النور: ۲

حساب میں سختی اور تیسرا آگ کا عذاب۔(۴۹۵)

جان لیں کہ حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

آنکھوں کا زنا محرمات کی طرف دیکھنا ہے اور ہاتھوں کا زنا محرمات کو پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا محرمات کی طرف چلنا ہے۔(۴۹۶) اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ(۴۹۷)

آپ ایماندار مردوں سے کہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حرام سے حفاظت کریں یہ ان کیلئے پاکیزہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ(۴۹۸)

﴿اور آپ ایمان دار عورتوں سے کہیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حرام سے حفاظت کریں﴾

جاننا چاہیئے کہ دل آنکھ کے تابع ہے۔جب تک آنکھ کو محرمات سے بند نہ کیا جائے دل کی حفاظت مشکل ہے اور جب آنکھ گرفتار ہو جائے تو پھر دل کا بچنا مشکل ہے اور جب دل گرفتار ہو جائے تو شرمگاہ کو بچانا دشوار ہے۔پس آنکھ کو محرمات سے بند رکھنا ضروری ہوا تا کہ شرمگاہ کی حفاظت میسر ہو اور دینی اور دنیاوی خسارے تک نہ پہنچائے اور قرآن مجید میں اس سے بھی روکا ہے کہ عورتیں بیگانہ مردوں سے بدکار عورتوں کی طرح نرم اور ملائم کلام کریں۔ایسے طریقہ پر کہ بدکار مردوں کو بُرے وہم میں ڈال دیں اور بُرا طمع ان کے دل میں پیدا ہو اور عورتیں مردوں سے اچھی بات ایسے انداز سے کریں جو اس وہم وطمع سے خالی ہو۔(۴۹۹) اور اس سے بھی روکا گیا ہے کہ عورتیں اپنے محاسن اور زینت کا اظہار مردوں کے سامنے کریں

﴿۴۹۵﴾ کشف الخفا، جلد:۲، ص:۵۳۲

﴿۴۹۶﴾ مجمع الزوائد، جلد:۶، ص:۲۵۹

﴿۴۹۷﴾ سورۃ النور:۳۰

﴿۴۹۸﴾ سورۃ النور:۳۱

﴿۴۹۹﴾ سورۃ النور:۳۱

اور مردوں کو خواہش میں ڈالیں۔(۵۰۰) اور اس سے بھی روکا گیا ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر ماریں۔تا کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔ جیسے سونے اور چاندی کے کڑے وغیرہ کہ وہ حرکت میں آئیں اور آواز پیدا کریں کہ وہ عورتوں کی طرف مردوں کی رغبت کا باعث ہے۔

مختصر یہ کہ ہر وہ چیز جو فسق تک لے جائے ممنوع اور بُری ہے۔اس سے احتیاط کرنی چاہیئے کہ محرمات کے ذرائع اور اسباب کا ارتکاب نہ کیا جائے تا کہ اصل محرمات سے سلامتی میسر آئے اور اللہ تعالیٰ ہی بچانے والے ہیں اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ میں نے اسی پر توکل کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ اجنبی عورت بھی شہوت سے دیکھنے اور چھونے کے معاملہ میں اجنبی مردوں کی طرح ہے۔ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اپنے آپ کو شوہر کے علاوہ کسی اور کیلئے آراستہ کرے اور اپنے آپ کو زینت دے اور مزین کرے۔شوہر کے علاوہ مرد ہو یا عورت جیسا کہ مردوں کو بے ریش لڑکوں کی طرف شہوت سے دیکھنا اور ان کو چھونا منع ہے۔اسی طرح حرام عورتوں کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا اور ان کو چھونا حرام ہے۔

اس نکتہ کی اچھی طرح رعایت کرنی چاہیئے کہ یہ شاہراہ دنیا اور آخرت کے خسارہ کی طرف جاتی ہے۔ مردوں کا عورت تک پہنچنا صنف کی دوری کی وجہ سے مشکل ہے۔اور درمیان میں رکاوٹیں ہیں۔ برخلاف عورت کے عورت تک پہنچنے کے کہ صنف کے اتحاد کی وجہ سے اس میں کمال آسانی ہے۔اس جگہ بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیئے اور عورتوں کے عورتوں کو دیکھنے اور چھونے میں مردوں کے عورتوں کی طرف دیکھنے یا عورتوں کے مردوں کی طرف دیکھنے سے زیادہ بلیغ انداز اور بلاغ مبین کرنا چاہیئے۔

چوتھی شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی ہے وہ اولاد کے قتل سے ممانعت ہے کہ عرب کی عورتیں اپنی لڑکیوں کو غریبی کے ڈر سے مار ڈالتی تھیں۔ یہ بد عمل جس طرح بغیر حق کے جان کو مار ڈالنے کا متضمن ہے اسی طرح اس میں قطع رحمی بھی ہے اور پھر یہ کبیرہ گناہوں میں سے بھی ہے۔

اور پانچویں شرط جو عورتوں کی بیعت میں فرمائی وہ بہتان اور افتراء سے ممانعت ہے۔اور چونکہ یہ صفت اکثر عورتوں میں پائی جاتی ہے۔اس لئے خصوصاً اس چیز سے انہیں روکا ہے۔ یہ صفت بُری صفات

﴿۵۰۰﴾ سورۃ النور:۳۱

میں سے بدترین صفت ہے اور رذائلِ اخلاق میں سے بہت رذیل خصلت ہے جو جھوٹ کی متضمن ہے جو کہ تمام دینوں میں گناہ اور حرام رہا ہے۔ اور اس میں اس مومن کی ایذاء بھی ہے جس کی نسبت بہتان وافتراء کیا ہے۔ اور مومن کو ایذاء دینا حرام ہے اور فساد فی الارض کو مستلزم ہے جو قرآن کی نص سے ممنوع و محظور و حرام و مستنکر ہے۔

اور چھٹی شرط پیغمبر ﷺ کی نافرمانی اور نافرمانبرداری کے گناہ سے بچنا۔ وہ جو کچھ بھی فرمائیں یہ شرط تمام اوامر کی تعمیل اور تمام شرعی نواہی سے باز آ جانے کو شامل ہے۔ کیا نماز اور کیا زکوٰۃ اور کیا روزہ اور کیا حج کہ اسلام کی بنیاد اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور جو کچھ نبی ﷺ لائے ہیں اس کو ماننے کے بعد انہی چار رکنوں پر ہے۔ پنجگانہ نماز بغیر سستی اور بغیر فتور کے پوری کوشش اور محنت سے ادا کرنا چاہیئے اور مال کی زکوٰۃ رغبت اور منّت سے مصارف زکوٰۃ میں ادا کرنا چاہیئے اور رمضان شریف کے روزے جو سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہیں ان کی نگہداشت کرنا چاہیئے اور بیت اللہ شریف کا حج جس کی شان میں مخبر صادق ﷺ نے فرمایا:

اَلْحَجُّ يَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهٗ ۔(۵۰۱)

﴿حج اپنے سے پہلے تمام گناہوں کو کاٹ دیتا ہے﴾

اور اسی طرح پرہیز گاری اور تقویٰ سے بھی چارہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مِلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ ۔(۵۰۲)

﴿تمہارے دین کا تمام کارخانہ پرہیز گاری پر قائم ہے﴾

اور وہ نام ہے شرعی منہیات کے چھوڑ دینے کا۔ اور نشہ اور مستی لانے والی چیزوں سے شراب ہی کی طرح پرہیز کرنا چاہیئے۔ اور انہیں حرام اور بُرا سمجھنا چاہیئے اور راگ رنگ سے بھی پرہیز ضروری ہے جو کہ لہو و لہب میں داخل ہے کہ حرام ہے اور آیا ہے کہ

اَلْغِنَاءُ رُقْيَةُ الزِّنَا ۔(۵۰۳)

﴿۵۰۱﴾ الفتح الربانی، جلد:۲، ص:۹۴

﴿۵۰۲﴾ مشکوٰۃ المصابیح، ص:۳۶

﴿۵۰۳﴾ کشف الخفا، جلد:۲، ص:۱۰۶

﴿کہ راگ رنگ زنا کا منتر ہے﴾

اور غیبت کرنے اور سخن چینی سے بھی پرہیز ضروری ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔ اور ٹھٹھا اور مذاق کرنا اور مومن کو ناحق تکلیف دینا جس صورت میں بھی ہو منع ہے اور اس سے پرہیز بھی ضروری ہے۔ اور بُرے شگون پر اعتبار نہ کریں کہ اس کا کوئی اثر نہیں ہے اور کسی بیماری کو متعدی نہ سمجھیں کہ وہ ایک کو دوسرے سے لگ جاتی ہے اور کسی مریض سے تندرست آدمی کو جا لگتی ہے کہ مخبرِ صادق ﷺ نے ان دونوں چیزوں سے منع فرمایا ہے۔

لَا طِيَرَةَ وَلَا عَدْوَىٰ ۔(۵۰۴)

نہ کوئی بدشگونی ہے اور نہ کوئی متعدی مرض

یعنی شگونِ بد کا کوئی اصل نہیں ہے اور بیماری کا ایک دوسرے کو لگنا بھی مطلقاً ثابت نہیں ہے اور کاہن اور نجومی کی بات پر بالکل اعتبار نہ کریں اور غیبی خبریں ان سے نہ پوچھیں اور ان کو غیبی امور کا جاننے والا نہ سمجھیں کہ شریعت میں ان سے روکنے کے متعلق بڑا مبالغہ آیا ہے۔ اور جادو نہ کریں اور جادوگر کے پاس جائیں کہ قطعی حرام ہے اور اس کا قدم کفر میں بڑا مضبوط ہے اور کوئی کبیرہ گناہ بھی جادو اور جادوگری سے زیادہ کفر کے نزدیک نہیں ہے۔ احتیاط کرنی چاہیئے کہ اس فعل کے دقائق میں سے کوئی دقیقہ بھی نہ کیا جائے کہ آیا ہے کہ مسلمان جب تک مسلمان ہے جادو اس سے وجود میں نہیں آ سکتا۔ اور جب اس سے ایمان جدا ہو جائے ﴿اللہ اس سے بچائے﴾ تو اس وقت اس سے جادو سرزد ہو گا۔ پس گویا جادو اور ایمان ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ اگر جادو ہے تو ایمان نہیں ہے اس نکتہ کی اچھی طرح رعایت کرنی چاہیئے تا کہ ایمان کے کارخانہ میں خلل نہ پڑے اور اس عمل کی نحوست سے ایمان ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔

مختصر یہ کہ جو کچھ بھی مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ہے اور علماء نے کتب شرعیہ میں اس کو بیان فرمایا ہے دل وجان سے اس کی تعمیل میں کوشش کرنا چاہیئے اور اس کے خلاف کرنے کو زہر قاتل سمجھنا چاہیئے۔ جو کچھ ہمیشہ کی موت تک پہنچا دیتا ہے اور طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور جب بیعت کرنے والی عورتوں نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے صرف قول سے ان سے بیعت فرمائی اور خداوند تعالیٰ کے حکم سے ان کے لئے بخشش مانگی وہ بخشش جو رسول اللہ ﷺ سے خدا تعالیٰ کے حکم سے کسی

﴿۵۰۴﴾ احمد بن حنبل، امام، المسند، تحقیق حمزۃ احمد الزین دار الحدیث، قاہرہ ۱۹۹۵ء، جلد: ۱۱، ص: ۳۱۳

کے حق میں وقوع پذیر ہو پوری امید ہے کہ قبول ہو جائیگی اور وہ جماعت بخشی جائیگی۔(۵۰۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کی آمد کی خبر اسم احمد سے دی۔ دیگر اسماء میں سے اسم احمد کے انتخاب کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت مجددؒ لکھتے ہیں:

۸۴۔ مُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَد .(۵۰۶)

ترجمہ: اور میں ایک رسول کا مژدہ دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے گا اور اسکا نام احمد ہوگا۔

وہ نبوت جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آنحضرت ﷺ کو حاصل تھی اور اس مرتبہ کی نسبت خبر دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ

کُنْتُ نَبِیاً واٰدمُ بَیْنَ الْمَاءِ والطِّیْنِ .(۵۰۷)

﴿میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور کیچڑ میں تھے﴾

وہ باعتبارِ حقیقت احمدی کے تھی جسکا تعلق عالمِ امر سے ہے اور اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو کلمۃ اللہ تھے اور عالمِ امر سے زیادہ مناسبت رکھتے تھے، آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی خوشخبری اسم احمد سے دی ہے۔(۵۰۸)

اسم 'احمد' کے اسرار و رموز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

احمد رسول اللہ ﷺ کا دوسرا نام ہے کہ آسمان والوں میں وہ اس نام سے معروف ہیں۔ یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو کہ آسمان والوں سے ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے آنے کی بشارت اسم احمد سے دی ہے۔ اور اس اسم مبارک کو ذات احد جل شانہ کے ساتھ بہت تقرب ہے اور دوسرے اسم محمد سے ایک منزل اللہ تعالیٰ کی ذات سے زیادہ قریب ہے۔ اور یہ اسم، اسم مبارک احد سے

﴿۵۰۵﴾ مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب:۱۲۱

﴿۵۰۶﴾ سورۃ الصف، آیت:۶

﴿۵۰۷﴾ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، جلد اول، ص:۳۱۶، رقم:۳۰۳، حدیث صحیح ان الفاظ سے مروی ہے: قال و آدم علیہ السلام بین الروح والجسد، الفتح الربانی، جلد ۲۰، ص:۱۸۱

﴿۵۰۸﴾ دفتر اول، مکتوب:۲۰۹

ایک حلقہ میم سے جدا ہوا ہے کہ وہ مبدا محبت ہے جو ظہور و اظہار کا سبب ہوا ہے۔

یہ بھی ہے کہ میم جو 'احمد' میں مندرج ہے وہ قرآن مجید کے حروف مقطعات میں سے ہے کہ سورتوں کے اوائل میں نازل ہوئے اور دقیق اسرار میں سے ہیں۔ اس مبارک حرف میم کو رسول اللہ ﷺ سے ایک خاص خصوصیت ہے جو کہ اسکی محبوبیت کا سبب ہوا ہے اور اس کو تمام بلندی دی ہے۔ (۵۰۹)

ہاشم کشمی کو ایک خط میں اسم احمد کی میم کے متعلق لکھتے ہیں:

حلقہ میم طوق عبودیت ہے کہ جس نے بندہ کو مولا سے الگ کیا ہے۔ پس بندہ وہی میم کا حلقہ ہے۔ (۵۱۰)

۸۵۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (۵۱۱)

ترجمہ: اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

غرض یہ کہ عاقبت کی بہتری ذکر سے وابستہ ہے۔ ﴿سورہ جمعہ کی یہ آیت﴾ اس مطلب پر گواہ ہے۔ پس ذکر کو کی برقرار رکھنا چاہیئے اور جو کچھ اس دولت کے منافی ہے اسکو دشمن جاننا چاہیئے، فلاح کا طریقہ یہی ہے۔ (۵۱۲)

۸۶۔ تَعْرُجُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ. (۵۱۳)

ترجمہ: فرشتے اور جبرائیل اللہ کی بارگاہ میں عروج کرتے ہیں۔ ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ فرشتے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور وہاں سے احکام و ہدایات حاصل کر کے قلیل وقت میں واپس آ جاتے ہیں۔ یہ فاصلہ انسان اگر اپنی طبعی رفتار سے طے کرنا چاہے تو

﴿۵۰۹﴾ دفتر سوم، مکتوب: ۹۴، ۹۶

﴿۵۱۰﴾ دفتر سوم، مکتوب: ۹۶

﴿۵۱۱﴾ سورۃ الجمعہ: ۱۰

﴿۵۱۲﴾ دفتر اول، مکتوب: ۲۰۶

﴿۵۱۳﴾ سورۃ المعارج: ۴

پچاس ہزار سال لگ جائیں۔(۵۱۴)

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اس آیت کو سیر الی اللہ کے فاصلہ کی تعیین کیلئے پیش کیا ہے۔
یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں مشائخ عظام نے فرمایا ہے کہ سیر الی اللہ پچاس ہزار سال کا رستہ ہے۔(۵۱۵)

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: پنجگانہ عالم امر کو طے کر کے ان کے اصول کی سیر کرے تاکہ دائرہ امکان تمام ہو جائے۔ اس تھوڑی سی عبارت میں سیر الی اللہ کا پورا ذکر آ چکا ہے۔ لیکن اس سیر کے حاصل ہونے میں پچاس ہزار سال کی راہ کا اندازہ کیا گیا ہے۔(۵۱۶)

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔(۵۱۷)

ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کیلئے نجات کی راہ پیدا کر دیگا اور اسکو روزی دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا۔

نجات کا دارومدار دو چیزوں پر ہے اوامر کی بجا آوری اور ممنوعات سے باز رہنا اور ان دو میں جزءِ اخیر کو زیادہ اہمیت وعظمت حاصل ہے جسے ورع اور تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے:

ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِعِبَادَةٍ وَّاِجْتِهَادٍ وَذُكِرَ آخَرُ بِرِعَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَعْدِلُ بِالرِّعَةِ شَيْئاً يَعْنِي الْوَرَعَ ۔

''حضور ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کا ذکر کیا گیا جو عبادت گذار تھا۔ اور اوراد و وظائف میں بہت کوشش کرتا تھا۔ اور ایک دوسرے کا ذکر کیا گیا جو خلاف شرع امور سے بچتا تھا۔ تو آپ نے فرمایا، ورع (تقویٰ) کے برابر کسی شے کو نہ سمجھو۔''

اور حضور نبی کریم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے۔

مَلَاكُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ ۔

﴿۵۱۴﴾ ضیاء القرآن، جلد پنجم، ص: ۳۶۱

﴿۵۱۵﴾ دفتر اول، مکتوب: ۱۳

﴿۵۱۶﴾ دفتر اول، مکتوب: ۳۶۰

﴿۵۱۷﴾ سورۃ الطلاق: ۲،۳

اور انسان کو فرشتے پر فضیلت اس ورع وتقویٰ کے باعث ہے اور مدارجِ قرب کی طرف ترقی بھی اس جزء ورع وتقویٰ کے سبب ہے۔ کیونکہ ملائکہ جزء اول ﴿عبادت﴾ میں انسان کے ساتھ شریک ہیں مگر ان میں ترقی مفقود ہے۔ پس ورع وتقویٰ کے جزء کی رعایت اسلام میں سب سے اعلیٰ ترین مقاصد میں سے ہے اور دین کے نہایت ضروری امور میں داخل ہے اور اس جزء کی رعایت جس کا مدار حرام چیزوں سے بچنے پر ہے کامل طور پر اسی وقت میسر آ سکتی ہے جبکہ فضول مباحات سے بھی اجتناب کیا جائے اور مباحات میں سے بقدر ضرورت پر کفایت کی جائے۔ کیونکہ ارتکاب مباحات میں باگ کا ڈھیلا کرنا مشتبہ امور کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ سے تجاوز کر کے انسان حرام تک جا پہنچتا ہے۔

مَنْ حَامَ حَوْلَ الحِمیٰ یُوْشِكُ أَنْ یَقَعَ فِیهِ ۔(۵۱۸)

﴿جو چراگاہ کے گرد گھومتا ہے قریب ہے کہ ایک روز چراگاہ میں گھس جائے﴾

پس کامل ورع اور تقویٰ کے حصول کیلئے مباحات میں سے بھی بقدر ضرورت پر کفایت کرنا ضروری ہے اور مباح بقدرِ ضرورت بھی اس وقت مُثمر نتائج ہے جبکہ وظائف بندگی کی ادائیگی کی نیت سے ہو ورنہ بقدر ضرورت مقدار بھی وبال ہے اور بامقصد تھوڑی مقدار میں مباح کا استعمال بھی زیادہ کے حکم میں داخل ہے۔(۵۱۹) راہ طریقت کی شرائط میں سے بڑی شرط نفس کی مخالفت ہے اور یہ مخالفت مقامِ ورع و تقویٰ کی رعایت کرنے پر موقوف ہے۔(۵۲۰) حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضرورت درپیش ہو تو سود نہ لیا جائے۔ تقویٰ کی برکت سے مشکل دور ہو سکتی ہے۔(۵۲۱)

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلاً (۵۲۱۔الف)

''اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتے رہیں اور سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو رہو۔''

جاننا چاہئے کہ بعض اوقات ظاہر کے تفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا تاکہ خلق کے حقوق ادا ہوں پس

﴿۵۱۸﴾ فتح الباری، جلد:۶،ص:۲۹۰

﴿۵۱۹﴾ دفتر اول، مکتوب:۶۷

﴿۵۲۰﴾ دفتر اول، مکتوب:۲۸۶

﴿۵۲۱﴾ دفتر اول، مکتوب:۲۸۶

﴿۵۲۱۔الف﴾ سورۃ المزمل

تفرقہ ظاہر بھی بعض اوقات اچھا ہے لیکن تفرقہ باطن کسی وقت بھی جائز نہیں۔ کیونکہ وہ خالص حق تعالیٰ کیلئے ہے۔

پس مسلمان بندوں سے تین حصے خدائے تعالیٰ کے لئے مقرر ہیں۔ باطن سب کا سب اور ظاہر سے نصف، اور ظاہر کا دوسرا نصف خلق کے حقوق ادا کرنے کے لئے باقی رہا۔ لیکن ان حقوق کے ادا کرنے میں چونکہ حق تعالیٰ کے امر کی بجا آوری ہے اس لئے وہ دوسرا نصف بھی حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ (۵۲۱۔ب)

۸۹۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (۵۲۲)

ترجمہ: یقیناً انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے جس میں وہ قابل ذکر چیز نہ تھا۔

ہاں! میرے اللہ! واقعی انسان پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ اس کی ذات تھی نہ صفت، اور شہود تھا نہ وجود۔ پھر اسکے بعد اگر تو چاہے تو تیری زندگی سے زندہ، تیری بقاء سے باقی اور تیرے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے۔ بلکہ تیرے فضل سے عینِ فناء میں بھی باقی ہو گیا اور عینِ بقاء میں بھی تجھ میں فانی ہوا کیونکہ ان دونوں میں تلازم ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے کمال کا حصول دوسرے کے وجود سے ہے۔ (۵۲۳)

۹۰۔ ط لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (۵۲۴)

ترجمہ: کوئی بول نہ سکے گا مگر جسے رحمان نے اذن دیا اور اس نے درست بات کہی۔ (۵۲۵)

مفسرین نے کہا کہ سے وَقَالَ صَوَابًا مراد کلمۂ توحید لا الہ الا اللہ ہے جو اس نے دنیا میں کہا تھا اور وہی اس کی سفارش کا سبب بنے گا۔ (۵۲۶)

﴿۵۲۱۔ب﴾ دفتر اول، مکتوب: ۲۹۵،۲۲۱

﴿۵۲۲﴾ سورۃ الدہر: ۱

﴿۵۲۳﴾ دفتر سوم، مکتوب: ۵۲

﴿۵۲۴﴾ سورۃ النباء: ۳۸

﴿۵۲۵﴾ الکشاف، ج: ۴، ص: ۲۰۲

﴿۵۲۶﴾ رسالہ تہلیلیہ، ص: ۲۳

۹۱۔ یَاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً (۵۲۷)

ترجمہ: اے نفسِ مطمئنہ، لوٹ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

یہ نفس ہی تو ہے جو حصولِ اطمینان کے بعد اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتا ہے اور مقامِ قلب سے متقلب قلب کے ساتھ تعلق استوار کر کے راضی اور مرضی بن جاتا ہے۔ اس آیت میں اسی کی شان بیان کی گئی ہے۔ (۵۲۸)

۹۲۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىهَا وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا (۵۲۹)

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، وہ یقیناً فلاح پا گیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا۔

نبی کریم ﷺ کی نبوت، بلکہ وہ تمام چیزیں جنہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے، سب بدیہی ہیں۔ دلیل اور فکر کی محتاج نہیں ہیں۔ اس مسئلہ کی وضاحت کے ضمن میں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

اسی طرح ہمارے اس مسئلہ میں نفسِ امارہ اپنی ذات کے لحاظ سے احکام شرعیہ کا منکر ہے اور اپنی افتادِ طبع کے باعث ان کی مخالفت پر کمربستہ ہے۔ لہٰذا دلیل طلب کرنے والے کے وجدان کے انکار کے ہوتے ہوئے ان احکام شرعیہ کے بارے میں یقین کا حاصل ہو جانا بہت مشکل ہے۔ اس لئے سب سے پہلے نفس کا تزکیہ ضروری ہے۔ بغیر تزکیۂ نفس دولتِ یقین کا میسر آنا دشوار ہے۔

سیر و سلوک، تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب سے مقصود آفاتِ معنوی اور امراضِ قلبی کا ازالہ ہے۔ جن کا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ "(۵۳۰) ﴿ان کے دلوں میں مرض ہے﴾ میں ذکر ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ ازالۂ امراض کے بعد ہی انسان حقیقتِ ایمان سے موصوف ہوتا ہے۔ آفات و امراض کی موجودگی میں جو

﴿۵۲۷﴾ سورۃ الفجر ۲۷، ۲۸

﴿۵۲۸﴾ معارف لدنیہ، ص ۱۴۹

﴿۵۲۹﴾ سورۃ الشمس ۹

﴿۵۳۰﴾ سورۃ البقرہ ۱۰

ایمان ہے وہ صرف ظاہری ایمان ہے۔ کیونکہ نفس امارہ کا وجدان و ذوق ایمان کے خلاف اور حقیقتِ کفر پر مصر رہتا ہے۔ اس قسم کا ایمان اور اس قسم کی تصدیق محض ظاہری ہے اور مرضِ صفراء میں مبتلا شخص کی طرح ہے۔ جو قند و نبات کی حلاوت کا اقرار تو کرتا ہے۔ لیکن اسکا وجدان اس کے اقرار کے خلاف ہوتا ہے۔ شکر کی حلاوت کا حقیقی یقین مرض صفراء کے زائل ہونے کے بعد ہی میسر آ سکتا ہے۔ اس لئے نفس کے مطمئنہ ہو جانے اور تزکیہ کے بعد ہی حقیقتِ ایمان اپنی صورت دکھلاتی ہے اور اس وقت ہی ایمان وجدانی کیفیت کے سانچے میں ڈھلتا ہے۔ اور اس قسم کا ایمان زوال کے خطرہ سے محفوظ ہوتا ہے اور آیت

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَاۤءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔(۵۳۱)

ترجمہ: بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ غمگین ہوں گے۔

انہیں کی شان پر صادق آتی ہے۔

مختصر یہ کہ جب تک نفس کا تزکیہ نہ ہو وہ اپنے آپ کو بزرگ جاننے کے مالیخولیا کی خباثت سے نکل نہیں سکتا۔ اور ایسی صورت میں نجات ناممکن ہے۔ اس مرض کے ازالہ کی فکر بہت ضروری ہے۔

کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ جو اندرونی اور بیرونی خداؤں کی نفی اور انہیں مٹانے کیلئے وضع کیا گیا ہے، نفس کے تزکیہ اور اسکی تطہیر کیلئے بہت ہی نافع اور مناسب ہے۔ اکابر طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم نے تزکیہ نفس کیلئے اسی کلمہ طیبہ کو اختیار فرمایا ہے۔ چونکہ نفس سرکشی کے مقام میں رہتا ہے اور عہد توڑنے میں چست ہے اس لئے کلمہ طیبہ کی بار بار تکرار سے ایمان کی تجدید کرتے رہنا چاہیئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: (۵۳۲)

جَدِّدُوْا اِيْمَانَكُمْ بِقَوْلِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔(۵۳۳)

کلمہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ سے اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہو۔ (۵۳۴)

﴿۵۳۱﴾ سورہ یونس: ۶۲

﴿۵۳۲﴾ دیلمی، ابوشجاع شیرویہ، مسند الفردوس، دار الکتب العلمیہ ، بیروت ، ۱۹۸۶ء، ج:۲، ص:۱۰۷، رقم ۲۵۶۴/ المستدرک علی الصحیحین ، ج:۴، ص:۲۵۶/ کنز العمال، ص:۲۱۶، رقم ۱۷۶۸

﴿۵۳۳﴾ دفتر اول، مکتوب: ۵۲

۹۳۔ وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰی ۔(۵۳۴)

اور اس سے بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اتقٰی سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ نے اس آیت کریمہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال کیا ہے کیوں کہ بحکم آیت (۵۳۵)

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ۔(۵۳۶)

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اس آیت میں جس سے خطاب کیا گیا ہے حق تعالیٰ کے نزدیک بزرگ ترین اس امت کا اتقٰی ہے۔ جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سابقہ نص قرآنی کے بموجب اس امت کے اتقٰی ہیں تو چاہیے کہ نص لاحق کے موافق اس امت کے بزرگ تر بھی وہی ہوں۔(۵۳۷)

۹۴۔ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۔(۵۳۸)

ترجمہ: تو بے شک ہر ایک دشواری کے ساتھ عظیم آسانی ہے۔ ﴿یقیناً﴾ ہر دشواری کے بعد آسانی ہے۔

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ ۔ ﴿دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے﴾(۵۳۹) قیدیوں کے حال کے

﴿۵۳۴﴾ سورۃ اللیل: ۱۷

﴿۵۳۵﴾ امام رازی فخر الدین، مفاتیح الغیب، ج ۳۱: ص: ۲۰۵

﴿۵۳۶﴾ سورۃ الحجرات: ۱۳

﴿۵۳۷﴾ دفتر سوم، مکتوب: ۲۴

﴿۵۳۸﴾ سورۃ الانشراح: ۶،۵

﴿۵۳۹﴾ یہ روایت مسند احمد، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، طبرانی، بزاز میں ہے۔ بحوالہ البانی محمد ناصر الدین، صحیح الجامع الصغیر و زیادۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، جلد اول، ص: ۶۴۱

مناسب یہاں درد والم اور اندوہ اور مصیبت ہے۔ حالات کی تبدیلی سے تنگ دل نہ ہونا چاہیئے۔ امیدوں کے حاصل نہ ہونے سے دگرگوں نہ ہونا چاہیئے ایک تنگی کے ساتھ دو فراخیاں ملادی گئی ہیں، شاید ان سے دنیا اور آخرت کی فراخی مراد ہو۔ (۵۴۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ (۵۴۱) ''ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔'' (۵۴۲)

۹۵۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ (۵۴۳)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپکو جو کچھ عطا کیا بہت زیادہ عطا کیا۔

وحدت الوجود کے نظریہ پر یقین رکھنے والے صوفیہ اس آیت کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک ہم نے تجھ کو کثرت سے وحدت کا مشاہدہ عطا کیا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ قرآن کی تفسیر میں اس تحریف کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوثر کی واؤ کے درمیان میں آنے سے جو حروف کثر کے درمیان ہے یہ اشارات سمجھے ہیں۔ حاشا وکلا اس قسم کے معارف مقام نبوت کے لائق ہوں کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خدائے بیچون جل شانہ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ان کو انصاف کی توفیق دے شاید یہ لوگ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے کمالات کے ترازو سے تولنا چاہتے ہیں اور ان کے کمالات کو اپنے کمالات کی طرح جانتے ہیں۔ (۵۴۴)

۹۶۔ سورۂ لایلف کی فضیلت

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ محمد مراد بدخشی کو سورہ لایلف کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

﴿۵۴۰﴾ دفتر دوم، مکتوب: ۶۴

﴿۵۴۱﴾ یہ روایت ابن عباس کی بجائے حضرت ابن مسعود اور حضرت عمر سے مروی ہے۔ الجامع لاحکام القرآن، ج: ۲۰، ص: ۱۰۷، ۱۰۸

﴿۵۴۲﴾

﴿۵۴۳﴾ سورۃ الکوثر: ۱

﴿۵۴۴﴾ دفتر اول، مکتوب: ۲۷۲

خوفناک جگہوں اور دشمنوں کے غلبہ کے مقامات پر امن اور رفاہیت کیلئے سورہ لایلف کی قرأت مجرب ہے۔ کم از کم ہر روز اور ہر رات میں گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھیں۔ (۵۴۵)

۹۷۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمِ ۔ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۔ (۵۴۶)

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان کو عقل و شکل کے اعتبار سے بہترین اعتدال پر پیدا کیا ہے۔ پھر ہم نے اسکو پست ترین حالت کی طرف لوٹا دیا۔

حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے کمالِ کرم سے اس نورانی جوہر ﴿روح﴾ کو اس جسم کے ظلمانی پیکر کے ساتھ جمع کر دیا۔ پاک ہے وہ ذات جس نے نور اور ظلمت اور امر و خلق کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی نقیض واقع ہوئی تھیں تو حکم حکیم مطلق جل سلطانہ نے اس اجتماع کو برقرار رکھنے کیلئے اور اس انتظام کو موجود رکھنے کیلئے روح کی نفس کے ساتھ عشق و گرفتاری کی نسبت قائم کر دی اور اس گرفتاری کو اس انتظام کا سبب بنا دیا۔

روح کا یہ تنزل و گرفتاری حقیقت میں مدح بمایشبہ الذم کے قبیلہ سے ہے۔ تو اس نسبت حبی کے باعث روح نے اپنے آپ کو مکمل طور پر عالم نفس میں ڈال دیا اور اپنے آپ کو اسکا تابع کر دیا۔

روح اور جسم کے تعلق حبی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

روح اور جسم ایک دوسرے کی نقیض ہیں اور اس جہاں میں روح جسم کے مقام میں نزول کر چکی ہے۔ اور جسم و جسمانیت کی کلی گرفتار ہو چکی ہے۔ جسم کی لذت سے یہ بھی لذت اٹھاتی ہے اور جسم کو تکلیف پہنچنے سے اس کو بھی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ یہ مرتبہ کالانعام کا ہے۔ آیت کریمہ ثُمَّ رَدَدْنٰـهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۔(التین: ۱۹)

انہی عوام کے حال پر صادق آتی ہے۔ ہزار بار افسوس اگر روح اس گرفتاری سے نجات حاصل کر کے اپنے وطن کی طرف رجوع نہ کرے۔ (۵۴۷)

﴿۵۴۵﴾ دفتر دوم، مکتوب: ۶۹

﴿۵۴۶﴾ سورۃ التین ۴۔۵

﴿۵۴۷﴾ دفتر اول، مکتوب: ۹۹

معوذتین ﴿سورہ فلق، الناس﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ معوذتین کے قرآن سے ہونے کا انکار کرتے تھے۔ مسند احمد(۵۴۸)، مسند بزاز(۵۴۹) مصنف ابن ابی شیبہ(۵۵۰)، طبرانی کبیر(۵۵۱)، المطالب العالیۃ(۵۵۲)، مجمع الزوائد(۵۵۳)، کشف الاستار(۵۵۴)، وغیرہ کتب حدیث میں یہ روایت درج ہے:

۹۸۔ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِؓ يَحُكُّ الْمُعوذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ وَيَقُوْلُ اِنَّهُمَا لَيْسَتَامِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ ۔

''عبداللہؓ بن مسعود اپنے مصاحف میں سے ان کو مٹاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں اللہ کی کتاب سے نہیں ہیں۔'' لیکن یہ روایت قابل قبول نہیں کیونکہ اس کے راویوں پر جرح کی گئی ہے وہ تمام روایات جن میں لیستا من کتاب اللہ کے الفاظ ہیں ان میں ابواسحاق اور اعمش دو راوی ہیں، جنکا شمار مدلسین میں ہوتا ہے۔ اور 'عن' سے روایت کرتے ہیں۔(۵۵۵) اور اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو بقول

﴿۵۴۸﴾ الفتح الربانی، ترتیب مسند الامام احمد بن حنبل، ج:۱۸، ص:۳۵۱

﴿۵۴۹﴾ بزاز، احمد بن عمر، البحر الذخار المعروف بہ مسند بزاز، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ ۱۹۹۳ء، تحقیق: محفوظ الرحمٰن زین اللہ،، ج:۵۱، ص:۲۹، رقم:۱۵۸۴

﴿۵۵۰﴾ ابن ابی شیبۃ، ابوبکر، عبداللہ بن محمد، مصنف ابن ابی شیبۃ، ادارہ القرآن پاکستان، ۱۹۷۶ء، ج:۱۰، ص:۵۳۴

﴿۵۵۱﴾ الطبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، تحقیق عبدالمجید سلفی، المعجم الکبیر، ج:۹، ص:۲۶۸

﴿۵۵۲﴾ العسقلانی، ابن حجر احمد بن علی، المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیہ، ج:۳، ص:۴۰۲

﴿۵۵۳﴾ مجمع الزوائد، ج:۸، ص:۱۵۲

﴿۵۵۴﴾ کشف الاستار عن زوائد البزار، ج:۳، ص:۸۶، رقم ۲۳۰۱

﴿۵۵۵﴾ ابواسحاق اور سلیمان بن مہران الاعمش کے حالات کے لئے ملاحظہ فرمایئے: عسقلانی، ابن حجر احمد بن علی، تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالقدیس، تحقیق: ڈاکٹر عبدالغفار سلیمان، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۴، صفحات بالترتیب: ۹، ۷، ۲۷

ابن حجر کے ''کتاب اللہ'' کی تاویل ''مصحف'' سے کی جائیگی (۵۵۶) یعنی حضرت ابن مسعودؓ اسکے منزل من اللہ ہونے کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ انکے نزدیک انہیں قرآن میں نہیں لکھنا چاہیئے کیونکہ وہ مصحف میں صرف ان سورتوں کو لکھنا صحیح سمجھتے تھے جن کے لکھے جانے کا ثبوت ان کے علم میں ہو۔ یہ اسی طرح کی احتیاط تھی جیسی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے قرآن کی کتابت پر آمادہ نہیں ہوتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ کام نہیں ہوا۔ قرآن سے ہونے کا انکار، اور مصحف میں لکھنے کا انکار دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ علاوہ ازیں زرکشی (۵۵۷) ابن حزم (۵۵۸) علامہ سیوطی (۵۵۹) امام نووی (۵۶۰)، قاضی ابوبکر باقلانی (۵۶۱)، شیخ محب اللہ (۵۶۲) امام سبکی (۵۶۳) امام فخر الدین رازی (۵۶۴)، محمد عبد العزیز فرہاری (۵۶۵) اور ملا علی قاری (۵۶۶) نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کو کذب باطل اور غیر صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے ان سورتوں کی قراءت صحیح سند سے ثابت ہے۔

معوذتین کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق درج ذیل ہے:

﴿۵۵۶﴾ فتح الباری، ج:۸، ص:۷۴۳

﴿۵۵۷﴾ الزرکشی، امام بدر الدین، البرہان فی علوم القرآن، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم، دار المعرفۃ، لبنان، ج:۲، ص:۱۲۷، ۱۲۸

﴿۵۵۸﴾ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، المحلی، تحقیق: ڈاکٹر عبد الغفار، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج:۱، ص:۳۲

﴿۵۵۹﴾ الاتقان فی علوم القرآن، جلد اول، ص:۷۹

﴿۵۶۰﴾ الاتقان فی علوم القرآن، جلد اول، ص:۷۹

﴿۵۶۱﴾ الباقلانی، القاضی ابوبکر، اعجاز القرآن علی خاس الاتقان، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۹۷۴ء، ج:۲، ص:۱۹۴

﴿۵۶۲﴾ محب اللہ، شیخ، مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت، منشورات الشریف رضی، قم، ج:۲، ص:۹

﴿۵۶۳﴾ سبکی، ابونصر عبد الوہاب، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، دار احیاء الکتب العربیہ، ج:۳، ص:۲۵۸

﴿۵۶۴﴾ مفاتیح الغیب، جلد اول، ص:۱۲۸

امام رازی لکھتے ہیں: والاغلب علی الظن ان نقل ھذاالمذھب عن ابن مسعود نقل کاذب باطل وبہ یحصل الخلاص عن ھذہ العقیدہ

﴿۵۶۵﴾ فرہاری، محمد عبد العزیز، النبراس، مکتبہ حقانیہ، ملتان، ص:۲۷۶

﴿۵۶۶﴾ علی قاری، سلطان، شرح شفا علی ہامش نسیم الریاض، دار الکتب العربیہ، لبنان، ج:۴، ص:۵۵۸

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ (۵۶۷) نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ معوذتین کو فرض نماز میں نہیں پڑھنا چاہیئے کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کے قرآن ہونے میں جمہور کے مخالف ہیں۔ لہٰذا نماز میں جتنی قراءت فرض ہے اس میں ان دونوں سورتوں کی قراءت کو محسوب نہیں کرنا چاہیئے یہ فقیر بھی ان دونوں سورتوں کو نہیں پڑھا کرتا تھا یہاں تک کہ ایک دن کارکناں قضا وقدر نے اس فقیر پر ظاہر کیا کہ گویا معوذتین حاضر ہیں اور حضرت مخدوم سے فرض قراءت میں ان کی قرائت سے منع کر دینے کے بارے میں شکایت کر رہی ہیں کہ ہمیں قرآن سے کیوں نکال دیا ہے۔ اسی وقت سے میں اس ممانعت سے باز آ گیا اور فرض قراءت میں میں نے ان کی قراءت شروع کر دی۔ ہر مرتبہ جب میں ان دونوں سورہ کریمہ کو فرض قراءت میں پڑھتا تو عجیب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں اور حق یہی ہے کہ جب علم شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو ان دونوں سورتوں کو فرض قراءت میں پڑھنے سے روکنے کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ تو اس اجماعی حکم کی قطعیت میں کہ

مَابَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ قُرانٌ ۔

ایک طرح سے شبہ ڈالنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ ﴿سورہ فاتحہ کے بعد نماز میں﴾ کسی سورہ کو ملانا واجبات میں سے ہو بہرحال ظنی ہے پھر ان دونوں سورتوں کی قراءت سے منع کرنا اگرچہ ان کا قرآن ہونا ظن بھی کیوں نہ ہو یعنی بفرضِ محال پھر بھی اس کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کی قراءت تو اسی طرح کی جاتی ہے کہ سورہ فاتحہ کے ساتھ ان کو ملاتے ہیں ﴿یعنی قراءت کا فریضہ تو سورۂ فاتحہ سے ادا ہو چکا ہے﴾ (۵۶۸)

فَالْعُجْبُ مِنَ الشَّيْخِ الْمُقْتَدىٰ مِثْلُ هٰذَا الْكَلَامِ كُلُّ الْعُجْبِ ۔

اعجاز القرآن پر اعتراضات کے جواب دیتے ہوئے حضرت مجددؒ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اعتراض: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فاتحہ اور معوذتین قرآن میں سے نہیں ہیں باوجودیکہ یہ مشہور سورتوں میں سے ہیں اگر اسکی بلاغت حد اعجاز تک پہنچی ہوتی تو یہ غیر قرآن سے ممتاز ہوتا اور وہ اختلاف نہ کرتے۔

﴿۵۶۷﴾ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ۲۹ شعبان ۶۶۱ھ کو بمقام منیر ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔

﴿۵۶۸﴾ مبدأ معاد، ص: ۲۰۷۔۲۰۸

جواب: صحابہ کا اختلاف قرآن کی ان بعض سورتوں میں جو بذریعہ احاد مروی ہے اور احاد ظن کا فائدہ دیتی ہیں۔ لیکن مجموعۂ قرآن تواتر سے منقول ہے جو یقین کا فائدہ دیتا ہے پس احاد بالکل ناقابل التفات ہیں مزید برآں ہم یہ کہیں گے کہ انہوں نے حضرت محمد ﷺ پر اس کے نازل ہونے کے متعلق اختلاف نہیں کیا اور نہ اس کے حد اعجاز تک پہنچے ہوئے ہونے میں ان کا اختلاف ہے بلکہ محض اس کے قرآن میں سے ہونے کے متعلق اختلاف ہے اور یہ چیز ہمارے مقصد کیلئے مضر نہیں۔ (معارف لدنیہ)

واضح رہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے حضرت یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات کے حوالہ سے جو لکھا ہے اس کو تسامح پر محمول کیا جائے گا۔ حضرت شیخ یحییٰ نے مکتوبات میں جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے اس سے مختلف ہے جسکا ذکر آپؒ نے مبدأ ومعاد میں کیا ہے، حضرت یحییٰ منیری کا نقطۂ نظر درج ذیل ہے:

صحیح قول یہ ہے کہ معوذتین قرآن مجید میں شامل ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس مصحف کو جمع اور مرتب کیا تھا اس میں یہ دونوں سورتیں موجود ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت سے ہمارے زمانہ تک وہی مصحف ہمارا امام رہا۔ اور مشرق ومغرب کے تمام مصاحف میں اسی طرح لکھا گیا۔ جس طرح دوسری تمام سورتوں کے متعلق بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ جزو قرآن ہیں اسی طرح معوذتین کے متعلق بھی صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ بھی جزو قرآن ہے۔ چنانچہ مجموعہ پر اتفاق اس کے اجزاء پر اتفاق کا سبب ہے۔ کیونکہ مجموعہ کا جزو مجموعہ میں داخل ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ قرآن مجید کی تمام سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ یہی قول عام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی ہے اور اسی طرح امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصحف میں بھی سورتوں کی مجموعی تعداد ۱۱۴ ہے۔ جن میں معوذتین بھی شامل ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ معوذتین قرآن میں سے ہیں۔ چنانچہ جس طرح حالت جنابت میں دوسری سورتوں کا پڑھنا ممنوع ہے اسی طرح معوذتین کا پڑھنا بھی بالاتفاق ممنوع ہے۔ نماز میں جس طرح دوسری سورتوں کا پڑھنا جائز ہے اسی طرح معوذتین کا پڑھنا بھی بالاتفاق جائز ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورۂ براءت کی ابتدا میں بسم اللہ نہیں لکھا تو لوگوں نے سبب دریافت کیا۔ فرمایا کہ جب سورۂ براءت نازل ہوئی تو میں حضرت رسالت پناہ ﷺ سے یہ دریافت نہ کرسکا کہ سورۂ براءت

کوئی علیحدہ سورۃ ہے یا سورۃ انفال کا آخری حصہ یا تتمہ ہے۔ اسی اثنا میں سرور کائنات ﷺ دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ اللہ، اللہ جہاں حزم واحتیاط کا یہ عالم ہے کہ سورۃ براءت کی ابتدا میں بسم اللہ صرف اس وجہ سے نہیں لکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت نہیں کیا تھا تو کیا یہ ممکن ہے کہ معوذتین کے بارے میں حضور ﷺ سے دریافت کئے بغیر انہوں نے اپنے مصحف میں اسے لکھ لیا ہو۔ یہی وہ مصحف ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک ہمارا امام ہے۔ پس یہ بات معلوم ہوئی کہ انہوں نے حضرت رسالت پناہ ﷺ سے دریافت کرنے کے بعد دوسری سورتوں کے ساتھ قرآن کریم میں لکھا ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ معوذتین قرآن کریم میں سے ہے، ورنہ وہ دوسری سورتوں کے ساتھ معوذتین کو اپنے مصحف میں ہرگز شامل نہ کرتے۔ لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ معوذتین قرآن میں سے نہیں ہے اس سے کہدو کہ وہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر افترا کرتا ہے اور بہتان لگاتا ہے کہ انہوں نے جو قرآن نہیں ہے اس کو نعوذ باللہ قرآن میں داخل کر دیا ہے۔ اور اپنے مصحف میں لکھ دیا ہے۔(۵۶۹)

☆☆☆☆☆

﴿۵۶۹﴾ یحییٰ منیری، شیخ شرف الدین احمد، مکتوبات دوصدی، مترجم سید محمد نعیم ندوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، مکتوب:۱۵۱،ص:۶۲۹

باب چہارم

فکر امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے
مابعد تفاسیر پر اثرات

(تفسیر مظہری، روح المعانی اور مجددی کا خصوصی جائزہ)

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ عالم اسلام کی عظیم ترین شخصیت تھے۔ تذکرہ نگاروں نے جہاں آپ کی مذہبی خدمات کا ذکر کیا ہے وہاں حیات و کائنات اور مذہب و مابعد الطبیعات کے مشترکہ مسائل پر آپ کے نکتۂ نظر کو بھی واضح کیا ہے۔ آپ کی بلند فکری نے جہاں زندگی کے دیگر شعبہ جات کو متاثر کیا وہاں ''تفسیری ادب'' پر بھی انمٹ نقوش چھوڑے۔ مابعد مفسرین نے آپ کی تفسیری آراء کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

مابعد تفاسیر پر حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے علمی و فکری اثرات کے درج ذیل بنیادی اسباب ہیں:

۱۔ آپ کی بعض مسائل میں ایسی نادر تحقیقات ہیں جن کا ذکر متقدمین نے نہ کیا تھا۔ اس لئے مابعد مفسرین نے دیگر علمائے تفاسیر کے مختلف اقوال کے ضمن میں آپ کی تحقیقات کا ذکر بھی ایک علاحدہ قول کی حیثیت سے کیا۔ جیسے حیاتِ خضر، اطفالِ مشرکین کی بحث یا آیت نور کی صوفیانہ تعبیر وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ حیاتِ خضر کی بحث نقل کرنے کے بعد قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ''اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے بغیر ناممکن ہے۔''

۲۔ آپ کا شمار صوفیہ کے اس طبقہ میں ہوتا ہے جنہیں ظاہری علوم پر عبور حاصل تھا اور طریقت کے پُر پیچ راستوں سے بھی واقف تھے۔ اس لئے علماء و صوفیہ دونوں نے آپ کی تحقیقات سے علم و حکمت کے الجھے گیسو سنوارے۔ اس ضمن میں عصر حاضر کے نامور مفسر، سیرت نگار اور وفاقی شرعی عدالت کے جسٹس پیر محمد کرم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُم کی بحث میں حقیقتِ محمدیہ پر بحث کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں لکھا:

''یہ مسئلہ بڑا نازک ہے، مجھ جیسے کم علم کو یہ زیبا نہیں کہ اس میں اپنی خیال آرائی کو دخل دوں۔ بہتر یہی ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کی تحقیقات ہدیۂ ناظرین کرنے پر اکتفاء کروں جن کا علم و تقویٰ اہلِ شریعت و طریقت دونوں کے نزدیک مسلم ہے اور جن کا قول ساری امت کے نزدیک حجت ہے۔ اس

لئے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں۔ شاید جلوہ حسن محمدی کی جھلک دیکھ کر کوئی چشمِ اشکبار مسکرا دے۔ کسی کے دلِ بے قرار کو قرار آ جائے۔ آپ لکھتے ہیں: ''(اس کے بعد پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دفتر سوم کے مکتوب ۱۰۰ کا اقتباس نقل کیا) ﴿۱﴾

مناظر احسن گیلانی علامہ آلوسی کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''علامہ شہاب الدین محمود آلوسی نے گویا اس کا التزام کر رکھا ہے کہ جہاں بھی ذکر کا موقع آئے وہاں قال المجد دالفاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے وہ آپ کے خاص خاص نظریات اور جدید تعبیرات کو پیش کرتے ہیں اور بڑے افتخار و ناز سے پیش کرتے ہیں، اہم مسائل کے تصفیہ میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔'' ﴿۱۔الف﴾

عصر حاضر میں لکھی جانے والی تفاسیر میں بھی فکر مجدد کے اثرات کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ترک سکالر Ali Unal کا ترجمہ قرآن مع حواشی ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔ حروف مقطعات پر بحث کرتے ہوئے علم تفسیر میں حضرت مجددؒ کی بلند نگاہی اور ژرف نگاہی کے اعتراف کے ساتھ لکھتے ہیں:

"Scholars well versed in the science of mystcries of the letter have draw many mysterious conclusions from them and discovered in then such truths that, in their view, these letters form a most brilliant miracle. For example, Imam Rablani Ahamad Fqruq(i) al-Sirhindi (1564 - 1624) discovered the signs of many foture events in them"

(The Quran with Annotated Inerpretation in Modern English by Ali Unal p:11)

۳۔ شریعتِ مطہرہ سے حد درجہ لگاؤ اور اس کی سختی سے پابندی نے بھی علماء کو متاثر کیا۔ کسی نے اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ عالم الغیب کے عدم اطلاق کی بات کی تو آپ نے شدید غصے کا اظہار کیا،

﴿۱﴾ محمد کرم شاہ، پیر، ج ۳، ص: ۵۹

﴿۱۔الف﴾ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص: ۲۵

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

''شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ جو امام ربانی کے نام سے مشہور ہیں، انہوں نے اپنے مکتوبات میں اس شخص کو بہت برا کہا ہے جو مذکورہ بالا تاویل سے کہتا ہے اللہ غیب نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، آپ کی ہر اس شخص کے بارہ میں یہی عادت ہے جو شریعتِ بیضاء کے آداب سے واقف نہیں۔''

۴۔ آپ کی وسعتِ نظری نے بھی علماء کو متاثر کیا۔ مولانا محمد اسماعیل گوجرانوالوی لکھتے ہیں:

''علامہ شیخ علی المتقی صاحبِ کنز العمال (م ۹۷۵ھ)، شیخ محمد طاہر پٹنی مؤلف مجمع البحار (م ۹۸۶ھ)، حضرت شیخ الامام احمد الفاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ) وغیرہم رحمہم اللہ یہ حضرات فروع میں عملاً حنفیت سے متاثر تھے، لیکن ان حضرات میں جمود تھا نہ تعصب۔'' ﴿۲﴾

۵۔ زیرِ نظر باب میں جن تین تفاسیر پر آپ کے افکار کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے وہ تینوں سلسلۂ مجددیہ سے وابستہ ہیں۔ اس لئے طریقت کی ارادت و محبت، عقیدت و وارفتگی میں اپنے شیخ کی فکر کو اپنی تحقیقات کی بنیاد بنایا۔ وہ تفاسیر درج ذیل ہیں:

۱۔ تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ تفسیر مجددی شاہ رؤف احمد رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ تفسیر روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

ان تفاسیر میں ہر ایک کی بعض انفرادی خصوصیات ہیں جن کی بناء پر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری اثرات کا جائزہ لینے کے لئے ان کو منتخب کیا گیا۔ ایک تو ان سب حضرات کا مجددی ہونا اور دوسرا تفسیر مجددی اردو زبان کی ابتدائی شکل جسے ریختہ کہا جاتا ہے، میں لکھی گئی۔ اس طرح یہ اردو زبان کی پہلی مکمل ہو کر طبع ہونے والی تفسیر ہے۔ تفسیر مظہری کی یہ خصوصیت ہے کہ برصغیر کے تفسیری ادب

﴿۲﴾ صفدر، محمد سرفراز خاں، مقام ابی حنیفہ، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۷

کو سب سے زیادہ متاثر اسی تفسیر نے کیا اور دورِ جدید کے عربی تفسیری ادب پر روح المعانی کے گہرے اثرات ہیں۔ علاوہ ازیں اسلاف کی آراء کی یہ جامع ترین تفسیر ہے۔

اس باب میں تینوں تفسیروں کا تعارف، منہج و اسلوب اور ان حوالہ جات کو نقل کیا جائے گا جہاں درج بالا مفسرین نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے استفادہ کیا۔

تفسیر مظہری

(تعارف، منہج و اسلوب)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۴۰-۱۲۲۵ھ) حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد سے تھے۔ آپ کی پیدائش پانی پت میں ہوئی۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد ابتدائی تعلیم پانی پت میں ہی حاصل کی۔ بعد ازاں دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسبِ علم کیا اور سندِ حدیث لے کر اٹھارہ سال کی عمر میں فارغ ہو گئے۔ پھر حضرت عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ ﴿۳﴾ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ ﴿۴﴾ کی خدمت میں راہِ سلوک کی منازل طے کیں۔

آپ کی تصانیف میں سے چند درج ذیل ہیں۔

السیف المسلول، ارشاد الطالبین، تذکرۃ المعاد، حقیقۃ الاسلام، رسالۂ فقہ در مذاہبِ اربعہ، الماخذ الاقوی رسالۂ پنج روزی در اصول فقہ، مالا بدمنہ، رسالہ احقاق، رسالہ در جواب شبہات بر کلامِ امامِ ربانی رحمۃ اللہ علیہ، رسالہ در احوالِ اولاد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، تفسیرِ مظہری۔

آپ کی تصانیف سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو عقلی و نقلی علوم میں کامل دسترس حاصل تھی۔

﴿۳﴾ آپ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے والد شیخ عبد الاحد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں۔ ۱۱۶۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مزار آزاد پور (دہلی) میں ہے۔

﴿۴﴾ حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۱ھ-۱۱۹۵ھ) سلسلۂ نقشبندیہ کے اعظم بزرگوں میں سے ہیں۔ نسباً حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ خواجہ عابد سنامی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا۔

جودتِ طبع اور قوتِ فکر میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ فقہ اور اصولِ فقہ میں وہ مجتہد کے مرتبہ پر فائز تھے۔

قاضی صاحب کی تصنیفی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے شیخ محسن بن یحییٰ لکھتے ہیں:

كَانَ فَقِيْهًا اصُولِياً زَاهِداً مُجْتَهِد اَلَه اختيارات فِي المَذْهَب ، وَ مُصَنفات عَظِيْمَة فِي الفِقه وَالتفسِيْر وَ الزُهْد وَ كَانَ شَيْخه المَظْهَر يفتخر بِه

ترجمہ: ''وہ فقیہ اصولی عابد و زاہد اور مجتہد تھے۔ تفسیر فقہ اور زہد و عبادت سے متعلق انہوں نے عظیم الشان کتابیں لکھیں۔ ان کے مرشد و شیخ حضرت مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ ان پر اظہارِ فخر کرتے تھے۔'' ﴿۵﴾

آپ کی تصانیف میں تفسیر مظہری، جہاں آپ کے بلند پایہ عالم و فقیہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، وہاں اپنے پیر و مرشد حضرت مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ سے محبت و عقیدت کا مظہر بھی ہے۔

برِ صغیر میں اس تفسیر کی ضرورت کا جائزہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر سالم قدوائی لکھتے ہیں۔:

''عام طور سے ان کے زمانے میں عربی زبان میں جو تفسیریں رائج تھیں وہ زیادہ تر شوافع کی لکھی ہوئی تھیں۔ بیضاوی اپنے دقیق اسلوب اور علمی نکات کی وجہ سے درس میں داخل تھی لیکن بیضاوی میں عبارت کا اختصار، رمز و اشارے تک پہنچ جاتا ہے۔ بیضاوی چونکہ مسلکاً شافعی ہیں اس لئے فقہی مباحث میں حنفیوں کے نکتۂ نظر کی وضاحت نہیں ہوتی۔ ہندوستان کے باشندے زیادہ تر حنفی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے طلباً کو اس کے مطالعہ میں بڑی الجھنیں ہوتی ہیں۔ قاضی صاحب نے ان حالات کے پیشِ نظر قرآنِ مجید کی مفصل تفسیر دس جلدوں میں لکھی اور اپنے پیر و مرشد حضرت مظہر جانِ جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر اس کا نام تفسیر مظہری رکھا۔ انہوں نے ضروری تفسیر کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حنفیوں کے نکتہ نظر کو مدلل طور پر پیش کیا ہے۔'' ﴿۶﴾ یہی وجہ ہے کہ فقہی مسائل کے علاوہ اکثر دیگر نکات، بیضاوی سے لئے گئے ہیں۔

تفسیر مظہری فقہی مباحث کے بیش بہا ذخیرہ کی حامل ہے۔ قاضی صاحب طویل عرصہ تک

﴿۵﴾ شیخ محمد محسن بن یحییٰ، الیانع الجنی، جید پریس، دہلی ۱۳۴۹ھ، ص ۹۹

﴿۶﴾ قدوائی، ڈاکٹر سالم، ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، ادارۂ معارف اسلامی، لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۱۰۸

منصب قضا پر فائز رہے۔ اس لئے قوانین کی تنفیذ میں پیش آنے والی پیچیدگیوں پر ان کی گہری نظر تھی اور ان کی تفسیر میں بالعموم فقہ حنفی کی ترجیح کے ساتھ ساتھ عملی دشواریاں دور کرنے کے لئے دوسرے ائمہ کی فقہ سے استفادہ کی روایت نہایت نمایاں ہے۔ اسی بنا پر بعض مسائل میں آپ نے فقہ حنفی سے اختلاف بھی کیا ہے۔ مثلاً حقِ مہر کی کم از کم مقدار کا تعین ﴿۷﴾ اور حدیثِ قلتین ﴿۸﴾

تفسیر مظہری میں صوفیانہ طرز پر آیات کی تاویل بھی ذکر کی گئی ہے۔ ایسی صورت میں آپ عموماً حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ اس طرح اس تفسیر کا شمار مجددی فکر کی نمائندہ تفاسیر میں ہوتا ہے۔ سورۃ الجمعۃ کی آیت وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ﴿۹﴾ اور سورۃ الضحیٰ کی آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۰﴾ کے تحت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ پر روشنی ڈالی ہے۔ قاضی صاحب نے مقام مجدد کو صوفیانہ رنگ میں بیان کیا اسی وجہ سے ڈاکٹر محمود الحسن نے یہ سمجھا کہ ان باتوں کی توجیہ و تاویل مشکل ہے۔ لیکن اگر ان مقامات کو کتبِ تصوف کی روشنی میں سمجھا جائے تو کوئی التباس نہیں رہتا۔

اکثر تفاسیر میں جو اسرائیلی روایات داخل ہو گئی ہیں ان کی بھی قاضی صاحب نے خوب خبر لی ہے۔ اس کی مثال ہاروت و ماروت اور عوج بن عنق کے قصہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ﴿۱۰۔الف﴾

﴿۷﴾ اس سلسلہ میں آپ اپنی رائے یوں بیان کرتے ہیں: ''میں کہتا ہوں کہ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ دس درہم کی تعیین کرنے والی کوئی حدیث صحیح نہیں اور بالفرض اگر صحیح بھی ہو تب بھی اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔'' (تفسیر مظہری ج ۳، ص ۳۰)

﴿۸﴾ آپ لکھتے ہیں:

''امام شافعی اور امام احمد نے قلتین والی حدیث کو اپنے قول کے ثبوت میں پیش کیا ہے حق بات یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔'' (تفسیر مظہری ج ۸، ص ۴۶۳)

﴿۹﴾ تفسیر مظہری ج ۱۱، ص ۴۵۹

﴿۱۰﴾ تفسیر مظہری ج ۱۲، ص ۴۴۷

﴿۱۰۔الف﴾ ہاروت و ماروت کے قصہ میں مفسرین نے جو اسرائیلی روایات نقل کی ہیں ان کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں یہ قصہ اخبار احاد بلکہ ضعیفہ شاذہ سے ہے اور قرآن پاک اس پر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بعض مقامات پر قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایسے اقوال ذکر کرتے ہیں جو ان کے خیال میں کسی نے نقل نہیں کیے۔ اس کی ایک مثال عَلَّمَ اٰدَمَ الاَسْمَاءَ کی تفسیر ہے۔ مفسرین کے اقوال نقل کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں یہ کل اقوال میرے نزدیک غیر پسندیدہ ہیں۔''

''میرے نزدیک یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو تمام اسمائے الٰہیہ تعلیم فرمادیے۔''

پھر لکھتے ہیں:

''اگر کوئی کہے کہ مفسرین میں سے کسی نے بھی اس آیت کے یہ معنی بیان نہیں کیے تو یہ محض تمہاری رائے اور قیاس ہے۔'' بعد ازاں آپ نے اس اعتراض کا جواب بھی دیا ہے۔ مگر الاسماء کی یہ تفسیر ابنِ عربی ﴿۱۱﴾ اور ابوالفضل رشید الدین المیبدی ﴿۱۲﴾ پہلے ہی کر چکے ہیں۔ لیکن اس سے بہرصورت آپ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کسی طرح دلالت نہیں کرتا اور اس قصہ میں بعض روایات تو ایسی بے سروپا ہیں کہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہیں مثلاً ربیعہ بن انسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زہرہ کو مسخ کر کے ستارہ بنادیا تھا۔ اور وہ اسم اعظم سیکھ کر آسمان پر چڑھ گئی اور ہاروت وماروت باوجود اس کے کہ زہرہ کے معلم تھے اور ارتکاب معصیت میں اس کے برابر تھے بلکہ بوجہ سکر زہرہ سے معصیت میں کم تھے لیکن وہ آسمان پر نہ چڑھ سکے۔ (تفسیر مظہری، ج۱، ص:۱۸۷)

﴿۱۱﴾ اس آیت کی تفسیر میں ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اَیْ الاَسْمَاء الالٰھِیَۃ''

(ابن عربی، محی الدین، الفتوحات المکیۃ، المکتبۃ العربیۃ ۱۹۷۴ء، ج۳، ص ۳۶۵)

﴿۱۲﴾ اس آیت کے ضمن میں المیبدی لکھتے ہیں:

آدم را آموخت ہم اسماءِ خالق ہم اسماءِ مخلوقات

(المیبدی، ابوالفضل رشید الدین، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مؤسسۃ انتشارات امیر کبیر، تہران، ج۱ص، ۱۳۷)

اس وقت تفسیر مظہری کا شمار برصغیر کی اہم ترین تفاسیر میں ہوتا ہے۔ اس تفسیر نے اردو تفاسیر پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ بالخصوص اردو کی درج ذیل تفاسیر پر تفسیر مظہری کی گہری چھاپ ہے۔

ا۔ خلاصۃ التفاسیر (شاہ فتح محمد)

۲۔ تفسیر معارف القرآن (مفتی محمد شفیع)

۳۔ تفسیر ضیاء القرآن (پیر محمد کرم شاہ)

اس تفسیر کا اردو ترجمہ ۱۲ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ مترجم مولانا عبد الدائم الجلالی ہیں۔ اس ترجمہ کے بعض اردو الفاظ اب متروک ہو چکے ہیں۔ جامعہ غوثیہ بھیرہ کے استاد ملک بوستان بھی آج کل اس کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کا فارسی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

قاضی ثناء اللہؒ کی شخصیت و سوانح پر ڈاکٹر محمود الحسن نے تحقیقی مقالہ بعنوان "تذکرہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ" لکھا جو اس موضوع پر نقش اول ہونے کی حیثیت سے گرانقدر کام ہے۔ یہ مقالہ شائع ہو چکا ہے۔

ذیل میں آیات کی ایک مختصر فہرست دی جا رہی ہے جن آیات کے تفسیری نکات و افکار قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے مجدد علیہ الرحمۃ سے استفادہ کر کے نقل کیے ہیں۔

﴿۱﴾ الٓمّٓ

﴿۲﴾ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

﴿۳﴾ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ

﴿۴﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُو اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ

﴿۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ

﴿۶﴾ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ

﴿۷﴾ وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا

﴿۸﴾ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُو اتَّقُو اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ

﴿۹﴾ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ

﴿۱۰﴾ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه‘

﴿۱۱﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَه مِنْ طِيْنٍ

﴿۱۲﴾ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْم

﴿۱۳﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَة

﴿۱۴﴾ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّى

﴿۱۵﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ

﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاح

﴿۱۷﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْماً جَهُوْلا

﴿۱۸﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد

﴿۱۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ السَّابِقُوْن

﴿۲۰﴾ لايَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْن

﴿۲۱﴾ وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ يٰبَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰيةِ وَمُبَشِّراً بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْ بَعْدِ اسْمُهٗ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

﴿۲۲﴾ وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْن

﴿۲۳﴾ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَداً

﴿۲۴﴾ وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ

﴿۲۵﴾ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْراً

﴿۲۶﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا

﴿۲۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاوٰى

﴿۲۸﴾ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا عِلِّيُوْنَ كِتَابٌ مَّرْقُوْمٌ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْن

﴿۲۹﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

﴿۳۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

﴿۳۱﴾ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ

ان آیات کے بارہ میں مجددی فکر کی روشنی میں صاحب تفسیر مظہری نے جولکھاوہ درج ذیل ہے:

الٓمّ ﴿۱۳﴾

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ حروف مقطعات کے بارے میں مختلف آرا کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان کا علم نبی کریم ﷺ اور آپ کے اتباع کاملین کو بھی تھا۔حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس امت مرحومہ میں سے کہ جس کا حال معلوم نہیں کہ اس کا اول بہتر ہے کہ اخیر اور شاید اسکا اخیر کثرت کے اعتبار سے بڑا عریض اور عمیق ہے۔اور نہایت اچھا ہے۔مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے جو اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر قرآنی مقطعات اور اس کے اسرار کی تاویل ظاہر کی ہے لیکن ان کا بیان وتفسیر عام لوگوں کے لئے ناممکن ہے تو اس سے بھی حروف مقطعات کا اسرارِ الٰہی میں سے ایک سر ہونا اوران کے علم کے ساتھ،صرف خدا ہی کا مخصوص ہونا باطل اور غلط ٹھہرتا ہے۔واللہ اعلم'' ﴿۱۴﴾

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾

ترجمہ:''بے شک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا خوب جاننے والا ہے۔''

امام ربانی حقیقت الصلوۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس وسعت سے مراد ذاتی وسعت بلا کیفیت ہے اور اس کی کنہ مدرک نہیں ہوسکتی۔'' ﴿۱۶﴾

﴿۱۳﴾ سورۃ البقرۃ:۱

﴿۱۴﴾ قاضی ،ثناء اللہ،تفسیر مظہری،ترجمہ مولانا سید عبدالدائم الجلالی ،ایچ۔ایم سعید کمپنی ،کراچی ۱۹۸۰، ج ۱، ص:۲۰

﴿۱۵﴾ سورۃ البقرۃ: ۱۱۵

﴿۱۶﴾ تفسیر مظہری، ج ۱،ص:۲۰۲

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: ''سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کرونگا۔''

آیت میں ذکر سے کیا مراد ہے، لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهَ، کثرتِ نوافل یا تلاوت کلام پاک، قاضی صاحب مختلف نظریات بیان کرنے کے بعد، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قول کو ترجیح دی، کے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت سب سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ ایک تو قرآن مجید کی فضیلت خود زیادہ ہے اور دوسرے قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی صفت حقیقیہ بلاواسطہ ہے، گویا یہ ایک رسی ہے کہ ایک کنارہ اس کا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور ایک ہماری طرف ہے۔ سو جو اس میں فنا ہو گیا اس سے زیادہ اسے کوئی نعمت نہیں ملی، اور نیز حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے کثرت نوافل کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ نماز مومن کی معراج ہے۔ لیکن یہ تلاوت قرآن مجید اور مشغولیٔ نوافل بعد فنائے نفس کے اختیار کرنے کو فرماتے ہیں اور قبل از فنائے نفس ذکر اثبات و نفی پر اقتصار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (یعنی قرآن کو مس نہیں کر سکتے مگر پاک لوگ) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ رذائلِ نفس سے اب تک پاک و صاف نہیں ہوئے ان کو قرآن کی تلاوت سے زیادہ، ذکر کرنا مناسب ہے۔'' ﴿۱۸﴾

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد طلب کیا کرو۔''

''حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت گذاروں کے درجات کی انتہا اور بازگشت نماز کی حقیقت ہے اور نماز کی کثرت سے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔'' ﴿۲۰﴾

﴿۱۷﴾ سورۃ البقرۃ: ۱۵۲

﴿۱۸﴾ تفسیر مظہری، ج ا، ص: ۲۶۰

﴿۱۹﴾ سورۃ البقرۃ: ۱۵۳

﴿۲۰﴾ تفسیر مظہری، ج ا، ص: ۲۶۱

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: ''اور جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں انہیں نہ کہا کرو کہ وہ مردہ ہیں''

انبیا کے اجسام زمین کے لئے حرام قرار دے دئے گئے ہیں۔ شہداءؓ کی حیات بھی درحقیقت انبیاء علیہم السلام کے اسی فیض کی بدولت ہے۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ نبوت کے کمالات وراثۃً چلے آتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ جن کو کمالات نبوت وراثۃً مرحمت ہوتے ہیں انہیں اصطلاح شرح میں صدیق اور مقرب کہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وجودِ وہبی عطا ہوتا ہے۔'' ﴿۲۲﴾

وَفِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: ''اور تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے۔''

قاضی صاحب کے نزدیک اس آیت میں قیامت تک رسول اللہ ﷺ کے جانشینوں کی طرف اشارہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ بیت کو پکڑے رہنے کا اس لئے مشورہ دیا کہ اہل بیت ہی ولایت کے سلسلہ میں راہنمائی کے قطب ہیں۔ اگلوں اور پچھلوں میں سے کوئی بھی ان کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اول درجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے۔ پھر آپ کے صاحبزادگان ہیں۔ حسن عسکری تک یہ سلسلہ آتا ہے۔ اور آخری نمبر غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ ان کے بعد دوسرے اولیاء اور علماء امت کا درجہ ہے جو بطور وراثت اہل بیت کے حکم میں داخل ہیں کیونکہ سب کے سب اہل بیت ہی کے تابع ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ علماء انبیا کے وارث ہیں۔'' ﴿۲۴﴾

﴿۲۱﴾ سورۃ البقرۃ:۱۵۴

﴿۲۲﴾ تفسیر مظہری، ج:۱،ص:۲۶۳

﴿۲۳﴾ سورۃ آل عمران:۱۰۱

﴿۲۴﴾ تفسیر مظہری، ج:۲،ص:۳۱۵۔۳۱۶

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۲۵﴾

ترجمہ: ''اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنالیا ہے۔''

''یہ جملۂ معترضہ ہے۔ وسط کلام میں اس کا ذکر اتباع ملت ابراہیمی کے وجوب کو موکد طور پر ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ کیونکہ جو شخص اتنے بڑے اونچے مرتبہ پر فائز ہو جائے کہ اللہ اس کو اپنا خلیل بنالے گا یقیناً اس کا اتباع لازم ہے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خلیل وہ ندیم اور ہم نشین ہوتا ہے جس کے سامنے آدمی اپنے محبّ اور حبیب کے راز ظاہر کرتا ہے۔'' ﴿۲۶﴾

بعد ازاں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام خلت پر بحث کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''حضور ﷺ نے اپنے لئے اور اپنی امت کے لئے ان تفصیلی کمالات کو طلب کرنے کے لئے ہی دعا کی تھی۔ اللّٰهم صلّ علیٰ سیدنا محمدٍ وّعلیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیمَ وعلیٰ اٰل ابراٰھیم۝ اللہ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور ہزار برس کے بعد یہ مقام حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا۔ حضرت والا کا مقام، مقامِ خلت قرار پایا اور تفصیلی خلت سے موصوف ہوئے اور یہ تفصیلی خلت آپ سے پہلے کسی کو میسر نہ ہوئی اس کی وجہ خواہ یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے اتباع خصوصی کی وجہ سے بعض جلیل القدر صحابہ اور ائمہ اہل بیت مقام خلت سے اونچے ہو کر درجۂ محبوبیت پر پہنچ گئے تھے کیونکہ اللہ نے اپنے رسول کی زبان سے کہلوادیا تھا کہ ان کنتم تُحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یا یوں کہا جائے بعض لوگوں کو خصوصی عنایت کی وجہ سے سرفراز کرنا اللہ کا سراسر فضل ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے سرفراز فرماتا ہے۔''

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مقام خلت پر فائز تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کی ترقی ختم ہوگئی۔ یہ تو وقفۂ راہ ہے منزل نہیں ہے۔ مقام خلت سے آگے بڑھ کر آپ کی رفتار مقامِ محبوبیت کی جانب تھی اگرچہ بالتبع اور بالواسطہ تھی۔'' ﴿۲۷﴾

﴿۲۵﴾ سورۃ النساء: ۱۲۵

﴿۲۶﴾ تفسیر مظہری، ج:۳، ص:۲۸۸

﴿۲۷﴾ تفسیر مظہری، ج:۳، ص:۲۹۰۔۲۹۱

یٰۤاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُو اتَّقُو اللّٰہَ وَابْتَغُوْ اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو۔''

''رسول اللہ ﷺ کے لئے مرتبۂ وسیلہ تو براہِ راست (بغیر کسی دوسرے ذریعے کے) مخصوص ہے۔ لیکن حضور ﷺ کی وساطت سے دوسرے اولیاء امت اور کاملین کے لئے بھی وہاں تک رسائی ممکن ہے۔ (احادیث میں حضور ﷺ کی وساطت سے مرتبہ وسیلہ تک کسی دوسرے کی رسائی کی نفی نہیں کی گئی صرف حضور ﷺ کی ذاتی خصوصیت کو ظاہر کیا گیا ہے) اس مقام کی زیادہ تفصیل کے لئے مکتوباتِ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دیکھیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ وسیلہ کا اطلاق تمام مراتب قرب پر عموماً کیا گیا ہو۔ (قرب الٰہی کا ہر درجہ وسیلہ ہو) اور رسول اللہ ﷺ نے جس وسیلہ کی اپنے لئے مخصوص طور پر طلب فرمائی وہ تمام مراتب قرب میں چوٹی کا درجہ ہو۔ واللہ اعلم

فائدہ: رغبت اور محبت، وسیلہ کے مفہوم میں داخل ہے۔ جوہری نے صحاح میں یہی صراحت کی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مراتبِ قرب کی ترقی بغیر محبت کے ناممکن ہے۔ اسی کی تائید حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ (نظری) سیر مرتبۂ لاتعین (اطلاق) میں جو قرب کا سب سے بڑا درجہ ہے، اس سے اونچا کوئی درجہ نہیں اور اسی مرتبہ کو بطور کنایہ رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں ظاہر فرمایا ہے کہ میرے لئے اللہ کی معیت میں ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جس میں میرے ساتھ کسی مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی گنجائش نہیں ہوتی (یعنی میں تنہا ہی اس وقت اس چوٹی کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہوں) یہ سیر صرف محبت سے وابستہ ہے۔ (یعنی اس سیر کا مدار صرف محبت پر ہے۔ اور ترقی محبت ہی سے یہ مرتبہ سیر حاصل ہوتا ہے) اور محبت اتباعِ سنت کا ثمرہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ پس سنت کی پوری پیروی اور ظاہری و باطنی اتباع سے ہی حضور ﷺ کی وساطت سے یہ مرتبۂ محبت حسبِ مشیتِ الٰہیہ حاصل ہوتا ہے۔'' ﴿۲۹﴾

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰکِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

﴿۲۸﴾ سورۃ المائدہ: ۳۵

﴿۲۹﴾ تفسیر مظہری، ج:۳، ص: ۴۵۹-۴۶۰

﴿۳۰﴾ سورۃ الانعام: ۵۳

ترجمہ: ''کیا ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزاروں کو نہیں جانتا۔''

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ خیر و شر کی استعداد وجود سے پہلے ہوتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی لئے فرمایا تھا کہ تعینات اہلِ ایمان کے مبادی اللہ کے اسم ہادی کا پرتو ہیں اور تعینات کفار کے مبادی اللہ کے اسم مضل کا پرتو (یعنی توفیق ایمان ہو یا ضلالت آفرینی دونوں اللہ کی صفات کے پرتو ہیں جس پر اللہ کے اسم ہادی کا پرتو پڑ گیا تو وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور جس پر اللہ کے اسم مضل کا پرتو پڑ گیا وہ گمراہ ہو گیا) پس جس چیز سے اور جس غرض کے لئے جس کو پیدا کیا گیا ہے اس سے تجاوز ناممکن ہے۔'' ﴿۳۱﴾

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَا لَتَہٗ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: ''اللہ (اس دل کو) بہتر جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت کو رکھتا ہے۔''

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تعین نبوت کا مبدأ محض صفتِ الٰہی ہے۔ جس میں پرتو اور ظل کی کوئی آمیزش ہی نہیں ہے۔ باقی انسانوں کے (مومن، کافر، نیک اور بد ہونے کے) مبادی اللہ کے اسماء و صفات کے پرتو ہیں (یعنی نبوت کا سر چشمہ براہِ راست اور بالذات صفاتِ خداوندی ہیں اور دوسری مخلوقات کا مبدأ تعین اور سرچشمہ براہِ راست صفات نہیں بلکہ صفات کے پرتو اور ظلال ہیں۔)'' ﴿۳۳﴾

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: ''ابلیس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے کیچڑ سے۔''

خاکی اور ناری عناصر کے متعلق تفصیلی بحث کرنے کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ عالم امر کی وجہ سے نفس کی انتہائے ترقی

﴿۳۱﴾ تفسیر مظہری، ج:۴، ص:۱۴۷۔۱۴۸

﴿۳۲﴾ سورۃ الانعام آیت: ۱۲۴

﴿۳۳﴾ تفسیر مظہری، ج:۴، ص:۲۱۱۔۲۱۲

﴿۳۴﴾ سورۃ الاعراف، آیت: ۱۲

صفات کے پرتو تک ہوتی ہے۔ (صفات تک نہیں پہنچ پاتی) ہاں مرتبہ اخفیٰ کی ترقی بعض صفات تک ہو جاتی ہے۔ اور لطائف عالم خلق سے جو کمال نفس کو ملتا ہے اس کی ترقی ظاہر صفات تک ہو جاتی ہے۔ ہوا، پانی اور آگ ان تینوں عناصر کی ترقی کا منتھٰی باطن صفات ہے (ظاہر صفات اور باطن صفات کا فرق یہ ہے کہ ظاہر صفات میں اس بات کا عرفان نہیں ہوتا کہ ان صفات کا قیام کسی ذات سے ہے یا نہیں اور باطن صفات میں ذات کے ساتھ صفات کا قیام ملحوظ ہوتا ہے) اور مرتبۂ ذات تک ترقی صرف عنصر خاک کے ساتھ مخصوص ہے جیسے آفتاب کی شعا[illegible] ترین چیز میں نمایاں نہیں ہوتیں، اندر گھس کر پار نکل جاتی ہیں اور کثیف جسم پر پڑتی ہیں تو نمایاں ہوتی ہیں۔'' (۳۵)

وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ (۳۶)۔

ترجمہ: ''اور ان کی آنکھیں غم کے باعث سفید ہو گئیں اور وہ اپنے غم کو ضبط کئے ہوئے تھے۔''

حضرت یعقوبؑ جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ صوفی کے دل میں غیر اللہ کی محبت نہیں سماتی، آپ کے دل میں یوسفؑ کی محبت کیسے سما گئی؟ اس سوال کا جواب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی روشنی میں دیتے ہوئے قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تنزیہی معنی کا دنیوی لباس تو یہی (سبحان اللہ وغیرہ) حروف و الفاظ ہیں۔ آخرت میں ان کا پیرایۂ ظہور جنت کے پھل و درخت ہیں (دنیا میں ان کلمات کے ساتھ اور آخرت میں جنت کے ساتھ) محبت کا تعلق گویا تنزیہی معنی سے وابستگی کی شکل ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، میں کہتا ہوں کہ ہر شخص کی جنت یہ ہے کہ اللہ کے اسماء وصفات میں سے جو اسم بھی اس شخص کے تعین اور تشخص کا مبدأ ہے۔ اس کا ظہور ہو جائے اور یہ ظہور اس شخص کے لئے درختوں، نہروں شاندار مکانوں اور حور و غلمان کی شکل میں ہوگا۔ اور چونکہ اللہ کے اسماء وصفات میں تفاوت ہے کوئی صفت جامع ہے کوئی غیر جامع، کسی کا قرب ذات سے زیادہ ہے کسی کا کم۔ پس جیسی صفت کسی کا مبدأ تعین ہوگی ویسی جنت اس کے لئے ہوگی۔ جنتوں کے تفاوت اور اونچ نیچ

﴿۳۵﴾ تفسیر مظہری، ج:۴، ص:۲۷۷

﴿۳۶﴾ سورۃ یوسف:۸۴

کافرق اسماء وصفات کے تفاوت کی وجہ سے ہوگا۔ جنت کے بعض درخت بلوری اور آبگینی اجسام کی شکل و کیفیت کے بھی ہو جائیں گے۔ پس ایسے ہی درخت اس حالت میں ذات بے کیف کے دیدار کے ذرائع بن جائیں گے اور رویتِ ذات بے کیف ہو جائے گی۔ پھر ان درختوں کی بلوریت ختم ہو جائے گی تو وہ آئینہ ذات بھی نہیں رہیں گے اور اس حالت میں رویت نہ ہوگی۔ چکا چوند کی یہ حالت اور درختوں کی بلوریت وعدم بلوریت ہمیشہ ہمیشہ ہوتی رہے گی۔

ایک شبہ:

تمام ممکنات اپنی ذات کے لحاظ سے معدوم ہیں، ناقص ہیں، شر ہی شر ہیں، حسنِ ذاتی سے محروم ہیں۔ ان میں جو حسن و جمال آیا ہے اور جس خیر و کمال کا ظہور ہو رہا ہے۔ وہ واجب تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ اسی کا فیض ہے پھر دنیوی و اخروی چیزوں میں کیا فرق ہے۔ اور کیوں دنیوی چیزوں سے دل کی وابستگی جرم ہے اور اخروی چیزوں سے دل کا لگاؤ قابلِ ستائش ہے۔

ازالہ:

ہم کہتے ہیں کہ تمام ممکنات اللہ کے اسماء وصفات کا مظہر ہیں اور اللہ کی صفات بھی بجائے خود اور بذاتِ خود ممکن ہیں۔ کیونکہ ذات کی محتاج ہیں اور ہر محتاج کا ممکن ہونا ظاہر ہے۔ لیکن ذاتِ خداوندی کے لئے ان کا ثبوت لازم ہے۔ (کیونکہ ذات صفات سے خالی نہیں ہوسکتی اور بغیر صفات کے ذات کا نہ تحقق ہوسکتا ہے نہ تعقل) پس یہ واجب بالغیر ہوگئیں لیکن صفاتِ الٰہی پر امکان اور وجوب بالغیر کا اطلاق اس لئے نہیں کیا جاتا کہ ان کے حدوث کا وہم نہ ہو جائے اور ذات سے منفک ہو سکنے کا خیال نہ پیدا ہو جائے ورنہ واقعہ میں صفاتِ خداوندی ممکن ہیں اور چونکہ ذات سے ان کا انفکاک محال ہے اس لئے واجب بالغیر بھی ہیں، اہلِ معرفت کے لیے ان صفات کا انکشاف ہوتا ہے تو ان کے دو رخ نظر آتے ہیں۔ ایک رخ ان کے امکان ذاتی کا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان میں عدم کا احتمال ہوتا ہے اور دوسرا رخ وجوب بالغیر کا ہے جو سراسر وجود ہی وجود ہے۔ وجود کا رخ تو سر تا پا حسن و جمال اور خیر و کمال ہے اور عدم کا رخ بھی اگرچہ امکان ذاتی کی وجہ سے قبیح، شر، ناقص، اور ہر کمال سے بے بہرہ ہے مگر وجود کے ساتھ ہر وقت ہم آغوش رہنے اور غیر منفک ہونے کی وجہ سے فی الجملہ حسن سے خالی نہیں ہے خواہ یہ حسن و جمال وہمی ہی

ہو۔ پس صوفی کی نظر میں صفات الٰہیہ کی جلوہ پاشی اور پرتو اندازی دو شکلوں میں دکھائی دیتی ہے۔ دنیوی چیزوں میں تو اس کو صفات کا عدمی رخ (یعنی ذاتی امکان) نظر آتا ہے اور آخرت کی چیزوں میں ان کا وجودی رخ (یعنی وجوب بالغیر کا رخ) عکس ریز دکھائی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے دنیوی اشیاء سے وابستگی اللہ کے نزدیک بری ہے۔ اور اخروی چیزوں سے دل کی وابستگی اللہ کو پسند ہے، ان سے محبت اللہ سے محبت ہے جو اللہ کی محبت میں کامل ہیں وہی دارِ آخرت سے کامل محبت رکھتے ہیں۔

دنیوی اور اخروی اشیاء میں یہی فرق ہے اور ایک سے محبت کے عدم جواز اور دوسری سے محبت کے وجوب کی یہی علت ہے۔

تمہید مذکور کے بعد ہم کہتے ہیں کہ حضرت مجدد قدس سرہٗ نے مکتوب ۱۰۰ جلد سوم میں بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا وجود اور آپ کا حسن و جمال اگرچہ اسی دار دنیا میں پیدا ہوا لیکن دوسری مخلوق کی طرح نہ تھا بلکہ درحقیقت وہ موجودات آخرت کی جنس سے تھا۔ دنیوی اشیاء کا مربی تو صفات کا عدمی (ذاتی) رخ ہوتا ہے اور جنت اور اس کے موجودات کی تربیت صفات کا وجودی رخ کرتا ہے۔ پس جس طرح اہلِ کمال کی قلبی وابستگی آخرت کی چیزوں سے درست ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی شیفتگی بھی نامناسب نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ صحیح انکشاف اور واضح بصیرت ہے، نظر اور کشف نے ہی آپ کو حسنِ یوسف علیہ السلام کی اس تنقیح تک پہنچایا ہے۔ اگر اس تحقیق کو درست مان لیا جائے تو دو شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

<u>پہلا شبہ:</u>

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور جگہ صراحت کی ہے کی انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ باقی ممکنات ظلال اسماء و صفات (اسماء و صفات کے عکس اور پرتو) کی جولان گاہ اور مقاماتِ ظہور ہیں۔ نفسِ اسماء و صفات کے مظہر و جلوہ گاہ نہیں ہیں (یعنی انبیاء ملائکہ کے علاوہ دوسری مخلوق پر براہِ راست صفات و اسماء کا پرتو نہیں پڑتا بلکہ ظلال صفات کا عکس پڑتا ہے) اور (جس طرح انبیاء و ملائکہ کے مبداً تعینات اسماء و صفات ہیں اسی طرح ظلال صفات دوسری مخلوق کے تعین کا مبدا ہیں، نفس صفات اس کے

لئے مبدءِ تعین نہیں۔لیکن اس جگہ فرمایا کہ تمام ممکنات (مجردہ ہوں یا مادیہ، انبیاء ہوں یا اولیاء، خواص ہوں یا عوام) کے مبادی تعین اصل اسماء اور نفس صفات ہیں۔ یہ بیان میں تضاد اور اختلاف کیوں ہے اور کیسے ممکن ہے کہ دنیوی اشیاء بھی جلوہ گاہِ صفات ہوں اور اخروی اشیاء بھی پرتو گاہِ اسماء لیکن اول الذکر کی طرف صفات کا عدمی اور امکانی رخ ہو اور موخرالذکر کی مظہریت صفات کے وجودی رخ کی ممنون کرم۔

ازالہ:

انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ باقی ممکنات اگر ظلال صفات کی جولان گاہ اور مظاہر ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نفسِ صفات کے مظاہر اور جلوہ گاہ نہ ہوں کیونکہ ظل کا ظل اصل کا ظل ہوتا ہے۔ پس یہ ممکنات ظلال صفات کے ظل ہیں تو نفسِ صفات کے بھی ظل ہوں گے (اول ظلیت براہِ راست ہوگی اور دوسری ظلیت بالواسطہ) پس اسماء وصفات انبیاء اور ملائکہ پر جلوہ انداز ہوں گے۔ بالواسطہ اور باقی ممکنات پر ان کی جلوہ پاشی ظلال کی وساطت سے ہوگی۔ اس کے بعد دنیوی اشیاء پر صفات کی جو جلوہ پاشی بواسطہ ظلال ہورہی ہے۔ اس جلوہ پاشی میں صفات کا عدمی رخ (یعنی ذاتی امکان) ملحوظ ہے۔ اور اخروی اشیاء پر جلوہ ریزی میں ان کا وجودی اور اضافی (یعنی ذات خداوندی کے لئے ثبوت وجوبی کا) رخ معتبر ہے۔

دوسرا شبہ:

کلام سابق سے ظاہر ہورہا ہے کہ تمام مخلوق خواہ انبیاء ہوں یا عوام، علاوہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جلوہ گاہِ صفات اور جولان گاہِ اسماء ہیں لیکن صفات کا عدمی رخ ملحوظ ہے (یعنی صفات کے ذاتی امکانی عدمی رخ کی جلوہ گاہ تمام مخلوق ہے) اور حضرت یوسف علیہ السلام بھی صفاتِ خداوندی کا مظہر ہیں۔ مگر اس میں صفات کا اضافی وجودی رخ ملحوظ ہے۔ (یعنی صفات کے وجودی اور نسبت الی الذات کا پرتو حضرت یوسف علیہ السلام پر پڑا تھا۔ اسی لئے آپ آخرت کی چیزوں کے ہم جنس ہو گئے تھے) اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی تمام انبیاء بلکہ سید الانبیاء ﷺ پر فضیلت لازم آتی ہے۔

ازالہ:

آخرت کی جنس سے تو تمام ہی انبیاء تھے۔ حسنِ آخرت تو سب ہی کے اندر پوشیدہ تھا کہیں یوسفی

لقب پا کر ظاہر ہو گیا کہیں ظاہر نہیں ہوا۔ لقب کا مفہوم کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ حق بات یہ ہے کہ تمام انبیاء صفات کے وجودی رخ کے اعتبار سے مظہرِ صفات ہیں۔ ان پر صفات کی نور پاشی ذاتی اعتبار سے نہیں بلکہ نسبت الٰہی کے اعتبار سے ہے۔ رہا حسنِ آخرت کا، علاوہ حضرت یوسف نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوروں سے عدم ظہور تو اس کی وجہ اللہ ہی کے علم میں ہے۔ ہم واقف نہیں۔ بہر حال یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ انبیاء کا [illegible] صفت ہونا دوسرے انسانوں کے مظہرِ صفات ہونے سے الگ نوعیت کا ہے۔ عدمی رخ کے اعتبار سے نہیں (بلکہ) صفات کے وجودی رخ کے لحاظ سے ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ختم المرسلین ﷺ کے حسن کے متعلق لکھا ہے کہ محمد ﷺ کی تربیت کرنے والا اور آپ ﷺ کا مبدءِ تعین اللہ کا علم اجمالی ہے۔ صفتِ علمِ اجمالی تمام صفات سے زیادہ ذات سے قرب رکھتی ہے۔ علمِ حضوری اور عالم و معلوم تو متحد الذات ہی ہوتے ہیں۔ باقی صفات قدرت، ارادہ، کلام، سمع و بصر کا درجہ علم کے برابر نہیں۔ ان صفات کی تفصیلات سے بھی علمِ اجمالی کا مرتبہ بلند اور ذات سے قریب ترین ہے۔ علم کا وہ حسن ذاتی ہے جو دوسری صفات کو حاصل نہیں۔ علم بہ نسبت دوسری صفات کے ذاتِ خداوندی کو زیادہ پسند ہے۔ علم کا حسن و جمال بے کیف ہے۔ علم کا حسن و جمال اتنا لطیف ہے کہ ختم المرسلین ﷺ میں جب یہ جلوہ پاش ہوا تو بصارت کے ضعف اور نارسائی کی وجہ سے حسن محمدی کو بھی اسی طرح آنکھیں نہیں پا سکتیں اور نہیں دیکھ سکتیں جیسے ذاتِ خداوندی کو دیکھنے اور پانے سے اس دنیا میں عاجز ہیں۔ آخرت میں آپ کا جمال با کمال نمودار ہوگا اور آنکھوں کو نظر آئے گا۔

یہ تسلیم ہے کہ یوسف علیہ السلام کو ۲/۳ حسن عطا کیا گیا تھا لیکن وہ اس دنیا میں تھا اور آخرت میں تو حسنِ محمدی ﷺ ہی ہوگا (کسی پیغمبر کو حسن حاصل نہ ہوگا) دیکھو رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ہے میرے بھائی یوسف علیہ السلام زیادہ شگفتہ رنگ کے تھے اور میں زیادہ ملیح ہوں، اہلِ نظر کو صباحت و ملاحت کے درمیان ایسا فرق نظر آتا ہے جو چاند اور سورج یا چاندی اور سونے کے درمیان ہے۔ حسنِ یوسف علیہ السلام پر فریفتہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور دوسرے انسان تھے اور حسنِ محمدی ﷺ سے محبت رکھنے والا یعقوب کا رب ہے۔ مٹی کس طرح خالقِ کائنات کی ہمسری کر سکتی ہے۔ اس ساری تقریر سے واضح ہو گیا کہ فناءِ قلب کے بعد صوفی کو اللہ کے سوا کسی مخلوق سے دل بستگی نہیں رہتی۔ اسکے دل میں ماسوی

اللہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء کی محبت سے بھی صوفی کا دل خالی ہوجاتا ہے۔ انبیاء کی محبت تو بعینہٖ اللہ کی محبت ہے۔ متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ مجھ سے اس کو محبت اپنے باپ، اولاد اور تمام لوگوں (کی محبت) سے زیادہ نہ ہو۔ یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے آئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس میں تین چیزیں ہونگی وہ ایمان کی شیرینی ان خصائل کی وجہ سے پالے گا (تین میں سے ایک یہ ہے کہ) جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ان کے ماسوا سے زیادہ محبت ہو وہ حلاوتِ ایمان پالے گا۔)

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا تھا، ''میرے دل کے اندر اللہ کی محبت اتنی بھر گئی ہے کہ محمد ﷺ کی محبت کی اس میں گنجائش ہی نہیں ہے۔ آپ کا یہ کلام حالتِ سکر کا ہے۔''

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ابتدائی حالت میں غلبہ سُکر ہی کے زیرِ اثر فرمایا تھا میں اللہ سے محبت اس لئے کرتا ہوں کہ اس نے محمد ﷺ کو پیدا کیا ہے۔ یہ کلام بھی حالت جذب کا ہے اگرچہ اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے۔'' ﴿۳۷﴾

وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے انہیں دنیا میں ہر طرح کی بھلائی مرحمت فرمائی۔''

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا 'حسنۃ' سے مراد خُلّت (خاص دوستی) ہے۔ ہر شخص اپنے خلیل کو ان اسرار سے واقف کرتا ہے جو محبّ یا محبوب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اور اپنی آل کیلئے اسی طرح کی رحمت نازل ہونے کی درخواست کی تھی جو حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر نازل کی گئی تھی۔ آپ نے دعا کی تھی: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ

بعد ازاں مفسر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ خالص محبوبیت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ خلت کا درجہ محبوبیت کے درجہ سے نیچے

﴿۳۷﴾ تفسیر مظہری، ج:۶ ص:۱۹۱ تا ۱۹۶

﴿۳۸﴾ سورۃ النحل:۱۲۲

ہے۔ مقامِ خلت، محبوبیتِ خالصہ کے راستے میں واقع ہے اس لئے حضور ﷺ مقام خلت پر نہیں ٹھہرے نہ ٹھہرنے کی اجازت تھی لیکن آپ کی خواہش تھی کہ مقام خلت میں بھی کچھ استقرار کر سکیں لیکن اس استقرار کی اجازت نہ مل سکی۔ اس لئے اللہ نے حضور ﷺ کے متبعین میں سے ایک ہزار سال بعد ایک شخص کو مقامِ خلت میں استقرار عطا فرمایا تابع کا کمال متبوع کے کمال کا جزو ہوتا ہے۔ اور جز کل میں داخل ہوتا ہے۔ پس حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا کمال یعنی مقام خلت میں استقرار رسول اللہ ﷺ کے کمال محبوبیت کا ہی ایک حصہ تھا اور حضور ﷺ کے اتباع ہی سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ مرتبہ حاصل ہوا تھا۔ کسی گورنر، کمانڈر یا شاہی ملازم کا کسی قلعہ کو سر کرنا یا کسی شہر پر قبضہ کر لینا اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس فاتح کا تعلق مرکزِ سلطانی سے ہوتا ہے اور ملازم کی فتح یابی اور قبضہ سلطانِ معظم کی کامیابی اور فتح ہوتی ہے۔" ﴿۳۹﴾

حیاتِ خضر علیہ السلام

حضرت خضر علیہ السلام ﴿۴۰﴾ کی حیات میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ

﴿۳۹﴾ تفسیر مظہری، ج: ۶، ص: ۴۵۷

﴿۴۰﴾ حضرت خضر علیہ السلام پر درج ذیل کتب لکھی گئی ہیں:

جز فی اخبار الخضر علیہ السلام: ابی الحسین احمد احمد بن جعفر المنادی البغدادی (م ۳۳۶ھ)

جز فی اخبار الخضر علیہ السلام: عبد المغیث بن زہیر الحربی الحنبلی البغدادی (م ۵۸۳ھ)

عجالۃ المنتظر فی شرح حال الخضر علیہ السلام: عبد الرحمن بن علی بن الجوزی (م ۵۹۷ھ)

مجلد فی موج الخضر علیہ السلام: عبد الرحمن بن علی بن الجوزی (م ۵۹۷ھ)

ارشاد اہل الاخلاص لحیاۃ الخضر والالیاس: محمد بن ابی الخیر احمد القزوینی (م ۶۲۰ھ)

رسالۃ فی الخضر علیہ السلام، ہل مات ام ہو حی: ابن تیمیۃ (م ۷۲۸ھ)

جز فی الوفاۃ الخضر علیہ السلام: محمد بن علی (م ۷۶۳ھ)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت خضر علیہ السلام اب زندہ نہیں ہیں۔امام بخاری سے حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کی حیات کے متعلق پوچھا گیا انہوں نے کہا وہ کیسے زندہ ہوسکتے ہیں۔ جب کہ نبی ﷺ نے اپنے وصال سے تھوڑا عرصہ پہلے فرمایا جولوگ اب روئے زمین پر زندہ ہیں ایک سوسال کے بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا۔اگر آپ زندہ ہوتے تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے۔اور آپ کے ساتھ جہاد کرتے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہیں۔اگر ایسا ہوتا اور حیاتِ دوام حاصل ہوتی تو قرآن میں اللہ کی اتنی بڑی نشانی کا ذکر ضرور کرتا۔

جو حیات کے قائل ہیں وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوگیا اور صحابہٌ کرام جمع ہوئے اس وقت ایک شخص آیا جس کی رنگ دار داڑھی تھی وہ گورے رنگ کا ایک جسیم آدمی تھا وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آیا اور رونے لگا اور صحابہٌ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا ’’ہر مصیبت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) جزفی الوفاۃ الخضر علیہ السلام: عبداللہ بن اسعد یافعی (م ۷۶۸ھ)

الروض النضر فی انباء الخضر علیہ السلام: ابی الفضل العراقی (م ۸۰۶ھ)

جزفی الخضر علیہ السلام: قاضی علیم الدین البساطی (م ۸۴۲ھ)

الزہر النضر فی حال الخضر علیہ السلام: ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ)

القول المختصر علی المقالات الفارغۃ بدعوی حیاۃ الخضر: حسین بن عبدالرحمٰن الاہدل (م ۸۵۵ھ)

رسالۃ فی الخضر علیہ السلام وحیاتہ: محمد بن محمد امام الکاملیۃ (م ۸۷۴ھ)

الروض النضر فی حال الخضر: محمد بن محمد الخیضری (م ۸۹۴ھ)

وجہ النضر فی نبوۃ الخضر: جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ)

الروض النضر فی الکلام علی الخضر علیہ السلام: محمد بن السلطان بایزید (م ۹۱۸ھ)

کشف الخذر عن امر الخضر علیہ السلام: ملا علی القاری (م ۱۰۱۴ھ)

الروض النضر فی الکلام علی الخضر علیہ السلام: مرعی بن یوسف (م ۱۰۳۳ھ)

القول المقبول فی الخضر، ھل نبی ام ملک ام رسول: احمد بن محمد الغنیمی (م ۱۰۴۴ھ)

القول الدال علی حیاۃ الخضر ووجود الابدال: نوح بن مصطفیٰ حنفی (م ۱۰۷۰ھ)

کشف الخذر عن حال الخضر علیہ السلام: محمد بن مصطفیٰ (م ۱۱۷۶ھ)

اللہ کی تعزیت ہے۔ ہر فوت ہونے والی چیز کا خلیفہ ہے پس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو آزمائش میں دیکھتا ہے اور دیکھو مصیبت زدہ شخص وہ ہے جس پر جبر کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ نے کہا یہ خضر علیہ السلام تھے۔

لیکن اس طرح کی روایات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت خضر علیہ السلام اب بھی زندہ ہیں۔ احادیث صحیحہ اور دلائل عقلیہ سے ان علماء کی تائید ہوتی ہے۔ جو حضرت خضر علیہ السلام کی وفات کے قائل ہیں۔

اس سلسلہ میں ابن حجر عسقلانی نے ''الزهر النضر فی حال الخضر'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں حضرت خضر علیہ السلام کے نسب، نبوت، عمر اور مختلف لوگوں سے ملاقات کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ تمام دلائل کا جائزہ لینے کے بعد رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

''قوی دلیلوں کے لحاظ سے جس شے کی طرف دل کا رجحان ہے وہ عوام جوان کو زندہ سمجھتے ہیں ان کے خلاف ہے۔ لیکن کبھی یہ شبہ بھی لاحق ہوتا ہے کہ ان کے زندہ ہونے پر دلالت کرنے والی روایات نقل کرنے والے بہت زیادہ ہیں۔ اگرچہ ان کی اسناد کمزور ہیں۔ مگر مجموعہ تواتر معنوی کو پہنچ جاتا ہے۔ ان کے باقی نہ ہونے پر سب سے قوی دلیل ان کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہونا ہے۔ اور بغیر کسی شرعی دلیل کے پہلے زمانے کے لوگوں میں سے صرف انہی کا اتنی لمبی عمر پانا۔'' ﴿۴۱﴾

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی حیاتِ خضر کے متعلق مختلف روایات نقل کرنے کے بعد قصہ موسیٰ وخضر علیہم السلام کے آخر میں حتمی نتیجہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اس مسئلہ کا واحد حل حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے ہو سکتا ہے۔ حضرت مجدد صاحب سے جب حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ یا مردہ ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے اللہ کی طرف توجہ کی اور بارگاہ اقدس سے اس کا جواب ملنے کی دعا کی، چنانچہ عالم مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ خضر علیہ السلام سامنے آ گئے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب نے حضرت خضر علیہ السلام سے خود ان کی حالت دریافت کی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا، میں اور الیاس علیہ السلام دونوں زندہ ہیں۔ لیکن اللہ نے ہماری روحوں کو ایسی طاقت عطا فرمائی ہے کہ ہم جسم کا لباس پہن کر بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتاتے اور مصیبت زدوں کی

﴿۴۱﴾ ابن حجر العسقلانی احمد بن علی، الزهر النضر فی حال الخضر، تحقیق مقبول احمد، مجمع البحوث الاسلامیۃ، نئی دہلی ۱۹۸۸ء، ص:۱۶۲

مدد کرتے ہیں، اگر اللہ چاہتا ہے۔(بعض لوگوں کو) علم لدنی بھی تعلیم د[illegible] سبت عطا کرتے ہیں۔ہم کو اللہ تعالیٰ نے قطب مدار کا مددگار بنایا ہے،قطب مدار کو اللہ نے مدارِ عالم بنایا ہے۔انہی کی برکت سے یہ عالم قائم ہے۔ہم ان کی مدد کرتے ہیں۔اس زمانے میں ان کا مسکن ملک یمن ہے وہ فقہ شافعی کے پیرو ہیں۔ہم بھی قطب مدار کے ساتھ شافعی فقہ کے موافق نماز پڑھتے ہیں۔﴿۴۲﴾

وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ﴿۴۳﴾

ترجمہ:''اور اے موسیٰ! میں نے اپنی جناب سے تجھ پر محبت کا پرتو ڈالا۔''

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کلیم کا مبدأ تعین خالص محبّیت اور (عشق) ہے۔اسی لئے آپ اہلِ محبت اور عشاق کے سالار ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کا مبدأ تعین خالص محبوبیت ہے اس لئے آپ محبوبوں کے سرگروہ قرار پائے۔

صوفی بنظر کشف دیکھتا ہے کہ محبت کا ایک دائرہ ہے اس دائرہ کا ایک محیط ہے اور ایک مرکز۔پھر اس مرکز کا بھی ایک محیط اور ایک وسطی نقطہ۔پس دائرۂ محبت کے محیط کا نام خلت ہے۔حضرت خلیل اللہ کا مبداءِ تعین یہی خلت ہے اور دائرہ محبت کا مرکز خالص محبت ہے اور یہی محبت کلیم اللہ کا مبداءِ تعین ہے اور جس طرح مرکز محیط سے افضل، اعلیٰ اور وسیع تر ہوتا ہے۔اسی طرح مقامِ محبت کو مقامِ خلت پر فضیلت حاصل ہے۔مرکز (محبت) کی نسبت محیط (خلت) سے ایسی ہے جیسے چاند کی نسبت اس کے ہالہ سے۔

پھر مرکز کی بھی دو حیثیات ہیں۔ایک مرکز کا کنارہ اور محیط، دوسرا مرکز کا وسطی نقطہ۔پس مقام محبیت مرکز کا محیط ہے اور یہی کلیم اللہ کا مبداءِ تعین ہے۔اور مرکز کا وسطی نقطہ مقامِ محبوبیت ہے جو حبیب اللہ ﷺ کا مبداءِ تعین ہے۔آپ خالص بے آمیزش محبوبیت کے مرکز دائرہ تھے۔محیط دائرہ محبوبیت یعنی مخلوط محبوبیت۔آپ نے اپنی امت کے بعض افراد کے لیے چھوڑ دی (حضرت مفسر نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو مخلوط محبوبیت کا حامل قرار دیا بلکہ حصر کے ساتھ فرمایا کہ) جس فردِ امت کے لیے مخلوط محبوبیت چھوڑی گئی وہ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی شخصیت گرامی تھی۔'' ﴿۴۴﴾

﴿۴۲﴾ تفسیر مظہری، ج ۷، ص ۲۶۱

﴿۴۳﴾ سورۃ طٰہٰ: ۳۹

﴿۴۴﴾ تفسیر مظہری، ج: ۷، ص: ۳۸۲_۳۸۳

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: ''ارشاد ہوا کہ ہم نے تو تمہاری قوم کو تمہارے چلے آنے کے بعد آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے۔''

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبوت بہرحال ولایت سے افضل ہے۔ ولایت خواہ کسی نبی کی ہو یا غیر نبی کی بہرصورت اس کا مرتبہ ذات نبوت سے نچلا ہے۔ کیونکہ ولایت نام ہے تجلیات صفاتی کا اور نبوت عکس ہے تجلیاتِ ذاتی کا۔ حضرت مجدد الف ثانی رَحمۃُ اللہِ علیہ نے فرمایا نبوت ہو یا ولایت، ہر ایک کے دو رخ ہیں، عروج و نزول، بالائی رخ کی طرف اٹھنا اور زیریں رخ کی جانب اترنا۔ نبی ہو یا ولی مرتبہ عروج میں اسکی توجہ خالص اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ تاکہ خود اس کو کمال ذاتی اور ترقیٔ مرتبہ حاصل ہو۔'' ﴿۴۶﴾

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: ''اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو، اس میں ایک چراغ ہو۔''

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کشفِ الہامی پر مبنی آیت زیر تفسیر کی دو اور تاویلیں بھی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

یعنی آسمان و زمین کو موجود ظاہر کرنے والا اور پردۂ عدم سے میدان خارجی میں لانے والا ہے اور یہ وجود خارجی مثل ظل اور سایہ کے ہے۔

مثلُ نورِہ

نور سے مراد ہے وجود۔ عظمت نور کو ظاہر کرنے کے لیے اپنی ذات کی طرف نور کی نسبت کی۔ جیسے بَیْتُ اللّٰہ (خانۂ خدا) اور نَاقَةُ اللّٰہ (اللہ کی براہِ راست پیدا کی ہوئی متبرک اونٹنی) کہا جاتا ہے۔

﴿۴۵﴾ سورۂ طٰہٰ: ۸۵

﴿۴۶﴾ تفسیر مظہری، ج: ۷، ص: ۴۱۰

﴿۴۷﴾ سورۃ النور: ۳۵

یا یوں کہا جائے کہ ماہیات ممکنات پر وجود خداوندی پرتو انداز اور سایہ فگن ہوتا ہے جیسے چاند اور سورج کے مقابل جو خطۂ زمین آ جاتا ہے اس پر چاند اور سورج کا نور عکس ریز ہوتا ہے۔

کَمِشْکٰوۃٍ

یعنی جیسے مشکٰوۃ (طاقچہ، چراغ دان) کی روشنی، مضافِ محذوف ہے۔

فِیْھَا مِصْبَاح

یعنی مشکٰوۃ کے اندر چراغ روشن ہے۔ اور چراغ کی روشنی سے مشکٰوۃ پر نور ہو رہا ہے۔ اسی طرح اللہ کی صفات و اسماء کے چراغ سے تمام ممکنات کی حقیقتیں نور وجود حاصل کر رہی ہیں۔

اَلمِصباحُ فی زُجاجَۃٍ

یعنی چراغ کی نور پاشی بدرجہ کمال ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا انبیا اور اولیا کو چھوڑ کر باقی تمام ممکنات کے مبادی تعین اللہ کی صفات نہیں بلکہ صفات کا پرتو اور ظل مبدأ تعین ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ اپنی صفات کمال کو بھی جانتا ہے۔ اور ان صفات کے نقائض کو بھی یعنی وہ اپنی صفاتِ ثبوتیہ کا بھی علم رکھتا ہے اور صفاتِ سلبیہ تنزیہیہ کا بھی۔ جیسے موت نقیض حیات ہے، جہالت نقیض علم ہے اور عجز قدرت کی نقیض ہے۔ بہرا ہونا سننے کی نقیض ہے، نابینا ہونا' بینا ہونے کی نقیض، مجبور ہونا با اختیار ہونے کی اور تعطل تکوین کی نقیض ہے۔" ﴿۴۸﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صفات ضرور ذات سے زائد ہیں اور خارج یعنی نفس الامر میں ان کا وجود ہے۔ نصوص قرآنی اور صراحتِ احادیث سے یہی ثابت ہے۔ لیکن ذات فی نفسہا ترتب آثار میں صفات کی محتاج نہیں ہے۔ (یعنی تنہا ذات بغیر صفاتِ کے اظہارِ آثار کے لئے کافی ہے) اگر ہم ساری صفات کا عدم فرض کر لیں تب بھی آثار کا ظہور ذات سے ضرور ہو گا۔ مثلاً اگر سننے اور دیکھنے کی صفت ذات میں نہ مانی جائے تب بھی تنہا ذات ان آثار کے اظہار کے لئے کافی ہے جو شنوائی اور بینائی کی صفات پر مرتب ہوتے ہیں۔ شنوائی کے آثار اگر (بغیر صفتِ سمع کے) تنہا ذات سے ظاہر ہوں تو اس وقت اس کو شانِ سمع کہا جائے گا۔ اسی طرح بصارت کے آثار بغیر صفتِ بصارت کے ذات سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اس کو شانِ بصارت کہا جائے گا۔ پس یہی شیونات ذات صفات کے

﴿۴۸﴾ تفسیر مظہری، ج:۸، ص:۳۷۳

اصول ہیں اور صفات ظلال کے اصول ہیں۔ شان کہو یا اعتبار، بہر حال یہ اس روغن کے مشابہ ہے جو زیتون کے مبارک درخت کے اندر ہوتا ہے۔﴿۴۹﴾

اِنَّا عَرَضْنَا الاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الاِنْسَانُ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْماً جَهُوْلاً ﴿۵۰﴾

ترجمہ: ''ہم نے یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور اس کو انسان نے اٹھالیا۔ بے شک ظلوم بھی ہے اور جہول بھی۔''

قاضی ثناء اللہ پانی پتی امانت کے حاملین کے سلسلہ میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''میں (قاضی ثناء اللہ پانی پتی) نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے یہ استفادہ کیا ہے کہ امانت تجلیاتِ ذاتیہ کو قبول کرنے کی وہ استعداد ہے جو اللہ نے ماہیت انسانیہ میں ودیعت کر رکھی ہے۔ ایمان اور نیک اعمال کے بعد اس کا الحاق اور شمار ملائکہ میں ہوسکتا ہے۔ اور تجلیات صفاتیہ کو قبول کرنے کی اس میں استعداد ہوسکتی ہے لیکن ذاتی تجلی کی برداشت تو صرف اسی میں ہوسکتی ہے جس کا مزاج خاکی ہو۔ اسی استعداد نے آدم علیہ السلام کو مستحق خلافت بنایا اور یہی استعداد مراد ہے اس علم سے جس کا اظہار آیت انّی اَعلَمُ مالا تعلمُون میں کیا ہے۔ یعنی اللہ نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ کہ تجلیٔ ذاتی کو وہی برداشت کرسکتا ہے جس کا مزاج خاکی ہو۔ اسی کی طرف اشارہ ہے لفظ ظلوم و جہول سے یعنی انسان کو سبعی قوت بھی دی گئی ہے اور بہیمی قوت بھی۔ سبعی قوت کا تقاضا ہے بلند چوٹیوں پر چڑھنا۔ بلند سے بلند مراتب معرفت کی طرف ترقی کرتے چلے جانا اور بہیمی قوت انسان کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وصلِ محبوب کے لئے سخت ریاضتیں اور مشقتیں برداشت کر سکے، ظلوم و جہول ہونا انسان کی صفتِ محمودہ ہے۔ اور مستحقِ خلافت بنا دینے کی علت ہے سبعی اور بہیمی قوتیں ارضی مزاج رکھتی ہیں۔

﴿۴۹﴾ تفسیر مظہری، ج:۸،ص:۳۷۶

﴿۵۰﴾ سورۃ الاحزاب، آیت:۷۲

موجوداتِ ارضی اپنی مزاجی کثافت کی وجہ سے نورِ آفتاب کو جذب کر کے اپنے اندر روک لیتے ہیں اور لطیف اجرام میں جذبِ نور کر کے روک رکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ مادۂ ارض اپنی کثافت کی وجہ سے تجلیٔ ذات کو برداشت کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ مادۂ نوری اس قابلیت سے محروم ہے۔ ملائکۂ مقربین کے مقاماتِ قرب محدود ہیں۔ اگرچہ ملائکہ کے قرب وولایت (اتصال) کا مرتبہ انبیاء کے مقامِ قرب وولایت سے بالا ہے۔ کیونکہ ملائکہ کا مرتبۂ ولایت اور انبیاء کا مرتبۂ ولایت' دونوں صفات سے مستفاد ہیں۔ مگر انبیاء کے مرتبہ میں ظہور کی حیثیت معتبر ہے یعنی ذات کے ساتھ صفات کا قیام ملحوظ نہیں اور ملائکہ کے مرتبہ ولایت میں بطون کی حیثیت معتبر ہے۔ یعنی ذات کے ساتھ صفات کا قیام ملحوظ ہوتا ہے۔

لیکن تجلی ذاتی جو نبوت کا کمال ہے ملائکہ کو میسر نہیں اس لئے نبوت انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور انبیاء کے خواص ملائکہ کے خواص سے افضل ہیں۔ اور جنت صرف انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ملائکہ کا جنت میں ہر دروازہ سے داخلہ انسانوں کے احترام کے لئے ہوگا۔﴿۵۱﴾

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴿۵۲﴾

قربِ الٰہی کے مختلف مفاہیم کا ذکر کرنے کے بعد حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اللہ سبحانہٗ وراء الورا ہے۔ پھر وراء الورا ہے پھر وراء الورا ہے اس کی جہت میں قرب ہے دوری نہیں ہے۔ یعنی ظلالِ صفات کا ممکن سے قرب اتنا زیادہ ہے کہ ممکن کا اپنی ذات سے بھی اتنا قرب نہیں ہے۔ اور صفاتِ خداوندی کا ممکن سے قرب اتنا زائد ہے کہ نہ اتنا قرب ممکن کا اپنی ذات سے ہے نہ ظلال کا ممکن کی ذات سے۔ اور اللہ کا قرب ممکن سے اتنا زیادہ ہے کہ اتنا قرب نہ ممکن کا اپنی ذات سے ہے، نہ ظلالِ صفات کا نہ صفات کا''۔﴿۵۳﴾

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ﴿۵۴﴾

ترجمہ: ''اور آگے رہنے والوں کا گروہ وہ اس دن بھی آگے ہونگے۔''

﴿۵۱﴾ تفسیر مظہری، ج:۹، ص:۴۴۰۔۴۴۱

﴿۵۲﴾ سورۃ ق:۱۶

﴿۵۳﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۱، ص:۷۰

﴿۵۴﴾ سورۃ الواقعہ:۱۰

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، صحابہ سب کے سب کمالاتِ نبوت میں ڈوبے ہوئے تھے اور تابعین میں سے اکثر حضرات اور تبع تابعین میں بعض اشخاص بھی کمالاتِ نبوت میں مستغرق تھے لیکن اس کے بعد (۱۰۰۰ھ تک) انوارِ نبوت ہلکے اور مدھم ہوتے رہے اور کمالاتِ ولایت کا ظہور ہونے لگا اور وہ انوارِ ولایت جو صفاتی اور ظلی تجلیات سے مستفاد تھے (سکر، شطح اور خوارق و کرامات کی صورت میں) نمودار ہونے لگے۔ پھر ۱۰۰۰ھ کے بعد بعض افرادِ امت کو نبی کی سرشت پر پیدا کیا گیا اور اللہ نے کمالاتِ نبوت سے ان کو سرفراز فرمایا (یہ لوگ کمالاتِ نبوت میں دورِ اول کے مشابہ ہوگئے) اسی وجہ سے امت کا آخری دور، دورِ اول کی طرح ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت کی مثال ایسے ہے جیسے بارش، معلوم نہیں ہوتا کہ بارش کا ابتدائی حصہ زیادہ بہتر ہے یا آخری۔ رواہ الترمذی عن انس

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے اپنے داداؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بشارت ہو بشارت ہو میری امت بارش کی طرح ہے کہ معلوم نہیں کہ اس کا اول زیادہ بہتر ہوتا ہے یا آخری حصہ یا میری امت باغ کی طرح ہے۔

حضرت ابو درداء علیہ السلام راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میری امت کا بہترین حصہ ابتدائی اور آخری ہے۔ درمیانی حصہ میں گدلا پن ہے۔ رواہ الحکیم الترمذی ﴿۵۵﴾

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: ''اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک لوگ ہیں۔''

اس آیت میں کلبی کے قول کے مطابق مطہرون سے مراد موحد ہیں۔ موحد کی وضاحت کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا:

''میں کہتا ہوں صوفیہ کی اصطلاح میں موحد اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مقصود سوائے اللہ کے اور کوئی نہ ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے کیونکہ مقصود حاصل کرنے کے لئے آدمی ہر ذلت، مشقت اور فروتنی کو برداشت کرتا ہے اور تعبد کا یہی معنی ہے۔ رسول

﴿۵۵﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۱، ص: ۲۴۸۔۲۴۹

﴿۵۶﴾ سورۃ الواقعہ: ۷۹

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تک کسی کی خواہشات اس دین کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں اس وقت تک وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ رواہ النووی فی الاربعین'' ﴿۵۷﴾

وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: ''اور یاد کرو جب عیسیٰ فرزندِ مریم علیہ السلام نے فرمایا۔ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے آئی ہے۔ اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو میرے بعد تشریف لائے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔ پس جب وہ احمد ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔''

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ کو دو قسم کی ولایت حاصل تھی، اول ولاَیت محمد یہ یعنی محبوبیت جو محبت کے ساتھ مخلوط ہے، دوسری ولایتِ احمد یہ جو خالص محبوبیت کا مقام ہے۔ اس بنا پر احمد کو محمودیت سے مشتق مانا جائے تو اولیٰ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی رسالت کے دعویٰ میں دوسرے انبیا کی تصدیق کی کیونکہ حق کی مطابقت و موافقت حق کے ساتھ ہوتی ہے اور تمام انبیا ایک دوسرے کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں۔ تورات پہلی کتاب تھی جس کے مطابق انبیاء حکم دیا کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی تصدیق کی اور خاتم المرسلین سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بھی بشارت دی۔ آپ کی آمد کی بشارت تمام انبیاء، تورات اور ساری آسمانی کتابوں نے دی ﴿۵۹﴾

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۰﴾

﴿۵۷﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۱، ص:۲۷۷

﴿۵۸﴾ سورۃ الصف:۶

﴿۵۹﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۱، ص:۴۵۱

﴿۶۰﴾ سورۃ الحاقۃ :۴۸

ترجمہ: ''اور بے شک یہ تو پرہیز گاروں کے لئے ایک نصیحت ہے۔''

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ للمتقین میں لام تخصیص کا ہے۔یعنی صرف متقیوں کے لئے ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن فنائے نفس کے بعد موجب ترقی درجات ہے۔ کیونکہ تقویٰ کا کامل تصور فناء نفس سے پہلے ممکن نہیں اور قرآن صرف اہل تقویٰ کے لئے تذکرہ ہے۔(اس سے نتیجہ نکلا کہ قرآن فناء نفس کے بعد ہی موجبِ ترقی ہے) فناء نفس سے پہلے تلاوت اگرچہ نیک کام ہے مگر رذائل نفس سے اجتناب رکھنے والے اہلِ قربت کے لئے نیکی نہیں ہے۔﴿۶۱﴾

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴿۶۲﴾

ترجمہ: ''اور جب اللہ کا خاص بندہ اس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ اس پر ہجوم کرکے آجاتے ہیں۔''

نبوت وولایت کی افضلیت پر بحث کرتے ہوئے قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کو بجائے رسول یا نبی کے عبد اللہ کہنے کی وجہ اس جگہ محض تواضع ہے۔ کیونکہ یہ کلام اگرچہ خدا کا ہے مگر ایسے موقعوں پر واقع ہے کہ گویا رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعلق فرمایا۔ پھر لفظ عبد اللہ میں قیام (نماز) کی وجہ بھی درپردہ بتادی گئی (کہ عبدیت کا تقاضا نماز ہے، نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہونے کی وجہ ہی عبدیت ہے) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، عبدیت کمالِ (بشری) کا سب سے اونچا درجہ ہے۔﴿۶۳﴾

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴿۶۴﴾

ترجمہ: ''کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوارِ جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''

﴿۶۱﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲،ص:۷۸۔۷۹

﴿۶۲﴾ سورۃ الجن:۱۹

﴿۶۳﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲،ص:۱۳۵

﴿۶۴﴾ سورۃ القیامہ:۲۲۔۲۳

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت رچی بسی ہوئی تھی باوجودیکہ اہلِ قرب کے دل غیر اللہ کی محبت سے خالی ہوتے ہیں، اس کا کیا راز تھا؟ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات جلد سوئم کے مکتوب ۱۰۱ میں اس کی تنقیح فرمائی ہے۔ فرمایا ہے:

ہر شخص کے تعین کا مبدأ اللہ کے ناموں میں سے کوئی نام ہوتا ہے۔ (کسی کا مبدأ اسم رحمان ہے کسی کا اسم صمد کسی کا قہار۔ غرض وجود مطلق نے کسی وصفِ خاص کے ساتھ ظہور کیا اور تعینی جامہ پہنا تو مخلوق ظاہر ہوئی۔ پس ہر شخص کا تعین اور تشخص اللہ کے کسی نہ کسی اسم وصفی کا مظہر ہے) اب اس شخص کی جنت اسی اسم وصفی کے ظہور کا نام ہے جو اس شخص کے تعین کا مبدأ ہے اور اس اسم وصفی کا ظہور اور جلوہ پاشی درختوں، دریاؤں، اعلیٰ مکانوں اور حور و غلمان کی شکل میں ہوتی ہے۔ اس انکشافِ حقیقت کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ جنت پاکیزہ مٹی والی اور شیریں ہوگی یعنی اس کے دریا شیریں ہوں گے اور اس کے پودے یہی کلمات ہیں یعنی سبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الہ الا اللہ اللہ اکبر۔ اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ درخت اور دریا (جو اسم وصفی کے مظہر ہیں اور جن کا نام جنت ہے) کبھی بلور کی طرح شفاف ہو جائیں گے اور ان کے ذریعہ سے بے کیف رویتِ الٰہی کی نعمت حاصل ہوگی پھر کچھ وقت کے بعد ان کی شفافیت جاتی رہے گی اور اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گے اور خود ان سے مومن دل بہلائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا (کبھی جنت بذات خود مومن کے دل کا بہلاوا ہوگی اور کبھی رویت خداوندی کا آئینہ)

اس سے آگے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس طرح دنیا میں صوفی کو کبھی اسماء صفات کے پردوں سے چھن کر تجلیٔ ذاتی حاصل ہوتی ہے اور کبھی یہ پردے بھی اٹھ جاتے ہیں اور تڑپتی بجلی کی طرح جلوۂ ذات ضوفگن ہو جاتا ہے اسی طرح آخرت میں دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا۔ ہر جنتی کا ذات خداوندی سے تعلق اس اسمِ وصفی کے اعتبار سے ہوگا (کبھی جنت کی نعمتیں دیدارِ الٰہی کا آئینہ ہوں گی اور کبھی لوٹ کر اپنی اصلی حالت پر آجائیں گی) رویتِ الٰہی کی جنت میں جلوہ پاشی اس تڑپتی بجلی کی طرح ہوگی جو تھوڑی دیر کے لئے چمکتی ہے اور پھر چھپ جاتی ہے لیکن اس کی نورانیت اور برکت جنت کی نعمتوں اور درختوں کی شکل میں باقی رہے گی۔ میں (قاضی ثناء اللہ پانی پتی) کہتا ہوں شیخ نے جو رویت کی یہ تشریح کی ہے وہ عام مومنوں کے لئے ہوگی، خواص کے لئے تو دنیا میں تجلیٔ ذات کی ضوافگنی دوامی ہوتی ہے، آخرت

میں دیدار بھی دوامی ہوگا۔'' ﴿۶۵﴾

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ﴿۶۶﴾

ترجمہ: ''بے شک انسان پر زمانے میں ایسا وقت گزرا ہے جب کہ یہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔''

''حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بے شک اے میرے رب انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ قابلِ ذکر چیز نہ تھا، نہ اس کی ذات تھی، نہ نشان، نہ شہود نہ وجود، پھر اس دور کے بعد اگر تو چاہتا ہے تو وہ تیری ہی حیات سے زندہ اور تیری ہی بقا سے باقی اور تیرے ہی اخلاق سے موصوف بالخلق ہو جاتا ہے۔ بلکہ تیری مہربانی اور قدرت سے وہ عین فنا کی حالت میں بھی باقی بن جاتا ہے اور عین بقا کی حالت میں تجھ سے جدا نہیں ہوتا۔

حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا قول ''پھر اگر تو چاہتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے'' گویا حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ کی تفسیر ہے مِنَ الدَّهْرِ میں مِنْ ابتدائیہ ہے اور اَلدَّهْرِ کا شمار اللہ کے ناموں میں سے کیا جاتا ہے۔ صاحبِ قاموس نے یہی لکھا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوھریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے مجھے ابنِ آدم دکھ دیتا ہے دہر کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ میں ہی دہر ہوں میرے ہی ہاتھوں میں امر ہے، رات دن کی الٹ پلٹ میں ہی کرتا ہوں۔'' ﴿۶۷﴾

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۶۸﴾

ترجمہ: ''یہ آپ کے رب کی طرف سے بدلہ، بڑا کافی انعام ہے۔''

''حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمام صحابہؓ اور بکثرت تابعین اور کچھ تبع تابعین یعنی مقربین کمالاتِ نبوت کی وجہ سے دوامی تجلیٔ ذات میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن ان تینوں قرون کے بعد جن کے خیر ہونے کی شہادت احادیث میں آ چکی ہے اس دولتِ عظمٰی کی روشنی بجھ چکی اور اس کے نشانات بھی مٹ گئے پھر ہجرت سے ہزار سال بعد اللہ نے بعض بزرگوں کو پیدا کیا اور ان کو اولین کی طرح

﴿۶۵﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲، ص:۲۱۷۔۲۱۸

﴿۶۶﴾ سورۃ الدہر:۱

﴿۶۷﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲، ص:۲۲۶۔۲۲۷

﴿۶۸﴾ سورۃ النبا:۳۶

کمالات عطا فرمائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا تھا کہ میری امت بارش کی طرح ہے جس میں نہیں جانا جاسکتا کہ اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخر۔ ترمذی بروایت حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اس امت کے اول و آخر کو یکساں قرار دیا کہ معلوم نہیں اس کا اول دور بہتر ہے یا آخر دور۔'' ﴿۶۹﴾

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴿۷۰﴾

ترجمہ: ''اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہے اور اپنے نفس کو ہر بری خواہش سے روکتا رہے۔ یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔''

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ اجل حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبند فرماتے تھے کہ اللہ تک پہنچنے کا سب سے قریب راستہ مخالفتِ نفس ہے مراد یہ ہے کہ احکامِ شریعت کی پوری نگہداشت کے ساتھ ساتھ نفس کی مخالفت کی جائے۔ واللہ اعلم'' ﴿۷۱﴾

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بندہ جب تک خواہش نفس اور شیطان کا مطیع ہے۔ یہ نعمتِ عظمیٰ یعنی بالکل خواہش نفس سے آزاد ہو جانا خالص ولایت سے وابستہ ہے اور کامل ترین فنا و بقا پر موقوف ہے۔ (ہر شخص کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا) میں کہتا ہوں کہ اس مرتبہ پر پہنچ کر صوفی تقدیرِ الٰہی کو پسند کرتا ہے خواہ اس کی طبیعت کے خلاف ہی ہو۔ کسی آئے ہوئے دکھ کو دور کرنے کی دعا وہ صرف اس لئے کرتا ہے کہ اس کو دعا کرنے کا حکم ہے اور وہ طلبِ عافیت پر مامور ہے اس لئے دعا نہیں کرتا کہ وہ تکلیف سے تنگدل اور مراد نہ ملنے سے کبیدہ خاطر ہو جاتا ہو۔ اس مرتبہ میں وہ ویسا ہی اللہ کا بندہ اپنے اختیار سے ہو جاتا ہے۔ جس طرح وہ تکوینی اور اضطراری طور پر اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔ اس وقت شیطان کو اس کے پاس پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا، شاذ و نادر صورت اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ انسان تک شیطان کا رستہ عموماً خواہشِ نفس کے ذریعے ہی سے پہنچتا ہے۔ جو شخص گرم مزاج ہو شیطان اس کی نظر میں

﴿۶۹﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲، ص:۲۷۶

﴿۷۰﴾ سورۃ النازعات: ۴۰-۴۱

﴿۷۱﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲، ص:۲۹۶

... اور ظلم کو اچھا فعل بنا کر پیش کرتا ہے اور جو شخص ٹھنڈے مزاج اور کمزور دل والا ہو اس کو شیطان ... ہے کہ جہاد سے راہِ فرار اختیار کرنا، حق کے معاملہ میں غیرت کو چھوڑ دینا اور منافقت کرنا اچھا ہے، وغیرہ۔'' ﴿۷۲﴾

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا عِلِّيُّوْنَ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ''اور تمہیں کیا خبر کہ عِلّیّون کیا ہے؟ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے اسے (حفاظت ...) مقربین دیکھتے رہتے ہیں۔''

مقربین کی روحوں کے مقام کے تعین میں مختلف روایات نقل کرنے کے بعد حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کافروں کی روحیں سجین میں ہوں گی۔ ان مباحث کے بعد ارواحِ انبیاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ انبیاء کی روحوں کے متعلق جو یہ آیا ہے کہ وہ اپنی مشکی شکلوں میں ہو جاتی ہیں ... سے مراد ہے کہ ان کے جسم انسانوں جیسے جسم ہوتے ہیں تاکہ ان کی پاکیزہ خوشبو (ادھر اُدھر منتشر) ہو۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان مشکی اور کافوری اجسام کو وہبی اجسام سے تعبیر کیا ہے جو انبیا علیہم السلام اور ان کا کامل اتباع کرنے والوں یعنی صدیقوں کو مرنے سے پہلے ہی حاصل ہو جاتے ہیں۔'' ﴿۷۴﴾

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۷۵﴾

ترجمہ: ''بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔''

اس آیت کے تحت فقہا و صوفیہ کے مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے صاحبِ تفسیرِ مظہری لکھتے ہیں:

﴿۷۲﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲، ص:۲۹۷۔۲۹۸
﴿۷۳﴾ سورۃ المطففین: ۱۹، ۲۰، ۲۱
﴿۷۴﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲، ص:۳۴۳
﴿۷۵﴾ سورۃ الاعلیٰ: ۱۴۔۱۵

''میں کہتا ہوں تزکی پر ذکر کا واؤ کے ساتھ اور صلی کا فاء کے ساتھ عطف طریقۂ ذکر کی اس ترتیب کو بتا رہا ہے جس کا تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ تزکیہ نفس کے ذیل میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مبتدی کے لئے اسم ذات یا نفی و اثبات کے ذکر کو معین کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ بغیر تزکیہ نفس کے نماز کا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر تجلیاتِ ذاتیہ اور تجلیات کی ترقی کے لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی تعین کی ہے کہ نماز کے بغیر تجلیاتِ ذاتیہ کا حصول نہیں ہوتا اور نہ ان میں ترقی ہوتی ہے۔'' ﴿۷۶﴾

سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر کے خاتمہ پر ''فائدہ'' کا عنوان لکھ کر قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس طرح سورۃ الم نشرح کی مرتبۂ نزول میں قوی تاثیر ہے اسی طرح مرتبۂ عروج میں اس سورۃ کا بڑا اثر ہے۔''

سورۃ الانشراح میں لکھتے ہیں:

''مقامِ نزول میں اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ کی قراءت اور مقام عروج میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کی قراءت (حصولِ مرتبہ کے لئے) موید ہے۔'' ﴿۷۷﴾

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: ''اور اپنے ربِ (کریم) کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجئے۔''

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جن خداداد کمالات کو خود بیان کیا ہے حضرت قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ نے لکھا کہ یہ سب بطورِ تحدیثِ نعمت ہے۔

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے ولایت کے تینوں مراتب عطا فرمائے تھے۔ نبوت کے کمالات بھی عنایت کئے تھے اور اولوالعزم رسولوں کے بھی۔ باتباع رسول بھی اور بوراثت (تخلیقی بلا عمل) بھی آپ کی فطری تخلیق نبی کی طینت سے ہوئی تھی۔ آپ مجدد اور قیوم تھے۔ غرض بڑے درجات قرب پر اللہ نے فائز کیا تھا۔ آپ نے ان تمام امور کا خود ذکر کیا ہے لیکن یہ تذکرہ (غرور اور جھوٹا

﴿۷۶﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲، ص:۳۸۳

﴿۷۷﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲، ص:۳۸۵

﴿۷۸﴾ سورۃ الضحیٰ:۱۱

دعویٰ نہیں بلکہ) تحدیثِ نعمت ہے۔ اگر کوئی شخص ان بزرگانِ انسانیت کے اس قسم کے اقوال کو خلافِ شرع قرار دیتا ہے تو وہ آیت کریمہ کا منکر ہے۔ ہاں تحدیثِ نعمت کے طور پر اس طرح کی باتیں زبان سے نکالنے کی شرط یہ ہے کہ ان کا قائل نفسانی صفات (اور آلائشوں) سے یکسر پاک ہو ورنہ ایسی رندانہ جرأت قطعاً جائز نہیں۔ انسان کہیں شیطانی ورطۂ ہلاکت میں گر نہ جائے اور ابلیس کی طرح اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ کہہ کر تباہ نہ ہو جائے۔'' ﴿۷۹﴾

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: ''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔''

ازالۂ بار کے بارے میں صوفیہ کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہی مرتبہ جس کو اللہ نے ازالۂ بار سے تعبیر فرمایا ہے، صوفیہ کے نزدیک ایمان حقیقی ہے اور صوفی جو کہتا ہے کہ صوفیہ سے تکالیفِ شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں اس قول کی مراد بھی یہی ہے (کہ تکالیفِ شرعیہ تکالیف نہیں رہتیں بلکہ مرغوب، محبوب اور راحت آفریں ہو جاتی ہیں) یہ اونچا مرتبہ یعنی شرح صدر اور ازالۂ بار کا درجہ رسول اللہ ﷺ کو ظاہری طور پر اور علی الاعلان حاصل ہوا تھا۔ مگر اولیائے امت کو آپ کے وسیلہ سے باطنی طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی عالم امثال میں اس مرتبہ کا ظہور ہوتا ہے مگر یہ بات نفس اور نفسانیات کی مکمل فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے، نفس کی نام و نمود مٹ جانے کے بعد ہی صوفیہ کو شرحِ صدر اور ایمان حقیقی کی بشارت دی جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی فرمایا ہے اور دوسرے مشائخ کرام کے ملفوظات سے بھی ہم نے یہی استفادہ کیا ہے۔'' ﴿۸۱﴾

﴿۷۹﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲، ص:۴۴۷۔۴۴۸

﴿۸۰﴾ سورۃ الانشراح:۱

﴿۸۱﴾ تفسیر مظہری، ج:۱۲، ص:۴۵۲

تفسیر مجددی

(تعارف، منہج و اسلوب)

شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۱۔۱۲۵۳ھ) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ عالم، مفسر، شیخ طریقت اور خوش فکر شاعر تھے۔ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ آپ کی بعض تصانیف درج ذیل ہیں:

تفسیر رؤفی، درالمعارف، جواہرِ علویہ، دیوانِ رافت، مثنوی اسرارِ غیب، مراتب الوصول، سلوک العارفین، معراج نامہ، مثنوی یوسف زلیخا، رسالۂ صادقہ مصدقہ، شرابِ رحیق، ارکانِ اسلام، مراتبِ وصول، ان کے علاوہ شاعری کے مختلف دیوان سنٹرل لائبریری بھوپال میں موجود ہیں۔

تفسیر مجددی دو جلدوں میں ہے لیکن حیدری پریس بمبئی سے ۱۸۷۶ء میں تین جلدوں میں شائع ہوئی۔ یہ ۱۲۳۹ھ میں لکھنا شروع کی اور ۱۲۴۸ھ میں مکمل ہوئی۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے بقول اردو زبان کی یہ پہلی مکمل تفسیر ہے جو سب سے پہلے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی ﴿۸۲﴾

تفسیر لکھتے وقت جو امور آپ کے پیشِ نظر تھے ان کو بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''سمجھ لیجئے کہ اس تفسیر میں جو معانی مسطور ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ کتبِ تفاسیر سے یا بعضے جا، مناسب مقام کے احادیثِ صحیحہ سے یا کہیں کہیں مسائلِ موافق آیۂ شریفہ کے کتبِ فقہ معتبرہ سے مذکور ہوں گے، کہیں دخل اپنے ذہن فہم کا نہ ہوگا مگر اتنا کہ عبارتِ عربی اور فارسی کو زبانِ ریختہ میں بیان کرنا اور جس مقام پر کلامِ نظم لانا وہ البتہ اپنی ہی طبع ناقص سے موزوں بنانا ہوگا۔ کوئی شعر ہندی کے شاعر کا کہیں نہ لایا جائے گا اور مقامِ تصوف میں کتب معتبرہ صوفیہ سے نقل کیا جائے گا اور بعضے جا اپنی فہمیدگی کے موافق بیان ہوگا اور جس جس کتاب سے معانی منقول ہوں گے وہاں اس کتاب کا نام، اگر مشکل مقام ہوگا تو لکھا جائے گا اور اگر سہل ہوگا تو ترک کیا جائے گا۔''

﴿۸۲﴾ محمد ایوب قادری، ڈاکٹر، اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص: ۴۵۴

مصنف نے جن کتبِ معتبرہ کا ذکر کیا ان میں تفسیر کبیر، معالم التنزیل، کشاف، بیضاوی، عزیزی، حسینی، احمدی، زادالمسیر شامل ہیں۔ کتبِ حدیث میں صحاحِ ستہ کے علاوہ مسند احمد، شعب الایمان، بیہقی، مستدرک حاکم کے حوالے تفسیر مجددی میں ملتے ہیں۔ کتبِ تصوف میں ابنِ عربی، مثنوی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کے حوالے ہیں۔ فقہی معاملات میں مصنف ائمہ اربعہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد فقہ حنفی کے فقہی مسائل کی ترجیح کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔ مصنف نے اسرائیلی روایات پر اعتماد کر کے تفسیر کی اہمیت کم کر دی ہے۔

اس تفسیر کا لسانی جائزہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم حامد رضوی لکھتے ہیں:

''شاہ صاحب کا طرزِ تحریر سادہ بھی ہے اور عام فہم بھی، البتہ لفظوں کی تقدیم و تاخیر کسی قدر عبارت کو الجھا دیتی ہے لیکن یہ عیب اس دور کے اچھے لکھنے والوں میں بھی پایا جاتا ہے۔'' ﴿۸۳﴾

اہلِ مطبع بمبئی نے اس تفسیر میں تحریف کی ہے۔ اس تفسیر کے منہج و اسلوب پر راقم کی نگرانی میں گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد کی طالبہ صبا اسلام نے ایم فل کا مقالہ تحریر کیا۔

تفسیر مجددی میں حضرت مجدد الف ثانی کے تفسیری رجحانات درج ذیل آیات سے مترشح ہیں:

﴿۱﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

﴿۲﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِم

﴿۳﴾ اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ

﴿۴﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُل

﴿۵﴾ فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ

﴿۶﴾ وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا

﴿۷﴾ فِيْهِ اٰيَاتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا

﴿۸﴾ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْن

﴿۸۳﴾ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا کردار، ص ۴۵۷

﴿۹﴾ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: ''وہ پرہیز گار صدق عقیدے سے غیب کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔''

شاہ رؤف احمد نے ایمان بالغیب کی دو اقسام بتائی ہیں: ایک ایمان جو عام مومن رکھتے ہیں اور دوسرا جو خواص رکھتے ہیں۔ اسے ایمانِ شہودی کہتے ہیں۔ اس ایمان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور نقشبندی اس شہود کی تعبیر ساتھ حضورِ قلب کے کرتے ہیں کہ دل میں ایک نگرانی اور توجہ پیدا ہوتی ہے طرف حق تعالیٰ کے اور اسی کو اکثر نے بلکہ سب نے کمال کہا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کمال یہ نہیں ہے۔ شہود اور مشاہدہ اور توجہ اور حضور دال ہے اوپر نا تمامیت مقام کے اور باقی رہنے مسافت کے۔ بعد قطع کرنے مسافت کے کمال اتصال میں نہ شہود رہتا ہے نہ مشاہدہ، نہ توجہ رہتی ہے نہ حضور۔'' ﴿۸۵﴾

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: ''حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔''

شاہ رؤف احمد ''قلب'' کے متعلق صوفیانہ افکار کی وضاحت کرتے ہوئے اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

یہ لطیفہ عالمِ امر سے ہے کہ وجود اس کا اوپر مادے کے موقوف نہیں ہے چنانچہ فرمایا ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: ''اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ اس کو فرماتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔''

اور لطائف عالمِ امر کے پانچ ہیں بنا بر تحقیق حضرت مجدد الف ثانی رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ ایک لطیفہ قلب

﴿۸۴﴾ سورۃ البقرۃ:۲

﴿۸۵﴾ رؤف احمد شاہ، تفسیر مجددی، ناشر محمد صالح، ۱۸۵۶، ج ا ص ۵۹

﴿۸۶﴾ سورۃ البقرۃ:۶

﴿۸۷﴾ سورۃ یٰس:۸۲

ہے، دوسرا لطیفہ رُوح ہے کہ مقام اس کا زیرِ پستان راست بفاصلہ دو انگشت کے ہے، تیسرا لطیفہ سِر ہے ،مقام اس کا برابر پستان چپ کے طرف بفاصلہ دو انگشت ہے۔ چوتھا لطیفہ خفی ہے کہ اس کی جگہ برابر پستان راست کے بفاصلہ دو انگشت سینے کی طرف ہے۔ پانچواں لطیفہ اخفی ہے، موضع اس کا عین وسطِ سینہ ہے۔ اوران لطائفِ خمسہ کی اصل عالم امر کے بالائے عرش ہے۔ وجود آدمی میں ایک تعلق ان مقاموں میں دیکھتے ہیں۔ پس یہ قلبِ صنوبری کہ بدن انسان میں ہے مثل تمام بدن کے عالم خلق سے ہے کہ اس کا وجود مادے پر موقوف ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قلب صنوبری آشیانہ قلب حقیقی ہے اور جہاں لفظ قلب کا وارد ہے اس سے یہی لطیفہ مراد ہے کہ موردِ انوارِ الٰہی اور محل الہام ربانی ہے اور دلیل سے استدلال کرنا اور مدلول برلانا اسی لطیفہ کا کام ہے اور جب اس لطیفے پر مہر لگا دی گئی تو استدلال ،الہام، ذوق اور کشف کی راہ مسدود ہو گئی۔'' ﴿۸۸﴾

اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّداً وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: ''اور دروازہ سے سر جھکائے ہوئے داخل ہونا اور کہتے جانا ہمیں بخش دے، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔''

اس آیت کے تحت مصنف نے لکھا ہے کہ اہلِ بیت کی مثال کشتی نوح اور بابِ حطہ ﴿۹۰﴾ کی ہے۔ اسی لئے ولایت کے تمام سلسلے ائمہ اہل بیت پر منتہی ہوتے ہیں۔ اس بحث کا اختتام اس اقتباس پر کرتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے آخر جلد ثالث کے مکتوب میں لکھا ہے کہ راہ وصول الی اللہ دو ہیں، ایک تو راہِ نبوت ہے کہ اس میں واسطہ درکار نہیں، ایک راہِ ولایت ہے کہ اس میں وسائط ضرور

﴿۸۸﴾ تفسیر مجددی، ج ا ص ۶۵

﴿۸۹﴾ سورۃ البقرہ: ۵۸

﴿۹۰﴾ اس کے لئے مصنف نے مصنف ابن ابی شیبہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

انما مثلنا فی ھذہ الامۃ کسفینۃ نوح و کباب حطۃ فی بنی اسرائیل اور اس روایت کو صحیح لکھا ہے۔ (ص ۱۱۳)

روایت کے لئے ملاحظہ فرمایئے: مصنف ابن ابی شیبہ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۹۸۶ء، ج ۱۲ ص ۷۷ مطبوعہ نسخہ کے مصحح الشیخ مختار احمد الندوی لفظ ''حطہ'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ اصل میں ''خطہ'' ہے۔

ہیں۔اس راہ میں سب کے رہنما امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجھہٗ ہیں۔ مالک مرکز دائرہ ولایت کے حضرت امیر ہیں۔اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسنینؓ بھی اس منصب میں شریک ہیں۔کوئی کسی امت میں راہ ولایت سے منزل مقصود تک نہیں پہنچا ہے بغیر ان کی عنایت کے۔قبل اس نشأۃ عنصری سے بھی آپ کی روح مدد کرتی تھی۔انبیاء ماتقدم کے امت کو اور بعد ان کے حضراتِ اربعہ کے یہی منصب تا دوازدہ ائمہ چلا آیا۔بعد اس کے حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت ہوا۔پس بغیر ان ائمہ اطہار کے کوئی تا قیامت بمرتبۂ ولایت نہیں پہنچنے کا۔''﴿۹۱﴾

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِہٖ بِالرُّسُل ﴿۹۲﴾

ترجمہ:''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی ااور ہم نے ان کے پیچھے پے در پے پیغمبر بھیجے۔''

اس آیت کریمہ کے تحت مصنف نے وضاحت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مختلف پیغمبر آتے رہے لیکن امتِ محمدیہ کے علمأ بنی اسرائیل کے انبیا کی مثل ہیں۔ بعد ازاں مصنف نے حضرت مجدد الف ثانی رَحمۃُ اللہِ عَلَیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ ہزار سالہ مجدد کیوں ہیں؟

''پس یہ رسلِ بنی اسرائیل مانند علمأ ربانین اور مجددان دین متین کے اس آیت کے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ یَبْعث لھٰذہ الاُمَّۃ عَلٰی رَاس کُلّ مِائۃ مِن یجدد لَھَا دِینَھا﴿۹۳﴾

﴿۹۱﴾ تفسیر مجددی، ج ا ص ۱۱۳

﴿۹۲﴾ سورۃ البقرہ:۸۷

﴿۹۳﴾ اس حدیث کے لئے ملاحظہ فرمایئے:

البانی، ناصر الدین، صحیح سنن ابی داؤد، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۸۹ء، ج ۳، ص ۸۰۹ حدیثِ مجدد کو علامہ سیوطی، زین العراقی، ابنِ حجر، امام حاکم اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ الدر المنثور (ج ا، ص ۳۲۱)، مناقب الشافعی (ج ا، ص ۵۵)، حلیۃ الاولیاء (ج ۹، ص ۹۷) میں یہ روایت الفاظ کے تغیر کے ساتھ بھی نقل کی گئی ہے۔

سمجھ لیجئے کہ ایک مجدد برسر ہر صدی پیدا ہوتا ہے اور ایک بعد ہزار برس کے جیسا کہ صد پر ہزار کو تفوق ہے باعتبار اعداد کے ویسا ہی مراتب قرب الٰہی میں اور درجات ایصال فیض نامتناہی میں، بلندی اور فوقیت ہے مجدد الف کو مجدد مائۃ کے اوپر۔ یہی طور زمانہ ارسال انبیا سے چلا آتا تھا کہ بعد ہزار برس کے پیغمبر اولوالعزم پیدا ہوتا تھا۔ صاحب احکامِ جدیدہ اور کتابِ پسندیدہ اور درمیان میں انبیاء متبع اس کی شریعت کے ہوتے تھے اس کے دین کی ترویج کے واسطے۔ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے کہ خاتم النبیین ہیں' نبوت ختم ہوگئی۔ نبوت اور نزول وحی حق تعالیٰ نے علما اس تحلیہ شریعت متجلی اور باطن بانوارِ حقیقت متجلی پیدا کر کے مروج ظاہر شریعت نبویہ کے اور باطن طریقۂ مصطفویہ کے فرمائے اور بعد ہزار کے قائم مقام پیغمبر اولوالعزم کے مجدد الف ثانی کو ظہور میں لایا اور جمیع درجات ولایت اور کمالات کے سے بہرہ ور کر کے باحیائے دینِ متین اور بایصال فیض احسان و یقین مشرف فرمایا۔'' ﴿۹۴﴾

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴿۹۵﴾

ترجمہ :''پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔''

''حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے پچیسویں مکتوب میں جلد ثانی کے لکھا ہے کہ ذکر عبارت ہے دور کرنے ،غفلت کے سے پس جو موافق شریعت غرہ کیا جائے داخلِ ذکر ہے۔ اگر چہ بیع اور شریٰ ہو۔ پس تمام حرکات وسکنات میں رعایت شرع کی چاہئے اور جب تمام اوامر ونواہی بجالائے غفلت آمر اور ناہی سے نہ ہو اور دوام ذکر الٰہی حاصل ہو۔'' ﴿۹۶﴾

وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ﴿۹۷﴾

ترجمہ :''اور نہیں جانتا حقیقت اس کی جو کچھ متشابہ ہے مگر خداوند عز وجل اور ثابت قدم یعنی مضبوط لوگ بیچ علم کے کہ مسلمان عالم باعمل ہیں کہتے ہیں ایمان لائے ہیں ساتھ متشابہ کے سب محکمات اور

﴿۹۴﴾ تفسیر مجددی، ج ا ص ۱۵۳۔۱۵۴

﴿۹۵﴾ سورۃ البقرہ: ۱۵۲

﴿۹۶﴾ تفسیر مجددی، ج ا ص ۱۹۷

﴿۹۷﴾ سورۃ آل عمران: ۷

متشابہات نزدیک پروردگار ہمارے کے سے ہے۔''

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات کی دوسری جلد کے اٹھارویں مکتوب میں لکھا ہے کہ علم شریعت کی ایک صورت ہے ایک حقیقت۔ صورت اس کی نصیب علمائے ظواہر پر ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کہ تعلق ساتھ محکمات کتاب اور سنت کے رکھتی ہے۔ حقیقت اور اس کی نصیب علماء راسخین ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ متعلق ساتھ متشابہات کتاب اور سنت کے ہے۔ اور محکمات اگرچہ امہات الکتاب ہیں لیکن نتائج اور ثمرات ان کے متشابہات ہیں کہ مقاصد کتاب ہیں۔ امہات سوا وسائل کے نہیں، لب کتاب متشابہات ہیں اور محکمات کتاب قشر ہیں اس لب کے۔ متشابہات ہیں کہ ساتھ رمز اشارہ کے بیان اصل کرتے ہیں اور حقیقت شریعت کو دریافت کرتے ہیں۔ ان بزرگوں نے شریعت کو مثل ایک شخص کے تصور کیا ہے کہ قشر اور لُب اس کا صورت اور حقیقت سے ہو۔ علم شرائع اور احکام کو صورت شریعت کی جانا اور علم حقائق اور اسرار کو حقیقت شریعت کے پہچان ہے اور بعضے بصورت شریعت گرفتار ہیں اور حقیقت شریعت سے انکار کرتے ہیں اور سر اور مقتدا اپنا سواہدایہ، بزدوی کے نہیں جانتے بلکہ شریعت کو صورت میں حصر قصر سمجھتے ہیں اور قشر گمان کرتے ہیں اور لُب اور رأس کے تصور کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی حقیقت اس حقیقت کی سے آگاہی نہیں پائی اور متشابہات سے نصیب ان کے نہیں ہوا پس علماء راسخین ہی وارث انبیاء ہیں بیچ حقیقت کے۔

جعلنا الله سبحانه من محبيهم و مقتفي آثارهم﴿۹۸﴾

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِناً﴿۹۹﴾

ترجمہ: ''بیچ اس گھر کے یا حرم کے نشانیاں ہیں ظاہر ایک ان میں سے مقام ابراہیم ہے اور جو کوئی داخل ہوتا ہے اس گھر میں ہوتا ہے امن میں''۔

''شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مقامِ ابراہیم مقام خلت ہے اور یہی تحقیق حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کی ہے۔ جو کوئی اس مقام میں داخل ہوا تمام فتنوں سے نجات پائی اور ایمن ہوا اور سب سے بڑا فتنہ فراقِ یار کا ہے سو اس سے وہ بے غم ہوا۔ اس طرح سے کہ پہلے سے سالک پر انوار اور استتار دونوں تھے گاہے تجلی برقی ہوتی تھی گاہے نہ ہوتی تھی۔ اب واسطے تسلی کے تجلی دائمی نصیب

﴿۹۸﴾ تفسیر مجددی، ج ا ص ۳۵۷

﴿۹۹﴾ سورۃ آل عمران: ۹۷

ہوئی اور منصب یارانہ کا ملا۔'' ﴿۱۰۰﴾

لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ﴿سورۃ الواقعہ:۱۰﴾

''حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جلد ثالث کے مکتوب چہارم میں لکھا ہے کہ مساس نہ کرے اسرار مکنونہ قرآنی کو مگر وہ جماعت کہ لوث تعلقات بشریت سے پاک ہو اور رمز دوسری اس میں یہ ہے کہ قرآن کو نہ چاہئے کہ پڑھیں مگر وہ گروہ کہ نفوس ان کے ہوا وہوس سے مزکیٰ ہوں اور شرک جلی اور خفی اور آلہہ آفاقی اور انفسی سے مطہر ہوں۔ بیان اس کا یہ ہے کہ مناسب حال مبتدی سلوک ذکر ہے اور نفی ماسوائے مذکور یہاں تک کہ کچھ ماسوا سے علم اس کے نہ رہے اور کچھ چیز غیر حق سبحانہ سے مراد اس کی نہ ہو اگر بتکلیف اشیاء کو یاد دلاویں یا اس کو نہ آوے اور مقصود اس کا نہ ہو جو یہ حالت پیدا ہو تو شرک سے پاک آلہہ آفاقی اور انفسی سے آزاد ہوا۔ اس وقت سزاوار ہے کہ بجائے ذکر تلاوت قرآن کرے۔''

﴿جلد دوم ص:۳۳۳﴾

فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿سورۃ الممتحنہ:۱۲﴾

''پس عہد قبول کر ان سے اور بخشش مانگ واسطے ان کے اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا ان لوگوں کا ہے۔''

''امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے جلد ثالث کے اکتالیسویں مکتوب میں لکھا ہے کہ جو بری باتیں عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہیں اس واسطے عورتوں کی بیعت کے وقت کئی شرطیں جو بیعت رجال کے وقت نہیں درمیان لائے اور اس وقت ان بری باتوں سے نہی فرمائی شرط اول یہ کہ کسی چیز کو ساتھ اللہ کے شریک نہ کریں نہ وجوب وجود میں نہ استحقاق عبادت میں اور جس کے عمل میں ریا ہے وہ بھی شرک سے خالی نہیں۔ اور موحد مخلص نہیں کہ حدیث شریف میں ہے پیغمبر رسول ﷺ نے فرمایا۔ **اتقوا الشرک الا صغر قالوا وما الشرک الا صغر قال علیہ الصلوٰۃ والسلام الریاء**۔ اور بیزاری کفر سے شرط اسلام ہے۔ اور بیزاری شائبہ شرک سے توحید اور مدد چاہنے بتوں سے اور طاغوت سے دفع امراض اور اسقام میں کہ جہلہ اہل اسلام میں شائع ہوا ہے عین شرک اور ضلالت ہے اور اپنی حاجتیں طلب کرنی سنگ تراشیدہ و ناتراشیدہ سے نفس کفر ہے۔ اور انکار واجب الوجود ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے شکایت حال بعضے

﴿۱۰۰﴾ تفسیر مجددی، ج ا ص ۳۹۱

اہل ضلال میں فرمایا ہے کہ یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا به ویریدو الشیطان ان یضلهم ضلالا بعیداً ۔(النساء آیت:۶۰) اکثر جاہل عورتیں جہل کے سبب اس استمداد ممنوع میں مبتلاء ہیں اور طلب دفع بلیات ان اسماء بے مسمیٰ سے کرتے ہیں اور ادائے مراسم شرک اور اہل شرک میں گرفتار ہیں ۔خصوصاً یہ باتیں سیتلا کے وقت اکثر اس فرقے سے وجود میں آتے ہیں ۔کم کوئی عورت ہوگی کہ اس شرک سے بچی ہو۔الا من عصمہا اللہ تعالیٰ'' ﴿جلد دوم ص:۳۵۷﴾

تفسیر رُوح المعانی

(تعارُف، منہج و اسلوب)

تفسیر روح المعانی کے مصنف سید محمود آفندی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے علاقہ آلوس میں ۱۲۱۷ھ کو پیدا ہوئے ۔اپنے والد کے علاوہ شیخ خالد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ علی سویدی رحمۃ اللہ علیہ جیسے فحول علماء سے علم حاصل کیا۔۱۳ برس کی عمر میں ہی درس و تدریس میں مشغول ہو گئے ۔آپ کی تصانیف کی تعداد بیس بتائی جاتی ہے۔آپ کی وفات جمعہ کے دن ۲۵ ذی القعدہ ۱۲۷۰ھ کو ہوئی اور کرخ میں شیخ معروف کرخی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیہ کے قبرستان میں دفن ہوئے ۔

''رُوحُ المَعانِی فِیْ تَفْسِیْر القُرآن العَظِیْم وَالسَّبع المَثَانِی'' کا آغاز آپ نے ۱۶ شعبان المعظم ۱۲۵۲ھ کو چونتیس برس کی عمر میں کیا اور تقریباً پندرہ سال کے عرصہ میں ۴ ربیع الآخر ۱۲۶۷ھ کو اسے مکمل کیا۔یہ تفسیر روایتاً و درایتاً اسلاف کی آراء کا مجموعہ ہے۔محمد عبدالرحیم لکھتے ہیں:

''فَهُوَ جَامِعٌ لِخلاصَة مَا سَبقَه مِنَ التفاسِیْر ،فَتَرَاهُ ینقل لَكَ عَن تَفْسِیْر ابن عطیه، وتفسیر أبی حیان،وَتفسِیر الکَشّاف،وَتَفْسِیر أبی السّعُود،وَتَفْسِیر البَیْضَاوِی،وتَفْسِیر الفَخر الرّازی، وَغَیْرهَا مِن کُتُب التَّفْسِیْر المُعْتَبرَة'' ﴿۱۰۱﴾

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے مفسرین کی آراء کو جوں کا توں قبول نہیں کیا بلکہ ان پر جرح بھی کی

﴿۱۰۱﴾ محمد عبدالرحیم ،مقدمہ تفسیر روح المعانی ،دار الفکر بیروت ،۱۹۹۷ء ،ج ۱ ص ۵

ہے اور ان کے نکتۂ نظر سے اختلاف بھی کیا ہے۔ محمد عبد الرحیم اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"کما تراہ یتعقب الفخر الرّازی فِی کَثِیر مِن المسَائِلِ، وَیرد عَلیْہِ علیٰ الخصُوص فِی بَعض المَسَائل الفقھیة، انتصَاراً منه لمذھب أبی حَنِیْفَة ﴿۱۰۲﴾

حنفی المسلک ہونے کے باوجود بعض مقامات پر فقہ حنفی کے مسائل سے اختلاف بھی کیا ہے۔ مثلاً وَالْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں شافعیہ کا مسلک قوی معلوم ہوتا ہے۔

اسرائیلیات کی مصنف نے جا [illegible] تردید کی ہے اور عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا کھل کر دفاع کیا ہے۔ علامہ آلوسی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیہ صوفیانہ ذوق کے حامل تھے۔ اس لئے آیات ن تفسیر بیان کرنے کے بعد ان کی صوفیانہ توجیہات بیان کرتے ہیں۔

ان کے بعد درج ذیل مفسرین نے تفسیر روح المعانی سے بہت استفادہ کیا اور کثرت سے اپنی تفاسیر میں ان کے حوالے دیے ہیں:

ان میں دورِ حاضر کی اُردو تفاسیر اور عربی دونوں کے ہاں اس تفسیر سے استفادہ کی مثالیں مل سکتی ہیں جو اس تفسیر کے جامع و مانع ہونے کی دلیل ہے۔

چند آیات درج ذیل ہیں جن کی تفسیر میں علامہ آلوسی نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تحقیقات سے استفادہ کیا۔

﴿۱﴾ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الامر فَسَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰہِ

﴿۲﴾ ھُوَالَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفاً وَّطَمَعاً

﴿۳﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

﴿۴﴾ قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالارْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہ

﴿۵﴾ وَاِذَالْمَوْءٗدَۃُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

﴿۱۰۲﴾ محمد عبد الرحیم، مقدمہ تفسیر روح المعانی، دار الفکر بیروت، ۱۹۹۷ء، ج۱، ص ۵

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الامر فَسَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: ''تمام امورِ (کائنات) کی کون تدبیر کرتا ہے تو وہ بول پڑیں گے (کہ) اللہ۔''

بعض غالی صوفیہ کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

''کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور قطب کے درمیان اعتباری فرق ہے۔ کیونکہ قطب قربِ نوافل وفرائض پر بدرجۂ کمال فائز ہوتا ہے۔ پس غیریت ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ قطب ہی مدبر ہے۔ ایسے ہی ہے جیسے یہ کہنا کہ اللہ ہی مدبر ہے۔ ان میں کوئی فرق نہیں۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ مذہب وحدت الوجود کے قائلین کا ہے۔ اور اکثر متکلمین اور بعض صوفیہ مثلاً امام ربانی (حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کا انکار کیا ہے۔ پہلے قول پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مشرکین نے اس کے جواب میں کیوں نہ کہا کہ ملائکہ یا عیسیٰ علیہ السلام مدبر ہیں۔ ان معنوں میں کہ یہ اللہ کے حکم سے کام سرانجام دیتے ہیں۔ اس صورت میں مشرکین کے نزدیک یہ ہستیاں ان لوگوں کے اقطاب کی مانند ہوتیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سوال اس ذات کے متعلق ہے جس پر امور منتہیٰ ہوتے ہیں۔ پس ان کے لئے جواب مذکور کے سوا اور کوئی جواب ممکن نہیں تھا۔'' ﴿۱۰۴﴾

هُوَ الَّذِىْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: ''وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے۔''

اس آیت کی صوفیانہ تعبیر بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

''امام ربانی قدس سرہٗ نے مکتوبات میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ نقشبندی اہلِ طریقت میں سے کاملین کے لئے تجلیٔ ذاتی دائمی ہے، برقی نہیں اور آپ نے اس میں کبار صوفیہ کرام مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ وغیرہ کے قول کے خلاف طویل گفتگو فرمائی ہے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ امام ربانی نے جس تجلیٔ ذاتی کا تذکرہ فرمایا وہ وہ نہیں ہے جسے صوفیہ کرام نے برقی کہا ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور

﴿۱۰۳﴾ سورۃ یونس: ۳۱

﴿۱۰۴﴾ آلوسی، سید محمود، روح المعانی، انتشارات جہاں، تہران، ج ۱۱، ص: ۹۹

﴿۱۰۵﴾ سورۃ الرعد: ۱۲

صوفیہ کرام کے کلام کو غور سے دیکھنے والے سے یہ بات مخفی نہیں۔'' ﴿۱۰۶﴾

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: ''وہ مرد جنہیں تجارت اور خرید و فروخت، اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔''

''نقشبندی اہل طریقت جنہیں ذکر قلبی حاصل ہوتا ہے اور ذکر قلبی اس طرح راسخ ہو کہ کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتے، مذکورہ آیت کے عموم میں شامل ہیں۔ اور یہ کیفیت مذکورہ آیت کے حقیقی مصداق کے علاوہ کسی اور اہلِ طریقت میں ثابت ہو، جیسے کہ یہ کیفیت اہلِ طریقت نقشبندیہ کے لئے ثابت ہے، تو یہ نہایات میں ثابت ہوگی بدایت میں نہیں۔ مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ میں ان کے مرتبہ و منزلت اور مکمل احوال کی شرح (کا مطالعہ) فائدہ سے خالی نہیں۔'' ﴿۱۰۸﴾

قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَيۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: ''فرما دیجئے! اللہ کے سوا غیب نہیں جانتا جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔''

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے لئے کوئی چیز غیب نہیں۔ ہر شے اس کے سامنے ظاہر ہے۔ ان لوگوں کا رد حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی روشنی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ سے کرتے ہیں:

''انہ جل و علا لا یعلم الغیب کہنا جائز نہیں کیونکہ نگاہ قدرت سے کوئی شے پوشیدہ اور مخفی نہیں۔ اس تاویل سے کہ اس کے لیے کوئی شے غیب نہیں کہ کہا جائے کہ وہ اس کو جانتا ہے، جائز نہیں۔ شیخ احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ جو امام ربانی کے نام سے مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنے مکتوبات میں ایسے شخص کو بہت برا کہا ہے جو مذکورہ بالا تاویل سے کہتا ہے کہ اللہ غیب نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کی ہر اس شخص کے بارے میں عادت ہے جو شریعتِ بیضاء کے آداب سے متصف نہیں ہوتا۔'' ﴿۱۱۰﴾

﴿۱۰۶﴾ روح المعانی، ج ۱۳، ص: ۱۲۳

﴿۱۰۷﴾ سورۃ النور: ۳۷

﴿۱۰۸﴾ روح المعانی، ج ۱۸، ص: ۱۶۸

﴿۱۰۹﴾ سورۃ النمل: ۶۵

﴿۱۱۰﴾ روح المعانی، ج ۲۰، ص: ۱۰

"آپ سن چکے ہیں کہ جو مذکورہ بالا تاویل سے کہے کہ اللہ غیب نہیں جانتا، امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بہت برا کہا ہے۔ کیونکہ اس شخص کا یہ قول نصوص قرآنیہ وغیرھا سے متصادم ہے اور اس میں جو بے ادبی ہے، وہ ظاہر ہے۔" ﴿۱۱۱﴾

وَاِذَاالْمَوءُ دَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ: "جب زندہ درگور کی گئی (لڑکی) سے پوچھا جائے گا وہ کس گناہ میں قتل کی گئی۔"

اس آیت کریمہ کے تحت علامہ آلوسی نے اطفالِ مشرکین کی مغفرت کے متعلق مختلف مذاہب کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے تین درج ذیل ہیں:

۱۔ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ہوں گے۔

۲۔ جن کے لئے سعادت لکھی گئی ہے وہ آگ میں داخل ہو کر تعمیلِ حکم کرے گا اور اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ جس کے لئے شقاوت لکھی گئی ہے وہ داخل ہونے سے انکار کرے گا اور اسے گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا جیسے بعض روایات میں آیا ہے۔ اس لئے ان میں سے کسی معین بچے کے حق میں جنت کا فیصلہ کیا جائے گا نہ دوزخ کا اور اسی پر حضور ﷺ کا ارشاد اللّٰہ اعلم بِمَا کَانُو عَامِلِیْن محمول ہے۔ امام ابن تیمیہؒ کے اختیارات میں اس کو بہترین جواب کہا گیا ہے اور امام جلال الدین سیوطی نے اسے صحیح اور معتمد قرار دیا ہے۔

۳۔ تیسرا مذہب وہ ہے جس کو علامہ جلال الدین سیوطی نے ذکر کیا ہے اور جسے امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے کہ:

اِنَّھُم یُحشرُونَ ثُمَّ یصیرون تُرَاباً کَالوُحُوش

ترجمہ: "مشرکین کے بچوں کو زندہ کیا جائے گا پھر وہ جانوروں کی طرح مٹی ہو جائیں گے۔" ﴿۱۱۳﴾

ان تفاسیر کے ان مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ علم تفسیر میں حضرت مجدد کی فکر کی جہات کیا تھیں۔

☆☆☆☆☆

﴿۱۱۱﴾ روح المعانی، ج ۲۰، ص: ۱۱

﴿۱۱۲﴾ سورۃ التکویر: ۸-۹

﴿۱۱۳﴾ روح المعانی، ج ۳۰، ص: ۵۵

باب پنجم

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی خدمات

اصول فقہ، مسائل فقہ: افکارِ مجدد کی روشنی میں

عہد مجدد تک فقہی ارتقاء کا اجمالی جائزہ

فقہ:

فقہ ﴿۱﴾ کا لغوی معنی شق، فتح اور فہم وتدبر ہے۔

﴿۱﴾ لفظ فقہ کی لغوی واصطلاحی تعریف کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

قلعہ جی، محمد رواس، معجم لغۃ الفقہاء، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ص: ۳۴۸/ قاضی عیاض، ابوالفضل، مشارق الانوار، دارالفکر بیروت، ۱۹۹۷ء، ج ۲، ص: ۲۲۰/، پٹنی محمد طاہر صدیقی، مجمع بحارالانوار، مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ، ۱۹۹۴ء، ص: ۱۶۸-۱۶۹/ ابن منظور افریقی، لسان العرب، محمد بن مکرم نشر ادب الحوزہ، ایران، ج ۱۳، ص: ۵۲۲-۵۲۳/ فیروز آبادی، القاموس المحیط، داراحیا التراث العربی، بیروت، ج ۲، ص: ۱۶۴۲/ عبدالرحیم، منتہی الرب فی لغۃ العرب، کتاب خانہ سنائی، ایران، ج ۴، ص: ۹۷۵/ الزمخشری، محمود بن عمر، اساس البلاغہ، تحقیق عبدالرحیم محمود، دارالمعرفۃ، بیروت، ص: ۳۴۶/ ابن الاثیر، محمد جزری، النہایۃ فی الغریب الحدیث والاثر، موسسۃ اسماعیلیان، قم، ج ۳، ص: ۴۶۵/ الجرجانی علی بن محمد، کتاب التعریفات، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۳ء، ص: ۱۶۸/ عاصم، عبدالغفار، معجم مصطلحات الاصول، مرکز الامام بخاری للتراث والتحقیق، صادق آباد، ص: ۱۷/ التفتازانی، سعد الدین مسعود، التلویح علی التوضیح، اصح المطابع، کراچی، ۱۴۰۰ھ، ج ۱، ص: ۲۲/ الزحیلی، الدکتور وہبہ، اصول الفقہ الاسلامی، دار احسان، دمشق، ۱۹۹۷ء، ج ۱، ص: ۱۹/ الاصفہانی محمود بن عبدالرحمن، بیان المختصر شرح ابن الحاجب، تحقیق ڈاکٹر محمد مظہر بقا، دارالمدنی، جدۃ، ۱۹۸۶ء، ج ۱، ص: ۱۸/ الموسوعۃ الفقہیہ، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، کویت، ۱۹۹۳ء، ج ۱، ص: ۱۵/ طاش کبریٰ زادہ، احمد بن مصطفیٰ، مفتاح السعادۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۸۵ء، ج ۲، ص: ۱۷۳/ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون، ج ۲، ص ۲۵۹/ بھٹی محمد اسحاق، برصغیر پاک وہند میں علم فقہ، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۱-۱۵/ لکھنوی، عبدالحیٔ، الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، دمشق، ۱۹۸۳ء، ص: ۱۰۲-۱۰۳/ الاسنوی، جمال الدین، شرح الاسنوی علیٰ منہاج الوصول للقاضی، البیضاوی، مکتبۃ جموریۃ مصر، ج ۱، ص ۱۴/ السبکی علی بن عبدالکافی، الابہاج فی شرح منہاج، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، قاہرہ، ج ۱، ص: ۲۸

اصولیین کی اصطلاح میں فقہ کی تعریف درج ذیل ہے:

''اَلْعِلْم ﴿۲﴾ بِالاحْکَامِ الشَّرعیۃالفَرْعِیّۃ عَن أدلتھا التَّفصِیْلیۃ بِالاسْتدلال''

یعنی ''تفصیلی دلیلوں سے، استدلال کے ذریعہ، شرعی فرعی احکام کا علم''

فقہا نے یہ تعریف یوں بیان کی ہے:

''أن الفِقہ یَطلُق عَلی مَجْمُوعَۃ الاحْکَامِ وَالمَسَائِل الشَّرعِیَۃ العَمَلِیَّۃ''

یعنی ''احکام اور مسائلِ شرعیۂ عملیہ کے مجموعہ کو فقہ کہتے ہیں۔''

موضوعاتِ فقہ کی تقسیم:

ڈاکٹر احمد مصطفیٰ الزرقاء نے احکام فقہ کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔عبادات:

وہ احکام جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی عبادات سے ہو مثلاً صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، وغیرہ۔

۲۔احوالِ شخصیہ:

عائلی زندگی کے متعلق احکام مثلاً نکاح، طلاق، نسب، نفقہ

۳۔معاملات:

وہ احکام جن کا تعلق لوگوں کے اموال اور حقوق سے ہو۔

۴۔سیاسیاتِ شرعیہ:

وہ احکام جن کا تعلق رعایا اور حکمران کے حقوق و فرائض سے ہو۔ اس شعبہ کو ''الاحکام السلطانیہ'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔

۵۔عقوبات:

وہ احکام جن کا تعلق مجرمین کی سزا اور داخلی نظم ونسق سے ہو۔

﴿۲﴾ علم سے مراد ''ادراك الحكم من دليله على سبيل الرجحان'' ہے۔

٦۔سیَر:

وہ احکام جن کا تعلق اسلامی ریاست کے دیگر ریاستوں سے تعلقات سے ہو اور جو صلح و جنگ کے نظام وقوانین پر مشتمل ہو۔بین الاقوامی زبان میں اسے INERNATIONAL LAW کہا جاتا ہے۔

٧۔آداب:

وہ احکام جن کا تعلق اخلاق، محاسن اور رذائل سے ہو۔﴿٣﴾

فقہ اسلامی کا تدریجی ارتقاء

ارتقاء کے اعتبار سے فقہِ اسلامی کو درج ذیل چھ ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

١۔عہدِ رسالت مآب ﷺ (١٠ھ تک):

عہد رسالت مآب ﷺ میں اسلام کا دائرہ محدود ہونے کی بنا پر عموماً اصولی اور دستوری چیزیں سمجھائی گئیں۔لیکن ان میں اتنی وسعت اور لچک تھی کہ عندالضرورت مسائل اخذ کیے جا سکیں۔

٢۔عہدِ خلفائے راشدینؓ (٤١ھ تک):

فقہاء صحابہؓ کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت عمر، علی، زید بن ثابت، عائشہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعودؓ۔

اس عہد میں صحابہؓ کے درمیان بعض فقہی معاملات میں اختلافات بھی رونما ہوئے۔

٣۔صغار صحابہؓ اور کبار تابعینؒ کا عہد (١٥٠ھ تک):

اس دور تک اسلام کی سرحدیں عراق، ایران، مصر، شام، اندلس، افریقہ، ترکستان، ایشیا اور سندھ تک پھیل چکی تھیں۔ نئے تمدن، نئی تہذیب وثقافت سے واسطہ پڑنے کی بنا پر نئے مسائل اور مشکلیں ظہور

﴿٣﴾ صدیقی، ساجد الرحمن، فقہ اسلامی کا تاسیسی پس منظر، شریعہ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ١٩٩٢ء، ص:٢١

پذیر ہوئیں۔ اس وجہ سے قیاس و استحسان کا بکثرت استعمال ہوا۔ اس عہد میں اگرچہ فقہی مکاتب فکر منظر عام پر نہ آئے لیکن فقہ کی تدوین کا یہی تاسیسی دور ہے۔

۴۔ ائمہ مجتہدین کا عہد (۳۵۰ھ تک):

فقہ کی باقاعدہ تدوین اسی دور میں ہوئی۔ اس دور کے مشہور فقہاء درج ذیل ہیں:

زید بن علی رَحْمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۲۲ھ)

امام جعفر صادق رَحْمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۴۸ھ)

نعمان بن ثابت (امام اعظم) رَحْمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۵۰ھ)

امام عبدالرحمن اوزاعی رَحْمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۵۷ھ)

سفیان ثوری رَحْمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۶۱ھ)

امام مالک رَحْمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۷۹ھ)

امام شافعی رَحْمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۲۰۴ھ)

امام احمد بن حنبل رَحْمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۲۴۱ھ)

ابوجعفر محمد بن جریر طبری رَحْمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۳۱۰ھ)

ابوسلمان داؤد ظاہری رَحْمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۳۲۴ھ)

ائمہ اربعہ، امامیہ اور زیدیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے نظریات فروغ نہ پا سکے۔

۵۔ جامد تقلید کا عہد (۳۵۰ھ سے عصرِ حاضر تک):

اس عہد میں فقہی اجتہادات منقح ہو کر ایک واضح شکل میں سامنے آ گئے جس سے اجتہادِ مطلق کی ضرورت عملاً بہت محدود اور رفتہ رفتہ ختم ہو گئی۔ اس دور میں بالفعل یہ کیفیت ہو گئی کہ جس علاقہ میں جس اسلوبِ اجتہاد نے رواج پایا، وہاں عوام الناس اور علماء کے لئے اس اسلوبِ اجتہاد کی پابندی کو پہلے مناسب اور پھر ضروری قرار دے دیا گیا۔ ہر مسلک کی فقہی کتابیں اور ان کی شروح اس دور میں لکھی گئیں۔

تقلید کے اس دور میں فروعی مسائل میں تشدد اور غلو کے حیرت انگیز مظاہرے دیکھنے میں

آئے۔اس کی ایک مثال علامہ رشید رضا مصریؒ نے لکھی ہے:

''بعض حنفی افغانیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے جماعت میں اپنے برابر والے سے سنا کہ وہ فاتحہ پڑھ رہا ہے تو اس نے فاتحہ پڑھنے والے کے سینے پر اس زور سے دونوں ہاتھ مارے کہ وہ پیٹھ کے بل گر پڑا اور قریب تھا کہ مر جاتا۔اور یہ خبر بھی ملی ہے کہ ایسے ہی ایک شخص نے تشہد میں انگلی اٹھائی تو اس کی انگلی توڑ دی گئی۔'' ﴿۴﴾

محمد بن موسیٰ الحنفی کہتے ہیں:

لَو کَانَ لِی اَمْرٌ لأخذتُ الْجِزْیَة مِنَ الشَّافعیة ﴿۵﴾

یعنی اگر مجھے اختیار ہو تو شافعیوں سے جزیہ وصول کروں۔یہ بھی کہا گیا کہ شوافع سے رشتہ مناکحت جائز نہیں۔

وَقَالَ الامَام السَّفکردری لا یَنبَغِی لِلْحَنفِی ان یزوج بِنته من شَافعی المَذهَب وَلکِن یَتَزوج مِنْهُم...... ﴿۶﴾

فروعی مسائل میں اختلافات کے اسباب ونقصانات کا اندازہ مولانا محمد اسحاق اور مولانا ابو الکلام آزادؒ کے ان اقتباسات سے لگایا جا سکتا ہے۔

مولانا محمد اسحاق لکھتے ہیں:

''ہمارا خطیب امت کو ان باتوں میں الجھا کر لے ڈوبا، جن سے اسلام کو تو کوئی نفع نہیں پہنچا، آپس میں محاذ آرائیوں کی وجہ سے ہماری حکومتیں برباد ہو گئیں، کافروں کا غلبہ ہو گیا، لیکن ہمارے جھگڑے ختم نہ ہوئے۔یہ بدقسمتی ہے کہ علم ودیانت کی کمی اور اغراض واہواء کی زیادتی کے شکار فتویٰ

﴿۴﴾ ایسی ہی دیگر مثالوں کے لئے ملاحظہ فرمائیے:
اثری، ارشاد الحق، اسباب اختلاف الفقہا، ادارۃ العلوم الاثریۃ، فیصل آباد ۱۹۹۲ء، ص:۲۱، ۳۵ تا ۴۸/ ابن قدامہ، موفق الدین، المغنی، دار الکتاب العلمیۃ، بیروت ۱۹۷۲، ج۱، ص:۱۲-۱۴

﴿۵﴾ عبدالقادر بن محمد، الجواہر المضیۃ، تحقیق عبد الفتاح، دار العلوم الریاض ۱۹۷۹ء، ج۴، ص:۳۷۶/ امام ذہبی، محمد بن احمد، میزان الاعتدال، المکتبۃ الاثریۃ، پاکستان، ج۴، ص۵۲

﴿۶﴾ ابن البزاز، محمد بن محمد، فتاویٰ بزازیہ علی ہامش فتاویٰ الہندیۃ، نورانی کتب خانہ، پشاور، ج۴، ص:۱۱۲

فروش ملاؤں نے مسلمانوں کو کہیں کا نہ چھوڑا۔

؎ میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائل نظری میں الجھ گیا ہے خطیب ﴿۷﴾

مولانا ابوالکلام آزادؒ مثال سے وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خراساں میں حنفیوں اور شافعیوں میں باہمی جنگ وجدال کا بازار گرم تھا۔طوس کے حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آ کر ہلاکو خان کو دعوت دی اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔پھر جب تاتاریوں تلوار چمک گئی تو اس نے نہ حنفیوں کو چھوڑا نہ شافعیوں کو۔'' ﴿۸﴾

فروعی مسائل میں اختلاف کے اسباب

فروعی مسائل کے اسباب پر شیخ ابن تیمیہ رَحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ﴿۹﴾ اور شاہ ولی اللہ رَحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ﴿۱۰﴾ نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ابن رشدؒ کے الفاظ میں اختلافات کے درج ذیل چھ اسباب ہیں:

۱۔ الفاظ میں ان چار وجوہ کی گنجائش ہونا: (i) یہ کہ لفظ عام ہو اور اس سے مراد خاص ہو۔ (ii) لفظ خاص ہو اور اس سے مراد عام ہو۔ (iii) لفظ عام ہو، مراد بھی عام ہو۔ (iv) لفظ خاص ہو مراد بھی خاص، اس کے لئے دلیل خطاب ہو یا نہ ہو۔

۲۔ الفاظ میں اشتراک کا پایا جانا اور یہ یا تو مفرد لفظ میں ہوتا ہے جیسے ''القروء'' جو طہر اور حیض دونوں پر بولا جاتا ہے۔اور اسی طرح ''امر'' کا لفظ، کیا وہ وجوب پر محمول کیا جائے گا یا استحباب پر اور ''نہی'' کے لفظ سے تحریم مراد ہوگی یا کراہیت؟ یا یہ اشتراک مرکب لفظ میں ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

﴿۷﴾ محمد اسحاق، مولانا، وحدتِ امت، مکتبہ ملیہ، فیصل آباد، ص: ۵۵

﴿۸﴾ آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، لاہور ۱۹۷۳ء، ج ۲، ص: ۴۶۴، ۴۹۲

﴿۹﴾ رفع الملام عن الائمۃ الاعلام

﴿۱۰﴾ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، مترجم پروفیسر محفوظ الرحمن نعیمی، علما اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۱ء

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا ﴿۱۱﴾

تو اس میں احتمال ہے کہ یہ صرف فاسق کی طرف لوٹے اور یہ بھی احتمال ہے کہ فاسق اور گواہ دونوں کی طرف لوٹے تو اس صورت میں توبہ فسق کو ختم کر دے گی اور قاذف کی شہادت کو جائز کر دے گی۔

۳۔ اعراب کا اختلاف

۴۔ لفظ کے بارے میں یہ گنجائش کہ اس سے مراد حقیقت لی جائے یا مجاز کی قسموں میں سے کسی قسم کا مجاز مراد لیا جائے۔ مجاز کی قسمیں یہ ہیں:

حذف وزیادت، تقدیم وتاخیر یا حقیقت واستعارہ میں سے کسی ایک کے مراد لئے جانے کی گنجائش۔

۵۔ لفظ کبھی مطلق استعمال ہوتا ہے اور کبھی مقید، غلام آزاد کرنے کے بارے میں کہیں تو مطلق ''رقبۃ'' ہے اور کہیں ''رقبۃ مؤمنۃ'' آیا ہے۔

۶۔ الفاظ کی ان چھ قسموں میں جن سے شریعت کے احکام اخذ کئے جاتے ہیں، دو چیزوں کا آپس میں تعارض، اور اسی طرح افعال میں اور اقرارات میں تعارض یا قیاسات کا آپس میں تعارض یا وہ تعارض جو ان تینوں قسم کے تعارضات سے مرکب ہو (قول کا فعل اقرار یا قیاس سے معارضہ، فعل کا اقرار اور قیاس سے معارضہ، اور اقرار کا قیاس سے معارضہ) ﴿۱۲﴾

۶۔ فکری بیداری کا عہدِ نو:

عصر حاضر میں جامد تقلید سے انحراف شروع ہوا ہے۔ براہِ راست قرآن وسنت سے تحقیق اور ایک امام کے مقلدین میں دیگر ائمہ کے اقوال پر فتویٰ دینے کا رجحان نشوونما پا رہا ہے۔ عربی میں ''الفقہ علی المذھب الاربعۃ''، ''الموسوعۃ الفقھیہ''، ''فقہ السنۃ'' (سید سابق) اس فکر کی ترجمان کتب ہیں۔ علاوہ

﴿۱۱﴾ سورۃ النور آیت ۴-۵

﴿۱۲﴾ ابن رشد، ابو الولید محمد بن احمد، بدایۃ المجتھد ونہایۃ المقتصد، تحقیق ماجد الحموی، دار ابن حزم، بیروت ۱۹۹۵ء، ج۱، ص ۲۰-۲۱

ازیں مصر، شام، کویت، اور سعودی عرب میں فقہی مسائل پر غور کرنے کے لئے کمیٹیاں بنی ہیں جو مختلف مکاتبِ فکر کے علماء پر مشتمل ہیں۔ وہاں مسائل پر غور وخوض کرنے کے وقت تمام ائمہ سلف کی آراء سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

برصغیر میں اس فکر کو شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے فروغ ملا۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ، نے اس سلسلہ میں گراں قدر کام کیا۔ اس وقت عالم عرب میں الزحیلی ، اور پاکستان کے علماء میں علامہ غلام رسول سعیدی، نمایاں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

اکیسویں صدی عیسوی، فقہی ارتقاء میں ایک نمایاں تبدیلی کی حامل ہوگی۔ اس دور کا کام سطحیت سے بلند اور بہت گہری تحقیق وفکر کا نتیجہ ہوگا۔

فروعی مسائل میں راہِ اعتدال

جدید فکری بیداری کے اس عہد میں جامد تقلید کے دور کا طرفین کی طرف سے ناروا تشدد ختم ہوتا جارہا ہے۔ علماء اور عوام نے اس کے نقصانات کو محسوس کیا۔ علماء نے اس موضوع پر علمی کام بھی کیا ﴿۱۳﴾ اور عوام الناس کو ان مسائل کی حقیقت سے آگاہ بھی کیا۔ یہ اختلافات عہد صحابہؓ میں بھی موجود تھے لیکن جنگ وجدال، فتنہ وفساد اور بغض وکینہ کی کیفیت نہ تھی۔ صحابہؓ کے اس اختلاف کے بارے میں مشہور مالکی عالم الشاطبیؒ نے قاسم بن محمدؒ کا نہایت حکیمانہ قول نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''لَقَدْ نَفَعَ اللّٰہ بِاِخْتِلَافِ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَعْمَالِھِمْ، لا یَعْمَلُ الْعَامِلُ بِعَمَلِ رَجُلٍ مِّنْھُمْ اِلا رَای اَنَّہٗ فِیْ سَعَۃٍ وَّ رَأی اَنَّ خَیْراً مِّنْہ

﴿۱۳﴾ اس موضوع پر لکھی گئی چند کتب درج ذیل ہیں:

وحدتِ امت	علامہ محمد اسحاقؒ
راہِ اعتدال	صدرالدین اصلاحی

قَدْ عَمِلَهٗ''﴿۱۴﴾

یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں اختلاف سے امت مسلمہ کو فائدہ پہنچایا، عمل کرنے والا ان میں سے کسی کے عمل کے مطابق عمل کرتا ہے تو اپنے لئے گنجائش محسوس کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھ سے بہتر شخصیت نے یہ عمل کیا تھا۔''

فروعی مسائل میں حضرت شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیہ نے بھی اعتدال کی راہ اپنائی۔ اس کی تفصیلات باب دوم میں گزر چکی ہیں۔ حنفی المسلک ہونے کے باوجود تمام ائمہ کی جلالتِ شان کے قائل تھے اور ان سے محبت کا دم بھرتے تھے۔ صاحبزادگان کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''باوجودیکہ میں مذہبِ حنفی کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعی سے گویا ذاتی محبت ہے۔ ان کو بزرگ سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نفلی اعمال میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔''﴿۱۵﴾

علمِ فتاویٰ

علمِ فتاویٰ ﴿۱۶﴾ کا شمار بھی فقہ کے فروع میں ہوتا ہے۔ فتاویٰ سے عموماً شریعت اسلامی کے وہ فروعی مسائل مراد ہوتے ہیں۔ جن کے بارے میں کسی فقہی مکتبِ فکر کے بانی یا اس کے ساتھیوں سے کچھ منقول نہیں ہوتا۔ طاش کبریٰ زادہ لکھتے ہیں:

''وَھُوَ علم تروىٰ فِيهِ الاحْكَام الصَّادرَة عَن الفُقَهَاء فِي الوَقَائع الجُزئيَة يَسْهَل الامر عَلَى القَاصِرين مِنْ بَعْدهم''﴿۱۷﴾

یعنی علم فتاویٰ میں جزئی واقعات کے بارے میں فقہاء سے صادر ہونے والے فروعی احکامات

﴿۱۴﴾ شاطبی، ابواسحاق، الموافقات فی اصول الشریعۃ، دارالمعرفۃ بیروت، ج ۴، ص: ۱۲۵

﴿۱۵﴾ مکتوبات حضرت شیخ احمد سرہندی، دفتر ۲، مکتوب: ۵۵

﴿۱۶﴾ عربی میں فَتویٰ یافُتویٰ اور فُتیَا، اِفتاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی اظہار و بیان ورائے دہندگی کے ہیں۔

﴿۱۷﴾ مفتاح السعادۃ، ج ۲، ص: ۵۵۷-۵۵۸

بیان کیئے جاتے ہیں۔ اسکی غرض یہ ہوتی ہے کہ بعد میں آنے والے قوتِ استنباط سے محروم لوگ سہولت کے ساتھ ان سے استفادہ کرسکیں۔

قرآن کریم میں جن فتاویٰ کا ذکر آیا ہے ان کے سوالات کبھی تو ''یَسْتَفْتُوْنَكَ'' ﴿۱۸﴾ کے صیغے سے شروع ہوتے ہیں اور کبھی ''یَسْئَلُوْنَكَ'' ﴿۱۹﴾ سے۔ جو فتاویٰ رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات میں صحابہ کو دیئے، وہ حدیث کی کتابوں میں منتشر صورت میں موجود ہیں۔ ابن قیم نے ایسے چھ سو سے زائد فتاویٰ جمع کیے ہیں۔ ﴿۲۰﴾ عہد رسالت میں اور اس کے بعد بہت سے صحابہؓ نے اپنے اجتہاد سے دینی مسائل کے بارے میں مختلف فتاویٰ صادر فرمائے۔ علامہ ابن حزم نے ایسے ۱۴۲ صحابہؓ اور ۲۰ صحابیاتؓ کا ذکر کیا ہے جن سے فتاویٰ منقول ہیں۔

مطبوعہ کتابوں میں ''نوازل ابی اللیث السمرقندی'' ﴿۲۱﴾ سب سے قدیم فتویٰ کی کتاب ہے۔ ﴿۲۲﴾ علمائے احناف وشوافع کے بہت سے مجموعہ ہائے فتاویٰ چھپ چکے ہیں۔ حنبلی علماء کے فتاویٰ کی کتابیں زیادہ دستیاب نہیں۔

کتب فتاویٰ اپنی تاریخی اہمیت بھی رکھتی ہیں۔ یہ مختلف ادوار میں مسلمانوں کے سماجی، سیاسی، تمدنی اور فکری حالات کے عکاس ہیں۔ ہر علاقے کے رسم ورواج کی تصویر بھی ان سے سامنے آتی ہے۔ فتاویٰ کے سلاطین پر اثرات، ہر دور کے علماء کی فہم وبصیرت اور دیگر بہت سے پہلوان کتب کے مطالعہ سے سامنے آتے ہیں۔ ﴿۲۳﴾

فقہی مسائل پر لکھی گئی پہلی کتاب ابوعبداللہ مکحول بن عبداللہ الشامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۳ھ)

﴿۱۸﴾ سورۃ النساء آیت: ۱۲۷، ۱۷۶

﴿۱۹﴾ سورۃ البقرۃ آیت: ۱۸۹، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۲/ سورۃ المائدہ آیت: ۴/ سورۃ الاعراف آیت: ۱۸۷/ سورۃ الانفال آیت: ۱

﴿۲۰﴾ ابن قیم، ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر، اعلام الموقعین، دارالجیل، بیروت، ج ۴، ص: ۲۶۶ تا ۴۱۴

﴿۲۱﴾ ابوالليث سمرقندی، فتاویٰ النوازل، شمس الاسلام، حیدرآباد دکن ۱۳۵۵ھ

﴿۲۲﴾ ردالمختار، ج ۱، ص: ۶۹

﴿۲۳﴾ فتاویٰ کے متعلق ان معلومات کے لئے ملاحظہ فرمائیے:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

﴿۲۴﴾ کی ''کتاب المسائل فی الفقہ'' ہے۔ لیکن یہ کتاب تا حال طبع نہیں ہو سکی۔ ہم تک پہنچنے والی مطبوعہ کتاب جسے فقہ کی پہلی کتاب کہا جا سکتا ہے۔ وہ مسلک زیدیہ کے امام زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ (م۱۲۲ھ) ﴿۲۵﴾ کی ''المجموع الفقہی (مسند زید)'' ﴿۲۶﴾ ہے۔ دسویں صدی ہجری تک کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب کی ایک طویل فہرست ہے۔ عہد حاضر میں نئے اسلوب سے لکھی جانے والی کتب بھی اہم ہیں۔ حضرت مجدد نے خود ائمہ فقہ اور کتب فقہ سے استدلال و استنباط کیا۔

ذیل میں کتب شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے اصول فقہ اور مسائل فقہ کا انتخاب، ایک خاص ترتیب سے نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی فقہ سے دلچسپی

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کتب کا نہ صرف خود مطالعہ کرتے بلکہ مریدین کو بھی مطالعہ کی تلقین کرتے۔ علم فقہ کے مقابلے میں بعض دیگر علوم کو ہیچ سمجھتے۔ ایک مکتوب میں اپنے پیرو مرشد سے اپنی خواہش بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) محمد عزیر، فتاویٰ مولانا شمس الحق عظیم آبادی، علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء، ص ۷ تا ۵۲/ طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر، تاریخ فقہ میں فتاویٰ کا مقام مشمولہ فتاویٰ نوریہ، دار العلوم حنفیہ، بصیر پور ۱۹۸۸ء، ج ۲، ص ۵۰۷ تا ۵۱۴/ ظفیر الدین مفتی، مقدمہ فتاویٰ دار العلوم دیو بند، دار الاشاعت، کراچی ۱۹۸۶ء، ج ۱، ص ۴۶ تا ۹۶

﴿۲۴﴾ حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ابن العماد الحنبلی، عبد الحیٔ، شذرات الذہب، دار احیاء التراث، بیروت، ج ۱، ص: ۱۴۶/ تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۲۵۸/ المزی، ابو الحجاج یوسف، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، موسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۴، ج ۲۸، ص: ۴۶۴- ۴۷۴/ امام بخاری، محمد بن اسماعیل، التاریخ الکبیر، دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمۃ، ج ۸، ص: ۲۱

﴿۲۵﴾ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۱۵۸-۱۵۹/ ذہبی، محمد بن احمد، تاریخ اسلام، تحقیق الدکتور عمر عبد السلام، دار الکتاب العربی، بیروت، ص ۸۵-۸۶/ مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، ج ۹، ص: ۱۴۹-۱۵۹

﴿۲۶﴾ زید بن علی، المجموع الفقہی، مطبع المعارف العلمیۃ، مصر ۱۹۲۱ء

''علماء اور طلبہ علوم کے گرد بیٹھے ہوں اور تلویح ﴿۲۷﴾ کے مقدمات اربعہ کی کسی طالب سے تکرار کر رہا ہو۔ نیز ہدایہ ﴿۲۸﴾ کا تکرار بھی شروع کر رکھا ہو۔'' ﴿۲۹﴾

ایک مکتوب میں کتب فقہ کی کتب تصوف پر فوقیت کا ذکر کر کے ان کے مطالعہ کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔ شیخ نظام تھانیسری کو لکھتے ہیں:

''جس طرح آپ کی مجلس شریف میں کتبِ تصوف کا ذکر و مطالعہ ہوتا ہے۔ اسی طرح کتبِ فقہ کا بھی ذکر و مطالعہ ہو۔ فارسی زبان میں فقہ کی بے شمار کتابیں موجود ہیں، جیسے مجموعۂ خانی، عمدۃ الاسلام اور کنز فارسی، بلکہ اگر آپ کی مجلس شریف میں کتب تصوف کا ذکر و مطالعہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ تصوف کا احوال سے تعلق ہے وہ قال میں نہیں آ سکتا۔ لیکن کتبِ فقہ کے زیر مطالعہ نہ ہونے سے ضرور نقصان کا احتمال ہے۔'' ﴿۳۰﴾

شیخ احمد نامی کسی شخص نے اسلام قبول کیا، اس کے لئے نصیحت کرتے ہوئے عبدالکریم سنامی کو لکھتے ہیں:

''مشارٌ الیہ (شیخ احمد) نومسلم ہے۔ اس لئے اس کو عقائد کلامیہ جو فارسی کتابوں میں مذکور ہیں، سکھائیں اور احکام فقہیہ کی بھی تعلیم دیں۔ تاکہ فرض، واجب، سنت، مستحب، حلال، حرام، مکروہ و مشتبہ کو پہچان لے اور اس کے موافق اپنی زندگی بسر کرے۔ گلستان و بوستان کا پڑھنا بے کاری میں داخل ہے۔'' ﴿۳۱﴾

درج ذیل مکاتیب میں بھی آپ نے علم فقہ کی اہمیت اور مطالعہ کی ترغیب دلائی ہے:

دفتر اول	مکتوب: ۲۶۶
دفتر دوم	مکتوب: ۶۱
دفتر سوم	مکتوب: ۱۷

﴿۲۷﴾ اصولِ فقہ کی مشہور کتاب جس کے مصنف علامہ تفتازانی ہیں۔

﴿۲۸﴾ فقہ کی مشہور کتاب

﴿۲۹﴾ مکتوبات دفتر اول، مکتوب: ۸

﴿۳۰﴾ ایضاً، مکتوب: ۲۹

﴿۳۱﴾ ایضاً، مکتوب: ۲۷۸

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ ﴿۳۲﴾
شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی روشنی میں

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حنفی المسلک تھے، اس لئے اپنی تصانیف میں جا بجا حضرت

﴿۳۲﴾ امام اعظم، نعمان بن ثابت (۸۰ھ-۱۵۰ھ) کے حالات پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ چند درج ذیل ہیں:

۱ ۔مناقب الامام ابی حنیفه محمد بن ابن نیشاپوری(م:۳۵۷ھ)

۲ ۔مناقب الامام ابی حنیفه حافظ الدین الخوارزمی(م:۸۲۷ھ)

۳ ۔مناقب الامام الاعظم ابی حنیفه ابن الضیاء المکی (م:۸۵۴ھ)

۴ ۔شرح قصیده العمری فی مدح الامام ابی حنیفه محمد امین الطبقجلی(م:۱۲۷۲ھ)

۵ ۔مناقب الامام ابی حنیفه محمد بن ابراهیم اکلشنی(م:۱۱۳۶ھ)

۶ ۔شقائق النعمان فی مناقب النعمان محمد عمر زمخشری(م:۵۳۸ھ)

۷ ۔المطالب المنفیة فی الذب عن الامام ابی حنیفه الواعظ البغدادی(م:۱۳۳۱ھ)

۸ ۔مناقب الامام ابو حنیفه خطیب خوارزم الموفق بن احمد (م:۵۶۸ھ)

۹ ۔مواهب الرحمان فی مناقب الامام ابی حنیفه النعمان اسماعیل حقی المناستری (م:۱۳۳۰ھ)

۱۰ ۔مناقب الامام ابی حنیفه مستقیم زاده(م:۱۲۰۲ھ)

۱۱ ۔کشف الآثار الشریفة فی مناقب الامام ابی حنیفه عبد الله بن محمد السبلمونی(م:۳۴۰ھ)

۱۲ ۔فضائل ابی حنیفه ابن ابی العوام

۱۳ ۔البستان فی مناقب ابی حنیفه النعمان ابن ابی الوفاء(م:۷۷۵ھ)

۱۴ ۔الدرر المنفیة فی الرد علی ابن ابی شیبة عن الامام ابی حنیفه ابن ابی الوفاء(م:۷۷۵ھ)

۱۵ ۔مناقب الامام اعظم علی بن عبد العزیز المرغینانی(م:۵۰۶ھ) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں توصیفی کلمات لکھتے ہیں۔ ان کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حاسدوں کے بے جا تعصب اور فاسد نظر پر افسوس، ہزار افسوس۔ امامِ اعظم فقہ کے بانی ہیں۔ تین چوتھائی فقہ ان کے لئے مسلم ہے جبکہ باقی ائمہ ایک چوتھائی میں سارے شریک ہیں۔ فقہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

۱۶۔ المواھب الشریفة فی مناقب الامام ابی حنیفه — علی بن ابو القاسم زید البیھقی (م: ۵۶۵ھ)

۱۷۔ الاجوبة المنفية عن اعتراضات ابن ابی شیبة علی ابی حنیفه — قاسم بن قطلوبغا (م: ۸۷۹ھ)

۱۸۔ النکت الطریفة فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبة علی ابی حنیفه — زاھد الکوثری (م: ۱۳۷۲ھ)

۱۹۔ الخیرات الحسان — احمد بن حجر مکی

۲۰۔ ابو حنیفه، آراؤه فقه — محمد ابو زھرہ مصری

۲۱۔ امام ابو حنیفه کی تدوین قانون اسلامی — ڈاکٹر محمد حمیداللہ

۲۲۔ امام اعظم ابو حنیفه — مفتی عزیز الرحمٰن

۲۳۔ امام اعظم اور علم حدیث — محمد علی صدیقی

۲۴۔ اخبار ابی حنیفه و اصحابه — قاضی حسین بن علی (م: ۴۳۶ھ)

۲۵۔ تبییض الصحیفه فی مناقب ابی حنیفه — امام سیوطی

۲۶۔ مناقب الامام الاعظم — ملا علی قاری

۲۷۔ المناقب — محمد معروف به ابن البزاز الکردی (م: ۸۳۷ھ)

۲۸۔ مناقب الامام ابی حنیفه و صاحبیه — احمد ذھبی

۲۹۔ سیرة النعمان — علامه شبلی نعمانی

۳۰۔ سوانح بے بہائے امام اعظم ابو حنیفه — ابو الحسن زید فاروقی

۳۱۔ مقام ابی حنیفه — محمد سرفراز خان صفدر

شیر نوروز خان نے امام ابوحنیفہ پر لکھی گئی اہم کتب اور مقالات کی فہرست مرتب کی ہے۔ جن کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ (فکر ونظر، ج: ۳۶، شمارہ: ۲، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۸ء، ص: ۱۰۱ تا ۱۱۷)

صاحب خانہ امام ابوحنیفہ ہیں اور باقی سب ان کے عیال ہیں۔ دوسرے ائمہ مجتہدین کو وافر علم اور کمال تقویٰ کے باوجود امام ابوحنیفہ کے سامنے بچوں کی طرح دیکھتا ہوں۔'' ﴿۳۳﴾

فقہ حنفی کی عظمت کو اپنے کشف کی بناء پر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

بغیر تکلف کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر سے اس مذہب حنفی کی نورانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں اور ظاہر کی نظر سے دیکھیں تب بھی یہی کچھ دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم ﴿۳۴﴾ تبعین امام ابوحنیفہ پر مشتمل ہے۔'' ﴿۳۵﴾

امام اعظم کے طریق اجتہاد پر بحث کرتے ہوئے شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مذہب حنفی اصول و فروع میں باقی تمام مذاہب سے ممتاز ہے۔ اور استنباط مسائل میں اس کا طریق کار ہی نرالا ہے۔''

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ سنت کی پیروی میں سب ائمہ سے آگے ہیں اور اسی لئے مرسل احادیث کو وہ مستند احادیث کی طرح لائق متابعت جانتے ہیں اور اپنی رائے پر بہرصورت مقدم رکھتے ہیں۔'' ﴿۳۶﴾

﴿۳۳﴾ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

﴿۳۴﴾ ڈاکٹر مسعود احمد احناف کی دنیا میں تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''چند سال قبل ایک عرب محقق نے ائمہ اربعہ کے پیروکاروں کے اعداد و شمار جمع کیے تھے۔ اس کے مطابق حنفیوں کی تعداد ساڑھے چھیاسی کروڑ، شوافع کی ساڑھے چار کروڑ اور امام مالک کے پیروکاروں کی تعداد چار کروڑ جبکہ حنبلی چالیس لاکھ ہیں۔'' (صراط مستقیم، ص: ۵۹) اس طرح احناف مسلمانوں کی کل آبادی کا دو تہائی ہیں۔ آج کل حنفی مذہب کے پیروکار افغانستان، پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، عراق، ترکی، شام، ترکمانستان، تاجکستان، ازبکستان، بوسنیا، البانیہ، بلقان، میں بکثرت ہیں۔ جبکہ ایران، انڈونیشیا، برازیل، برما، سری لنکا، ملائشیا، تھائی لینڈ، سعودی عرب، فلسطین، یمن وغیرہ میں احناف کثیر تعداد میں آباد ہیں۔

﴿۳۵﴾ دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

﴿۳۶﴾ ایضاً

دیگر ائمہ بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ اس ضمن میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''امام شافعی فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ منقول ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب امام اعظم کی قبر کی زیارت کے لئے جاتے تو اپنے اجتہاد کو ترک کر دیا کرتے تھے اور اپنی رائے سے عمل نہیں کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ان (امام ابوحنیفہ) کے سامنے شرم آتی ہے کہ ایسا عمل کروں جو ان کے رائے کے خلاف ہو۔ وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیتے اور فجر کی نماز میں قنوت بھی نہیں پڑھتے تھے۔ یقیناً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتِ شان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔'' ﴿۳۷﴾

بعض لوگوں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تو ایسے لوگوں کا رد کرتے ہوئے آپ نے لکھا:

''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے مخالفین صاحبِ رائے ﴿۳۸﴾ جانتے ہیں اور ایسے لفظوں سے یاد کرتے ہیں جو بے ادبی پر مبنی ہیں۔ حالانکہ وہ سب آپ کے کمالات کے علمی اور تقویٰ و ورع سے مالا مال ہونے کے معترف ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو توفیق بخشے کہ وہ دین کے سردار اور مسلمانوں کے رئیس کو ایذا نہ پہنچائیں۔ اگر ان کا عقیدہ ہے کہ وہ بزرگ اپنی رائے سے حکم دیتے ہیں اور کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے تو اس طرح مسلمانوں کا سوادِ اعظم ان کے زعم فاسد کی رو سے گمراہ اور بدعتی قرار پاتا ہے بلکہ وہ لوگ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو جاتے ہیں مگر وہ جاہل جو خود اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا زندیق ایسا عقیدہ رکھے گا جو نصف دین کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ بعض نیم ملا چند حدیثیں یاد کر کے شرعی احکام کو ان میں منحصر ٹھہرا لیتے ہیں اور جو چیز ان کی معلومات سے باہر ہے ان کی نفی کرتے

﴿۳۷﴾ مبداء و معاد، ص ۱۶۷

﴿۳۸﴾ علمائے احناف کو اصحاب الرائے اس لئے نہیں کہا جاتا کہ وہ معاذ اللہ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں بلکہ وہ اس لئے اصحاب الرائے کہلاتے ہیں کہ وہ قیاس کی علت کی جستجو میں خاص اہتمام کرتے ہیں اور وہ مشکل حدیث کو اپنی رائے اور سمجھ سے حل کرتے ہیں یا ایسے مقام پر وہ قیاس اور رائے سے کام لیتے ہیں۔ جس میں کوئی حدیث موجود نہیں ہوتی۔

ہیں اور ان کے نزدیک جو ثابت نہیں ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔'' ﴿۳۹﴾

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم و عمل، زہد و تقویٰ اور دیگر کمالات علمیہ و عملیہ نے آپ کو اس مقام تک پہنچا دیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''حضرت امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی مانند ہے جنہوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی بدولت اجتہاد و استنباط میں وہ بلند مقام حاصل کیا ہے کہ دوسرے حضرات کی فہم اس کے سمجھنے سے عاجز و قاصر ہے۔'' ﴿۴۰﴾

دیگر بہت سے مقامات پر حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات، حالات و احوال، عظمتِ شان، تفقہ و دین داری پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ چند مقامات درج ذیل ہیں:

دفتر اول	مکتوب ۳۸، ۲۱۳، ۲۸۲، ۲۸۴
دفتر دوم	مکتوب ۵۵
دفتر سوم	مکتوب ۱۷، ۳۶، ۶۴، ۱۲۲
مبدأ معاد ص: ۱۶۷	

تقلید کی شرعی حیثیت

(حضرت مجدد کے افکار کی روشنی میں)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اور ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ تقلید کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''التَّقْلِیْدُ العَمَل بقول من لَیْسَ قَوْله احدی الحجج بلاَ حجَّة مِنهَا'' ﴿۴۱﴾

تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا قول ماخذ شریعت نہیں ہے اس کے قول پر دلیل کا مطالبہ

﴿۳۹﴾ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۵۵

﴿۴۰﴾ ایضاً

﴿۴۱﴾ عثمانی، محمد تقی، تقلید کی شرعی حیثیت، مکتبہ دار العلوم، کراچی ۱۴۱۳ھ، ص ۱۴-۱۵

کئے بغیر عمل کر لینا۔ تقلید کی دو صورتیں ہیں۔

ا۔ تقلید عام یا تقلید غیر شخصی:

تقلید کیلئے کسی امام و مجتہد کو معین نہ کیا جائے بلکہ ایک مسئلہ میں ایک عالم کا مسلک اختیار کیا گیا ہے تو دوسرے مسئلہ میں کسی دوسرے عالم کی رائے قبول کر لی جائے۔

۲۔ تقلید شخصی:

تقلید کے لئے کسی ایک مجتہد عالم کو اختیار کیا جائے اور ہر ایک مسئلہ میں اس کا قول اختیار کیا جائے۔

تقلید کی ان دونوں قسموں کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ایک شخص براہِ راست قرآن وسنت سے احکام مستنبط کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ جس مجتہد کو قرآن وسنت کے علوم کا ماہر سمجھتا ہے اس کی فہم و بصیرت اور اس کے تفقہ پر اعتماد کر کے اس کی تشریحات کے مطابق عمل کرتا ہے۔

چوتھی صدی کے بعد تقلید ائمہ اربعہ میں محصور ہو گئی۔ تقلید کی ابتداء، اسباب، حیثیت، اور اسے ائمہ اربعہ میں محدود کرنا جیسے مباحث کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں:

''چوتھی صدی کے بعد سے کچھ تو علماء کے اختلافات اور بحث و مناظرہ کی وجہ سے، کچھ ان کے دینی واخلاقی معیار کے پست ہو جانے کی وجہ سے، کچھ علمی انحطاط اور پست ہمتی اور کم محنتی کی وجہ سے اس کی ضرورت پیش آئی اور اسی میں عافیت سمجھی گئی کہ پیشر و ائمہ مجتہدین اور مذاہبِ مدونہ کی تقلید اختیار کی جائے اور معاصرین کی بجائے متقدمین کے فتویٰ پر عمل کیا جائے، لیکن عرصہ تک اس میں وہ تعیین و التزام اور تقلید شخصی کی وہ پابندی پیدا نہیں ہوئی جو بعد کی صدیوں میں نظر آتی ہے۔ رفتہ رفتہ تعیین والتزام اور تقلید شخصی کو اختیار کیا گیا لیکن اس کی حیثیت بھی تشریعی نہیں، بلکہ انتظامی تھی، انتشار اور اتباعِ ہویٰ سے بچانے کے لئے، نیز عملی سہولت کی بناء پر ایک مذہب کی تقلید عملاً رائج ہو گئی اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر اور واقعات کے عین مطابق تھا، خصوصاً تاتاری یورش کے بعد عالمِ اسلام پر جو عالمگیر فکری انحطاط اور علمی زوال طاری ہوا۔ اور ایسی بلند شخصیتوں کا عام فقدان ہوا جو اجتہاد کی صلاحیت رکھتی ہوں اور فرقوں اور فتنوں کی گرم بازاری ہوئی تو اسی میں عافیت سمجھی گئی کہ جن مذاہب کا کتاب وسنت کے مطابق

ہونا ثابت ہے اور جو بحث و مباحثہ کے منازل طے کر چکے ہیں، اور ان کی تدوین مکمل ہو چکی ہے، ان پر عمل کیا جائے، یہ خصوصیات مذاہب اربعہ میں پورے طور پر پائی جاتی ہیں اس لئے عام طور پر انہی کو اختیار کیا گیا۔'' ﴿۴۲﴾

عہد اکبر میں فقہی مسائل میں اختلافات کی حقیقت نہ جاننے والے نام نہاد علماء نے ان اختلافات کو اسلام میں عیوب و نقائص بتایا۔ اسی وجہ سے فقہی مسائل کا مذاق اڑایا جاتا۔ ان حالات میں عوام الناس کے سامنے فقہی مسائل کو زیرِ بحث لانا مناسب نہ تھا، اسی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذہب حنفی کی تقلید کی اور مریدین کو اس پر کاربند رہنے کا حکم دیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ مذہب مقامات نبوت کا حامل ہے اور امت کی ایک کثیر تعداد اس سے وابستہ ہے۔ علاوہ ازیں مشائخ نقشبندا کثر حنفی گذرے ہیں۔ آپ خطا کی صورت میں بھی مجتہد کی تقلید کو لازم قرار دیتے ہیں۔ شیخ صوفی کو ایک خط میں اربابِ کشف اور مجتہدین کی خطاء کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''اہلِ کشف کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں جائز نہیں اور مجتہد کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں بھی جائز اور درست ہے بلکہ واجب و لازم ہے۔'' ﴿۴۳﴾

ملا مقصود تبریزی کو لکھتے ہیں:

''اور مجتہد پر کیا اعتراض کہ اس کی غلطی بھی ایک ثواب کا درجہ رکھتی ہے۔ اور اگرچہ وہ خطا کر جائے پھر بھی اس کی تقلید نجات کا سبب ہے۔'' ﴿۴۴﴾

ایک اور مقام پر مقلد کو نصیحت فرماتے ہیں:

''جس طرح کتاب و سنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے اسی طرح کتاب و سنت پر اس طریقہ کے مطابق جو ائمۂ مجتہدین نے ان سے استنباط فرمایا ہے اور ان سے حلال و حرام، فرض و واجب اور سنت و مستحب اور مکروہ و مشتبہ احکام پر عمل کرنا اور ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور مقلد کو اس امر کی اجازت نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف از خود ہی کتاب و سنت سے احکام اخذ کرتا پھرے اور ان پر عمل

﴿۴۲﴾ ندوی، ابوالحسن، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ج ۲، ص: ۳۳۵

﴿۴۳﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۳۱

﴿۴۴﴾ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۲۲

کرے۔ عمل میں اپنے مجتہد کے مذہب میں جس کا تابع ہے قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے۔'' ﴿۴۵﴾

عامی کے لئے نجات کا انحصار تقلید پر ہے۔ معارف لدنیہ میں لکھتے ہیں:

''تقلید کے شایانِ شان تو علوم شرعیہ ہی ہیں۔ نجات ابدی حنفی اور شافعی رحمہما اللہ کی تقلید میں ہی منحصر ہے۔'' ﴿۴۶﴾

آپ کے نزدیک اولیاء اللہ اور صوفیہ باوجود اپنی عظمت و بزرگی کے تقلید کے مکلف ہیں۔ صاحبزادگان کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''ولایت خاصہ کے مالک اور عام مؤمن مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی اور وہ تقلید سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، اور شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید، عمرو، بکر اور خالد ساتھ جو کہ مومنین سے ہیں برابر ہیں۔'' ﴿۴۷﴾

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا ایک قسم کا الحاد ہے۔ ﴿۴۸﴾

دفتر اول کے مکتوب ۳۱۲ میں آپ نے وضاحت کی ہے کہ مقلد کسی بھی صورت میں امام کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا۔

واضح رہے کہ امام کا کوئی قول نصوص صریحہ کے خلاف ہو اس صورت میں امام کے قول کو چھوڑنا ہی اس امام کا مذہب ہوگا ﴿۴۹﴾۔ علماء کرام اور مشائخ نقشبندیہ اسی کے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں

﴿۴۵﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۶

﴿۴۶﴾ معارف لدنیہ، ص: ۱۵۶

﴿۴۷﴾ مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

﴿۴۸﴾ مبدا و معاد، ص: ۱۶۴

﴿۴۹﴾ ہر دور میں محقق علماء نے اپنے پیش رو آئمہ سے اختلاف کیا۔ ماضی قریب میں نامور فقیہ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی، ابن ہمام اور دیگر فقہاء سے اختلاف کیا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سلسلۂ مجددیہ کے نامور سپوت حضرت مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق بھی یہی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

ظاہر ہے کہ امت کے افراد پر پیغمبر کی اتباع واجب ہے لیکن ائمہ میں سے کسی کا اتباع واجب نہیں اور اہل امت کو اختیار ہے کہ وہ جس مجتہد کا مذہب چاہیں اختیار کریں اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنے سے حضرت امام ابوحنیفہ کے مذہب سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل ہے تو وہ لائے۔ البتہ ان مشہور مذاہب میں سے ایک مسلک سے دوسرے مسلک میں منتقل ہونا تفصیل کا محتاج ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع پر رسالہ ''جزیل المواہب فی انتقال المذاہب'' تالیف کیا جسکا خلاصہ یہ ہے:

''ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونا جائز ہے۔ امام رافعی نے اس کی تائید کی ہے۔ اور امام نووی نے بھی اس کا اتباع کیا ہے۔ اور روضۃ ﴿۵۰﴾ میں لکھتے ہیں کہ مذاہب کی تدوین کے بعد یہ جائز ہے کہ مقلد ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ مقلد پر لازم ہے کہ دونوں مذہب کے مجتہدوں کے مطابق طلب علم کرے، اور جب اسے یقین ہو جائے کہ دوسرا گروہ زیادہ عالم ہے تو وہ جائز ہے، بلکہ واجب ہے۔ اگر اسے اختیار بھی دے دیں تو جائز ہے۔ انتہٰی

مقلد کی بھی کئی حالتیں ہیں۔ عقل کا تحصر بھی چار چیزوں سے خالی نہیں کیونکہ مقلد عامی ہے یا عالم، ان دونوں کے انتقال مذہب کی وجہ دینی ہے یا دنیاوی، اس لئے اگر جاہل ہے اور فقہ سے واقف نہیں اور اپنے مذہب کے بارے میں سوائے نام کچھ نہیں جانتا اور صرف مال و جاہ کے لئے مذہب بدلتا ہے تو یہ اس کی گھٹیا حرکت ہے۔ نیز اس کی تبدیلیٔ مذہب محض خلل ہے۔ اگر وہ عالم اور فقیہ ہے اور دنیا کے لئے مذہب تبدیل کرتا ہے تو یہ زیادہ سخت ہے۔ گویا کہ وہ مذہب کے ساتھ مذاق کرتا ہے، صرف دنیا کی غرض کے لیے، یہ ناجائز ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مولانا عبدالحئ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے مسائل میں حنفی آئمہ سے اختلاف کیا۔

﴿۵۰﴾ روضۃ الطالبین عمدۃ المفتین، امام یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۷ھ) کی فقہ شافعی پر مشہور کتاب ہے۔

اگر اپنے مذہب میں وہ فقیہ ہے اور انتقالِ مذہب کا سبب دینی ہے اور دوسرے مذہب کو اس کے نزدیک قوی دلائل کے ساتھ ترجیح ہے تو اس پر انتقالِ مذہب واجب اور ایک روایت کے مطابق جائز ہے۔ اور اگر وہ فقہ سے واقف نہیں ہے اور اپنے مذہب میں تفقہ کے باوجود جاہل رہا اور دوسرے مذہب کو اپنے لئے زیادہ آسان اور جلد سمجھ میں آجانے والا خیال کیا اور دوسرے مذہب میں فقہ کی حیثیت حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بھی انتقال مذہب واجب ہے۔ کیونکہ مذہب میں تفقہ جہالت سے بہتر ہے۔ کیونکہ کسی ایک مذہب میں مرتبہ تفقہ حاصل کرنا تمام مذاہب کے سے بہتر ہے۔ غالباً جاہل کی عبادت صحیح نہیں ہوتی۔ اور اگر انتقال کا کوئی دینی یا دنیاوی مقصد نہیں ہے بلکہ محض عمل کی وجہ سے ہے تو عام کے لئے بھی جائز ہے۔ لیکن فقیہ کے لئے ممنوع ہے۔ کیونکہ اس نے ایک مدت میں اس مذہب کا فقہ حاصل کیا ہے اور اگر اس نے دوسرے مذہب کو اختیار کیا تو اس مذہب کا فقہ حاصل کرنے کے لئے اسے پھر ایک عمر درکار ہے اور عمل جو اصل مقصد ہے، نہیں ہو سکے گا۔ پس اس کا مذہب تبدیل نہ کرنا ہی سب سے بہتر ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی غیر حنفی مذہب میں آئے تو جائز ہے، اور حنفی کسی دوسرے مذہب میں جائے تو یہ ناجائز ہے، کہ محض تعصب ہے۔ اس کی کوئی سبیل نہیں، کیونکہ حقیقت میں تو سب امام برابر ہیں اور اگر حنفی مذہب یا کسی دوسرے مذہب کی تقدیم کے بارے میں کوئی آیت یا حدیث وارد ہوتی تو اس مذہب کی تقلید امت کے ہر فرد پر واجب ہوتی اور دوسرے مذہب کی تقلید ناجائز ہوتی۔ یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔

صاحب جامع الفتاویٰ ﴿۵۱﴾ نے، جو کہ حنفی المذہب ہیں، کہا ہے کہ مرد یا عورت کا مذہب شافعی سے مذہب حنفی میں جانا جائز ہے۔ لیکن یہ انتقال تمام مسائل میں ہونا چاہئے نہ کہ صرف چند مسائل میں، ماضی اور حال کے بہت سے بزرگوں نے مسلک تبدیل کیا ہے اگر یہ ناجائز ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے۔ ﴿۵۲﴾

جو کوئی اس کے خلاف کہے، اس کا قول بے دلیل، ناقابل قبول اور نامعقول ہے۔ ہدایت کی

﴿۵۱﴾ امام ناصر الدین محمد بن یوسف (م ۵۵۶ھ) کی کتاب

﴿۵۲﴾ ایسی مثالوں کے لئے امام مناوی کی فیض القدیر جلد اول، ص: ۲۱۱-۲۱۲ ملاحظہ فرمائیں۔

پیروی کرنے والے پر سلامتی ہو۔‘‘ ﴿۵۳﴾

خود شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک فقیہ اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر دوسرے امام کے قول پر بھی، بوقتِ ضرورت، فتویٰ دے سکتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

شافعیہ بعض مسائل میں جن میں امام نے تنگی پیدا کی ہے، حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں میں آسانی مہیا کرتے ہیں مثلاً مصارفِ زکوٰۃ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے زکوٰۃ کو مصارفِ زکوٰۃ کی تمام اقسام پر تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے ایک مؤلفۃ القلوب بھی ہیں جو اس وقت مفقود ہیں، علماء شافعیہ نے حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا ہے کہ ان اقسام میں اگر کسی ایک کو بھی زکوٰۃ دے دی جائے تو کافی ہے۔‘‘ ﴿۵۴﴾

اسی مکتوب میں چند سطور پہلے لکھتے ہیں:

’’فتویٰ آسان اور سہل قول پر دیا جائے اگرچہ اپنے مذہب کے موافق نہ ہو، خواہ کسی مجتہد کے قول پر ہو۔‘‘

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے جس تبدیلی مذہب کو الحاد کی قسم سے قرار دیا ہے وہ عوام الناس کے لئے ہے تاکہ وہ شریعت کو بازیچہ اطفال نہ بنالیں اور مسائلِ شریعت کو خواہشاتِ نفسانی کے تابع نہ کریں۔

فقہ اسلامی کے مآخذ

فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ چار ہیں جنہیں ادلہ اربعہ کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’شرعی احکام ادلہ اربعہ سے وابستہ ہیں۔ احکام شریعت کے اثبات میں اصل چیز کتاب وسنت ہے اور مجتہدین کا قیاس اور امت کا اجماع بھی احکام کا مثبت ہے۔ ان چار شرعی دلائل کے

﴿۵۳﴾ غلام علی، شاہ، مقامات مظہری، ترجمہ و تحقیق: محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور ۱۹۸۳ء، ص: ۵۰۴۔۵۰۶

﴿۵۴﴾ مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۲۲

سوا کوئی دلیل بھی احکام شرعیہ کی مثبت نہیں ہو سکتی۔﴿۵۵﴾

قرآن، سنت اور قیاس

قرآن وسنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''جو آدمی قرآن وسنت سے آنکھیں بند کر کے جھگڑنا شروع کر دے وہ بحث سے خارج ہے

شیخ سعدی نے فرمایا ہے:

آنکس کہ بقرآن و خبر زونہ رہی
آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی

یعنی جس شخص سے بحث کے وقت تو قرآن وحدیث کے دلائل سے چھٹکارا نہیں پا سکتا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اس کو بالکل جواب نہ دے﴿۵۶﴾

قرآن کریم، سنت اور قیاس کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کے احکام کی تیسری قسم وہ ہے کہ انسانی طاقت ان کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ جب تک اللہ کی طرف سے ان کی اطلاع نہ ہو، ان احکام کو سمجھا نہیں جا سکتا اور اس اطلاع کا حصول پیغمبر ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور پیغمبر ﷺ کے علاوہ اور کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ احکام چونکہ قرآن مجید سے ماخوذ ہیں لیکن ان کا اظہار نبی کے ذریعہ سے ہوتا ہے تو مجبوراً ان کو سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اظہار سنت کی طرف سے ہوا ہے بلکہ اسی طرح جیسے کہ احکام اجتہادیہ کو قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مظہر قیاس ہے پس سنت اور قیاس دونوں مظہر احکام ہیں اگرچہ ان دونوں میں بہت فرق ہے کہ ان میں سے ایک (قیاس) کا اعتماد تو رائے پر ہے جس میں غلطی کا امکان ہے اور دوسرے سنت کو خدا تعالیٰ کی تائید حاصل ہے جس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ آخری قسم اصل (قرآن مجید) کے ساتھ کمال مشابہت رکھتی ہے۔ گویا کہ احکام کی مثبت یہی ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام احکام کی مثبت وہی کتاب عزیز (قرآن مجید) ہے۔﴿۵۷﴾

﴿۵۵﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

﴿۵۶﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۲۴

﴿۵۷﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

اجماع اور اجتہاد

جاننا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ کتاب وسنت کے مبلغ ہیں اور اجماع بھی انہی کے زمانہ سے وابستہ ہے ﴿۵۸﴾ زمانہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد احکام اجتہادیہ ظنی ہیں جو مفید عمل تو ہیں لیکن مثبت اعتقاد نہیں ہیں کہ ان کا منکر کافر قرار پائے ہاں اگر مجتہدین کا اجماع کسی حکم پر منعقد ہو جائے تو وہ مثبت اعتقاد بھی ہو جاتا ہے۔ ﴿۵۹﴾ باقی رہا قیاس اور اجتہاد فقہی یہ بالکل بدعت نہیں بلکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر کرتا ہے۔ کسی نئی چیز یا زائد چیز کو ثابت نہیں کرتا۔ ﴿۶۰﴾

دیگر مآخذ

فقہ اسلامی کے جن ثانوی مآخذ کا حضرت مجددرحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا درج ذیل ہیں:

ا۔ الہام:

حضرت مجددرحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقام پر صوفیہ کے حوالے سے الہام کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

''ہاں! شرعی احکام ادلۂ اربعہ سے وابستہ ہیں کہ الہام کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے لیکن امورِ دینیہ احکام شرعیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں کہ جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ تیسرا اصل الہام ہے۔ کتاب وسنت کے بعد یہ اصل قیامت تک قائم ہے پس دوسروں کو ان بزرگوں سے کیا نسبت؟ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بعض اوقات میں عبادت کرتے ہیں اور وہ عبادت ناپسندیدہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بعض حالات میں عبادت چھوڑ دیتے ہیں اور وہ چھوڑنا پسندیدہ ہوتا ہے تو حق کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے اور عوام اس کے برخلاف حکم کرتے ہیں اس کو عابد سمجھتے ہیں اور اس کو مکار اور فریبی۔''

﴿۵۸﴾ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۲۴

﴿۵۹﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۳۶

﴿۶۰﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۱۸۶، ۲۶۰

سوال: جب دین کتاب وسنت سے مکمل ہو چکا تو مکمل ہونے کے بعد الہام کی کیا ضرورت پڑی اور کیا نقصان رہ گیا تھا جو کہ الہام سے پورا ہوا؟

جواب: الہام دین کے مخفی کمالات کا مظہر ہے، نہ کہ کمالاتِ زائدہ کا مثبت۔ جیسا کہ اجتہاد احکام کا مظہر ہے اسی طرح الہام دقائق واسرار کا مظہر ہے کہ اکثر لوگوں کا فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہر چند کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے کہ اس (اجتہاد) کا دارومدار رائے پر ہے اور اس (الہام) کا دارومدار اللہ کی ذات پر ہے۔ پس الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہوگئی جو اجتہاد میں نہیں تھی۔ الہام کی مثال نبی کے اعلام کی طرح ہے جو کہ سنت کا ماخذ ہے۔ اگر چہ الہام ظنی ہے اور اعلام قطعی۔'' ﴿۶۱﴾

اسی مکتوب میں دوسرے مقام پر آپ لکھتے ہیں:

''الہام حلت وحرمت کا مثبت نہیں ہے اور اہلِ باطن کا کشف فرض وسنت کا اثبات نہیں کر سکتا۔ ولایت خاصۃ کے مالک اور عام مومن مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی۔''

اصولیین نے الہام کے عدم حجت پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ﴿۶۲﴾ حضرت مجدد کا نکتہ نظر اصولیین کے عین مطابق ہے۔ اسی لیے آپ کے نزدیک وحی قطعی اور الہام ظنی ہے۔ ﴿۶۳﴾

قرآن وسنت کی نصوص کو الہام پر ترجیح دیتے ہوئے ملا طاہر بدخشی کو لکھتے ہیں:

''غرض جو کچھ قطعی اور اعتبار کے لائق ہے وہ صرف کتاب وسنت ہے جو وحی قطعی سے ثابت ہوئے ہیں۔ علماء کا اجماع اور مجتہدین کا اجتہاد بھی انہی دو اصولوں کی طرف راجع ہے۔ ان چار شرعی اصولوں کے سوا اور جو کچھ بھی ہو، خواہ صوفیہ کے علوم ومعارف اور ان کے کشف والہام اگر ان اصولوں کے مطابق ہیں تو مقبول ہیں ورنہ مردود۔ وہاں وجد وحال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تول لیں، نیم

﴿۶۱﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

﴿۶۲﴾ البنانی، حاشیۃ البنانی علی جمع الجوامع، مطبع اصح المطابع بمبئی، ج ۲، ص: ۳۸۶

﴿۶۳﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۴۱

جو سے بھی نہیں خریدتے۔ کشوف والہام کو جب تک کتاب وسنت کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں نیم دام کے برابر بھی پسند نہیں کرتے۔'' ﴿۶۴﴾

ا۔ تعامل:

مطلقاً تعامل استحسان کی دلیل نہیں جو تعامل معتبر ہے، وہ ہے جو ابتدائی دور سے آرہا ہو یا پھر تمام لوگوں کے اجماع سے حاصل ہو۔ جیسا کہ فتاویٰ غیاثیہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ شیخ شہید رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے فرمایا ہے کہ ہم مشائخ بلخ کے استحسان کو قبول نہیں کرتے بلکہ ہم متقدمین اصحاب کے اقوال کو قبول کریں گے کیونکہ ایک شہر کا تعامل جواز پر دلالت نہیں کرتا۔ جواز پر وہ تعامل دلالت کرے گا جو کہ اسلام کے ابتدائی دور سے لے کر مسلسل چلا آرہا ہو تاکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی تقریر پر دلیل ہو کہ آنحضرت ﷺ کی شریعت ہوگا اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر لوگوں کا فعل حجت نہیں ہوگا۔ ماسوا اسی صورت کے تمام آدمی اس پر عمل کریں تاکہ یہ اجماع ہو جائے اور اجماع حجت ہے۔ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر کچھ لوگ شراب کی تجارت یا سود کے رواج کو تعامل بنالیں تو ان کے حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ تمام لوگوں کے تعامل اور تمام شہروں اور بستیوں کے عمل کا علم حاصل کرنا بشری طاقت سے باہر ہے۔ باقی رہا ابتدائی دور کا تعامل جو کہ حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کا لوگوں کو اس عمل پر برقرار رکھنا ہے وہ درحقیقت آپ ہی کی سنت ہے۔'' ﴿۶۵﴾

۲۔ عرف:

قول یا عمل میں جمہور کی عادت کا نام عرف ہے۔ جن مسائل میں کوئی صریح حکم نہ ہو ان کا فیصلہ لوگوں کی عادات کے مطابق ہوتا ہے لیکن عرف کا دائرہ ان ہی حدود تک وسیع رہے گا جن میں شارع نے انسان کو آزادی دی ہے اور جہاں شارع نے پہلے ہی سے تحدید کردی ہو وہاں عرف وعادات کا اعتبار نہ ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ نے ایک مسئلہ کے ذریعے شریعت اسلامی کے اس اصول

﴿۶۴﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۱۸

﴿۶۵﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۵۴

کی وضاحت کی ہے۔ آپ کی بیان کردہ تفصیلات درج ذیل ہیں:

جان لیں کہ اس باب میں ہم بھی تردد اور شک رکھتے ہیں عرب کے لوگ پیش چاک پیراہن پہنتے ہیں اور اسے سنت جانتے ہیں اور فقہ حنفی کی بعض معتبر کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش چاک پیراہن مردوں کو نہیں پہننا چاہئے کہ یہ عورتوں کا لباس ہے۔ امام احمد و ابوداؤد حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ

لعن الرّجل یلبس لبس المرءة والمرأة تلبس لبس الرّجل

ترجمہ: ''اس مرد پر لعنت ہوتی ہے جو عورت جیسا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت ہوتی ہے جو مرد کا لباس پہنے۔''

مطالب المومنین میں ہے: ''اور عورت مردوں سے مشابہت پیدا نہ کرے اور نہ ہی مرد عورتوں سے مشابہت کرے کیونکہ دونوں گروہوں پر لعنت ہوئی ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ پیراہن پیش چاک اہل دین اور اہل علم کا لباس نہیں لہٰذا اسلامی حکومت میں رہنے والے کافروں کے لئے یہ لباس تجویز کیا گیا ہے۔

جامع الرموز میں محیط سے نقل ہے: ''تو ذمی شخص وہ لباس نہ پہنے جو اہل علم اور اہل دین کے ساتھ خاص ہے بلکہ موٹے کھدر کی قمیص پہنے جس کا چاک سینے پر ہو جیسا عورتوں کا ہوتا ہے۔''

نیز بعض علماء کے قول کے مطابق پیش چاک قمیص نہیں ہے بلکہ درع ہے ان کے نزدیک قمیص یہ ہے کہ جس کا چاک کندھوں کی طرف رکھا گیا ہو۔ جامع الرموز میں عورت کے کفن کے بیان میں ہے (اور ہدایہ میں ہے قمیص کا بدل درع ہے) اور ان دونوں میں فرق یہ بتایا گیا ہے کی درع کا چاک سینے کی طرف ہوتا ہے اور قمیص کا چاک کندھے کی طرف۔ بعض نے دونوں کو ایک قرار دیا ہے۔

فقیر کے نزدیک یہ بات درست دکھائی دیتی ہے کہ جب مردوں کو عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع کیا گیا ہے تو ہم دیکھیں گے کہ جس علاقے کی عورتیں پیراہن پیش چاک پہنتی ہیں اس علاقے کے مردوں کو چاہئے کہ عورتوں کی مشابہت ترک کرتے ہوئے گول چاک والا پیراہن پہنیں اور جس علاقے کی عورتیں گول چاک والا پیراہن پہنتی ہیں وہاں مرد ضرورت کی بناء پر پیرہن پیش چاک استعمال کریں۔ عرب کی عورتیں گول چاک والا پیراہن پہنتی ہیں، اس لئے وہاں کے مرد پیش چاک کا

پیرہن پہنتے ہیں اور ماوراء النہر اور ہندوستان کی عورتوں کا لباس پیش چاک پیراہن ہے اس لئے مرد گول حلقے والا پیراہن استعمال کرتے ہیں۔

میاں شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ میں مکے میں تھا تو شیخ نظام نارنولی کے ایک مرید کو دیکھا کہ وہ گول حلقے والا پیراہن پہن کر کعبہ شریف کا طواف کر رہا تھا اور عربوں کا ایک گروہ اس کرتے پر تعجب کر رہا تھا کہ اس نے عورتوں کا کرتہ پہنا ہوا ہے تو اعتبار عرف و عادت کا ہے۔ اہل عرب کا عمل بھی درست ہے اور ہندوستان اور ماوَرَاء النہر والوں کا عمل بھی درست ہے۔ ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے۔

اگر پیش چاک پیراہن کی سنیت علمائے حنفیہ کے نزدیک ثابت ہوتی تو اس لباس کو ذمی لوگوں کے لئے جائز قرار نہ دیتے، اور اہل دین اور اہل علم سے خاص رکھتے۔ چونکہ اس لباس میں عورتیں پیش چاک پہنتی ہیں اس لئے یہاں کے مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کے تابع کر دیا گیا۔[۶۶]

آپ کے نزدیک زمان و مکان کی تبدیلی سے عرف بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔[۶۷]

تشریع کے قرآنی اصول

انسانی طبیعت و مزاج کے پیش نظر، قرآن کے اوامر و نواہی میں جن اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ عدم حرج

۲۔ قلت تکلیف

۳۔ تدریج

۴۔ نسخ

ان میں سے حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ نے جن اصولوں کے حوالہ سے کچھ لکھا ہے وہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

---

[۶۶] ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۳۱۲

[۶۷] ایضاً، فتر اول، مکتوب: ۲۳۱

عدم حرج اور قلت تکلیف

حرج درحقیقت تنگی کو کہتے ہیں وہ مشقتیں جو عادتاً روزانہ کے کام میں ہوتی ہیں حرج میں داخل نہ ہوں گی ورنہ مطلقاً حرج سے گلوخلاصی تو ممکن ہی نہیں۔ عدم حرج کا لازمی نتیجہ قلت تکلیف ہے۔ امت محمدیہ ﷺ پر اللہ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ اسے غیر معتاد مشقت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

عدم حرج اور قلت تکلیف کے بارہ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے افکار درج ذیل ہیں:

مولانا بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کو ان امور کی وضاحت کرتے ہوئے، دین میں آسانی کے پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''یہ بات بھی علم میں ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان کی طاقت اور استطاعت کے مطابق مکلّف بنایا ہے اور ان کے ضعف خلقت کے باعث تکلیف میں ان کے لئے آسانی رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴿۶۸﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تم سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

اور اللہ کی طرف سے آسانی کیوں نہ ہو حالانکہ وہ ذات سبحانہ حکیم، رؤف اور رحیم ذات ہے۔ اس کی حکمت، نرمی اور رحمت کے یہ لائق نہیں کہ بندے کو اس امر کی تکلیف دے جو اس کی استطاعت سے باہر ہو چنانچہ اللہ نے کسی انسان کو بہت بڑی چٹان اٹھانے کی تکلیف نہیں دی جس کے اٹھانے پر بندہ قادر نہیں بلکہ ایسے امور کی تکلیف دی ہے جو بندے کے لئے بہت آسان ہیں جیسے:۔

نمازیں: جو قیام، رکوع، سجود اور آسان قرأت پر مشتمل ہیں اور یہ سب نہایت ہی آسان کام ہیں۔ اسی طرح روزوں میں بھی سہولت ہے اور زکوٰۃ کی بھی یہی نوعیت ہے، چنانچہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر کی گئی ہے، سارا یا نصف مال دینا لازم نہیں تاکہ بندوں کو گراں اور بھاری محسوس نہ ہو۔

یہ بھی اللہ کی کمال کرم نوازی ہے کہ ہر مامور بہ کا اس کے ادا نہ ہونے کی صورت میں بدل اور عوض مقرر کر دیا۔ چنانچہ وضوء کے بدلے تیمم جائز قرار دے دیا گیا اسی طرح یہ حکم بھی دیا کہ جو کھڑے ہو

﴿۶۸﴾ سورہ النساء آیت: ۲۸

کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہو، بیٹھ کر نماز پڑھے اور جو بیٹھنے پر بھی قادر نہ ہو لیٹ کر نماز پڑھ لے اور جو رکوع و سجود پر قدرت نہ رکھتا ہو اشارے سے نماز ادا کرے۔ وغیر ذٰلک۔ جیسا کہ نظر انصاف و اعتبار سے احکام شرعیہ کو دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں تو ایسا شخص دیکھے گا کہ تمام تکلیفات شرعیہ میں نہایت آسانی اور سہولت ہے۔ تکلیفات شرعیہ کے آسان ہونے کی گواہی اس سے ملتی ہے کہ عوام زیادہ تکلیفات شرعیہ کی آرزو کرتے ہیں چنانچہ بعض یہ آرزو کرتے ہیں کہ فرض روزے ایک ماہ سے زیادہ ہونے چاہئیں۔ اور بعض فرض نمازوں میں زیادہ ہونے کے آرزومند ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور اس تمنا کی وجہ صرف یہی ہے کہ احکام شرعیہ میں نہایت آسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ﴿۶۹﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشرکوں کی نجاست سے مراد ان کا خبث باطن اور بد اعتقادی ہے نہ کہ ان کا نجس العین ہونا۔ وہ علماء جو مشرکوں کی نجاست کو نجس العین سمجھتے ہیں ان کا رد کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''مشرک لوگ نجاست سے پرہیز نہیں کرتے تو یہ بات آج اکثر اہل اسلام میں موجود ہے اور یہ چیز آدمی کی نجاست کا سبب ہو تو معاملہ تنگ ہو جائے گا اور اسلام میں تنگی نہیں۔'' ﴿۷۰﴾

اسی مکتوب میں چند سطور بعد آپ لکھتے ہیں:

''اور پھر یہ بھی ہے کہ دین میں تنگی نہیں ہے اور یہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ ان پر نجاست کا حکم لگانا اور ان کو نجس العین سمجھنا مسلمانوں پر کتنی تنگی ڈالتا ہے اور ان کو کس قدر محنت میں مبتلا کرتا ہے۔''

''وہ لوگ جو کافروں کے کھانے' پانی کے حرام ہونے کے قائل ہیں، یہ عادۃً محال ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس کے ارتکاب سے محفوظ رکھ سکیں۔ خصوصاً ہندوستان کے علاقہ میں کہ یہ مصیبت بہت زیادہ ہے، اس مسئلہ میں جو ''عموم بلوی'' ﴿۷۱﴾ رکھتا ہے بہتر یہ ہے کہ فتویٰ آسان اور سہل قول پر دیا جائے اگرچہ اپنے مذہب کے موافق نہ ہو خواہ کسی مجتہد کے قول پر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿۶۹﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۹/ دفتر دوم کے مکتوب ۶۷ میں بھی اس سلسلہ کے بعض امور پر آپ نے روشنی ڈالی ہے۔

﴿۷۰﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۶۷

﴿۷۱﴾ روزمرہ زندگی میں کسی مسئلہ سے سابقہ پڑنا اور اس میں احتیاط کا دشوار ہونا

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُم الْیُسْرَ وَلا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْر ﴿۷۲﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے۔ تنگی مقصود نہیں۔''

یہ بھی فرمایا:

یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَ خُلِقَ الانْسَانُ ضَعِیْفاً ﴿۷۳﴾

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ تم سے بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

مخلوق کو تنگ کرنا اور ان کو ناراض کرنا حرام ہے اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے برخلاف ہے۔ شافعیہ بعض مسائل جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تنگی پیدا کی ہے، حنفی مذہب کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو آسانی مہیا کرتے ہیں۔'' ﴿۷۴﴾

نسخ:

نسخ کے دو مطلب ہیں:

۱۔ پہلا حکم بالکل ختم کر دیا جائے۔

۲۔ حالات کے لحاظ سے پہلے حکم میں کسی قسم کی ترمیم کر دی جائے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نسخ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''پس نسخ ان احکام میں ہوتا ہے جو کہ بحسب لغت صحیفہ منزلہ سے ثابت ہوں اور وہ احکام جو اجتہاد اور اعلام سے ثابت ہو اور سنت و اجتہاد کی طرف منسوب ہوں ان میں نسخ نہیں ہوتا۔ نسخ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ حکمِ ثانی تمام لوگوں کے لیے عام ہوتا کہ اس حکم کو رفع کرے جو ایک گروہ کی نسبت دیا گیا تھا۔ پس ایک پیغمبر کا اجتہاد اور اس کی سنت دوسرے پیغمبر کے اجتہاد اور سنت کی ناسخ نہیں ہوتی کیونکہ وہ کسی دوسری قوم کے لئے ہوتا ہے اور یہ کسی اور قوم کے لئے۔ ہاں اگر یہ اختلاف سب

﴿۷۲﴾ سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۸۵

﴿۷۳﴾ سورۃ النساء آیت: ۲۸

﴿۷۴﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۲۲

لوگوں کے لئے یا کسی ایک قوم کے لئے ہو تو اس صورت میں واقعی نسخ ہوگا، جیسا کہ اس شریعت میں ہے جو کہ تمام لوگوں کے لئے ہے۔ حکم ثانی حکم اول کے لئے ناسخ ہوگا۔ پس ہمارے پیغمبر ﷺ کی پچھلی سنت ان کی پہلی سنت کی ناسخ ہوگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کہ بعد نزول اس شریعت کی اتباع کریں گے کہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔'' ﴿۷۵﴾

متعلقات نصوص:

نص کی الفاظ پر دلالت کے اعتبار سے چار قسمیں ہیں۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ لکھتے ہیں:

''قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کا جامع ہے۔ بلکہ تمام پہلی شریعتوں کا بھی جامع ہے۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اس شریعت کے بعض احکام ایسے ہیں جو عبارۃ النص ﴿۷۶﴾، اشارۃ النص ﴿۷۷﴾، دلالۃ النص ﴿۷۸﴾، اور اقتضاء النص ﴿۷۹﴾ سے معلوم ہوتے ہیں۔'' ﴿۸۰﴾

﴿۷۵﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

﴿۷۶﴾ عبارۃ النص: عبارۃ النص سے ثابت وہ حکم ہے جو ظاہری کلام سے سمجھ میں آئے اور اصلاً یا ضمناً کلام اسی کے لئے لایا گیا ہو یعنی کلام سے وہی مقصود ہو۔

﴿۷۷﴾ اشارۃ النص: اشارۃ النص سے ثابت وہ حکم ہے جو ظاہری کلام سے سمجھ میں نہ آئے اور کلام اس کے لئے لایا بھی نہ گیا ہو لیکن کلام میں اس کی طرف اشارہ موجود ہو جو توجہ کرنے سے سمجھ میں آجائے۔

﴿۷۸﴾ دلالۃ النص: دلالۃ النص وہ حکم ہے جو معنیٰ نص سے لغۃً ثابت ہو نہ کہ رائے سے اجتہاداً ہو۔

﴿۷۹﴾ اقتضاء النص: اقتضاء النص سے ثابت وہ حکم ہے جو موجودہ کلام سے نہیں بلکہ اس میں کوئی مناسب و ناگزیر محذوف تسلیم کیا جائے اور وہ حکم سمجھ میں آئے۔

ان تعریفات کے لئے ملاحظہ فرمایئے: زیدان، عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، فاران اکیڈمی لاہور، ص: ۳۵۴ تا ۳۶۵/ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد، اصول السرخسی، دارالمعرفۃ بیروت، ج ۱، ص: ۲۳۶ تا ۲۵۴/ عبداللہ بن احمد، کشف الاسرار، دار الباز للنشر والتوزیع، مکۃ المکرمۃ ۱۹۸۶ء، ج ۱، ص: ۳۷۳ تا ۴۰۵/ ڈاکٹر، وہبۃ الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، دار احسان ایران، ۱۹۹۷ء، ج ۱، ص: ۳۴۸ تا ۳۵۶

﴿۸۰﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۵۵

سنت کی اقسام

سنت کی دو اقسام ہیں:

سنت ہدیٰ: انہیں سنت موکدہ بھی کہتے ہیں جیسے جماعت، اذان، اقامت

سنت عادیہ: اسے سنت غیر موکدہ بھی کہا جاتا ہے جیسے عصاء کا پکڑنا، عمامہ باندھنا۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سنن کے احکامات کی درج ذیل تفصیل بیان کی ہے:

سنن ہدیٰ میں وہ سنن موکدہ جو شعائر کا درجہ رکھتی ہیں ان کے تارکین پر عتاب ہوگا حتیٰ کہ اگر کسی شہر کے مکین اذان، جماعت کے ترک پر مصر ہوں تو حاکم وقت ان کو طاقت کے ذریعے ان سنن کی دعوت دے کیونکہ ایسی سنن شعائر اسلام ہونے کی وجہ سے بمنزلہ واجب ہیں وہ سنن جو شعائر اسلام کے درجہ پر فائز نہیں تو ان کا حکم یہ نہیں ہوگا۔

سنن پر عمل مستحسن ہے کیونکہ جو عمل رسالت مآب ﷺ نے کیا ہے خواہ بطور عبادت یا بطورِ عادت۔ اس پر عمل خیر ہی خیر ہے بلکہ از راہِ محبت کرنے سے امتی کے درجات میں بلندی اور حضور ﷺ کا قرب نصیب ہوتا ہے مگر اس پر عمل پیرا نہ ہونے والے انسان پر ملامت نہیں کی جاسکتی کیونکہ جب نبی اکرم ﷺ نے ان بیان سنن کا امت کو پابند نہیں کیا تو اب دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس میں سختی کرے۔ ﴿۸۱﴾

ان کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ لکھتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کا عمل دو طرح پر ہے۔ ایک عبادت کے طریق پر دوسرا عرف اور عادت کے طور پر۔ وہ عمل جو عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کیوں کہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین و مذہب پر کیوں کہ بعض شہروں کا عرف بعض دوسرے شہروں کے عرف کے برخلاف

﴿۸۱﴾ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد، اصول السرخسی تحقیق ابو الوفا الافغانی، دار المعرفۃ بیروت، ج۱، ص:۱۱۴-۱۱۵/ ملا جیون، احمد، نور الانوار، نور محمد کتب خانہ، کراچی، ص:۱۶۷/ ابوزہرہ، محمد، اصول الفقہ، دار الفکر العربی، بیروت، ص:۱۱۴-۱۱۵

ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے البتہ عادی سنت کو مدنظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا موجب ہے۔" ﴿۸۲﴾

فرائض کی نوافل پر فضیلت

"اس وقت کے اکثر آدمی نوافل کی ترویج اور فرائض کی تخریب میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ نفلی عبادات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور فرائض کو توجہ کے لائق نہیں سمجھتے اور انہیں حقیر و بے اعتبار جانتے ہیں۔ تمام دولت وقت یا بے وقت مستحق، غیر مستحق کو دے دیتے ہیں۔ لیکن ایک دمڑی بھی ان کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں دینا جو کہ صحیح مصرف ہے، بڑا مشکل ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ زکوٰۃ میں ایک دمڑی دینا نفلی صدقہ میں ایک لاکھ روپے دینے سے بہتر ہے۔" ﴿۸۳﴾

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"اور شک نہیں کہ نفل فرض کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں۔ کاش کہ ان کے درمیان قطرہ اور دریائے محیط کی ہی نسبت ہوتی، بلکہ نفل کی سنت کے مقابلہ میں یہی نسبت ہے، اگرچہ سنت و فرض کے درمیان بھی قطرہ اور دریا کی نسبت ہے۔" ﴿۸۴﴾

مباحات کا دائرہ وسیع ہے

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بندوں پر اپنی مہربانی سے مباحات کا دائرہ بڑا وسیع کیا ہے، وہ بڑا ہی کوئی بدنصیب ہوگا جو کہ سینہ کی تنگی کی وجہ سے اس دائرہ کو تنگ سمجھے اور وسیع دائرہ سے باہر قدم رکھے اور حدود شریعت سے تجاوز کرے اور مشتبہ و حرام میں مبتلا ہو جائے۔" ﴿۸۵﴾

﴿۸۲﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۳۱

﴿۸۳﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۸۲

﴿۸۴﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۰

﴿۸۵﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۸۱

اگر کوئی امر سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو؟

اگر کوئی کام بعض علماء کے نزدیک سنت اور دوسروں کے نزدیک بدعت ہو تو اس کے بارے میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

''اذَا تَردد الحکم بَیْنَ سُنَّۃ وَ بِدْعَۃ کَان تَرك السُّنَّۃ رَاجحاً علیٰ فِعْل البِدعَۃ'' ﴿۸۶﴾

یعنی اس صورت میں سنت کو ترک کیا جائے گا۔

احمد رضا قادری سنت و مکروہ میں تعارض کی صورت میں ترک ہی کو اولیٰ سمجھتے ہیں۔ ﴿۸۷﴾

درج بالا صورتوں کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رَحْمۃُ اللہ عَلَیہ اپنا نکتۂ نظر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''علماء کے ہاں یہ مسلم ہے کہ احتمال کے لئے منافع کثیرہ کو چھوڑنا چاہیے۔ اسی کے قریب وہ کلام ہے کہ اگر کوئی معاملہ سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو عملِ سنت سے ترکِ بدعت بہتر ہے۔ کیونکہ بدعت کے کرنے میں احتمالِ ضرر ہے اور سنت میں توقع منافع ہوتی ہے، پس ضرر کے احتمال کو نفع کی امید پر ترجیح دے کر بدعت کو ترک کر دینا چاہیے۔'' ﴿۸۸﴾

جواز و عدم جواز میں تعارض کا حل

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے دستورِ فقہی کی وضاحت کرتے ہوئے خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آپ پوری عزیمت سے فقہاء کبار کے مختار اور مفتیٰ بہ قول پر عمل کرتے تھے اور ایسا عمل جس میں کچھ جواز اور کچھ کراہت کا پہلو فقہاء بیان کرتے تو آپ کراہت کے پہلو کو ترجیح دے کر اس پر عمل نہ کرتے اور فرماتے کہ اگر جواز و عدم جواز اور حِل و حرمت کا اختلاف ہو جائے تو جانب عدم جواز اور

﴿۸۶﴾ ردالمختار علی الدر المختار، ج ا ص: ۴۷۵

﴿۸۷﴾ قادری، احمد رضا، ملفوظات، فرید بک سٹال، لاہور، حصہ سوم، ص: ۲۶۵

﴿۸۸﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۳۱۳

جانب حرمت کو ترجیح دینی چاہیے۔" ﴿۸۹﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات میں لکھتے ہیں:

"اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کے درمیان جواز و عدم جواز اور حلال و حرام کا تعارض واقع ہو جائے تو عدم جواز کے پہلو کو ترجیح دی جائے۔" ﴿۹۰﴾

مکروہ تحریمی

جو مکروہ مباح کے مقابلے میں آتا ہے وہ مکروہ تحریمی ہے۔ ﴿۹۱﴾

مطلق اور مقید

علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو ہی اپنے اطلاق پر رکھنے کے قائل ہیں۔ اور مقید پر عمل نہیں کرتے لیکن روایات میں انہوں نے مطلق کو مقید پر عمل کرنا جائز بلکہ لازم قرار دیا ہے۔ ﴿۹۲﴾

مسئلہ تکفیر مسلم

تکفیر مسلم بدترین گناہ ہے۔ علماء نے ہمیشہ اس سلسلہ میں نہایت درجہ احتیاط کی ہے۔ اور حزم و احتیاط کا حکم دیا۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والے پر کفر لوٹ پڑتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا قَالَ الرَّجل لا خِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا اَحَدهُمَا ﴿۹۳﴾

یعنی "جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو بے شک ان دونوں میں سے ایک ضرور اس کلمہ کفر کا حق دار ہو جاتا ہے۔"

یہی وہ خطرہ ہے جس کی وجہ سے علماء کرام اور فقہاء عظام نے تکفیر مسلم کے معاملہ میں پھونک

﴿۸۹﴾ زبدۃ المقامات، ص: ۱۹۷

﴿۹۰﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۳۱۲

﴿۹۱﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۹۲

﴿۹۲﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۸

﴿۹۳﴾ فتح الباری ج ۱۲، ص: ۵۱۴

پھونک کر قدم رکھا۔ امام تقی الدین سبکی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں:

''اے بھائی! اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو توفیق عطا فرمائے۔ مسلمان کو کافر کہنے پر اقدام بڑی دشوار چیز ہے۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہوگا وہ بد مذہبوں کے کافر کہنے کو بھی خطرناک جانے گا باوجود اس چیز کے کہ وہ لا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰـہ کے قائل ہیں۔ یقیناً کافر کہنا بڑا ہولناک اور بڑے خطرے کی چیز ہے۔'' ﴿۹۴﴾

اسی احتیاط و للّٰہیت کی بناء پر حضرت شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ گناہ کبیرہ کے مرتکب ۔ تی کا فر قرار نہیں دیتے۔ اس سلسلہ میں آپ رقمطراز ہیں:

''مومن گناہوں کے ارتکاب سے اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہوں ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا۔ منقول ہے کہ ایک روز علماء کبار کے ایک بڑے مجمع میں حضرت امام ابو حنیفہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص آیا اور اس نے محفل میں یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا فرماتے ہیں علماء کبار ایک ایسے فاسق مومن کے حق میں جس نے ناحق اپنے باپ کو قتل کیا اور اس کا سر تن سے جدا کر کے اس کے سر کا کاسہ بنا کر اس میں شراب ڈال کر پی لی اور شراب نوشی کے بعد اپنی ماں سے زنا کیا۔ کیا وہ شخص مومن ہے یا کافر؟ اس علماء کے زمرہ میں ہر ایک نے اس کے حق میں بڑھ چڑھ کر غلو سے کام لیا اور اسے ایمان سے خارج بتایا۔ امام ابو حنیفہ نے اسی دوران میں فرمایا کہ وہ شخص مومن ہے اور ان کبائر کے ارتکاب سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہوا۔ امام صاحب کی یہ بات دوسرے علماء کو نہایت ناگوار گذری اور اس پر انہوں نے طعن و تشنیع کی، زبان کو دراز کیا۔ بالآخر مباحثہ کے بعد امام صاحب کی بات کو سب نے قبول کیا اور اس کے درست ہونے کا اعتراف کیا۔'' ﴿۹۵﴾

حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ کے نزدیک جب تک کوئی ضروریات دین کا انکار نہ کرے گا وہ کافر نہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ تصریح فرماتے ہیں:

''چونکہ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں ان کو کافر کہنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے، جب تک کہ وہ ضروریات دینیہ کا انکار نہ کریں۔ اور احکام شرعیہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور جو چیز یقینی طور پر

﴿۹۴﴾ شعرانی، عبدالوہاب بن احمد، الیواقیت والجواہر، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۷ء، ج ۲، ص: ۵۳۰

﴿۹۵﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب: ۶۷

دین میں آئی ہے اس کو رد نہ کریں۔علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی میں ننانوے وجہ کفر کی ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس کی وجہ تصحیح کرنی چاہیے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہیے۔'' ﴿۹۶﴾

واضح رہے کہ ضروریات دین سے مراد وہ امور ہیں جن کو ان کی شہرت کی وجہ سے عوام وخواص سب ہی دین کی ضروری باتیں سمجھتے ہیں جیسے توحید، رسالت، پانچ نمازیں وغیرہ،ان کی دو اقسام ہیں:

۱۔وہ امور جن کا ضروریات دین میں سے ہونا خواص اور علماء کی صحبت میں بیٹھنے والے عوام کو معلوم ہو۔ایسے امور کا انکار خواص کریں یا عوام، بہر حال یہ کفر ہے۔

۲۔وہ امور جن کا ضروریات دین میں سے ہونا بعض عوام پر مخفی ہوتا ہے،اگر عوام میں سے کوئی ان کا انکار کردے تو اسے کافر نہیں کہیں گے۔لیکن علماء کے بتانے پر بھی وہ بضد رہے تو کافر ہے۔﴿۹۷﴾

اگر کوئی شیخین کی فضیلت کا انکار کرے تو علماء اسے کافر قرار نہیں دیتے۔فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

''الرافض اذا کان یسب الشیخینؓ و یلعنهما و العیاذ بالله فهو کافر و ان کان یفضل علیا کرم اللّٰه تعالیٰ وجهه علی ابی بکرؓ لا یکون کافرا الامبتدعاً'' ﴿۹۸﴾

لیکن حضرت ابو بکرؓ کی صحابیت کا انکار کفر ہے۔ملا علی قاری لکھتے ہیں:

''من انکر صحبة ابی بکر الصدیقؓ کفر بخلاف انکار صحبة غیره'' ﴿۹۹﴾

﴿۹۶﴾ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب:۳۹

﴿۹۷﴾ ردالمختار، ج۱، ص:۴۶۶/ابن حجر الہیتمی، احمد شہاب الدین، الفتاوی الحدیثیہ، نور محمد کتب خانہ، کراچی، ص:۱۹۸-۱۹۹

﴿۹۸﴾ فتاویٰ عالم گیری، ج۱، ص:۲۶۴
اس نقطۂ نظر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو صرف شیخین ہی نہیں، جن صحابہ کی صحابیت تواتر سے ثابت ہے ان کے بارہ میں بھی یہی حکم ہوگا۔

﴿۹۹﴾ ملا علی قاری، شرح الفقہ الاکبر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ص:۱۷

یعنی اگر حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت دیں تو بدعتی ہیں کافر نہیں اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کا انکار کفر ہے؛ کیونکہ یہ نص سے ثابت ہے لیکن دوسروں کی صحابیت کا انکار کفر نہیں۔ اس ضمن میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے درج ذیل ہے:

''لیکن احوط یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے منکر بلکہ شیخین کی افضلیت کے منکر کو بھی کفر کا حکم نہ کریں اور مبتدع اور ضال جانیں کیونکہ اس کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اجماع کے قطعی ہونے میں بہت قیل وقال ہے۔ ایسا منکر یزید بد بخت کا ساتھی اور بھائی ہے کہ اسی احتیاط کے باعث علماء نے اس کے لعن کرنے میں توقف کیا ہے۔'' ﴿۱۰۰﴾

دوسری جگہ یزید پر لعنت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''بعض علمائے اہل سنت نے اس پر لعنت کرنے میں توقف کیا ہے، اس پر راضی ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ رجوع اور توبہ کے احتمال کی رعایت کے باعث کیا ہے۔'' ﴿۱۰۱﴾

یزید بد بخت فاسقوں کے زمرہ میں سے ہے۔ اس کی لعنت میں توقف اہل سنت کے مقررہ اصول کے باعث ہے۔ کیونکہ انہوں نے معین شخص کے لئے اگرچہ کافر ہو لعنت جائز نہیں کی مگر جب یقینا معلوم کریں کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے۔'' ﴿۱۰۲﴾

اگر کسی مسلمان سے کوئی ایسا لفظ صادر ہو گیا جو بظاہر علوم شرعیہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا تو اس کی طرف تھوڑی سی توجہ کر کے اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر مطابق شریعت کے کرنا چاہئے۔ اشاعت فاحشہ اور فاسق کی رسوائی کرنا جب کہ شریعت میں حرام ہے تو مسلمان کو رسوا کرنا، فقط اشتباہ کی وجہ سے کیونکر مناسب ہوگا؟ اور شہر بشہر اس کی منادی کرنا کون سی دین داری ہے؟ طریق مسلمانی و مہربانی کا یہ ہے کہ اس کلمہ کو جس کا ظاہر مخالف علوم شرعیہ ہے، اگر کسی سے صادر ہوا تو دیکھنا چاہئے کہ وہ شخص کیسا ہے۔ اگر ملحد و زندیق ہے تو اس کا رد کرنا چاہئے اور اس کی اصلاح کی کوشش نہیں کرنی چاہئے اور اگر اس کلمہ کا قائل مسلمان ہو کہ خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو تو اس بات کی اصلاح میں کوشش کرنی

﴿۱۰۰﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۷

﴿۱۰۱﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۵۴

﴿۱۰۲﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۵۲

چاہیے اور اس کے لئے صحیح محمل نکالنا چاہئے یا اس قائل سے اس کا حل طلب کرنا چاہیے۔ اگر وہ شخص اس کے حل کرنے سے عاجز ہو جائے تو اس کو نصیحت کرنا چاہیے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نرمی سے کرنا بہتر ہے کہ قبول کرنے کے نزدیک ہے اگر مقصود تسلیم کرانا ہو اور اگر صرف رسوا کرنا مطلوب ہو تو دوسری بات ہے۔" ﴿۱۰۳﴾

بدعت

بدعت ﴿۱۰۴﴾ لغت میں ایسی نئی چیز کو کہتے ہیں جس کی مثال پہلے موجود نہ ہو۔ اصطلاح شریعت میں اس محدث فی الدین کو کہتے ہیں کہ جس کا وجودِ شرعی زمانہ رسالت مآب ﷺ میں نہ ہو۔ شریعت میں بدعت کا اطلاق سنت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے بعد دین میں کسی بدعت کی گنجائش نہیں۔ ہر کام کے لیے کسوٹی اسوۂ حسنہ ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے کہ سنت میں میانہ روی اختیار کرنا بدعت میں کوشش کرنے سے بہتر ہے ﴿۱۰۵﴾ جس کو سنت سے جس قدر محبت ہوگی وہ بدعت سے اتنا ہی متنفر ہوگا۔

﴿۱۰۳﴾ ایضاً، دفتر سوم، مکتوب: ۱۲۱

﴿۱۰۴﴾ بدعت کے متعلقہ تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ابن اسماعیل، ابو محمد عبدالرحمٰن، کتاب الباعث علیٰ انکار البدع والحوادث، تحقیق مشہور حسن سلیمان، دار السرایہ، الریاض، ۱۹۹۰ء

۲۔ ابن وضاح القرطبی محمد، البدع والنہی عنہا، تحقیق محمد احمد، دار الصفا، القاہرہ ۱۹۹۰

۳۔ محمد بشیر الدین، صواعق الٰہیہ، مطبع احمدی

۴۔ محمد حیات سندھی، رسالہ رد بدعات

۵۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۸۶ء

۶۔ صفدر، سرفراز خاں، راہِ سنت، مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء

۷۔ انبیٹھوی، خلیل احمد، البراہین القاطعہ، کتب خانہ رحیمیہ سہارن پور

﴿۱۰۵﴾ مستدرک علی الصحیحین، ج ۱، ص: ۱۰۳

فطرت انسانی کو مسخ کر کے صفائی قلب سے محروم کرنے والی شئے بدعت ہے اسی وجہ سے سلف صالحین اس سے اجتناب کرتے۔ بدعت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کے مقابل انسان کسی نہ کسی سنت کی حلاوت سے محروم ہو جاتا ہے۔ بدعت درحقیقت شرک فی النبوۃ ہے۔اس سے ہر ممکن اجتناب ضروری ہے۔

بعض علماء نے بدعت کی تقسیم کی ہے۔انکے مطابق امور انتظامیہ، تعلیم و تدریس کے متعلقہ اموراور مباحات متجددہ بدعت حسنہ ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی حدیث من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد میں فی امرنا ھذا کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ بدعت کا تعلق امور دینیہ سے ہے نہ کہ امور دنیویہ سے، لہٰذا اقترابات میں تو بدعت کا قاعدہ جاری ہوگا۔اس میں کسی قرینہ شرعی کے بغیر مطلق کو مقید اور عام کو خاص نہیں کر سکتے کیونکہ مالیس منه میں ماعموم پر دلالت کرتا ہے، لیکن اختراعات، ملبوسات، ماکولات وغیرہ میں بدعت کا قاعدہ جاری نہیں ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد رَحْمۃُ اللہ عَلَیْہِ نے جب بدعت کی مثالیں دیں تو اقترابات (ذکر بالجہر، عبادت کے لئے اپنی طرف سے تقرر ایام و تعین صورت، زبان سے نماز کی نیت، ، نوافل کی جماعت وغیرہ) کا ذکر کیا اور جب آپ سے میر نعمان نے یہ پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں لباس فرجی، شال اور شلوار نہیں تھی ، آپ اس سے منع کیوں نہیں کرتے لیکن ذکر بالجہر سے منع کرتے ہیں آپ رَحْمۃُ اللہ عَلَیْہِ نے سنت ہدی اور عادیہ کا فرق بیان کر کے وضاحت کی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مجدد بدعت کی اس تقسیم کے بھی قائل نہیں جو علماء نے کی ہے۔ بدعت کے حوالہ سے آپ کے افکار و نظریات درج ذیل ہیں:

احادیث کے حوالہ سے بدعت کی مذمت کرتے ہوئے حضرت مجدد لکھتے ہیں:

من احدث فی امرنا ھٰذا مالیس منه فھو رد

جس نے ہمارے اس دین میں وہ چیز نکالی جو اس میں نہ ہو تو وہ شے مردود ہے۔ جو شے مردود ہو اس میں حسن کہاں سے آسکتا ہے حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللّٰه و خیر الھدی ھدی محمد و شر الامور محدثاتھا و کل بدعة ضلالة

بعد حمد و صلاۃ، پس بے شک بہتر بات کتاب اللہ ہے اور سب سے بہتر سیرت محمد ﷺ کی سیرت

ہے اور چیزوں میں سب سے بدتر نئی باتیں ہیں۔ اور ہر نئی چیز گمراہی ہے۔

دوسری جگہ آپ نے فرمایا:

اوصیکم بتقوی اللہ و السمع و الطاعۃ و ان کان عبد احبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکو بھا و عضو علیھا بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ

''اے لوگو میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، اپنے اولی الامر کی بات سننے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی تلقین کرتا ہوں اگرچہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو کیونکہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا۔ تو تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اسے مضبوطی سے تھامو اور اسے اپنی ڈاڑھوں سے پختگی سے پکڑو اور نئے نئے امور سے بچنا۔ پس بے شک ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی وضلالت ہے۔

تو جب دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور بدعت ضلالت و گمراہی تو بدعت میں اچھائی ہونے کے کیا معنی؟ نیز احادیث سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے، یہ ہے کہ ہر بدعت رافع سنت ہے لہٰذا ہر بدعت سئیہ ہی ہوگی۔ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ

''کوئی قوم بدعت جاری نہیں کرتی مگر اس کی مثل سنت اٹھالی جاتی ہے تو سنت کو مضبوطی سے تھامنا بدعت جاری کرنے سے بہتر ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ سے روایت ہے:

مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِیْ دِیْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِّثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيْدُهَا اِلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

''کوئی قوم اپنے دین میں بدعت جاری نہیں کرتی مگر اللہ اس کی مثل ان کی سنتوں میں سے چھین لیتا ہے پھر قیامت تک وہ سنت انہیں واپس عطا نہیں کرتا۔''

جاننا چاہیے کہ بعض بدعات جنہیں علماء اور مشائخ بدعتِ حسنہ کہتے ہیں جب ان کا خوب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہیں۔ ﴿۱۰۶﴾

تکمیل دین کے بعد دین میں کسی نئے امر کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آپ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''پھر اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض لوگ ان محدثات کو امور مستحسنہ جانتے ہیں اور ان بدعتوں کو حسنہ خیال کرتے ہیں اور ان حسنات سے دین کی تکمیل اور تتمیم ڈھونڈتے ہیں اور ان امور کو بجالانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو سیدھے رستے کی ہدایت دے۔ دین تو ان محدثات سے پہلے ہی کامل ہو چکا ہے اور نعمت خداوندی تمام ہو چکی اور حق تعالیٰ کی رضامندی اس سے حاصل ہو چکی جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَام دِيناً

پس ان بدعات سے دین کا کمال طلب کرنا درحقیقت قرآن پاک کی اس آیۂ کریمہ کے مضمون کا انکار کرنا ہے۔'' ﴿۱۰۷﴾

سنت کی اہمیت اور بدعت کے نقصانات بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''سعادت مند وہ ہے جو اس غربت میں متروکہ سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرے۔ اب وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر ﷺ کی بعثت پر ہزار سال گذر چکے ہیں اور قیامت کی علامتوں نے پرتو ڈالا ہوا ہے۔ سنت عہدِ نبوت کے بُعد کے باعث پوشیدہ ہو گئی ہے اور بدعت جھوٹ کے ظاہر ہونے کے باعث جلوہ گر ہو گئی ہے۔ اب ایک ایسے بہادر جوان مرد کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا جاری کرنا دین کی بربادی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو گرانے کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ

﴿۱۰۶﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۸۶

﴿۱۰۷﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۰

جس نے بدعتی کی تعظیم کی، اس نے اسلام کو گرانے میں مدد دی۔ پورے ارادہ اور کامل ہمت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ سنتوں میں سے کوئی سنت جاری ہو جائے اور بدعتوں میں سے کوئی بدعت دور ہو جائے خصوصاً ان دنوں میں کہ اسلام ضعیف ہو رہا ہے۔ اسلام کے مراسم تبھی قائم رہ سکتے ہیں جب سنتوں کو جاری کیا جائے اور بدعتوں کو دور کیا جائے۔'' ﴿۱۰۸﴾

بدعت کی اقسام

بعض علماء بدعت کو حسنہ اور سئیہ میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس تقسیم کے قائل علماء کبار درج ذیل ہیں:

امام شافعی، العزبن عبدالسلام، نووی، ابوشامہ، زرقانی، ابن عابدین شامی، ابن الجوزی، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

لیکن علماء کا ایک گروہ اس تقسیم کو بنظر استحسان نہیں دیکھتا ان میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، شاطبی، طرطوشی، الشمنی، عینی، البیہقی، ابن حجر العسقلانی، الہیثمی، ابن رجب اور ابن تیمیہ شامل ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بدعت کی سخت مذمت کی ہے۔ علامہ مراد مکی، شیخ محمد مظہر دہلوی، سعید احمد نقشبندی اور ڈاکٹر مسعود احمد کے نزدیک امام ربانی بدعت حسنہ کو سنت میں داخل سمجھتے تھے۔ حیرت ہے کہ ان محققین نے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اقوال پر غور نہیں کیا مکتوبات کی داخلی شہادتوں کی رو سے ان محققین کا یہ نقطۂ نظر درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہِ کے درج ذیل ارشادات قابل غور ہیں:

''حق تعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسن کہنے کی جرأت نہ کریں اور نہ کسی بدعت پر عمل کرنیکا فتویٰ دیں خواہ وہ بدعت ان کی نظروں میں صبح کی سفیدی کی طرح روشن ہو۔ کیونکہ سنت کے ماسوا میں شیطان کے مکر کو بڑا دخل ہے۔ گذشتہ زمانے میں چونکہ اسلام قوی تھا، اس لئے بدعت کے ظلمات کو اٹھا سکتا تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ بعض بدعتوں کے ظلمات نور اسلام کی چمک میں نورانی

﴿۱۰۸﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۲۰۳

معلوم ہوتے ہوں اور حسن کا حکم پالیتے ہوں اگر چہ ان میں درحقیقت کسی قسم کا نور اور حسن نہ ہوگا۔ مگر اس وقت کا اسلام ضعیف ہے، بدعتوں کے ظلمات کو نہیں اٹھا سکتا۔ اس وقت متقدمین و متاخرین کے فتویٰ کو جاری نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ہر وقت کے احکام جدا ہیں۔" ﴿۱۰۹﴾

"گذشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہوگا جو انہوں نے بعض پہلوؤں کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسین نہیں جانتا۔"

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ آپ متقدمین کی اس تقسیم سے اتفاق نہیں کرتے کہ بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے۔ ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

"علماء کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم پر ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سئیہ۔ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور وہ سنت کو رفع نہ کرے۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں کسی بدعت میں حسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت و کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا۔" ﴿۱۱۰﴾

اس اقتباس میں آپ نے واضح کر دیا ہے کہ بدعت کی تقسیم درست نہیں۔ اگر مان بھی لیں کہ آپ بدعت حسنہ کو سنت میں داخل سمجھتے ہیں تو پھر اسے بدعت حسنہ کہنے کا تکلف کیوں کیا جائے اسے سنت ہی کیوں نہ کہہ دیا جائے۔ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب بدعت کے بارہ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے حکیمانہ مدبرانہ طرز عمل کا سبب اس دور کا تاریخی پس منظر گردانتے ہیں۔ ﴿۱۱۱﴾ اگر اس موقف کو بھی درست تسلیم کر لیا جائے تو عہد حاضر کے سیاسی و مذہبی پس منظر میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ اس دور میں بدعت کے حوالہ سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات کی ترویج کے بغیر چارہ نہیں۔ آپ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ امام مہدی مدینہ طیبہ کے ایک عالم کو قتل کرنے کا حکم دیں گے جس نے بدعت حسنہ کو

﴿۱۰۹﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۲۳

﴿۱۱۰﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۱۸۶

﴿۱۱۱﴾ مسعود احمد ڈاکٹر، صراط مستقیم، ادارہ مسعودیہ، کراچی ۱۹۹۶ء، ص: ۳۷

دین میں شامل کرلیا ہوگا۔﴿۱۱۲﴾اس کے بعد بدعت کے حوالہ سے حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ کے موقف کو سمجھنے میں کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔ بدعت کی بحث کے آخر میں ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے ہمیں جو نصیحت کی ہے اس پر ضرور عمل کرنا چاہئے۔ وہ لکھتے ہیں:

''بہر حال حضرت مجدد رَحْمَۃُ اللہ عَلَیْہ کے خیال میں زوال وانحطاطِ ملتِ اسلامیہ کے زمانے میں صرف سنت پر عمل کیا جائے کیونکہ مرض دور کئے بغیر غذا کا استعمال نقصان دہ ہوتا ہے۔''﴿۱۱۳﴾

ماءِ مستعمل

وہ پانی جو ازالۂ حدث یا حصول قربت کے لئے استعمال کیا جائے، ماءِ مستعمل کہلاتا ہے۔ یہ پانی طاہر ہے، مطہر نہیں، یعنی اسے برتن اور کپڑے دھونے کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے، وضو اور غسل کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اعضاءِ وضوء پر بہائے ہوئے پانی کو بطور تبرک استعمال کرنے کے لئے حضرت مجدد نے ایک حیلہ اس طرح بیان کیا:

''وہ پانی جس سے ازالۂ حدث کیا گیا ہو یا بہ نیتِ عبادت وثواب وضوء کے لئے استعمال کیا گیا ہو، لوگوں کے لئے اس کا پینا جائز قرار نہ دیں۔ کیونکہ یہ پانی سیدنا حضرت امام اعظم رَحمۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ کے نزدیک نجاستِ غلیظہ کا حکم رکھتا ہے۔ ہاں وضوء سے بچے ہوئے پانی کو انہوں نے شفاء کہا ہے۔ اگر عقیدت کے طور پر کوئی طلب کرے تو وضو سے بچے ہوئے پانی میں سے دیں۔

اس فقیر کو ایک دفعہ دہلی میں یہ آزمائش پیش آ گئی۔ بعض دوستوں کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ فقیر کے وضوء کا مستعمل پانی پئیں۔ ورنہ ضررِ عظیم لاحق ہوگا۔ ہر چند اس سے باز رہنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ کتبِ فقہ کی طرف رجوع کیا تو خلاصی کی ایک صورت نکل آئی کہ اگر تین بار اعضاء دھو لینے کے بعد چوتھی بار بغیر نیتِ عبادت اعضاء پر پانی پھیر دیں تو وہ مستعمل نہ ہوگا۔ اس حیلہ سے بے نیتِ قربت اعضاء پر پانی چلا کر اسے پینے کے لئے دیا۔''﴿۱۱۴﴾

﴿۱۱۲﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۵۵

﴿۱۱۳﴾ صراطِ مستقیم، ص: ۴۱

﴿۱۱۴﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۹

وضوء

وضوء کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ہر عضو کو تین مرتبہ تمام و کمال دھونا چاہئے تاکہ وضوء بروجہِ سنت ادا ہو، سر کا مسح بالاستیعاب کرنا چاہئے۔ کانوں اور گردن کے مسح میں احتیاط کرنی چاہئے۔ بائیں ہاتھ کی خنصر (چھنگلی) سے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا چاہئے۔ اس کی رعایت رکھیں اور مستحب کے بجالانے کو تھوڑا نہ جانیں۔'' ﴿۱۱۵﴾

کسی بھی فعل کو اس طور سے انجام دینا چاہئے کہ تمام آئمہ کے اقوال پر عمل ہو جائے۔ اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:۔

''رخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے اور حتی الامکان اقوالِ مجتہدین کے جمع کرنے میں پوری کوشش کرے۔ تاکہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وضوء میں ترتیب اور پے درپے دھونے کو لازم قرار دیتے ہیں تو پے درپے اور ترتیبؔ کا خیال رکھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اعضاء دھوتے وقت ان کو مَلنا فرض جانتے ہیں تو چاہئے کہ اعضاء مل کر دھوئے جائیں۔ اسی طرح یہ آئمہ عورت کو چھونے اور ذکر کو ہاتھ لگانے کو وضوء ٹوٹنے کا سبب قرار دیتے ہیں تو چاہئے کہ عورت کو چھونے اور ذکر کو ہاتھ لگانے کی صورت میں نیا وضوء کرے۔ ﴿۱۱۶﴾

نماز عشاء کا وقت

رات کے نصف اخیر میں ادا کرنا اور اسے نوافل تہجد کی ادائیگی کی تاکید کا وسیلہ بنانا بہت بُرا ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رَحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نماز عشاء نصف اخیر میں ادا کرنا مکروہ ہے۔ ظاہراً اس سے فقہائے احناف نے نماز عشاء کو نصف رات تک ادا کرنے کو مباح رکھا ہے اور اس سے آگے مکروہ کہا ہے۔ لہٰذا جو مکروہ مباح کے مقابلہ میں آتا ہے وہ مکروہ تحریمی ہے۔ فقہاء شافعیہ کے نزدیک تو نصف اخیر میں نماز عشاء ادا کرنا جائز ہی نہیں۔ سردیوں میں عشاء میں تیسرے حصے رات تک تاخیر مستحب ہے۔ ﴿۱۱۷﴾

﴿۱۱۵﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

﴿۱۱۶﴾ ایضاً، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۶

﴿۱۱۷﴾ ایضاً، دفتر اوّل، مکتوب: ۹۲

نماز کی ادائیگی کا مستحب وقت

نماز اول وقت میں ادا کریں۔ تجاہل و تکاسل سے تاخیر کو بالکل راہ نہ دیں۔ مقبول بندہ وہی ہے جو خدا کا حکم ملتے ہی اس کی تعمیل کرے کیونکہ حکم کی تعمیل میں تاخیر کرنا سرکشی اور سوء ادبی ہے۔﴿۱۱۸﴾

شیخ محمد چتری کو لکھتے ہیں:

''موسم سرما کی عشاء کے سوا باقی تمام نمازیں اول وقت میں ادا کریں۔''﴿۱۱۹﴾

اذان

اذان کے کلمات کی ترتیب توقیفی ہے کیونکہ اولاً یہ حضرت عبداللہ بن زید بن عبدربہ کو خواب میں فرشتے کی تعلیم کے ذریعے حاصل ہوئی، ثانیاً امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ کو خواب میں ایسے ہی الفاظ کا سکھایا جانا مزید توثیق کا باعث بنا۔ نبی کریم ﷺ کا اس پر مداومت کرنا اور یہ فرمانا کہ یہ خواب سچا ہے۔ اس سے اسکو فعلاً وحی کا درجہ حاصل ہو گیا رابعاً قرآن مجید کے اشارات سے یہ بمنزلہ وحی ہو گئی۔﴿۱۲۰﴾

اذان کا لغوی معنی اعلام ہے یعنی کسی چیز کے بارہ میں لوگوں کو آگاہ کرنا، خبردار کرنا۔ اصطلاحِ شریعت میں اذان کا معنی مخصوص کلمات کے ساتھ فرض نماز کے وقت کے بارے میں اعلان کرنا۔ اذان ہجرت کے پہلے سال شروع ہوئی۔﴿۱۲۱﴾ یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔ اذان کے ذریعہ دینِ اسلام کی تعظیم و تکریم، کلمۂ شہادت اور شعائرِ اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ دینِ اسلام کا خلاصہ ہے۔ اس میں غور و فکر کرنے سے اسلام کے نظامِ عبادت کی عظمت کا احساس ہونے لگتا ہے۔ کلماتِ اذان میں پوشیدہ حکمتوں کے متعلق حضرت مجدد لکھتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ اذان میں سات کلمے ہیں:۔

۱۔ اللہ اکبر

﴿۱۱۸﴾ ایضاً، دفتر اوّل، مکتوب: ۱۷

﴿۱۱۹﴾ ایضاً، دفتر اوّل، مکتوب: ۳۷

﴿۱۲۰﴾ رفیع الدین، شاہ، رسالۂ اذان، دار العلوم حقانیہ، ص: ۶

﴿۱۲۱﴾ ابن کثیر، حافظ عماد الدین، البدایہ والنہایہ، دار الفکر بیروت، ج ۳، ص: ۳۳۱

یعنی اللہ تعالیٰ اس سے بلند تر ہے کہ اسے کسی عبادت کرنے والے کی عبادت کی چاہت ہو۔ یہ کلمہ اس عظیم الشان معنی کی تاکید کے لئے چار دفعہ تکرار کے ساتھ آیا۔

۲۔اشھد ان لا الہ الا اللہ

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اپنی صفتِ کبریائی اور لوگوں کی عبادت سے بے نیاز ہونے کے باوجود عبادت کا مستحق صرف وہی ہے۔

۳۔اشھد ان محمداً رسول اللہ

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے آخری رسول اور اس کی جانب سے طریقِ عبادت کے مبلغ اور بتانے والے ہیں، تو اس واجب تعالیٰ کی ذات کے لائق صرف وہی عبادت ہوگی جو آنحضرت ﷺ کی جہتِ تبلیغ و رسالت سے ماخوذ ہو۔

۴۔حی علی الصلوٰۃ

۵۔حی علی الفلاح

یہ دونوں کلمے نمازی کو فلاح اور نجات سے ہمکنار کرنے والی نماز کی طرف بلانے والے ہیں۔

۶۔اللہ اکبر

یعنی اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے کہ کسی کی عبادت کرنے والے کی عبادت اس کی جنابِ قدس کے لائق ہو۔

۷۔لاالہ الااللہ

یعنی لامحالہ صرف اللہ تعالیٰ مستحق عبادت ہے اگرچہ کسی سے ایسی عبادت نہیں ہوسکتی جو اس کی شان کے لائق ہو۔

شانِ نماز کی بزرگی ان کلمات سے معلوم کرنی چاہیے جو نماز سے آگاہ کرنے کے لئے معین کئے گئے ہیں۔'' ﴿۱۲۲﴾

نوٹ: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت بلالؓ اذان میں ''ش'' کی بجائے ''س'' ادا کرتے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ نے مبدأ و معاد کے صفحہ ۲۰۹ پر یہ روایت لکھی:

﴿۱۲۲﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۳۰۳

"سِینُ بِلاَلٍ عِنۡدَا للّٰہِ شِینٌ" (بلالؓ کا "س" خدا تعالیٰ کے نزدیک "ش" ہے۔)

حضرت مجدد مزید لکھتے ہیں: "چونکہ حضرت بلالؓ عجمی تھے، اس لئے وہ اذان میں سین مہملہ کے ساتھ اسھد کہا کرتے تھے اور خدائے عز و جل کے نزدیک ان کا اسھد کہنا اشھد ہی تھا۔"

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت مجدد نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ موضوع ہے۔ وہ فصیح اللسان تھے۔ اور "شین" کو "شین" ہی ادا کرتے تھے۔

نماز کے لئے زبان سے نیت

تمام نیک اعمال میں نیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے نماز شروع کرنے سے پہلے دل میں یہ قصد و ارادہ کر لینا چاہئے کہ میں فلاں نماز کی اتنی رکعت پڑھ رہا ہوں اور مقصود ارشاد الٰہی کی تعمیل اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ نیت دل کے ارادہ کا نام ہے اس کے لئے زبان سے الفاظ کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ امام نووی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ نیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

النیة :ھی القصد ، فیحضر المصلی فی ذھنه ذات الصلوٰة ﴿۱۲۳﴾

نیت کے شرعی اور اصطلاحی مفہوم کو ابن حجر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

و الشرع خصصه بالارادة المتوجھة نحو الفعل لابتغاء رضاء اللہ و امتثال حکمه ﴿۱۲۴﴾

یعنی شریعت نے نیت کے لفظ کو کسی کام کے ایسے ارادہ اور توجہ سے خاص کر دیا ہے جو اللہ کی رضا کے حصول اور اس کے تعمیل کے لئے ہو۔

متقدمین و متاخرین کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ نماز کی نیت کو زبان سے ادا کرنا خلافِ سنت ہے۔ ابنِ قیم لکھتے ہیں:

کان صلی اللہ علیه وسلم اذا قام الی الصلوٰة قال: اللہ اکبر ولم یقل شیئاً قبلھا ولا تلفظ بالنیة البتة ﴿۱۲۵﴾

﴿۱۲۳﴾ نووی، یحییٰ بن شرف، روضۃ الطالبین، المکتبۃ التجارہ مکۃ المکرمۃ، ج ۱، ص: ۲۴۳

﴿۱۲۴﴾ فتح الباری، ج ۱، ص: ۱۳

﴿۱۲۵﴾ ابن قیم، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر، زاد المعاد، تحقیق شعیب الارنؤوط، موسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۶ء ج ۱، ص: ۱۹

نبی کریم ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور اس سے پہلے ہرگز کچھ نہ کہتے اور نہ ہی نیت کے الفاظ ادا فرماتے۔

ائمہ اربعہ ﴿۱۲۶﴾، ابن تیمیہ ﴿۱۲۷﴾، امام نووی ﴿۱۲۸﴾، ابن ہمام ﴿۱۲۹﴾، شیخ عبدالحق ﴿۱۳۰﴾، ملا علی قاری ﴿۱۳۱﴾، عبدالحیٔ لکھنوی ﴿۱۳۲﴾، انور شاہ کشمیری ﴿۱۳۳﴾، ناصر الدین البانی ﴿۱۳۴﴾ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِم اَجْمَعِین جیسے اکابرین نے بھی زبان سے نیت کو خلاف سنت جانا۔

سنت سے حد درجہ لگاؤ کی بنا پر حضرت شیخ احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے بھی زبان سے نیت کی سخت مخالفت کی۔ زبان سے نیت کے عدم جواز اور مفسدات پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

''علماء نے جو نیت کے بارہ میں کہا ہے کہ دل سے نیت کے باوجود زبان سے نیت کرنا بھی مستحسن ہے، حالانکہ زبان سے نیت کرنا حضور ﷺ سے نہ صحیح روایت سے ثابت ہے اور نہ ضعیف روایت سے نہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے ثابت ہے کہ وہ زبان سے نیت کرتے تھے بلکہ دستور یہ تھا کہ جب اقامت ہوتی تھی تو ساتھ ہی وہ تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔ تو زبان سے نیت کرنا بھی بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو بھی بدعت حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت سنت تو کجا فرض کے خاتمہ کا بھی باعث ہے کیونکہ زبان سے نیت کے جائز ہونے کی صورت میں اکثر لوگ زبان سے نیت پر کفایت کر بیٹھیں گے اور دل کی غفلت کی کوئی پرواہ نہ کریں گے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض

﴿۱۲۶﴾ ابن نجیم، زین الدین، البحر الرائق، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۲، ص: ۳۷۵

﴿۱۲۷﴾ فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۲۲، ص: ۲۱۷ تا ۲۵۵ / ج ۲، ص: ۳۷۵

﴿۱۲۸﴾ روضۃ الطالبین، ج ۱، ص: ۲۴۵

﴿۱۲۹﴾ فتح القدیر، ج ۱، ص: ۲۳۲

﴿۱۳۰﴾ محدث دہلوی، عبدالحق، مدارج النبوۃ، مترجم غلام معین الدین نعیمی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ج ۱، ص: ۶۱۲

﴿۱۳۱﴾ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج ۱، ص: ۴۰-۴۱

﴿۱۳۲﴾ لکھنوی، عبدالحی، السعایہ شرح وقایہ، سہیل اکیڈمی، لاہور، ج ۲، ص: ۱۰۰

﴿۱۳۳﴾ فیض الباری، ج ۱، ص: ۸

﴿۱۳۴﴾ البانی، محمد ناصر الدین، صفۃ صلاۃ النبی، مکتبۃ المعارف، الریاض ۱۹۹۱ء، ص: ۸۵

نیت قلبی چھوٹ جاتی ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔'' ﴿۱۳۵﴾

تعدیلِ ارکان

نماز میں تعدیلِ ارکان جو کہ اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے۔ اور بعض علمائے احناف کے نزدیک سنتِ موکدہ ہے۔ ﴿۱۳۶﴾

مخبر صادق ﷺ نے فرمایا ''بدترین چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرے۔'' صحابہؓ نے پوچھا۔ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! نماز کس طرح چراتا ہے؟'' تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''وہ نماز کے رکوع و سجود کو پورا نہیں کرتا۔ اور یہ بھی فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا جو اپنے رکوع و سجود کو پورا نہیں کرتا اور یہ بھی فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا جو اپنے رکوع و سجود میں پیٹھ کو سیدھی نہ کرے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز پڑھ رہا تھا اور رکوع و سجود پورے نہیں کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر تو اسی حالت میں مر گیا تو دین محمد ﷺ پر نہیں مرے گا۔ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے تم میں سے کسی کی اس وقت تک نماز پوری نہیں ہو سکتی جب تک رکوع کے بعد پوری طرح کھڑا نہ ہو جائے اور اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے اور اس کا ہر عضو اپنی جگہ قرار نہ پکڑے۔ اسی طرح آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ جب تک دونوں سجدوں کے درمیاں نہ بیٹھے اور اپنی پیٹھ کو سیدھا نہ کرے اس کی نماز پوری نہیں ہو سکتی۔

نبی کریم ﷺ ایک نماز پڑھتے ہوئے آدمی کے پاس سے گذرے، دیکھا کہ وہ قومہ، جلسہ کے ارکان و احکام پوری طرح نہیں بجالاتا۔ آپ نے فرمایا۔ ''اگر تو اسی حالت پر مر جائے تو قیامت کے دن تجھے میری امت نہ کہیں گے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے اگر تو اسی حالت پر مرا تو دین محمدی ﷺ پر نہ مرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کوئی آدمی ایسا ہوتا ہے کہ ساٹھ سال تک نماز

﴿۱۳۵﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۸۶

﴿۱۳۶﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۸۷

پڑھتا ہے۔ اور اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں ہوتی ۔ یہ وہ شخص ہے جو رکوع و سجود کو پوری طرح بجا نہیں لاتا۔ کہتے ہیں کہ زید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھتا ہے اور رکوع و سجود پوری طرح نہیں کرتا تو آپ نے اس آدمی کو بلایا اور کہا۔ کتنی مدت سے تو اس طرح نماز پڑھ رہا ہے۔ اس نے کہا چالیس سال سے تو آپ نے فرمایا تو نے اس چالیس سال میں ایک دفعہ بھی نماز نہیں پڑھی اگر تیری موت ہوگئی تو محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر نہیں ہوگی۔

منقول ہے کہ مومن جب نماز پڑھتا ہے اور اس کے رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرتا ہے تو وہ نماز خوش ہوتی ہے اور نورانی ہوتی ہے اور اس کو فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں اور نماز اپنے پڑھنے والے کے لئے اچھی دعا کرتی ہے۔ اور اگر نماز اچھی طرح نہ پڑھے تو وہ نماز سیاہ ہوتی ہے۔ اور فرشتوں کو اس سے کراہت ہوتی ہے اور اس نماز کو آسمان پر نہیں لے کر جاتے اور نماز اپنے پڑھنے والے کے لئے بددعا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا اللہ تعالیٰ تجھے برباد کرے۔

پس نماز اچھی طرح پڑھنی چاہئے اور ارکان کی تعدیل پوری طرح کرنی چاہئے، رکوع، قومہ، سجود، جلسہ اچھی طرح بجا لانا چاہئے۔ اور دوسروں کو بھی پوری طرح نماز پڑھنے کی ہدایت کرنی چاہئے اور ارکان کو تعدیل و طمانیت سے ادا کرنا چاہئے۔ کہ اکثر آدمی اس دولت سے محروم ہیں۔ اور یہ عمل متروک ہو چکا ہے۔ اس عمل کو زندہ کرنا بھی اسلام کے اہم کاموں میں سے ہے۔ ﴿۱۳۷﴾

بوقت قیام نظر کہاں رکھی جائے

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

''بحالت نماز بوقت قیام نگاہ کو سجدے کی جگہ رکھنا مسنون ہے۔'' ﴿۱۳۸﴾

فاتحہ خلف الامام

مسئلہ فاتحہ خلف الامام ان مسائل میں سے ہے جن میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے زمانہ سے اختلاف اور بحثیں چلی آتی ہیں۔ ایسے اجتہادی مسائل

﴿۱۳۷﴾ ایضا، دفتر دوم، مکتوب: ۶۹، ایضا، دفتر سوم، مکتوب: ۴۱

﴿۱۳۸﴾ دہلوی، شاہ غلام علی، در المعارف، مترجم: عبدالحکیم خان اختر، نوری بک ڈپو، لاہور ۱۹۸۳ء، ص: ۱۳۹

میں تمام اہل حق کا مسلک یہی ہے کہ ان کے جس پہلو کو وہ راجح سمجھتے ہیں اس کو اختیار کر لیتے ہیں اور دوسرے فریق پر طعن و تشنیع نہیں کرتے۔

فاتحہ خلف الامام کے بارے میں سلف کے تین مسلک ہیں۔﴿۱۳۹﴾

۱۔ سری رکعتوں میں قراءت کی جائے اور جہری رکعتوں میں خاموش رہا جائے۔ یہ سعید بن مسیب ،عروہ، شعبی ، نافع بن جبیر، مکحول، زہری، اور بہت سے دوسرے متقدمین کا مسلک ہے۔ اسی کو امام مالک، احمد بن حنبل اور احناف میں سے امام محمد نے ایک روایت میں اختیار کیا۔

۲۔ سری اور جہری نمازوں میں ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ حسن بصری، سعید بن جبیر، میمون بن مہران، امام شافعی، امام بخاری اور دیگر محدثین کا یہی مسلک ہے۔

۳۔ سری اور جہری نمازوں میں سورۃ فاتحہ بالکل نہ پڑھی جائے یہ امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، اور کوفہ کے دوسرے فقہاء کا مسلک ہے۔

واضح رہے کہ محققین ایسے مسائل میں تحقیق کے بعد جس راہ کو صواب سمجھتے ہیں، اختیار کر لیتے ہیں۔ اور مقلدین اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطہ نظر درج ذیل ہے:

خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک فرمان نقل کرتے ہیں:

''شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ قراءت فاتحہ کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے۔ اس لئے وہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ اور احادیث صحیحہ بھی اس پر دلالت کرتی ہین لیکن ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام کی قراءت کو مقتدی کی قراءت قرار دے کر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کو جائز قرار نہیں دیتے۔ اور جمہور فقہائے احناف بھی اس کے قائل ہیں۔ لیکن حنفیہ سے بعض روایاتِ مرجوحہ امام کے پیچھے قراءت کے جواز کے متعلق بھی منقول ہیں۔''﴿۱۴۰﴾

﴿۱۳۹﴾ ان تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

اثری، ارشاد الحق، توضیح الکلام، ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد ۱۹۸۷ء، ج ۱، ص: ۵۰ تا ۶۹/ صفدر، محمد سرفراز، احسن الکلام، مکتبہ صفدریہ، ۱۹۹۵، ص: ۶۷ تا ۱۰۹

﴿۱۴۰﴾ زبدۃ المقامات، ص: ۱۹۷

دوسرے مقام پر ہاشم کشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

''وفاتحہ خلف امام ہمی خواندند وآن را مستحسن ہمی شمردند''

یعنی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اوراس کو مستحسن شمار کرتے تھے۔﴿۱۴۱﴾

آپ مبدأومعاد میں لکھتے ہیں:

''ہمارے حضرت خواجہ (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ تھوڑے عرصہ تک میں بھی امام کے پیچھے (نماز میں) سورۂ فاتحہ پڑھتا رہا ہوں۔ آخر کار میں نے ایک رات امام اعظم رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک روشن اور شاندار قصیدہ پڑھ رہے تھے اوراس قصیدہ سے یہ مضمون مستفاد ہوتا تھا کہ بے شمار اولیاء اللہ میرے مذہب میں ہو چکے ہیں۔ اسی وقت سے میں نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیا۔'' (ص:۱٦۷)

رفع سبابہ

مجددی حضرات میں مسئلہ رفع سبابہ میں علمی اختلاف رہا ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رَحمۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ سے لے کر عہد حاضر تک اس موضوع پر مختلف علماء نے لکھا۔ سب سے پہلے آپ رَحمۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ کے بیٹے محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے رفع سبابہ کی نفی میں ایک رسالہ لکھا۔ بعدازاں شاہ محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں اثبات رفع سبابہ لکھا۔ اس کے بعد شاہ محمد فرخ نے نفی رفع سبابہ پر رسالہ لکھا۔ اسی طرح شاہ گل خواجہ حسن جان، علی نواز شکار پوری اور قاضی حمید فضلی، نے اس مسئلہ کے جواز وعدم جواز پر بحث کی۔ اس سلسلہ میں حضرت مجدد رَحمۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ کے دلائل اوران کا جائزہ درج ذیل ہے۔

احادیث نبویہ علی مصدرھا الصلوۃ والسلام، جواز اشارہ سبابہ کے باب میں بہت وارد ہوئی ہیں۔ اوراس باب میں فقہ حنفی کی بھی بعض روایات آئی ہیں۔ جیسا کہ مولانا نے رسالے میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور جب فقہ حنفی کی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ جواز اشارہ کی روایات اصول کے غیر اور ظاہر مذہب کے بھی غیر ہیں۔

اور وہ جو امام محمد شیبانی نے کہا ہے:

﴿۱۴۱﴾ زبدۃ المقامات، ص:۲۰۹

''رسول اللہ ﷺ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے۔ اور ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ جس طرح حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کرتے تھے۔''

پھر امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''یہی میرا قول اور ابو حنیفہؒ کا قول ہے''

روایات نوادر میں سے ہے نہ روایات اصول میں سے۔

فتاوی غرائب میں ہے کہ محیط میں لکھا ہے۔ کیا نمازی اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت سبابہ سے اشارہ کرے؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اصل (مبسوط) میں اس مسئلے کا ذکر نہیں کیا۔ اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں اشارہ نہ کریں اور بعض کہتے ہیں کہ کریں۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے غیر روایات اصول میں ایک حدیث ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ اشارہ کرتے تھے پھر امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بارے میں فرمایا۔ یہی میرا اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔

اور کہا گیا ہے' کہ اشارہ سنت ہے اور کہا گیا ہے کہ مستحب ہے۔ پھر فتاوی غرائب والے نے فرمایا۔ یہ وہ ہے جو علماء نے ذکر کیا۔ اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے۔

اور فتاویٰ سراجیہ میں ہے۔ اور مکروہ ہے' کہ نماز میں اشھد ان لا الہ الا اللہ'' پر انگشتِ سبابہ سے اشارہ کریں۔ یہی مختار مذہب ہے۔

اور کبریٰ میں ہے۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون اور وقار پر ہے۔ اور فتاوی غیاثیہ میں ہے کہ تشہد کے وقت انگشت سبابہ سے اشارہ نہ کریں۔ یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور جامع الرموز میں ہے۔ نہ اشارہ کرے اور نہ گرہ لگائے۔ اور ہمارے اصحاب کا یہی ظاہر مذہب ہے۔ جیسا کہ زاہدی میں ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ مضمرات اور ولوالجی اور خلاصہ وغیرہ میں ہے۔ اور ہمارے اصحاب سے منقول ہے کہ وہ سنت ہے۔ خزانۃ الروایات میں تاتارخانیہ سے ایسا ہی آیا ہے۔ پھر جب تشہد شروع کرے۔ اور کلمہ لا الہ الا اللہ پر پہنچے تو آیا دائیں ہاتھ کی انگشت سبابہ سے اشارہ کرے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں یہ اشارہ نہ کرے۔ اور کبریٰ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں' کہ اشارہ کرے۔ اور غیاثیہ میں ہے' اور نہ اشارہ کرے انگشت سبابہ کے ساتھ تشہد کے وقت یہی مختار ہے۔

جب کہ معتبر روایات میں اشارے کی حرمت واضح ہو چکی ہے۔ اور اشارے کے مکروہ ہونے پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ اشارہ اور گرہ لگانے سے علماء روکتے ہیں۔

اور اسے اپنے اصحاب کا ظاہر مذہب بتاتے ہیں تو ہم مقلدوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ احادیث کے مقتضا کے مطابق عمل کر کے اشارہ کرنے کی جرأت کریں اور اس قدر علماء اور مجتہدین کے فتوؤں کے باوجود ایک حرام اور مکروہ اور ممنوع کام کا ارتکاب کریں۔ حنفیہ میں سے اشارۂ سبابہ کا ارتکاب کرنے والا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان علمائے مجتہدین کے لیے جواز اشارہ میں معروف احادیث کا علم تسلیم نہیں کرتا یا ان کو احادیث کا عالم جانتا ہے۔ لیکن ان بزرگوں کے لیے ان احادیث کے مطابق عمل جائز تسلیم نہیں کرتا اور یہ خیال کرتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے خیالات کے مطابق احادیث کے خلاف حرمت اور کراہت کا حکم صادر فرمایا ہے یہ دونوں شقیں فاسد ہیں۔ انہیں وہی فاسد قرار دے گا جو بے وقوف ہو یا ضدی اور ترغیب الصلوٰۃ میں جو لکھا ہے کہ تشہد میں انگلی شہادت اٹھانا علمائے متقدمین کی سنت ہے لیکن متاخرین علما نے اس سے روکا ہے اس وجہ سے کہ جب رافضیوں نے اس میں غلو کیا تو سنیوں نے ترک کر دیا۔ سنت پر رافضی ہونے کی تہمت کو دور کرنے کے لیے اسے ترک کرنا معتبر کتابوں کی روایات کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ ہمارے اصحاب کا ظاہر اصول تو عدم اشارہ اور عدم عقد ہے تو عدم متقدمین کی سنت ہوئی اور وجہ ترک نفی تہمت نہ قرار پائی۔ ان اکابر کے ساتھ ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ اس باب میں جب تک ان پر حرمت یا کراہت کی دلیل ظاہر نہیں ہوئی۔ حرمت یا کراہت کا انہوں نے حکم نہیں لگایا جب کہ اشارے کی سنیت اور مستحب ہونے کا ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

هذاما ذكر واو الصحيح ان الاشارة حرام ۔

یعنی یہ وہ جو علما نے بیان کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اشارہ حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارے کی سنیت اور استحباب کے دلائل ان بزرگوں کے نزدیک درجہ صحت کو نہیں پہنچے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ غایت مافی الباب ہمیں اس دلیل کا علم نہیں ہے اور یہ معنی اکابر میں کسی عیب کو مستلزم نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص کہے کہ ہم اس دلیل کے خلاف علم رکھتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ حلت و حرمت کے اثبات میں مقلد کا علم معتبر نہیں ہے بلکہ اس باب میں مجتہد کے ظن کا اعتبار ہے۔ مجتہدین کے دلائل کو

تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور کہنا بہت جرأت ہے اور اپنے علم کو ان اکابر کے علم پر ترجیح دینا اور اصحاب حنفیہ کے ظاہر اصول کو باطل قرار دینا اور روایات معتبرہ مفتیٰ بہا کو درہم برہم کرنے اور شاذ کہنے کے مترادف ہے یہ اکابر احادیث کو قربِ زمانۂ نبوی، زیادتیِ علم اور ورع وتقویٰ سے آراستہ ہونے کی وجہ سے ہم دور افتادوں سے بہتر جانتے تھے اور احادیث کی صحت وسقم اور ان کے نسخ وعدم نسخ کو ہم سے زیادہ پہچانتے تھے۔ انہیں ضرور کوئی معتبر دلیل ملی ہوگی تب ہی انھوں نے ان احادیث علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مقتضی کے موافق عمل نہیں کیا۔ ہم کم فہم اس قدر سمجھتے ہیں کہ کیفیتِ اشارہ وعقد کی احادیث کے راوی آپس میں بہت مختلف ہیں اور ان کے کثرت اختلاف نے نفس اشارہ میں ہی اضطراب پیدا کر دیا ہے چنانچہ بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپ نے بغیر گرہ کے فرمایا ہے اور جو عقد کے متعلق کہتے ہیں تو ان میں سے بھی بعض روایت کرتے ہیں کہ ترپن کا عقد تھا اور بعض دوسرے روایت کرتے ہیں کہ تیئس کا عقد تھا اور بعض نے خنصر (چھنگلیا) اور اس کے ساتھ والی انگلی کے بند کرنے اور انگوٹھے کا درمیانی انگلی کے ساتھ حلقہ بنا کر اشارہ سبابہ کی روایت کی اور بعض روایات میں آیا ہے کہ تمام انگلیوں کو بند کر کے اشارہ کرتے تھے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ انگشت سبابہ کو حرکت دینے کے بغیر ہوتا تھا اور بعض روایات حرکت کے ساتھ اشارے کا اثبات کرتی ہیں نیز بعض روایات میں واقع ہوا ہے کہ تشہد پڑھنے کے وقت فرماتے تھے لیکن کس لفظ پر اشارہ فرماتے اس کا کوئی تعین نہیں اور بعض دوسری احادیث میں آیا ہے کہ اشارہ کلمہ شہادت پڑھنے کے وقت ہوتا تھا اور بعض دوسری روایات میں وقت دعا سے مقید کیا گیا ہے۔ جب کہ آپ ﷺ فرماتے تھے

اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

اور جب علمائے حنفیہ نے اشارہ کے بجالانے میں راویوں کے اضطراب واختلاف کو دیکھا تو نماز میں ایک زائدِ فعل خلاف قیاس کو ثابت نہیں کیا۔ کیونکہ نماز کی بنا سکون ووقار پر ہے نیز حتیٰ الامکان انگلیوں کو جانبِ قبلہ کی طرف رکھنا سنت ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

نمازی کو چاہیے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے اعضاء کو قبلے کی طرف پھیر لے۔

اگر یہ کہیں کہ اختلاف اس وقت اضطراب پیدا کرتا ہے جب کہ موافقت ممکن نہ ہو اور اس مسئلہ میں موافقت

ممکن ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تمام روایات اوقات مختلفہ میں کیا ہو تو ہم جواب میں کہیں گے کہ بہت سی روایات میں لفظ کَانَ واقع ہوا ہے جو غیر مناطقہ کے نزدیک حروف کلیہ میں سے ہے لہذا موافقت ممکن نہیں اور وہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی حدیث میرے قول کے مخالف پاؤ تو میرے قول کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو۔'' تو اس حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جو حضرت امام کو نہ پہنچی ہو اور اس حدیث کو نہ جاننے کی بنا پر اس کے خلاف حکم فرمایا ہو اور اشارے کی احادیث اس قبیلہ سے نہیں وہ مشہور احادیث ہیں ورنہ انہیں جاننے کا احتمال نہیں۔

سوال: اگر کہیں کہ علمائے حنفیہ نے، جواز اشارہ کا فتویٰ دیا ہے لہذا متعارض فتاویٰ کے مطابق جس بات پر بھی عمل کرلیا جائے جائز ہے؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ اگر جواز اور عدم جواز اور حلت و حرمت میں تعارض واقع ہو تو اس صورت میں ترجیح عدمِ جواز اور جانبِ حرمت کو ہوتی ہے۔ نیز شیخ ابن ہمام نے رفع یدین کی بحث میں فرمایا ہے کہ رفع اور عدم رفع کی احادیث متعارض ہیں۔ ہم قیاس کے ساتھ عدم رفع کی احادیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیونکہ نماز کی بناء سکون اور خشوع پر ہے جو بالاجماع مطلوب اور پسندیدہ ہے۔

شیخ ابن ہمام پر تعجب ہے کہ اس نے کہا کہ بہت سے مشائخ سے عدم اشارہ منقول ہے لیکن وہ روایت اور درایت کے خلاف ہے کہ ابن ہمام نے علمائے مجتہدین کی طرف جاہل ہونے کی کس طرح نسبت کردی حالانکہ وہ قیاس سے دلیل لا رہے ہیں۔ جو شرع کا چوتھا اصل ہے اور وہ حنفیہ کے نزدیک ظاہر مذہب اور ظاہر روایت ہے۔ حالانکہ اسی شیخ نے قلتین کی حدیث کو راویوں کے کثرت اختلاف سے حاصل ہونے والے اضطراب کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ ﴿۱۴۲﴾

درج بالا مکتوب حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فقہی بصیرت کا بین ثبوت ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ اصول حدیث اور اصول فقہ پر آپ کی کتنی گہری نظر تھی۔ رفع سبابہ کے انکار میں جس قدر دلائل ممکن تھے انہیں یہاں جمع کردیا گیا ہے۔ لیکن فقہائے احناف نے اس مسئلہ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے

﴿۱۴۲﴾ مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، دفتر اول، مکتوب: ۳۱۲

اختلاف کیا ہے اور تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ احناف کا موقف رفع سبابہ کی سنیت ہے۔

اگر فتاویٰ سراجیہ، غرائب اور کبریٰ جامع الرموز، زاہدی، مضمرات ولوالجی اور خلاصہ میں رفع سبابہ کے عدم جواز کو نقل کیا گیا ہے تو دوسری طرف فقہ حنفی کی معتبر ترین کتب میں رفع سبابہ کو مستحب اور سنت کہا گیا ہے۔ ان کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ کتب درج ذیل ہیں:

بدائع الصنائع، فتح القدیر، کفایہ، عنایہ، کنز الدقائق، نہایہ، معراج الدرایہ، شرح النقایہ، ظہیریہ، ردالمحتار، البحر الرائق،

علاوہ ازیں مسند احمد، موطا امام مالک، مسند امام احمد، صحیح مسلم، مجمع الزوائد، کنز العمال، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن بیہقی، میں رفع سبابہ کی احادیث متعدد طرق سے موجود ہیں۔ ﴿۱۴۳﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان احادیث کو اضطراب کی وجہ سے قبول نہیں کیا حالانکہ وہ مضطرب نہیں۔ کسی بھی روایت کو مضطرب نہیں کہہ سکتے جب تک اس میں دو شرطیں متحقق نہ ہو جائیں:

۱۔ جن روایات میں اختلاف ہو ان میں تطبیق و توفیق ناممکن ہو۔

۲۔ روایات قوت و درجہ میں مساوی ہوں اور ایک کو دوسری پر ترجیح حاصل نہ ہو۔

اگر ایک روایت کو دوسری پر ترجیح حاصل ہو یا احسن طریقے سے توفیق، تطبیق ممکن ہو تو اس وقت روایات مضطرب نہیں کہلائیں گی بلکہ ترجیح کی صورت میں راجح روایت پر عمل ہوگا اور توفیق تطبیق کی صورت میں تمام روایات پر عمل کیا جائے گا۔ ﴿۱۴۴﴾

امام ابوحنیفہ نے ان روایات کی روشنی میں سبابہ کے سوا تمام انگلیوں کو بند کر کے سبابہ سے اشارہ کرنے کو ترجیح دی۔ اس کو ترپن کا عدد کہتے ہیں۔

اس اصول کو حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ لیکن کان کے بارے میں

﴿۱۴۳﴾ بنوری، محمد یوسف، معارف السنن، سعید اینڈ کمپنی، کراچی، ۱۳۹۸ھ، ج ۳، ص: ۱۰۴۔۱۰۵/ سعیدی، غلام رسول، شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص: ۱۷۱

﴿۱۴۴﴾ عبدالجلیل اثری، ابومعاذ، تحفہ اہل النظر فی مصطلح اہل الخبر، ندوۃ المحدثین، گوجرانوالہ ۱۹۹۷ء، ص: ۱۰۱

لکھا کہ وہ استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے رفع سبابہ کی احادیث میں ترجیح و توفیق ممکن نہیں گویا اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کان دوام و استمرار پر دلالت نہیں کرتا تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بھی رفع سبابہ جائز ہوگا۔

بخاری کے شارح ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

کان لا تقتضی التکرار ﴿۱۴۵﴾

یعنی کان تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم عصر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی تصریح کی ہے۔ کہ کان استمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ ﴿۱۴۶﴾ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہی دوسرے نامور ہم عصر ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ولفظة کان للرابطة لا للمواظبة ﴿۱۴۷﴾

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وکان لا تفید الدوام علی التحقیق ﴿۱۴۸﴾

جب یہ ثابت ہوگیا کہ کان دوام پر دلالت نہیں کرتا تو نتیجہ یہ نکلا کہ روایات میں اضطراب نہیں بلکہ انہیں توسع پر محمول کیا جائے گا۔ اسی لئے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

والاخیر ھو المختار عندنا قال الرافعی فی الاخبار وردت بھا جمیعا وکانہ علیہ السلام کان یصنع مرۃ ھکذا اومرۃ ھکذا ﴿۱۴۹﴾

یعنی کبھی نبی کریم ﷺ نے ایک طرح سے کیا کبھی دوسرے طریقے سے۔

علاوہ ازیں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روح

﴿۱۴۵﴾ فتح الباری، ج ۳، ص: ۳۹۸

﴿۱۴۶﴾ محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، اشعۃ اللمعات، مطبع تیج کمار لکھنو، ج اول، ص: ۱۵۶

﴿۱۴۷﴾ مرقاۃ، ج ۲، ص: ۳۰۹

﴿۱۴۸﴾ مرقاۃ، ج ۲، ص: ۲۹۲

﴿۱۴۹﴾ مرقاۃ، ج ۲، ص: ۳۳۸

نبوی ﷺ کی طرف توجہ فرمائی تو آپ کے دل میں یہ بات ڈالی گئی

سنة مطلوبة تجلب الحضور الی القلب ﴿۱۵۰﴾

یعنی پسندیدہ سنت ہے اس سے حضور قلب پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح سلسلہ مجددیہ کے نامور بزرگ حضرت مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے رفع سبابہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے درج ذیل تفصیلی جواب لکھا:

''آپ نے لکھا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوبات میں سے ایک مکتوب میں رفع سبابہ سے منع فرمایا ہے۔ آپ حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اتنی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور رفع سبابہ کو جائز رکھتے ہیں، حالانکہ محبت کرنے والے پر محبوب کی اتباع لازم ہے۔

مخدوما! اللہ نے کتاب وسنت کی پیروی اپنے بندوں پر فرض کی ہے چنانچہ فرماتا ہے:

''وما کان لمؤمن ولامؤمنة اذاقضی الله ورسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم''

(اور کسی مسلمان مرد اور عورت کا یہ کام نہیں کہ وہ جب اللہ اور رسول حکم فرمائیں تو وہ اپنے معاملہ میں اپنا اختیار استعمال کریں)

اور حضرت رسول ﷺ فرماتے ہیں:

''لایومن احدکم حتیٰ یکون هواه تبعاً لما جئت به''

(تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہو جائے)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو آنحضرت ﷺ کے نائب کامل ہیں، اپنے طریقہ کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھی ہے۔ اور علماء نے رفع سبابہ کے حق میں صحیح احادیث وفقہ حنفیہ کی روایت پر مشتمل رسائل تصنیف کئے ہیں یہاں تک کہ حضرت شاہ یحییٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرزند اصغر حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے اور انہیں ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملی جس سے

﴿۱۵۰﴾ معارف السنن، ج۳، ص۱۰۲۔۱۰۳

رفع سبابہ کی نفی ہوتی ہو۔ حضرت مجدد رَحمَۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ کا رفع سبابہ ترک کرنا اجتہاد کی بناء پر ہے۔ اور وہ سنت جو منسوخ نہ ہوئی ہو مجتہد کے اجتہاد سے زیادہ مقدم ہے۔ سنت سے انگلی اٹھائے جانے کا ثبوت مل جانے کے بعد بھی اس وجہ سے ترک کرنا کہ حضرت مجدد نے ترک کیا تھا، معقول بات نہیں ہے۔ خود حضرت مجدد رَحمَۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ ترک سنت میں بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے اور حضرت مجدد رَحمَۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ حنفی مذہب رکھتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رَحمَۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ نے کہا:

اذا ثبت الحدیث فھو مذھبی واترکوا قولی بقول رسول اللہ ﷺ

(جب حدیث ثابت ہو جائے تو میرا مذہب وہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قول کی موجودگی میں میرا قول چھوڑ دو)

اس لئے امید ہے کہ حضرت مجدد رَحمَۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ اس امر اجتہادی کو ترک کرنے اور صحیح احادیث کے اخذ کرنے پر ناراض نہیں ہوں گے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مجدد رَحمَۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ کو اپنے وسیع علم کے باوجود یہ معلوم نہیں کہ رفع سبابہ کا ثبوت ملتا ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ آپ کے زمانہ تک ہندوستان میں وہ کتابیں اور رسائل مشہور نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کی نظر مبارک سے نہیں گذرے، آپ نے ترک کر دیا، ورنہ آپ رفع سبابہ ہرگز ترک نہ فرماتے کیوں کہ آپ اس امت کے اکابر میں سب سے زیادہ متبع سنت تھے اور اگر یہ کہا جائے کہ کشف کے ذریعے آنحضرت ﷺ کی رضامندی نہ پا کر آپ نے اسے ترک کر دیا تو ہم کہتے ہیں کہ کشف طریقت کے معاملات میں تو معتبر ہو سکتا ہے لیکن شریعت کے احکام کے لئے حجت نہیں۔ نیز اس خط میں آپ نے کشف کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ یہ جزوی مخالفت حضرت مجدد رَحمَۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ کے قاعدۂ کلی یعنی اتباع سنت کی ترغیب میں ہے اور عمدہ نتائج کی حامل ہوگی۔ والسلام ﴿۱۵۱﴾

علاوہ ازیں نوافل میں حضرت مجدد رَحمَۃ اللہ تعالیٰ عَلَیہ سے رفع سبابہ منقول ہے۔ ﴿۱۵۲﴾

واضح رہے کہ یہ اختلاف خالص علمی و فروعی نوعیت کا ہے۔

﴿۱۵۱﴾ مقامات مظہری، ص: ۵۰۱۔۵۰۲

﴿۱۵۲﴾ حضرات القدس، ج ۱، ص: ۹۴۔۹۵

تشہد میں سورۃ فاتحہ پڑھنا

''امام کے پیچھے تشہد میں سورۃ فاتحہ پڑھنا غلط ہے۔ اگر چہ وہ ام الکتاب ہے۔'' ﴿۱۵۳﴾

نمازِ وتر کی ادائیگی کا وقت

یہ فقیر کبھی تو نمازِ وتر شروع رات میں ادا کر لیتا تھا اور کبھی آخر رات میں ادا کرتا تھا۔ (کارکنان قضاء وقدر) نے ایک رات مجھے دکھایا کہ نمازِ وتر کو دیر سے ادا کرنے کی صورت میں جب نمازی سو جاتا ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ آخر رات میں وتر کی نماز ادا کرے گا تو اس کے نیک اعمال کو لکھنے والے فرشتے وتر کی نماز ادا کرنے کے وقت تک تمام رات اس کی نیکیاں لکھتے رہتے ہیں۔ پس جس قدر بھی وتر کی نماز کو تاخیر سے ادا کرے گا، بہتر ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود اس فقیر کو تو وتر کی تعجیل اور تاخیر میں بجز سید البشر ﷺ کی پیروی کے اور کوئی چیز منظور نہیں۔'' ﴿مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ، مبدأ ومعاد، ص:۱۷۹﴾

سجدۂ تعظیمی کی حرمت

سجدہ اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدہ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک اور سجدۂ تحیت کو بعض فقہاء نے کفر کہا لیکن اسے کفرِ صوری پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے۔

الشیخ احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ نے سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر صحاح ستہ، مسند احمد، مسند بزار، مستدرک حاکم، دلائل النبوۃ، وغیرہ کتب احادیث سے چالیس احادیث اکٹھی کی ہیں۔ جبکہ اس کی حرمت پر کتب فقہ سے ایک صد پچاسی نصوص جمع کی ہیں۔ ﴿۱۵۴﴾

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سجدہ تعظیمی کی سخت مذمت کی ہے۔ بعض فقہاء نے

﴿۱۵۳﴾ مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر سوم، مکتوب:۲۶

﴿۱۵۴﴾ قادری، الشیخ احمد رضا، فتاویٰ رضویہ، دار العلوم امجدیہ، کراچی، ج۱۰، ص:۲۱۶ تا ۲۳۰

سلاطین کے لئے اگر جواز نقل کیا تھا تو آپ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ سجدہ تعظیمی کے متعلق آپ کے افکار درج ذیل ہیں:

شیخ نظام تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

"بعض معتمد لوگوں نے نقل کیا ہے کہ آپ کے بعض خلفاء کے مرید خلفاء کو سجدہ کرتے ہیں اور زمیں بوسی پر کفایت نہیں کرتے۔ اس فعل کی برائی اظہر من الشمس ہے۔ انہیں اس سے سختی سے منع کیجئے۔ اس قسم کے افعال سے سب کو پرہیز کرنا چاہئے۔ اور ان لوگوں کو خاص کر جو مخلوق کی پیشوائی کے لئے نمایاں ہو چکے ہیں۔" ﴿۱۵۵﴾

میر محمد نعمان رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں۔

"اے بھائی! سجدہ جو کہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے نہایت درجہ کی ذلت اور انکساری کو متضمن ہے اور کمال درجہ کی عاجزی اور تواضع پر مشتمل ہے، لہٰذا اس قسم کی تواضع کو اللہ کی عبادت سے مخصوص کر رکھا ہے اور اس کے سوا اور کسی کے لئے جائز نہیں رکھا۔

منقول ہے کہ حضرت پیغمبر ﷺ ایک دن راستہ میں جا رہے تھے۔ ایک بدوی نے آ کر معجزہ طلب کیا تا کہ ایمان لائے۔ آں سرور ﷺ نے فرمایا، اس درخت سے جا کر کہیو کہ تجھے رسول خدا بلاتے ہیں۔ وہ درخت اپنی جگہ سے ہلا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس بدوی نے جب یہ حال دیکھا تو مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد کہنے لگا اے اللہ کے رسول! اگر آپ حکم دیں تو میں سجدہ کروں۔ آپ نے فرمایا' خداوند کے سوا اور کسی کو سجدہ کرنا لائق نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ بعض فقہاء نے اگرچہ بادشاہ کے لئے سجدۂ تعظیمی جائز قرار دیا ہے لیکن سلاطینِ عظام کے حال کے لائق یہ ہے کہ اس امر میں اللہ کے سامنے تواضع اختیار کریں اور اس درجہ کی ذلت و انکساری اللہ کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہ رکھیں۔ خداوند تعالیٰ نے دنیا کو ان کے تابعِ فرمان بنایا ہے اور ان کا محتاج کیا ہے۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجالائیں اور اس طرح کے ادب میں جو کمالِ انکسای کا مظہر ہے خداوند تعالیٰ کے شریک نہ بنیں۔ اگرچہ فقہاء کی ایک جماعت نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے لیکن ان کی

﴿۱۵۵﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۹

حسن تواضع یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے لئے اس کو جائز نہ سمجھیں۔'' ﴿۱۵۶﴾

خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدینؓ کا ذکر

خلفائے راشدینؓ کا ذکر پاک اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہلِ سنت کے شعائر میں سے ضرور ہے۔ ان کے ذکر مبارک کو قصداً اور سرکشی کے ساتھ وہی ترک کرے گا جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے۔ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ اس نے تعصب اور عناد سے ترک نہیں کیا تاہم مَنْ تَشَبَّہ بقومٍ فَھُوَ مِنْھُم کی وعید کا جواب کیا ہوگا اور تہمت کی جگہ سے کیسے خلاصی ملے گی۔ حالانکہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''اِتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّھَم''

تہمت کی جگہ سے بچو۔ ﴿۱۵۷﴾

تراویح میں ختم قرآن

آپ کے نزدیک رمضان المبارک میں تراویح اور ختم قرآن سنت موکدہ ہے۔ ﴿۱۵۸﴾

واضح رہے کہ تراویح یا قیامِ رمضان سب کے نزدیک مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے سنت موکدہ ہے۔ اور جمہور کے نزدیک رمضان میں ایک بار ختم قرآن کرنا مسنون ہے۔ الّا یہ کہ مقتدی اس کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ اس کا لحاظ ضروری ہے۔ ﴿۱۵۹﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی جمہور کے مطابق ہے۔ ﴿۱۶۰﴾

﴿۱۵۶﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۹۲

﴿۱۵۷﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۱۵

﴿۱۵۸﴾ دفتر اول مکتوب: ۴۱

﴿۱۵۹﴾ الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ج ۱، ص: ۳۴۰

﴿۱۶۰﴾ الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ج ۱، ص: ۳۴۳

اعتکاف

''ہم ماہِ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے لئے بیٹھے۔ دوستوں کو جمع کر کے ہم نے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے سوا کوئی دوسری نیت نہ کریں کیوں کہ ہمار تبتل اور انقطاع (دنیا سے الگ تھلگ ہونا) کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں (حضور انور ﷺ کی) ایک پیروی حاصل ہو جائے تو ہم سو گرفتاریاں قبول کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن حضور انور ﷺ کی پیروی کے وسیلے کے بغیر ہمیں ہزار تبتل اور انقطاع قبول نہیں۔''

(مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مبدأ و معاد، مترجم: سید زوار حسین شاہ، ادارہ مجددیہ کراچی ۱۳۸۸ھ، ص: ۱۶۷)

رکعات تہجد

نماز تہجد کی رکعات کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کی تعداد معین نہیں۔ بعض آئمہ کے نزدیک ایک رکعت سے بھی تہجد کی نماز ادا ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے وتر سمیت سات، نو، گیارہ اور تیرہ رکعات تک منقول ہیں۔ حضرت مجدد کے زمانہ میں لوگ ان طاق رکعات کے متعلق یہ گمان کرنے لگے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے اس لئے آخری دوگانہ بیٹھ کر ادا کیا جائے۔ تہجد کی رکعات کے بارہ میں بعض لوگوں کی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے حضرت مجدد لکھتے ہیں:

''بعض مبتدعین نماز تہجد ادا کرنے میں تیرہ رکعت اس طرح تصور کرتے ہیں کہ بارہ رکعت کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں اور بعد میں دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے ہیں۔ ان دو رکعت کو ایک رکعت شمار کرتے ہیں۔ اور اس طرح تیرہ رکعت تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ یوں نہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے جو بعض دفعہ تیرہ رکعت ادا فرمائی ہیں اور بعض اوقات گیارہ رکعت، بعض دفعہ نو رکعات تو وہ وتروں کے ساتھ ملا کر جفت کی بجائے طاق رکعت قرار دی ہیں یوں نہیں کہ دو رکعات نفل جو بیٹھ کر ادا کی ہوں ایک تصور کیا ہے۔ یہ بات انہوں نے اس سے نکالی ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ثواب ملتا ہے۔'' ﴿۱۶۱﴾

﴿۱۶۱﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۳۱، ۱۶۸

آپ نے مکتوبات میں دفتر سوم کے مکتوب ۱۷ میں تہجد کی زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات لکھیں، یہ بغیر وتروں کے ہیں۔ اگر وتر اول شب ادا کر لیے جائیں تو آخر شب ادا نہیں کیے جائیں گے۔

ذکر بالجہر

آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اتفاق ہے کہ ذکر آہستہ کرنا چاہئے۔ علامہ حلبی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ولابی حنیفه ان رفع الصوت بالذکر بدعة مخالف للامر فی قوله تعالیٰ ادعو ربکم...... الخ﴿۱۶۲﴾

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی اور چپکے سے پکارو۔''

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام﴿۱۶۳﴾

ہمارے بعض علماء نے صراحت سے یہ حکم بیان کیا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر کے ساتھ ہو حرام ہے۔''

ہاں اگر تعلیم کے لئے ذکر بلند آواز میں کریں تو اس کی گنجائش ہے۔﴿۱۶۴﴾

لیکن واضح رہے کہ جہاں شریعت نے ذکر بالجہر کا حکم دیا، وہاں ذکر بالجہر ہی کیا جائے۔ حضرت مجدد بھی جمہور علماء کے مسلک کے مطابق ذکر بالجہر کو بدعت سمجھتے ہیں۔ آپ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''میں نے حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ علمائے بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر قدس سرہٗ کی خانقاہ میں لے گئے تاکہ ان کو ذکر جہر سے منع کریں، علماء نے حضرت

﴿۱۶۲﴾ کبیری، ص:۵۶۶

﴿۱۶۳﴾ مرقاۃ، ج۲، ص:۴۷۰

﴿۱۶۴﴾ فتح الباری، ج۲، ص:۲۵۶

امیر کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکر جہر بدعت ہے نہ کیا کریں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا ”نہ کریں۔“ ﴿۱۶۵﴾

کافروں کی رسوم بجالانے والے کا حکم

”پس وہ مسلمان جو باوجود ایمان کے کافروں کی رسمیں بجالاتے ہیں اور ان کی تعظیم کرتے ہیں، ان پر نماز جنازہ پڑھنی چاہئے اور کفار کے ساتھ نہ ملانا چاہئے جیسے کہ آج اسی پر عمل ہو رہا ہے اور امیدوار رہنا چاہئے کہ آخرکار ایمان کی برکت سے عذاب سے نجات پائیں گے۔“ ﴿۱۶۶﴾

کفن

اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان مرجائے تو اسے کفن پہنانا فرض کفایہ ہے سنت یہ ہے کہ مرد کے کفن میں تین اور عورت کے کفن میں پانچ کپڑے ہوں۔ اگر کوئی مسلمان میدان جنگ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے تو اس کو ان ہی کپڑوں میں کفن دیا جائے جو اس وقت اس کے بدن پر ہوں۔ اس کے ہتھیار الگ کر لئے جائیں گے۔ کفن کے متعلقہ امور پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

”مردوں کے لئے مسنون کفن تین کپڑے ہیں۔ دستار قدر مسنون سے زائد ہے ہم قدر مسنون پر کفایت کرتے ہیں اور ہم عہد نامہ نہیں لکھتے۔ کیونکہ پلیدیوں کے ساتھ آلودہ ہونیکا احتمال ہے۔ اور سند صحیح سے بھی ثابت نہیں۔ علماء ماوراء النہر کا عمل بھی نہیں مشائخ سے تبرک کے طور پر حاصل شدہ پیراہن کو اگر کفن میں قمیص کی جگہ استعمال میں لائیں تو اس کی گنجائش ہے۔ شہدائے کرام کے کپڑے ہی ان کے کفن ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی تھی کہ مجھے انہی کپڑوں میں دفنا دینا۔“ ﴿۱۶۷﴾

﴿۱۶۵﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶، ۲۲۱، ۲۳۱

﴿۱۶۷﴾ مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

قبور کو بوسہ دینا

قبر اولیاء کو بوسہ دینا جائز نہیں۔ امام غزالی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق، شاہ عبدالعزیز، علامہ عینی اور علامہ ابراہیم حلبی نے اس کو ناجائز کہا ہے۔ شرح منیہ میں بوسۂ قبر کے بارے میں ہے:

لاشك انه بدعة لاسنة فيه ولا اثر عن صحابي ولا عن امام يعتمد عليه فيه

یعنی اس میں شک نہیں کہ (قبر پر ہاتھ رکھنا اور بوسہ قبر) بدعت ہے سنت نہیں۔ اس بارے میں کسی صحابی کا کوئی اثر مروی نہیں اور نہ ہی کسی ایسے امام سے کچھ منقول ہے جس پر اعتماد کیا جائے۔ ﴿۱۶۸﴾

مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

"قبر کو بوسہ دینا بہ نیت عبادت و تعظیم کفر ہے اور بلا نیت عبادت بوسہ دینا گناہ کبیرہ ہے۔" ﴿۱۶۹﴾

الشیخ احمد رضا قادری نے بھی بوسہ قبر کو جائز قرار نہیں دیا۔ ﴿۱۷۰﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ بھی جمہور فقہاء کے مسلک پر عامل تھے اس مسئلہ میں آپ کے نقطۂ نظر کو صالح کولابی کی اس عبارت سے سمجھا جا سکتا ہے۔

"ابتداء میں جب آپ اپنے والدین کی زیارت کے لئے جاتے تو آپ قبر پر ہاتھ پھیر کر چہرے پر ملتے لیکن آخر میں اس کو بھی آپ نے ترک فرما دیا۔ کیونکہ فقہاء نے اس سے منع کیا ہے۔ قبروں کو بوسہ دینا یا ان کا طواف کرنا اچھا خیال نہیں کرتے۔ ﴿۱۷۱﴾

ایصالِ ثواب

عبادت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ عبادتِ بدنی (کلمہ طیبہ، دعاء، درود، روزہ)

۲۔ عبادتِ مالی (صدقہ، خیرات)

﴿۱۶۸﴾ مکتوباتِ مجدد الف ثانی، دفتر دوم، مکتوب: ۱۶

﴿۱۶۹﴾ عزیز الرحمٰن، مفتی، فتاویٰ دار العلوم، مکتبہ دار الاشاعت کراچی، ج ۱، ص: ۱۱

﴿۱۷۰﴾ رشید احمد مفتی، احسن الفتاویٰ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ج: ۱ ص ۳۶

﴿۱۷۱﴾ فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص: ۱۶۳

آپ کا طفیلی بنائے۔ امید ہے کہ آپ کے واسطے کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔'' ﴿۱۷۹﴾

علماء اس بات کے قائل ہیں کہ ثواب تقسیم نہیں ہوتا بلکہ تمام اموات کو پورا پورا ملتا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کوئی شخص قبر والوں کے لئے فاتحہ پڑھے تو کیا ثواب تقسیم ہو کر پہنچے گا یا ہر کسی کو پورا پورا ملے گا تو جواب میں فرمایا کہ ایک جماعت نے قولِ ثانی کا فتویٰ دیا ہے اور یہ اللہ کے فضلِ عمیم اور وسیع رحمت کے لائق ہے۔ ﴿۱۸۰﴾ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں مزید رقم طراز ہیں:

''نفلی صدقہ کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ وہ تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کی نیت کرے کیونکہ ان سب کو ثواب پہنچے گا اور اس کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہوگا۔'' ﴿۱۸۱﴾

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ بھی اس نقطہ نظر کے قائل ہیں کہ ثواب پورا پورا ملتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''اگر کسی آدمی کی روح کو صدقہ کر کے تمام مومنوں کو اس میں شریک کر دیں تو تمام کو پہنچ جاتا اور اس شخص کا جس کی نیت سے دیا گیا تھا اس سے کچھ اجر کم نہیں ہوتا۔

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَة ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ: ''تیرا رب وسیع بخشش والا ہے۔'' ﴿۱۸۳﴾

اِس سلسلہ میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس سے چند سال پہلے فقیر کی عادت تھی کہ اگر (ایصال ثواب کے لئے) کھانا پکاتا تو آلِ عبا کی روحانیت مطہرہ کے لئے مخصوص کرتا تھا اور حضور ﷺ کے ساتھ (ایصالِ ثواب میں) حضرت علی، حضرت فاطمہ، اور حضراتِ امامینِ کریمینؓ کو ملاتا تھا۔ ایک رات یہ فقیر خواب میں دیکھتا ہے کہ آں

﴿۱۷۹﴾ ایضاً دفتر سوم، مکتوب: ۲۸

﴿۱۸۰﴾ ردالمحتار جلد ۲، ص: ۲۴۴

﴿۱۸۱﴾ ردالمحتار، ج ۲: ص ۲۴۳

﴿۱۸۲﴾ سورۃ النجم آیت: ۳۲

﴿۱۸۳﴾ مجدد الف ثانی، احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب: ۲۸

سرور ﷺ تشریف فرما ہیں۔ فقیر آپ کو سلام عرض کرتا ہے۔ آپ فقیر کی طرف توجہ نہیں فرما۔ مبارک فقیر کی جانب کی بجائے دوسری طرف رکھتے ہیں۔ اس دوران میں فقیر سے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کھاتا ہوں جو شخص مجھے کھانا بھیجے، عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بھیجے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ توجہ شریف مبذول نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ فقیر حضرت عائشہ صدیقہ رَضی اللہ عنہا کو اس کھانے میں شریک نہیں کرتا تھا۔ اس کے بعد سے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ عَنْہا بلکہ آپ کی باقی اَزواجِ مطہرات ؓ کو تمام اہلِ بیت ؓ کے ساتھ شریک کرتا اور تمام اہلِ بیت ؓ سے توسل کرتا۔'' ﴿۱۸۴﴾

''شاید ایسے ہی مشاہدات کی بنا پر آپ ایصالِ ثواب میں تمام مؤمنین، مؤمنات اور ملائکہ کو شامل فرماتے۔'' ﴿۱۸۵﴾

ربوٰ ﴿۱۸۶﴾

لغت میں ربوٰ کا معنی زیادتی، بڑھوتری اور بلندی کے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں ربوٰ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ادھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا یا اس پر نفع وصول کرنا۔ آج کل جو سود رائج ہے اس پر بھی یہ تعریف صادق آتی ہے۔

۲۔ ایک جنس کی چیزوں میں زیادتی کے ساتھ بیع

اسلام نے ربوٰ کو حرام قرار دیا ہے۔ ﴿۱۸۷﴾ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ نظام سے اسی ربوٰ کی وجہ سے ممتاز ہوتا ہے۔ ارتکازِ دولت کی موثر روک تھام کے لئے حرمتِ سود سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔

﴿۱۸۴﴾ ایضاً، دفتر دوم، مکتوب: ۳۶

﴿۱۸۵﴾ حضرات القدس، ص: ۱۱۹

﴿۱۸۶﴾ ربوٰ اور ربا دونوں طرح لکھنا درست ہے۔ اردو اور فارسی میں اس کا ترجمہ سود کیا جاتا ہے۔ ربا ایک وسیع ... حامل ہے جبکہ سود اس کی ایک شاخ ہے۔

﴿۱۸۷﴾ سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹/ سورۃ آل عمران، آیت: ۱۳۰/ سورۃ النساء، آیت: ۱۶۰، ۱۶۱/ سورۃ الروم، آیت: ۳۹

پاکستان میں بھی سودی نظام کو ختم کرنے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل نے ۱۹۸۰ء میں ایک رپورٹ شائع کی جس میں مروجہ نظام کے مسائل، مشکلات اور ان کے حل کی تدابیر پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔﴿۱۸۸﴾

﴿۱۸۸﴾ سود پر لکھی گئی چند اردو کتب درج ذیل ہیں:

اسلام اور سود	ڈاکٹر انور اقبال قریشی
اسلام کا نظریہ سود اور بینکاری	شیخ محمود احمد
اسلام میں ربا کی حرمت اور بلا سود سرمایہ کاری	ڈاکٹر محمود احمد غازی
انٹرسٹ کی فنی حیثیت	جعفر شاہ پھلواری
بلا سود بینکاری	ڈی۔ایم قریشی
بلا سود بینکاری	شیخ احمد ارشاد
بلا سود بینکاری	مظفر حسین ملاٹھوی
بلا سود بینکاری	محمد اکرم خان
بلا سود بینکاری	ڈاکٹر طاہر القادری
بلا سود معیشت اور اسلامی بینکاری	ڈاکٹر طاہر القادری
بینک کا سود۔۔۔اقتصادی اور شرعی نکتہ نظر سے	ڈاکٹر محمد علی القری
پاکستانی معیشت میں بلا سود سکیم کے نفاذ کا جائزہ	محمد اقبال
تجارتی سود	محمد فضل الرحمٰن
جواز سود	سید طفیل احمد
حرمت سود	ابوالقاسم محمد عتیق
حرمت سود۔۔۔اشکالات کا علمی جائزہ	مولانا گوہر رحمٰن
ربا، انٹرسٹ، سود	عبدالودود خان
ربا اور بینک کا سود	الدکتور یوسف القرضاوی
ربا اور مضاربت	محمد میاں صدیقی
الربا	مولانا محمد عبیداللہ اسعدی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت مجدد نے سود کے جواز کے لئے لوگوں نے جو حیلے ایجاد کئے ہیں، کتب فقہ کی روشنی میں ان پر کاری ضرب لگائی اور فقہائے لاہور نے احتیاج وضرورت کی بناء پر جو حلت کا فتویٰ دیا تھا اس کا بلیغ رد کیا۔ سود کے متعلق ایک فقہی مسئلہ کہ اصل زر سود میں شامل نہیں، کے جواب میں حضرت شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں:

''شریعت میں ہر ایسا عقد جس میں زیادتی کی شرط ہو، ربوٰ اور سود ہے۔ لہٰذا اس طرح کا سودی قرضہ بھی حرام قرار پائے گا اور جو چیز بذریعہ حرام حاصل کی جائے وہ بھی حرام ہوتی ہے پس وہ دس ٹکے بھی ربوٰ اور حرام ہوں گے۔

جامع الرموز اور ابراہیم شاہی کی روایات ارسال کرنے سے مقصود تمہیں یہ مسئلہ سمجھانا تھا۔ باقی رہی محتاجی کی صورت، تو میرے مخدوم! سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے جو محتاج اور غیر محتاج سب کو شامل ہے۔ محتاج کو اس حکم قطعی سے خارج اور مستثنیٰ قرار دینا حکم قطعی کو منسوخ کرنا ہے۔ قنیہ ﴿۱۸۹﴾ کی روایت یہ درجہ نہیں رکھتی کہ حکم قطعی کو منسوخ کر سکے۔ حالانکہ مولانا جمال لاہوری جو علم علماء لاہور ہیں ،فرماتے ہیں کہ قنیہ کی بہت سی روایات لائقِ اعتماد نہیں اور کتبِ معتبرہ کی روایات کے خلاف ہیں اور اگر قنیہ کی اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو اسے اضطرار اور مخمصے کی حالت پر محمول کرنا چاہئے تاکہ اس حکمِ قطعی کا مخصص آیۂ کریمہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِی مَخْمَصَةٍ ﴿۱۹۰﴾ کو قرار دیا جائے کیونکہ قوت میں اس کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سود	سید ابوالاعلیٰ مودودی
سود	سید قطب شہید
سود کی متبادل اساس	شیخ محمود احمد
غیر سودی بینکاری	ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی
غیر سودی بینکاری	ایس۔ اے ارشاد
مسئلہ سود	کریم بخش
مسئلہ سود	مفتی محمد شفیع
مسئلہ سود	مشتاق احمد

﴿۱۸۹﴾ قنیۃ المنیہ علیٰ مذہب ابی حنیفہ، امام ابوالرجاء نجم الدین مختار بن محمود الزاہدی (م ۶۵۸ھ) کی تصنیف ہے۔

﴿۱۹۰﴾ سورۃ المائدۃ، آیت: ۳

طرح ہے

کہ رستم را کشد ہم رخشِ رستم

رستم پہلوان کو رستم کا گھوڑا ہی قتل کرسکتا ہے۔

نیز اگر محتاج سے عام محتاج مراد لے لیا جائے تو پھر ربوٰ کی حرمت کے لئے کوئی موقع اور محل باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ جو شخص بھی سود کی زیادتی دینا قبول کرے گا، آخر کسی نہ کسی ضرورت اور محتاجی کے تحت قبول کرے گا۔ کوئی بھی بلا احتیاج وضرورت اپنے نقصان کا اقدام نہیں کرتا تو اس طرح کے تو ہم کے باعث حکیم وحمید ذات کی طرف سے اس کی کتاب عزیز میں نازل شدہ اس حکم کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہے گا۔

اور اگر بفرضِ محال عام محتاجی ہی تسلیم کر لی جائے تو ہم کہیں گے محتاجی ضرورت میں سے ہے اور ضروری شئے کو باندازۂ ضرورت اختیار کیا جاتا ہے۔ پس سودی روپے سے کھانا پکا کر لوگوں کو کھلانا ضرورت میں داخل نہیں اور اس کے ساتھ کوئی ضرورت متعلق نہیں۔ اسی لئے ترکۂ میت میں سے میت کی ضرورت کی چیزیں مستثنیٰ ہیں اور اس ضرورت کو اس کے کفن دفن میں منحصر کیا ہے اس کے ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکانا شرعاً احتیاج وضرورت میں داخل نہیں حالانکہ میت صدقہ وخیرات کا بہت محتاج ہوتا ہے۔

پس متنازعہ فیہ صورت میں اچھی طرح غور کریں کہ قرض لینے والے محتاج ہیں یا نہیں اور احتیاج و ضرورت کی صورت میں سودی روپے سے جو کھانا تیار ہوگا وہ کھانے والوں کے لئے حلال ہے یا نہیں؟

لاہور کے مفتیوں نے احتیاج وضرورت کو سبب قرار دے کر حلال ہونے کا حکم دیا ہے۔ احتیاج وضرورت کا دامن بڑا فراخ ہے۔ اگر فراخ کریں گے تو کوئی چیز بھی سود نہیں رہے گی اور سود کے حرام ہونے کے بارے میں نص قطعی کا حکم بے فائدہ اور عبث ہو جائے گا۔ قنیہ کی روایت بہرحال زیادہ سے زیادہ ضرورت مند کے لئے سودی قرض لینے کو جائز قرار دیتی ہے۔ دوسروں کے لئے اس کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ شاید اس طرح کے کھانا پکانے والے کو کفارہ قسم یا کفارۂ ظہار یا روزے کا کفارہ ادا کرنے کی ضرورت ہو اور اس میں شک نہیں کہ وہ کفارہ ادا کرنے میں محتاج اور ضرورت مند ہے تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس کفارے والا اگر کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا تو کفارے کے طور پر روزے رکھے۔ نہ یہ کہ سود پر قرض لے اور اگر اس طرح کی اور ضرورت اور احتیاج پیش آئے تو تھوڑی سی توجہ سے تقویٰ کی برکت سے دور ہوسکتی ہے۔

مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِب ﴿۱۹۱﴾

یعنی جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے لئے راستہ نکال دیتا ہے اور اسے اس مقام سے رزق عطا کرتا ہے جہاں سے اسے گمان نہیں ہوتا۔"

نذر

نذر کے اصل معنی کسی شے کو دور کرنے اور اس سے بچنے کے ہیں۔ اگر کسی شے کو تم اپنے سے ہٹا کر خدا کے لئے خاص کر دو تو یہ نذر ہے۔ یہیں سے اس میں کسی شے کو حرام کر دینے کا مفہوم ہو گیا۔ عبرانی میں اس کا یہی مفہوم ہے۔ پھر یہ لفظ اپنے اوپر کسی لذت کو حرام کر دینے کے لئے استعمال ہونے لگا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اپنے اوپر کسی شے کو بطور قسم لازم کرنے کے مفہوم کے لئے اس میں وسعت پیدا ہو گئی۔

﴿فراہی، حمید الدین، الامعان فی اقسام القرآن، مترجم: امین احسن اصلاحی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور ۱۹۷۵ء، ص: ۲۰)

نذر "منت" ہے انسان جس کام کی منت مان کر اس کو اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔ اس کو نذر کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں نذر ایک عبادت مقصودہ ہے اور عبادت واجبہ کی جنس سے ہے۔ نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

ولیوفوا نذورھم ﴿۱۹۲﴾

"یعنی وہ اپنی نذروں کو پورا کریں۔"

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں۔ نذر کا پورا کرنا کتاب، سنت اور اجماع مسلمین سے ثابت ہے۔ ﴿۱۹۴﴾

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں۔ نذر کی چار قسمیں ہیں:

﴿۱۹۱﴾ سورۃ الطلاق، آیت: ۲۔۳

﴿۱۹۲﴾ سورۃ الحج آیت: ۲۹

﴿۱۹۳﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۰۲

﴿۱۹۴﴾ ردالمحتار، ج ۳، ص: ۹۱

۱۔ عبادات جیسے نماز کی نذر

۲۔ معصیت جیسے زنا کی نذر

۳۔ مکروہ جیسے نوافل ترک کرنے کی نذر

۴۔ مباح جیسے کھانے پینے یا مباح لباس پہننے کی نذر

عبادت کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور باقی اقسام کو پورا کرنا لازم نہیں۔﴿۱۹۵﴾

آجکل جس طرح ان پڑھ عوام اپنی حاجات میں اولیاء اللہ کی نذریں اور منتیں مانتے ہیں اور حاجات پوری ہونے کے بعد مزارات پر نذریں اور منتیں مانتے ہیں اور بعض لوگ اس کو لغوی نذر کہہ کر سندِ جواز پیش کرتے ہیں اس کا قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ میں کوئی ثبوت نہیں۔ کتب فتاویٰ میں اس نذر کو حرام کہا گیا ہے۔﴿۱۹۶﴾ اس ضمن میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حیوانات کو جو مشائخ کی نذر کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں، فقہی روایت میں اس عمل کو شرک میں داخل کیا ہے اور اس معاملہ میں بڑا مبالغہ کیا ہے۔ اور اس ذبح کو جنوں کے ذبیحوں کی جنس سے قرار دیا ہے۔ جو کہ شریعت میں ممنوع اور شرک کے دائرہ میں داخل ہے۔ اس عمل سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ کہ اس میں شرک کی آمیزش ہے۔

نذر کی بہت سی قسمیں ہیں کیا ضروری ہے کہ کسی جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانیں اور اس کے ذبح کا ارتکاب کریں اور جنوں کے ذبیحوں سے ملحق کریں۔ اور شیطانوں کے پجاریوں سے تشبہ پیدا کریں۔﴿۱۹۷﴾

ممنوعات شرعیہ پر مشتمل دعوت میں شرکت کا حکم

ایسی دعوتیں جن میں شریعت اسلامیہ کے احکام کی خلاف ورزی ہو رہی ہو، ان میں شرکت کے حکم کے بارے میں کتب فقہ کے حوالہ سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:۔

﴿۱۹۵﴾ عمدۃ القاری، ج ۲۳، ص: ۲۰۸

﴿۱۹۶﴾ سعیدی، غلام رسول، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال، لاہور، ۱۹۹۵ء، ج ۴، ص: ۵۴۳

﴿۱۹۷﴾ مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر سوم، مکتوب: ۴۱

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر طعام مشتبہ ہو یا دعوت کا مکان اور وہاں کا فرش حلال نہ ہو یا وہاں ریشمی فرش اور چاندی کے برتن ہوں یا چھت یا دیوار پر حیوانوں کی تصویریں ہوں یا باجے یا سماع کی کوئی چیز موجود ہو یا کسی قسم کی لہو ولعب اور کھیل کود کا شغل ہو یا غیبت اور جھوٹ کی مجلس ہو تو ان سب صورتوں میں دعوت کا قبول کرنا منع ہے۔ بلکہ یہ سب امور اس کی حرمت اور کراہت کا موجب ہیں اور ایسے ہی اگر دعوت کرنے والا ظالم یا فاسق یا مبتدع یا شریر یا تکلف کرنے والا یا فخر و مباہات کا طالب ہے تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے۔

اور شرعۃ الاسلام ﴿۱۹۸﴾ میں ہے کہ ایسے طعام کی دعوت قبول نہ کریں جو ریاء و شہرت کے لئے تیار کیا گیا ہو۔

محیط ﴿۱۹۹﴾ میں ہے کہ جس بساط پر لہو ولعب یا سرود کا سامان ہو یا لوگ غیبت کرتے اور شراب پیتے ہوں تو وہاں نہیں بیٹھنا چاہئے۔

اگر یہ سب موانع موجود نہ ہوں تو دعوت کے قبول کرنے سے چارہ نہیں ہے۔ لیکن اس زمانہ میں ان موانع کا مفقود ہونا دشوار ہے۔ ﴿۲۰۰﴾

سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال

پس سونا چاندی اور ریشمی لباس وغیرہ جنہیں شریعت مصطفویہ علیٰ مصدرھا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ نے حرام قرار دیا ہے، ان کے استعمال سے پرہیز لازمی ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں کو زینت و آرائش کے طور پر اگر رکھیں تو قدرے گنجائش ہے لیکن ان کا استعمال قطعاً حرام ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا، خوشبو ڈالنا، سرمہ دان بنانا وغیرہ سب منع ہے۔ ﴿۲۰۱﴾

﴿۱۹۸﴾ امام محمد بن ابوبکر معروف بہ امام زادہ (م: ۵۷۳) کی تصنیف ہے۔

﴿۱۹۹﴾ امام رضی الدین محمد بن محمد سرخسی کی تصنیف ہے۔

﴿۲۰۰﴾ مکتوبات مجدد الف ثانی، دفتر اول، مکتوب: ۲۶۶

﴿۲۰۱﴾ مکتوبات، دفتر اول، مکتوب: ۱۶۳

سماع ﴿۲۰۲﴾

سماع غنا کے متعلق مفصل بحث کے بعد آپ لکھتے ہیں:

''مختصر یہ کہ سماع متوسطین کے لیے نافع ہے اور منتہی حضرات میں سے بھی ایک خاص قسم کے حضرات کے لیے''

اس قسم کے لوگوں کے اوصاف کی تشریح اور تفصیل کے بعد لکھتے ہیں:

جن لوگوں کے لیے سماع نافع ہے اس کے لئے بھی چند شرطیں ہیں مثلاً ایک شرط یہ ہے یہ اپنے کامل نہ ہونے کا اعتقاد رکھے ورنہ ترقی نہیں کر سکتا بلکہ اپنی جگہ پر رکا ہوا ہے اور اگر ترقی ہو بھی تو محض عارضی۔ باقی سماع کے نافع ہونے کی شرطیں عوارف المعارف یا دیگر اکابر مستقیم الاحوال کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن یہ دور حاضر کے لوگوں میں مفقود ہیں بلکہ اس قسم کا سماع اور رقص جو آج کل رائج ہے بلاشک وشبہ مضر ہے اور عروج ترقی کے منافی ﴿۲۰۳﴾

دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ میں سورۃ لقمان کی آیت **من یشتری لھو الحدیث**......الخ کی روشنی میں مفسرین وفقہا کے اقوال کے حوالہ سے سماع کی حرمت پر بحث کی ہے۔ ﴿۲۰۴﴾ میر نعمان کو لکھتے

﴿۲۰۲﴾ مسئلہ سماع میں فقہا وصوفیہ میں اختلاف پہلے پایا جاتا ہے حضرات چشتیہ کی طرف سماع مزامیر کی نسبت تہمت عظیم ہے وہ اس سے بری ہیں۔ تصوف کی ہر معتبر کتاب میں سماع کے حوالے سے تفصیلات موجود ہیں۔ عصر حاضر میں سماع کی جو صورت رائج ہے علما وصوفیہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ سماع کے بارے میں شرائط اور مختلف نظریات کیلئے ملاحظہ فرمائیے:

احمد رضا قادری، الشیخ، رسائل رضویہ، مکتبہ حامدیہ لاہور، ۱۹۸۸، ص: ۲۶۹۔۲۹۴

ہجویری، ابوالحسن علی بن علی عثمان، کشف المحجوب، مترجم سید محمد فاروق القادری، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص: ۵۷۵۔۶۰۴

قشیری، عبدالکریم بن ہوازن، رسالہ قشیریہ، مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۸۸ء، ص: ۷۰۳۔۷۰۵

﴿۲۰۳﴾ مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ، دفتر اول، مکتوب: ۲۸۵

﴿۲۰۴﴾ اسی آیت کے تحت باب ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہیں:

''بہت سے لوگوں نے اپنے اضطراب و بے قراری کی تسکین، سماع و نغمہ اور وجد و تواجد سے حاصل کی اور اپنے مطلوب کو نغمہ کے پردہ میں مطالعہ کیا۔اسی واسطے رقص و رقاص کو دیکھنا عادت بنالی۔حالانکہ انہوں نے بہت کچھ سنا ہوگا۔

ما جعل اللّٰه فی الحرام شفاء

یعنی اللہ نے حرام میں شفاء نہیں رکھی۔

ہاں! **الغریق یتعلق بالحشیش وحب الشی یعمی ویصم**

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔اور کسی شے کی محبت اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

اگر نماز کے کمالات کی حقیقت کچھ بھی ان پر منکشف ہو جاتی تو ہرگز سماع و نغمہ کا دم نہ مارتے۔﴿۲۰۵﴾

☆☆☆☆☆

﴿۲۰۵﴾مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ، دفتر اول، مکتوب:۲۶۱

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تفسیری و فقہی خدمات

مطالعہ و جائزہ

امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت پر توجہ مرکوز کرنا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اہم تجدیدی کارنامہ ہے۔ جہالت کی آگ انسانی شخصیت کو جلاتی اور انسانی کردار کو خاکستر بناتی رہتی ہے۔ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات اور دیگر رسائل میں تعلیم کو عام کرنے اور مسلمانوں کو جہالت کے الاؤ سے نکالنے کے لیے اپنے پیروکاروں کو جو ہدایات دیں اور جو سعی مشکور فرمائی اس کے اثرات بعد کے ادوار میں بھی محسوس ہوتے رہے۔ برصغیر کے مسلم حکمرانوں نے حکومتی و سرکاری سطح پر تعلیمی نظام پر شاذ و نادر ہی توجہ دی مگر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس پہلو پر توجہ دے کر یہ واضح کر دیا کہ غار حراء سے پھوٹنے والی اقــرأ کی روشن کرن دراصل علم و معرفت کی وہ سرمدی کرن تھی جس کے حصول کی تلقین اس طرح فرمائی گئی۔ **طلب العلم فریضة علی کل مسلم** یعنی طلب علم حق نہیں کہ آپ اس سے دست بردار ہو جائیں بلکہ یہ ایسا فریضہ ہے جس سے سبکدوش ہونا ہی پڑتا ہے اور اس سے دست برداری کے کوئی معنی نہیں۔ اگر آج برصغیر بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص ملت اسلامیہ میں پائے جانے والے خواندگی کے پست معیار پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا اس طرف ملت کو متوجہ کرنا کتنا اہم اور کس قدر بروقت اقدام تھا۔

زیر نظر کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات کے تفسیری و فقہی پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب کے ابواب ۳ تا ۵، جن میں ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، کا مطالعہ و جائزہ درج ذیل ہے:

حضرت مجدد بطور مفسر قرآن

اس کتاب میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیری خدمات کے ضمن میں اعجاز القرآن، متشابہات، خلق قرآن، تفسیر وتاویل وغیرہ جیسے مسائل پر آپ کی آراء کے علاوہ آپ کی تصانیف سے ایسی تمام آیات اکٹھی کردی گئی ہیں جن کے تحت آپ نے کوئی تفسیری نکتہ بیان کیا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس متعلقہ آیت کی تشریح وتوضیح میں جو آیات، احادیث اور آثار نقل کئے ہیں۔ ان کی ممکنہ حد تک تخریج بھی کی گئی ہے۔ بعض مقامات پر، جیسے آیت مؤدۃ، اور واقعہ غرانیق کے حوالہ سے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات سے دیگر محققین کے اختلافات کو دلائل سے واضح کیا گیا ہے۔ تفسیر مظہری، روح المعانی اور روٗفی میں بکثرت حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے افکار سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان تفاسیر سے ایسے مقامات کو بھی یکجا کیا گیا ہے جہاں ان ائمہ تفاسیر نے مجددی فکر سے استفادہ کرکے فہمِ قرآن کی راہیں ہموار کی ہیں۔ مندرجہ بالا مباحث کو پیشِ نظر رکھ کر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے تفسیری رجحانات کا درج ذیل خاکہ مرتب کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ تفسیر میں حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا منہج اور ان کا طریق کار بنیادی طور پر ان دو ستونوں پر قائم ہے۔

الف۔ قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعہ/قرآن کی سنت اور آثار صحابہؓ سے تفسیر

ب۔ اجتہاد اور رائے کے ذریعہ تفسیر

حدیث کی نقل میں امام بیضاوی، اور زمخشری کی طرح احتیاط کے پہلو کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔ چونکہ مذکورہ تفاسیر آپ کے زیرِ مطالعہ تھیں۔ اس لئے آپ نے نقل پر اکتفا کیا، زیادہ تحقیق وتخریج پر توجہ نہ دی اور نہ ہی اس زمانہ میں ایسا رواج تھا۔ کتب تصوف جیسے فصوص الحکم، الفتوحات المکیہ، عوارف المعارف اور احیاء العلوم سے بھی آپ نے استفادہ کیا۔ اس لئے ایسی روایات کا نقل ہونا یقینی امر تھا۔

۲۔ بعض اوقات آپ اپنے مدعا کے اثبات کے لیے آیت کا شان نزول بھی تحریر کرتے ہیں لیکن اسے

ہر جگہ ضروری خیال نہیں کرتے۔ سورۃ الانفال آیت ۶۴ اور سورۃ الممتحنہ کی آیت ۱۲ میں آپ کے اس طرز نگارش کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

۳۔ قرآنی آیات کی تفسیر میں جہاں آپ نے اپنی فکر رسا سے مفاہیم بیان کیے ہیں وہاں متقدمین مفسرین کی آراء سے بھی استفادہ کیا ہے اور بعض مقامات پر امام بیضاوی جیسے بلند پایہ مفسر پر جرح بھی کی۔ عموماً آپ نے امام بیضاوی، زمخشری، اور رازی کے اقوال نقل کیے ہیں۔ مثالوں کے لیے درج ذیل آیات کی تفسیر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

ومن یقتلمومنامتعمدافجزاء ہ جھنم خالداً فیھا، خذوا زینتکم عند کل مسجد، ومن الناس من یشتری لھو الحدیث، الیہ یصعد الکلم الطیب، لایتکلمون الامن اذن لہ الرحمن و قال صواباً

۴۔ آپ کے ہاں الفاظ کے لغوی وفنی مباحث بیان کرنے کا رجحان بھی ملتا ہے۔ لفظ کے متعلقہ لغوی مباحث، آپ نے کتب تفاسیر ولغت سے یکجا کیے ہیں۔ اسی طرح صرفی ونحوی مسائل پر بھی علمی انداز میں بحث کی ہے علاوہ ازیں بلاغت کے بعض پہلو بھی ذکر کیے ہیں۔

۵۔ تفسیر قرآن میں ''نظم قرآن'' کا اہتمام بھی ایک اہم فنی معاملہ ہے۔ فراہی مکتبہ فکر نے اس سلسلہ میں کام کیا ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ بھی داخلی نظم کے قائل نظر آتے ہیں چونکہ تفسیری حوالہ سے آپ کے افکار پورے قرآن کا احاطہ نہیں کرتے۔ لیکن آیت کریمہ رحمتی وسعت کل شیء میں ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ پر نقد کرتے ہوئے آپ نے سیاق وسباق پر نظر کرنے کا کہا ہے۔ اس اندازِ فکر کا اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ قرآنی جملوں سے اپنی پسند کا مطلب نکالنے پر کاری ضرب پڑتی ہے۔

۶۔ صوفیہ کے طبقہ میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ شخصیت ہیں۔ آپ نے آیات قرآنی کی روشنی میں سیر وسلوک کے مسائل پر بھی بحث کی ہے۔ محققین نے تفسیرِ اشاری (صوفیانہ تفسیر) کے لئے درج ذیل چار شرائط بیان کی ہیں۔

۱۔ ان لا ینقض معنی الآیة

۲۔ وان یکون معنی صحیحافی نفسه

۳۔ وان یکون فی اللفظ اشعاربه

وان یکون بینه وبین معنی الآیة ارتباط وتلازم

(ابن قیم، ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر، التبیان فی اقسام القرآن، تحقیق فواد احمد زمرلی، دارالکتاب العربی ۱۹۹۴ء، ص:۹۰)

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اشاری تفسیر کے لیے آیات قرآنی سے جو مفاہیم اخذ کیے ہیں وہ اسلامی تعلیمات سے تضاد نہیں رکھتے چونکہ یہ افکار دینی روح سے ہم آہنگ ہیں اس لیے آپ کی صوفیانہ تعبیرات قابل قبول ہیں، بلکہ آپ نے صوفیہ کے بعض معتقدات کا ردّ اسی لیے کیا ہے کہ وہ تعلیمات اسلامی کے منافی تھے۔ ایسی تعبیرات کے لیے ان آیات کی تفسیر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُو اللّٰهَ وَابْتَغُوْ اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ، وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ، وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَأتِیَکَ الْیَقِیْنُ، اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، اِنَّاعَرَضْنَاالْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ، فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنَ اَوْاَدْنٰی، لَایَمَسُّهٗ اِلَّاالْمُطَهَّرُوْنَ، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا، تَعْرُجُ الْمَلَائِکَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُهٗ

آیاتِ قرآنی کے ضمن میں آپ نے بعض نادر نکات بھی بیان فرمائے۔ جیسے اتباع رسول کے درجات، حیاتِ خضر اور بعض صوفیانہ مباحث، اس طرح آپ نے تفسیر کے ضمن میں اہم اور اچھوتا کردار ادا کیا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ بہر صورت بشر تھے اور سہو خاصۂ بشریت ہے۔ علاوہ ازیں بعض اوقات فرصت نہ ملنے کی وجہ سے اسلاف کی تفاسیر سے بعض ایسی آراء نقل کردیں جو تحقیقی نکتۂ نظر سے درست نہ تھیں۔ اس لئے راقم نے ایسے تمام مقامات پر محققین علماء کی آراء نقل کردی ہیں۔ اس کی مثال واقعہ غرانیق ہے۔ علاوہ ازیں یاایها النبی اذا جاء ك المومنات کا شان نزول، مروان کو مدینہ سے نکالنے والی روایت اس کی مثالیں ہیں۔ معوذتین کے حوالہ سے حضرت یحیٰی منیری پر آپ نے جو علمی گرفت کی تھی اس کے نقل کرنے میں بھی آپ سے تسامح ہوا۔

آپ کے تفسیری اشارات اسلام کے ہمہ گیر پیغام اور ہمہ جہت نظام کی زندہ تصویر ہیں۔ ملوکیت کے اثرات میں سے یہ بھی ایک اثر تھا کہ اصحاب اقتدار اور علماء وصوفیہ نے اپنے اپنے حلقہ ہائے کار الگ الگ کر لئے۔ علماء و مشائخ بھی آداب سلطانی کو ملحوظ رکھنے پر مجبور کر دیئے گئے۔ وہ حکومتی معاملات سے بے تعلق ہو گئے اور عافیت کے ساتھ فقہ و تصوف اور مدرسہ و خانقاہ سے دل بہلانے لگے۔ اس طرز عمل سے اسلام کو ہمہ گیریت گہنا گئی۔ لیکن حضرت مجدد کے تفسیری نکات پڑھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ قاری قرآن کے جس مفہوم کو سمجھ رہا ہے وہ علمی بھی ہے اور دعوتی و تحریکی بھی۔ یہ مسلمانوں کو عالمی قیادت کے لئے تیار کرنے کا لائحہ عمل ہے۔ برصغیر میں آپ کی ان کاوشوں کے اثرات آج بھی محسوس کئے جا سکتے ہیں۔

عہد اکبر میں علماء سوء نے راسخ العقیدہ لوگوں کے بارے میں تضحیک آمیز رویہ اختیار کیا۔ علمائے حق سے نفرت کا ایسا اسلوب اختیار کیا جو بالآخر اسلام سے نفرت پر منتج ہوا۔ ایسے ملحدانہ افکار کی بنیاد فلسفہ تھی، اس زمانہ میں برصغیر میں گمراہ فرق نے بھی بال و پر نکالے، عالم، فقیہ، محدث اور متکلم شیخ احمد سرہندی نے ان تمام نو پیدا شدہ اعتقادی افکار اور قدیم گمراہ فرقوں ـــــ مجسمہ اور معتزلہ وغیرہ کا رد بھی قرآنی آیات کی روشنی میں کیا۔

مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّاهُوَ رَابِعُهُمْ، لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ، وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا ...... جیسی آیات کی تفسیر میں ان مباحث کو بیان کیا گیا ہے۔ فلاسفہ کے بارے میں آپ کے افکار و نظریات پر دوسرے باب میں بحث کی گئی ہے۔

حضرت مجدد بطور فقیہ

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی خدمات کے ضمن میں اصول فقہ سے متعلقہ مباحث جو آپ کے افکار کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

تقلید، فقہ اسلامی کے ماخذ (ادلہ اربعہ، الہام۔ تعامل، عرف وغیرہ) تشریع کے قرآنی اصول (عدم حرج، قلت تکلیف، نسخ) نص کی دلالت کے اعتبار سے اقسام، سنت ھدی اور عادیہ میں فرق، مباحات کے دائرہ کار کا تعین، جواز و عدم جواز میں تعارض کا حل، تکفیر مسلم، بدعت۔ جب کہ فقہ کے متعلقہ ۲۴ مسائل پر حضرت مجدد کا نقطۂ نظر اور آپ کی تحقیقات یکجا کی ہیں۔

آپ کے فقہی ذوق کا اندازہ درج ذیل نکات سے لگایا جاسکتا ہے:

۱۔ آپ اپنے موقف کے اثبات کے لیے متعلقہ مسئلہ کی نوعیت کے مطابق قرآنی آیات، اور احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مسئلہ سماع میں آپ نے قرآنی آیت مــن یشتــری لھـو الـحـدیـث...... کو نقل کرکے مفسرین کے مختلف اقوال سے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی ہے۔ جب کہ تعدیل ارکان اور ایصال ثواب کے مسئلہ میں بکثرت احادیث نقل کرکے اپنے موقف کو واضح کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے نزدیک قرآن وسنت، مسائلِ فقہ کے استخراج کے لئے اولیں سرچشمہ ہیں۔ نوافل کی جماعت کے مسئلہ میں آپ کا کتبِ فقہ سے عبارات نقل کرنا فقہائے احناف کی تحقیق پر اعتماد اور تقلید کا مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ استنباط مسائل میں آپ کے اندازِ تحقیق کا بھی آئینہ دار ہے۔

۲۔ آپ نے دیگر علماء کی طرح ایک امام کے مقلد کی حیثیت سے فقہی مسائل بیان کئے۔ آپ فقہ حنفی کو اپنے کشف کی بناء پر دوسرے فقہی مکاتب پر ترجیح دیتے اور اس پر سختی سے کاربند رہتے۔ آپ نے مسئلہ رفع سبابہ میں عدم رفع کو فقط اس لئے ترجیح دی کہ وہ ظاہر الروایت، میں نہیں۔ یہ مسئلہ اگر ایک طرف آپ کی تقلید میں پختگی کا آئینہ دار ہے تو دوسری طرف آپ کی فقہی بصیرت کا عکاس۔ اسی لئے علامہ محمد یوسف بنوری نے معارف السنن میں لکھا:

"ولا ریب ان الشیخ الربانی قد اتی فی مکتوبہ ذلك مایمکن من قوۃ الاستدلال بمتانۃ بالغۃ وذوق فقھی خالص وآثرفی الانکار منھجاً علمیاًفقھیاًبأمتن تعبیر، وھو غایۃ مایمکن فی الانکار (ص: ۱۰۱)

"اور بے شک مجدد الف ثانی قوت استدلال سے جتنا ممکن ہوسکا، انتہائی سنجیدگی اور خالص فقہی ذوق سے اس مسئلہ کو اپنے مکتوب میں زیرِ بحث لائے ہیں۔ انکار سبابہ کے لئے ایک قوی ترین تعبیر سے ایسا طریقہ اختیار کیا جو علمی بھی ہے اور فقہی بھی اور وہ انتہائی دلیل ہے جو انکار سبابہ میں ممکن ہے۔"

علم فقہ میں آپ کی بالغ نظری اور عمیق فکر کا اندازہ "باجماعت نوافل" کے مسئلہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ جس میں آپ نے نقلی و عقلی دلائل سے اس مسئلہ کے ہر پہلو پر روشنی ڈال کر نوافل کی جماعت کے عدم جواز کو ثابت کیا ہے۔

فقہ حنفی سے غایت درجہ انس کے باوجود آپ دیگر ائمہ کبار کا پورا احترام کرتے اور عملی زندگی میں مسائل شرعیہ پر اس طرح عمل کی کوشش کرتے کہ ائمہ اربعہ کے اقوال پر عمل ہو سکے۔ سورۂ فاتحہ امام شافعی کے نزدیک ہر نماز میں پڑھنا ضروری ہے، اس کے لئے آپ نے، اپنے لئے، یہ طریق اختیار کیا کہ امامت کا فریضہ خود سنبھال لیا۔ وضو، تعدیلِ ارکان اور پشمینے کے مصلّٰی پر نماز کے مسائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح آپ نے مذاہب اربعہ میں تطبیق کے اصول کو اپنایا۔ آپ نے مکتوبات میں لکھا کہ نفلی عبادات میں مَیں کبھی امام شافعی کے طرزِ عمل کو بھی اپنا لیتا ہوں۔

۳۔ اگرچہ عموماً آپ نے مسائل، فقہ حنفی کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق ہی تحریر کئے ہیں لیکن بعض مقامات پر احناف، شوافع اور مالکیہ کے اختلافات کا ذکر بھی کیا۔ نمازِ عشاء کا وقت، تعدیل ارکان، وضو، اور زکوۃ کے مسائل میں ان کی وضاحت دیکھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ بیانِ اختلاف کا سبب، کتب فقہ کی طرح، اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنا نہیں ہے۔ اس سے بہرحال آپ کے وسعتِ مطالعہ اور مسائل پر گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔

۴۔ آپ نے فقہی مسائل کو تصوف کے رنگ میں رنگنے نہ دیا، جس طرح عموماً صوفیہ کا طریقہ ہے، بلکہ بنیاد قرآن وسنت اور کتب فقہ کو ہی بنایا۔ آپ اس فکر کے قائل نظر آتے ہیں کہ فقہاء کی تقلید میں جنید و بایزید جیسے کبار صوفیہ بھی عام مسلمانوں کی طرح برابر ہیں۔ آپ کے اس طرزِ فکر نے صوفیہ کے شریعت سے انحراف کی راہوں کو مسدود کر کے، تصوف کی بنیاد خالصتاً ''احسانی فکر'' پر رکھی، جس میں مسائل شرعیہ کی حد درجہ احتیاط سے پابندی کے علاوہ چارۂ کار نہیں۔

۵۔ سنت سے حد درجہ لگاؤ، بدعت سے نفرت کو مستلزم ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے زبان سے نماز کے لئے نیت اور نوافل کی جماعت کے حوالہ سے سخت موقف اختیار کیا، اسی وجہ سے ذکر بالجہر اور کفن میں عہد نامہ رکھنے کو ناپسند کیا، بلکہ اگر کوئی امر سنت و بدعت میں دائر ہو تو آپ ترکِ سنت کو ہی اولیٰ سمجھتے۔

۶۔ آپ نے تکلیفات شرعیہ کے ہر حکم کو اسی درجہ میں رکھا جس کا وہ مستحق ہے۔ نوافل و مستحبات کو فرائض پر ترجیح نہ دیتے یہاں تک کہ سنت میں بھی آپ نے سنت عادیہ اور ہدیٰ کے فرق کو ملحوظ رکھ کر مسائل بیان کئے۔ اس عمیق فکر ہی نے آپ کو دیگر صوفیہ سے ممتاز کر دیا۔

۷۔ چونکہ آپ نے فقہ کی کوئی علیحدہ کتاب نہیں لکھی بلکہ عوام الناس نے جن مسائل کے بارہ میں استفسار کیا انہی کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس لئے آپ کے بیان کردہ مسائل کا دائرہ کار انہی مسائل تک محدود ہے جن سے عوام الناس کو عموماً واسطہ پڑتا ہے۔

۸۔ علم فقہ کو آپ کے ہاں بنیادی اہمیت حاصل تھی اسی واسطے اپنے ارادت مندوں کو کتب فقہ کے مطالعہ کی تلقین کرتے اور ان کتب کے مقابلہ میں بوستان وگلستان کو غیر ضروری خیال کرتے۔ آپ کے طرز فکر سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہر آدمی کو اپنی قومی زبان میں شائع شدہ کتبِ فقہ کا مطالعہ کرنا چاہئے، اور ارباب اقتدار اور صاحبان علم کو چاہئے کہ وہ کتب فقہ کو اپنی زبان میں منتقل کریں۔ اسی واسطے آپ نے متعدد بار فارسی کی بعض کتب کے مطالعہ کی نصیحت کی کیونکہ اس زمانے میں فارسی ہی واحد رابطے کی زبان تھی۔

۱۰۔ عموماً وہ مسائل جن میں معاملہ کفر وشرک تک پہنچ سکتا تھا، آپ نے انتہائی سخت لب ولہجہ اختیار کیا۔ اس کے لئے سجدۂ تعظیمی، ربوٰ، اور نذر کے مسائل کو دیکھا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں آپ ایسے افعال، اگرچہ وہ مستحب کے درجہ میں ہی ہوں، کے ترک کے بھی قائل نہ تھے جن کے ترک کرنے سے مخالفین اہل سنت سے تشبہ کا خطرہ ہو۔

خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین کے ذکر کا مسئلہ اسی قبیل سے ہے۔ اسی طرح آپ نے برصغیر میں اسلامی فکر کی نمو کے لئے ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ "شعائر اسلام" کی آپ کے ہاں کیا قدر و منزلت تھی۔

۱۱۔ مسائل کے بیان کے لیے عموماً جن کتب کے نام ملتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

مبسوط، حاشیہ شرح وقایہ، فتاویٰ سراجیہ، فتاویٰ غیاثیہ، خلاصہ، فتاویٰ شافیہ، فتوی غرائب، جامع الرموز، زاہدی، مضمرات، ولوالجی، ترغیب الصلوٰۃ، فتح القدیر، فتاویٰ ابراہیم شاہی، قنیہ، کبیری، احیاء العلوم

۱۲۔ آپ کے ہاں متقدمین سے کسی مسئلہ میں اختلاف کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ آپ نے ایسے علماء کا نام لے کر ان کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا ہے۔ رفع سبابہ کے مسئلہ میں امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ سے دلائل کی بناء پر اختلاف کیا ہے اور سود کے مسئلہ میں علمائے لاہور کے بعض افکار کا رد کیا ہے۔ اس طرح آپ نے قوی دلیل کی بناء پر اپنے موقف کو ثابت کرنے کے رجحان کو تقویت دی۔

۱۳۔ آپ نے اپنی تحقیقات میں اس بات کو پیش نظر رکھا کہ مختلف کتب سے حوالہ جات نقل کرتے ہوئے فقہی ذخیرہ میں ان کا درجہ کیا ہے۔ رفع سبابہ کے مسئلہ میں ظاہر الروایت کو کتبِ نوادر پر ترجیح دی اور سود کے مسئلہ میں بتایا کہ قنیہ کی روایات کا درجۂ اعتبار کیا ہے۔ اس طرح ان لوگوں کی تردید ہو جاتی ہے جو ہر کتاب میں لکھی ہوئی ہر بات کو حرف آخر سمجھتے ہیں۔

رفع سبابہ کے مسئلہ میں آپ کی تحقیقات سے دیگر حنفی محققین نے اختلاف کیا ہے۔ راقم نے ان کے نقطۂ نظر کو اختصار سے بیان کیا ہے۔

الغرض روح کی بالیدگی، عقائد کی صحت، خلوص کے جوش، علم کی گہرائی، اصلاح کے جذبہ اور عمل کی پختگی کے لئے جو چراغ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فروزاں کئے وہ آج بھی حامیانِ کتاب و سنت کو فوز وفلاح کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے روشن ہیں۔ سچ ہے اگر آپ کا وجود اور جدو جہد نہ ہوتی تو ہندوستانی تہذیب اور فلسفہ، حسب سابق اسلام کو نگل جاتا۔

☆☆☆☆☆

کتابیات

بنیادی مآخذ

☆ اثبات النبوۃ، ادارہ مجددیہ، کراچی
☆ تائید اہل سنت، دار المبلغین حضرت میاں صاحب، شرق پور
☆ رسالہ تہلیلیہ، مترجم: رشید احمد، ادارہ مجددیہ، کراچی
☆ شرح رباعیات، ادارہ مجددیہ، کراچی
☆ مبدأ و معاد، ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۹۸۴ء
☆ مکاشفات غیبیہ، ادارہ مجددیہ، کراچی
☆ معارف لدنیہ، ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۹۸۵ء
☆ مکتوبات امام ربانی کوئٹہ

ثانوی مآخذ

القرآن

کتب تفسیر، علوم القرآن، تاریخ القرآن اور دیگر

☆ آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی، لاہور ۱۹۷۳ء
☆ ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی، زاد المسیر، المکتب الاسلامی، بیروت،
☆ ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، الزہر النضر فی حال الخضر، تحقیق: مقبول احمد، مجمع البحوث الاسلامیہ، نئی دہلی ۱۹۸۰ء
☆ ابن قیم، ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر، التبیان فی اقسام القرآن، تحقیق: فواد احمد زمرلی، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۹۹۴ء
☆ ابن کثیر، ابوالفدا اسماعیل بن عمر تفسیر القران العظیم، تحقیق مسامی بن محمد السلامۃ، دار طیبۃ، الریاض
☆ ابن عطیہ، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
☆ ابوسعود محمد بن محمد، ارشاد العقل السلیم، دار احیاء التراث العربی، لبنان

☆ الباقلانی، القاضی ابوبکر، اعجاز القرآن علی ھامش الاتقان، سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۹۷۴ء
☆ السیمانی، ابوالمظفر، حاشیہ تفسیر القران، دار الوطن، الریاض ۱۹۹۷ء
☆ المہائمی، علی بن احمد، تبصیر الرحمان، عالم الکتب، بیروت
☆ المراغی، احمد مصطفیٰ، تفسیر المراغی، دار احیاء التراث العربی، بیروت
☆ روح المعانی، انتشارات جہاں، تہران
☆ آلوسی، سید محمود، روح المعانی، دار لفکر، بیروت ۱۹۹۲ء
☆ الزرکشی، امام بدرالدین، البرھان فی علوم القرآن، تحقیق: محمد ابو فضل ابراہیم، دار المعرفت، لبنان
☆ الواحدی، علی بن احمد، اسباب النزول، تحقیق: ایمن صالح شعبان، دار الحدیث، قاہرہ ۱۹۹۵ء
☆ اصلاحی، امین حسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور،
☆ بیضاوی، عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل واسرار التاویل، دار الفکر، بیروت
☆ تھانوی، مولانا اشرف علی، بیان القرآن، میر محمد کتب خانہ، کراچی
☆ جابر الجزائری، ابوبکر، ایسر التفاسیر، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ
☆ رازی، فخر الدین بن ضیاء الدین، مفاتیح الغیب، دار الفکر، بیروت
☆ رؤف احمد شاہ، تفسیر مجددی، ناشر: محمد صالح، ۱۸۵۶ء
☆ زمخشری، جار اللہ محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، مکتب الاعلام الدمی، بیروت
☆ سید قطب، فی ظلال القرآن، دار الشرق، بیروت
☆ سلیم اللہ خاں، مولانا، کشف الباری، مکتبہ فاروقیہ، کراچی ۱۴۱۸ھ
☆ سید صفدر حسین نجفی (مترجم) تفسیر نمونہ، مترجم، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور
☆ شوکانی، محمد بن علی، فتح القدیر، مکتبۃ المعارف، ریاض
☆ طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، موسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان، قم
☆ عثمانی، شبیر احمد، حاشیہ قرآن، مکتبہ رشیدیہ، لاہور
☆ غلام اللہ خاں، جواہر القرآن، کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی
☆ فراہی، حمید الدین، الامعان فی اقسام القرآن، مترجم: امین احسن اصلاحی، مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور ۱۹۷۵ء

☆ قاضی ثناء اللہ تفسیر مظہری، ترجمہ: مولانا سید عبدالدائم الجلالی، ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۹۸۰ء

☆ قدوائی، ڈاکٹر سالم، ہندوستانی مفسرین اوران کی عربی تفسیریں، ادارہ معارف اسلامی، لاہور ۱۹۹۳ء

☆ محمد امین، اضواء البیان، مکتبۃ ابن تیمیہ، قاہرہ

☆ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی

☆ محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۳۹۹ھ

☆ نیشاپوری، نظام الدین، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، دارالکتب العلمیہ، لبنان

☆ وہبۃ الزحیلی، ڈاکٹر، التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنہج والفکر المعاصر، بیروت

احادیث

﴿کتب حدیث، شروح حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال﴾

☆ ابن ابی شیبہ، ابوبکر عبداللہ بن محمد، مصنف ابن ابی شیبۃ، ادارۃ القرآن، پاکستان ۱۹۸۶ء

☆ ابن تیمیہ، تقی الدین احمد بن عبدالحلیم، احادیث القصاص، تحقیق: محمد الصباغ، المکتب الاسلامی، مصر

☆ ابن عدی، ابواحمد عبداللہ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مکتبۃ الاثریہ، شیخوپورہ

☆ ابن ماجہ، امام ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، المکتبۃ العلمیہ، بیروت

☆ ابوبکر، عبداللہ بن زبیر، مسند الحمیدی، اہل حدیث ٹرسٹ کراچی

☆ احمد بن حنبل، امام، المسند، تحقیق: حمزہ احمد الزین، دارالحدیث، قاہرہ ۱۹۹۵ء

☆ اصبہانی، ابونعیم احمد بن عبداللہ، ذکر اخبار اصبہان، موسسۃ النصر، طہران

☆ اصفہانی، ابونعیم احمد بن عبداللہ، حلیۃ الاولیاء، دارالکتب العلمیہ، لبنان

☆ البانی، ناصرالدین، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، مکتبۃ المعارف، الریاض ۱۹۹۵ء

☆ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ، مکتبۃ المعارف، الریاض ۱۹۹۵ء

☆ صحیح الجامع الصغیرۃ وزیادتہ، المکتب الاسلامی، بیروت

☆ صحیح سنن النسائی، المکتب الاسلامی، بیروت

☆ الحاکم، ابوعبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، دارالمعرفۃ، لبنان

☆ الزرکشی، محمد بن عبداللہ، التذکرۃ فی الاحادیث المشتہرہ، تحقیق: عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیہ، بیروت

☆ الطیبی، شرح مشکوٰۃ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۴۱۳ھ
☆ المزی، ابوالحجاج یوسف، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، موسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۴ء
☆ بجنوری، سید احمد رضا، مقدمہ انوار الباری، مکتبہ حفیظیہ، گوجرانوالہ ۱۹۸۸ء
☆ بخاری، محمد بن اسماعیل، التاریخ الکبیر، دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ المکرمہ
☆ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح تحقیق: الشیخ محمد علی، الشیخ ہشام البخاری، المکتبۃ العصریہ، بیروت ۱۹۹۷ء
☆ بدیوی، یوسف علی، الاحادیث القدسیہ، دار ابن کثیر، دمشق
☆ بزار، احمد بن عمرو، البحر الزخار المعروف بہ مسند بزار، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ
☆ بیہقی، ابی بکر بن الحسین، السنن الکبریٰ مع الجوہر النقی، نشر السنۃ، ملتان
☆ بنوری، محمد یوسف، معارف السنن، سعید اینڈ کمپنی، کراچی ۱۳۹۵ھ
☆ پٹنی، محمد طاہر، تذکرۃ الموضوعات، ادارہ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۳ھ
☆ خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، دار الکتب العلمیہ، لبنان
☆ دہلوی، شیخ احمد حسن، تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث مشکوٰۃ، المجلس العلمی السلفی، لاہور
☆ دیلمی، ابوشجاع شیرویہ، مسند الفردوس، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۶ء
☆ ذہبی، محمد بن احمد، میزان الاعتدال، المکتبۃ الاثریہ، پاکستان
☆ سراج احمد سرہندی، شروح مجموعۃ اربعہ ترمذی، مطبع نظامی، کانپور ۱۳۰۶ھ
☆ سعیدی، غلام رسول، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال، لاہور
☆ سہارنپوری، محمد زکریا، مکتوبات علمیہ، مرتب: محمد شاہد سہارنپوری، سعید کمپنی، کراچی ۱۳۹۳ھ
☆ سخاوی، شمس الدین، المقاصد الحسنہ، تحقیق: عبداللہ محمد الصدیق دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۷ء
☆ عبدالغنی، مجددی، انجاح الحاجہ حاشیہ سنن ابن ماجہ، ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی
☆ عثمانی، علامہ شبیر احمد، فضل الباری شرح صحیح بخاری، ادارہ علوم شرعیہ، کراچی
☆ عسقلانی، ابن حجر احمد بن علی، التلخیص الحبیر، المکتبۃ الاثریہ، سانگلہ ہل
☆ تہذیب التہذیب، نشر السنۃ، لاہور
☆ تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس، تحقیق: ڈاکٹر عبدالغفار سلیمان، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۴ء

☆ علاؤالدین، علامہ، کنز العمال، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۹۸۵ء

☆ علاؤالدین ابن بلبان، صحیح ابن حبان، موسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۹۷ء

☆ عینی، بدرالدین، عمدۃ القاری، دارالفکر، بیروت

☆ کاندھلوی، محمد ادریس، الابواب والتراجم اردو شرح صحیح بخاری، کتب خانہ جمیلی، لاہور

☆ کاندھلوی، محمد ادریس، التعلیق الصبیح علی مشکوۃ المصابیح، المکتبۃ العثمانیہ، لاہور

☆ کرمانی، علامہ محمد بن یوسف، شرح البخاری، داراحیاء التراث العربی، بیروت

☆ کاشمیری، انور شاہ، فیض الباری، پروگریسو بکس، لاہور

☆ فیض الباری، مجلس علمی، ڈابھیل، الہند ۱۹۳۸ء

☆ مبارک پوری، محمد عبدالسلام، معاۃ المفاتیح، مکتبۃ الرحمٰن السلفیہ، سرگودھا ۱۹۹۴ء

☆ محمد سعید، تشیید المبانی فی تخریج احادیث مکتوبات الامام الربانی، حیدرآباد دکن ۱۳۲۳ھ

☆ ملا علی قاری، ملا علی بن سلطان، مرقات، مکتبہ امدادیہ، ملتان ۱۳۹۲ھ

☆ مناوی، عبدالرؤف، فیض القدیر، دارالمعرفۃ، بیروت

☆ مسلم، امام، صحیح مسلم، تحقیق: ڈاکٹر موسیٰ شاہین، موسسۃ عزالدین ۱۹۸۷ء

کتب سیرت

☆ ابن قیم، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر، زادالمعاد، تحقیق: شعیب الارنوؤط، موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۶ء

☆ ابوشہبہ، محمد بن محمد، السیرۃ النبویہ فی ضوء القرآن والسنۃ، دارالقلم، دمشق

☆ البانی، محمد ناصرالدین، نصب المجانیق لنسف قصہ الغرانیق، منشورات المکتب الاسلامی، دمشق

☆ بیہقی، دلائل النبوۃ، دارالکتب العلمیہ، لبنان ۱۹۹۵ء

☆ جعفر سبحانی، فروغِ ابدیت، مترجم: نصیر حسین، امامیہ پبلشرز، لاہور

☆ خالد، ڈاکٹر انور محمود، اردو میں سیرت رسول، اقبال اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۹ء

☆ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، دارالاشاعت، کراچی

☆ علی قاری، ملا، شرح الشفا علی ہامش نسیم الریاض، دارالفکر، بیروت

☆ طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر، سیرت الرسول ﷺ، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور

☆ قاضی عیاض، ابوالفضل، الشفاء، مترجم: سید محمد متین ہاشمی، انجمن اصلاح المسلمین، گوجرانوالہ

☆ محدث دہلوی، شیخ عبدالحق، مدارج النبوۃ، مترجم: غلام معین الدین، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
☆ محمد رضا، شیخ، محمد رسول اللہ ﷺ، مترجم: محمد عادل قدوسی، تاج کمپنی، لاہور
☆ محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
☆ ہیکل، محمد حسین، حیات محمد ﷺ، قاہرہ

کتب فقہ

اصول فقہ و تاریخ فقہ

☆ ابن البزاز، محمد بن محمد، فتاویٰ بزازیہ علی ہامش الفتاویٰ الہندیہ، نورانی کتب خانہ پشاور
☆ ابن حجر الہیتمی، احمد شہاب الدین، الفتاوی الحدیثیہ، نور محمد کتب خانہ کراچی
☆ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد، المحلی، تحقیق: ڈاکٹر عبدالغفار، دار الکتب العلمیہ، بیروت
☆ ابن نجیم، زین الدین، البحر الرائق، ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی
☆ ابن رشد، ابو الولید محمد بن احمد، بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد، تحقیق: ماجد الحموی، دار ابن حزم بیروت ۱۹۹۵ء
☆ ابن قیم، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، دار الجیل، بیروت
☆ ابن قدامہ، موفق الدین، المغنی، دار الکتاب العلمیہ، بیروت ۱۹۷۲ء
☆ ابو زہرہ، محمد، اصول الفقہ، دار الفکر العربیہ، بیروت
☆ ابو اللیث سمرقندی، فتاوی النوازل، شمس الاسلام، حیدر آباد دکن ۱۳۵۵ھ
☆ اثری، ارشاد الحق، اسباب اختلاف الفقہاء، ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد ۱۹۹۲ء
☆ اثری، ارشاد الحق، توضیح الکلام، ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد
☆ احمد رضا قادری، الشیخ، رسائل رضویہ، مکتبہ حامدیہ، لاہور ۱۹۸۸ء
☆ احمد رضا قادری، فتاویٰ رضویہ، دار العلوم امجدیہ کراچی
☆ الاصفہانی محمود بن عبدالرحمٰن، بیان المختصر شرح ابن الحاجب، تحقیق: ڈاکٹر محمد مظہر بقا، دار المدنی، جدہ ۱۹۸۶ء
☆ الاسنوی، جمال الدین، شرح الاسنوی علی منہاج الوصول للقاضی البیضاوی، مکتبہ جمہوریہ، مصر
☆ البانی، ناصر الدین، صفۃ صلاۃ النبی ﷺ، مکتبۃ المعارف، الریاض ۱۹۹۱ء
☆ التفتازانی، سعد الدین سعود، التلویح علی التوضیح، اصح المطابع، کراچی ۱۴۰۰ھ

☆ السبکی، علی بن عبدالکافی، الابہاج فی شرح منہاج، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، قاہرہ
☆ السرخسی، ابوبکر محمد بن احمد، اصول السرخسی، تحقیق: ابوالوفاالافغانی، دارالعرفۃ بیروت
☆ امجدی، جلال الدین، فتاویٰ فیض الرسول، شبیر برادرز، لاہور
☆ بقاء، ڈاکٹر محمد مظہر، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، بقاء پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۸۶ء
☆ بھٹی، محمد اسحٰق، برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۷۳ء
☆ بھٹی، محمد اسحٰق، تاریخ فقہائے ہند، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
☆ رفیع الدین شاہ، رسالۂ اذان، دارالعلوم حقانیہ، اٹک،
☆ زیدان، عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، فاران اکیڈمی، لاہور
☆ زید بن علی، المجموع الفقہی، مطبع المعارف، مصر ۱۹۲۱ء
☆ شاطبی، ابواسحاق، الموافقات فی اصول الشریعۃ، دارالمعرفۃ، بیروت
☆ شافعی، امام محمد بن ادریس، الام، دارالکتب العلمیہ، بیروت
☆ شامی، ابن عابدین، محمد امین آفندی، رسائل ابن عابدین شامی، سہیل اکیڈمی، لاہور
☆ ردالمحتار، المکتبۃ الماجدیہ، کوئٹہ ۱۳۹۹ھ
☆ شعرانی، عبدالوہاب بن احمد، الیواقیت والجواہر، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۷ء
☆ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، مترجم: پروفیسر محفوظ الرحمٰن نعیمی، علماء اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۱ء
☆ صدیقی، ساجدالرحمٰن، فقہ اسلامی کا تاسیسی پس منظر، شریعۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد ۱۹۹۲ء
☆ صفدر، محمد سرفراز خاں، احسن الکلام، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء
☆ صفدر، محمد سرفراز خاں، مقام ابی حنیفہ، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ ۱۹۹۳ء
☆ صفدر، سرفراز خاں، راہ راست، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ ۱۹۹۵ء
☆ طاہر القادری، پروفیسر ڈاکٹر، تاریخ فقہ میں فتاویٰ کا مقام، مشمولہ فتاویٰ نوریہ، دارالعلوم حنفیہ بصیرپور ۱۹۸۸ء
☆ ظفیر الدین، مفتی، مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۸۶ء
☆ عبدالقادر بن محمد، الجواہر المضیئۃ، تحقیق: عبدالفتاح، دارالعلوم، الریاض ۱۹۷۹ء
☆ عبداللہ بن احمد، کشف الاسرار، دارالباز للنشر والتوزیع، مکۃ المکرمہ

☆ گنگوہی، رشید احمد، فتاویٰ رشیدیہ، محمد علی کارخانہ اسلامی کتب، کراچی

☆ محب اللہ، شیخ، مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت، منشورات الشریف رضی، قم

☆ محمد تقی عثمانی، تقلید کی شرعی حیثیت، مکتبہ دار العلوم، کراچی ۱۴۱۳ھ

☆ محمد عزیز، فتاویٰ مولانا شمس الحق عظیم آبادی، علمی اکیڈمی فاؤنڈیشن، کراچی ۱۹۸۹ء

☆ ملا جیون، احمد، نور الانوار، نور محمد کتب خانہ، کراچی

☆ ملا علی قاری، شرح الفقہ الاکبر، قدیم کتب خانہ، کراچی

☆ محمد اسحٰق، علامہ، وحدت امت، مکتبہ ملیہ، فیصل آباد ۱۹۹۹ء

☆ نعیمی، صاحبزادہ اقتدار احمد، العطایا الاحمدیہ فی فتاوی نعیمیہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور ۱۹۹۵ء

☆ نووی، یحییٰ بن شرف، روضۃ الطالبین، المکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمۃ

☆ وہبۃ الزحیلی، الدکتور، اصول الفقہ الاسلامی، دار احسان، دمشق ۱۹۹۷ء

☆ الموسوعۃ الفقہیہ، وزارۃ الاوقاف والشؤن اسلامیہ، کویت، ۱۹۹۳ء

حضرت مجدد پر لکھی گئی کتب

☆ آباد شاہ پوری، حضرت جدد الف ثانی کے سیاسی مکتوبات، مکتبہ چراغ اسلام، لاہور ۱۹۷۷ء

☆ ابصار عالم، حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک احیائے اسلام اور سلاطین مغلیہ، حرا پبلی کیشنز، لاہور

☆ اختر، شاہ جہان پوری، عبد الحکیم خاں، تجلیات امام ربانی، مکتبہ نبویہ، کراچی ۱۹۷۸ء

☆ احمد حسین، خواجہ، جواہر مجددیہ، ملک سنز تاجر کتب، لاہور

☆ احمد حسین، خواجہ، جواہر مجددیہ، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور

☆ اطہر سرہندی، جمیل، شیخ سرہند، ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۹۹ء

☆ امرتسری، حکیم محمد موسیٰ، مقدمہ اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

☆ ایشیق، حسین حلمی، المنتخبات من المکتوبات للامام الربانی، مجدد الف ثانی احمد السرہندی، مکتبہ ایشیق، استنبول ۱۹۸۱ء

☆ بدر الدین سرہندی، حضرات القدس اردو کراچی، مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ ۱۴۰۳ھ

☆ بدر الدین سرہندی، وصال احمدی، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ

☆ بدر الدین سرہندی، حضرات القدس، محکمہ اوقاف، پنجاب ۱۹۷۱ء

☆ پسروری، محمد داؤد، سیرت امام ربانی، ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۴۰۹ھ

☆ جامعی، حسن علی، تعلیمات مجددیہ، ادارہ اشاعۃ التوحید والسنہ، شرقپور ۱۹۹۵ء

☆ حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۶ء

☆ خواجہ، محمد حسن، انساب الانجاب، مشہور عالم پریس، لاہور

☆ زوار حسین، سید، حضرت مجدد الف ثانی، ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۹۸۹ء

☆ افتتاحیہ اردو ترجمہ مبداء و معاد، ادارہ مجددیہ، کراچی ۱۹۸۴ء

☆ زید فاروقی، شاہ ابوالحسن، مقاماتِ خیر، درگاہ شاہ ابوالخیر مارگ، دہلی

☆ زید فاروقی، شاہ ابوالحسن، حضرت مجدد اوران کے ناقدین، پروگریسو بکس، لاہور

☆ شرقپوری، میاں جمیل احمد، مسلک مجدد، مکتبہ شیر ربانی، شرقپور

☆ شمس، محمد ہمایوں عباس، مکتوبات امام ربانی، ایک جائزہ، بزم قبال، جامعہ ریاض العلوم، فیصل آباد

☆ صدیقی، ثناء الحق، پیش لفظ شرح رباعیات، ادارہ مجددیہ کراچی ۱۹۶۷ء

☆ عالم دین، قاضی، مکتوبات امام ربانی، مترجم، مکتبہ مدنیہ، لاہور

☆ فاروقی، پیرزادہ اقبال احمد، صحابہ کرام مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے آئینے میں، مکتبہ نبویہ، لاہور ۱۹۹۱ء

☆ کشمی، خواجہ محمد ہاشم، زبدۃ المقامات بیروت فارسی کراچی، نولکشور لکھنو ۱۳۰۷ھ

☆ کلابی، محمد صالح، ہدایت الطالبین، ملک فضل الدین تاجران کتب قومی، لاہور

☆ کلاچوی، عبدالرحیم، مکتوبات امام ربانی، مترجم، بیگم ہمایوں ٹرسٹ، لاہور ۱۹۶۷ء

☆ محمد احسان، خواجہ، الروضۃ القیومیہ، مکتبہ نبویہ، لاہور ۱۹۹۶ء

☆ مجددی، غلام مصطفیٰ، مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا، مرکزی مجلس رضا، لاہور ۱۹۹۶ء

☆ مسعود احمد، ڈاکٹر، مجدد الف ثانی، صراط مستقیم، ادارہ مسعودیہ، کراچی ۱۹۹۶ء

☆ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۶ء

☆ مسعود احمد، ڈاکٹر، مجدد الف ثانی، حالات، افکار اور خدمات، ادارہ مسعودیہ، کراچی ۱۹۹۵ء

☆ مطالی، ڈاکٹر بابر بیگ، مکتوبات مجدد الف ثانی تخریج احادیث، مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی (غیر مطبوعہ)

☆ نعمانی، محمد منظور، تذکرہ مجدد الف ثانی، دارالاشاعت، کراچی

☆ نقشبندی، محمد سعید، مسلک امام ربانی مکتوبات کی روشنی میں، مکتبہ حامدیہ، لاہور

☆ ہوتکی، مولوی نصر اللہ، شرح مکتوبات، تاج محل کمپنی، پشاور

کتب تصوف

☆ ابن عربی، محی الدین، الفتوحات المکیہ، المکتبۃ العربیۃ ۱۹۷۴ء
☆ توکلی، نور بخش، تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، نور بک ڈپو، لاہور ۱۹۷۶ء
☆ خادم، مولانا عبد المجید، کرامات اہل حدیث، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ
☆ خواجہ، عبید اللہ احرار، انفاس نفیسہ، ترجمہ: اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ لاہور
☆ خواجہ، محمد پارسا، رسالہ قدسیہ، ترجمہ: اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ لاہور
☆ خواجہ، علی عزیزاں، رسالہ عزیزاں، ترجمہ: اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ لاہور
☆ دوست محمد قریشی، کشف الحقیقۃ، مکتبہ اہل سنت، کوٹ ادو ۱۳۹۹ھ
☆ دہلوی، شاہ غلام علی، رسالہ سبع سیارہ مع ایضاح الطریقۃ، مطبع احمدی، رام پور ۱۸۹۹ء
☆ زبیدی، سید مرتضیٰ، اتحاف السادۃ المتقین، دار الفکر بیروت
☆ زید فاروقی، شاہ ابوالحسن، مناہج السیر، شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی ۱۹۸۳ء
☆ سلطانی، محمد کریم، قصرِ عارفاں، مکتبہ صبح نور، فیصل آباد
☆ سہروردی، عمر بن شہاب، عوارف المعارف، مترجم: سید رشید احمد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
☆ شاہ اسماعیل، دہلوی، صراط مستقیم، ادارہ نشریات اسلام، لاہور
☆ شاہ ولی اللہ، القول الجمیل، ترجمہ: شفاء العلیل، مترجم: خرم علی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور
☆ شمس بریلوی، مقدمہ اردو ترجمہ عوارف المعارف، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی ۱۹۷۷ء
☆ غلام مصطفیٰ، مجددی، فیض نور، مکتبہ مجددیہ، شکر گڑھ ۱۹۹۲ء
☆ غلام سرور، مفتی، خزینۃ الاصفیاء، مترجم: محمد ظہیر الدین، مکتبہ نبویہ، لاہور ۱۹۹۴ء
☆ کشمی، خواجہ محمد ہاشم، نسمات القدس، مترجم: سید محبوب حسن واسطی، مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ ۱۴۱۰ھ
☆ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق، اخبار الاخیار، مترجمین: سبحان محمود، محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
☆ محدث دہلوی، شیخ عبد الحق، اخبار الاخیار مع مکتوبات، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
☆ محمد حسین، حالات مشائخ نقشبندیہ، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور
☆ نظام الدین، خواجہ، فوائد الفواد، مترجم: شمس بریلوی، مرتبہ: امیر علاؤالدین سنجری، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

۱۹۷۸ء

☆ یوسف نبہانی، علامہ یوسف بن اسماعیل، جامع کرامات اولیاء، دار الفکر بیروت ۱۹۹۲ء

مکتوبات و ملفوظات

☆ باقی، باللہ، خواجہ محمد، مکتوبات، مترجم: قاضی عالم الدین، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور

☆ دہلوی، شاہ غلام علی، مکاتیب شریفہ، مکتبہ ایشیق، استنبول ۱۹۷۶ء

☆ دہلوی، شاہ غلام علی، درالمعارف، ترجمہ: عبدالحکیم خاں اختر، نوری بک ڈپو، لاہور ۱۹۸۳ء

☆ قادری، احمد رضا، ملفوظات، فرید بکسٹال، لاہور

☆ محمد سعید، شیخ، مکتوبات سعیدیہ، مکتبہ حکیم سیفی، لاہور

☆ محمد معصوم، شیخ، مکتوباتِ معصومیہ، مترجم: سید زوار حسین، ادارۂ مجددیہ، کراچی ۱۹۷۹ء

☆ یحیٰ منیری، شیخ شرف الدین احمد، مکتوب دوصدی، مترجم: سید محمد نعیم ندوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی

ادب، تعلیم، ثقافت

☆ ابوالحسنات، ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۱۹۸۹ء

☆ ادریس احمد، ڈاکٹر، سرہند میں فارسی ادب، لال کنواں، دہلی

☆ الحسینی، جلال الدین، فیض الالہ فی ترجمۃ القاضی نوراللہ، تہران ۱۳۶۷ھ

☆ این۔ این۔ لا، پروفیسر، عہد اسلامی میں تعلیمی ترقی، مترجمین: اخلاص حسین زبیری، سلطان فاطمہ بلخی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی ۱۹۶۵ء

☆ جالندھری، رشید احمد، ڈاکٹر، برطانوی ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

☆ جاوید قاضی، ہندی مسلم تہذیب تخلیقات، لاہور ۱۹۹۵ء

☆ زبید احمد، ڈاکٹر، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، مترجم: شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۷ء

☆ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۰ء

☆ صدیقی، پروفیسر بختیار حسین، برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۲ء

☆ گیلانی، مولانا مناظر احسن، پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

☆ محمد اشرف، ڈاکٹر، ہندوستانی معاشرہ عہد وسطی میں، فکشن ہاؤس، لاہور ۱۹۹۱ء

☆ محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۹ء

☆ محمد اقبال، ڈاکٹر، اسرار و رموز، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۹۱ء

☆ محمد ایوب قادری، ڈاکٹر، اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

☆ ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی

کتب تاریخ

☆ آزاد، محمد حسین، دربار اکبری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۸ء

☆ آزاد، مولانا ابوالکلام، تذکرہ، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور

☆ آرنلڈ، تھامس، دی پریچنگ آف اسلام، مسعود پبلشنگ ہاؤس، ترجمہ: محمد عنایت دہلوی، کراچی ۱۹۶۴ء

☆ ابن العماد الحنبلی، عبدالحئ، شذرات الذہب، دار احیاء التراث، بیروت

☆ ابوالفضل، فیضی، آئین اکبری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

☆ بدایونی، منتخب التواریخ، نولکشور، لکھنؤ ۱۲۸۴ھ

☆ بدایونی، منتخب التواریخ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۶۲ء

☆ بشیر احمد، پروفیسر، تاریخ پاک و ہند، علمی کتاب خانہ، لاہور

☆ بنی پرشاد، ڈاکٹر، تاریخ جہانگیر، ترجمہ رحم علی الہاشمی، پروگریسو بکس، لاہور ۱۹۸۷ء

☆ ذہبی، محمد بن احمد، تاریخ اسلام، تحقیق: الدکتور عمر عبدالسلام، دار الکتاب العربی، بیروت

☆ سعید الحق، پروفیسر، محمد بن قاسم سے اورنگزیب تک، شاہد بک ڈپو، لاہور

☆ سکینۃ الشہابی، مختصر، تاریخ دمشق لابن عساکر، دار الفکر، بیروت ۱۹۹۰ء

☆ عبدالرحمن، سید صباح الدین، ہندوستان کے سلاطین، علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۱۹۹۰ء

☆ فرید آبادی، سید ہاشمی، تاریخ مسلمانان پاک و ہند، محمد بن قاسم سے اورنگ زیب تک، ادارہ معارف

اسلامی، لاہور

☆ قدسی، عبیداللہ، آزادی کی تحریکیں، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۸ء

☆ محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۷ء

☆ محمد اسلم، دین الٰہی اور اس کا پس منظر، ندوۃ المصنفین، لاہور ۱۹۷۰ء

☆ نجیب آبادی، اکبر شاہ، قول حق، پروگریسو بکس، لاہور

☆ ندوی، ابوالحسن، تاریخ دعوت و عزیمت، مجلس نشریات اسلام، کراچی

☆ نظام الدین، خواجہ، طبقات اکبری، مترجم: محمد ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۹۰ء

☆ ہروی، خواجہ نعمت علی، تاریخ جہانی ومخزن افغانی، ترجمہ: ڈاکٹر محمد بشیر حسین، اردو سائنس بورڈ، لاہور

☆ ہندو شاہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، مترجم: عبدالحیٔ خواجہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

شخصیات، سوانح، تذکار

☆ احمد قادری، سید، تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ بک ڈپو، پٹنہ

☆ امین الدین احمد، سید، صوفیائے نقشبند، مقبول اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۰ء

☆ ایوان، پی۔ مک گرل، مشرق کے عظیم مفکر، مترجم: یاسر جواد، تخلیقات، لاہور ۱۹۹۷ء

☆ بیہقی، ابواحمد بن حسین، مناقب الشافعی، تحقیق: السید احمد صغر، دار التراث قاہرہ

☆ جہانگیر، محمد نورالدین، تزک جہانگیری، ترجمہ: مولوی محمد علی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۱ء

☆ خاں، محمد آصف، آکھیا بلھے شاہ نے، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور ۱۹۹۰ء

☆ خلیق احمد، پروفیسر، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۳ء

☆ دہلوی، شاہ غلام علی، مقامات مظہری، ترتیب: محمد اقبال مجددی، اردو سائنس بورڈ، لاہور ۱۹۸۳ء

☆ رحمان علی، مولوی، تذکرہ علمائے ہند، مطبع نولکشور، لکھنؤ ۱۹۱۴ء

☆ سبکی، ابونصر عبدالوہاب، طبقات الشافعیۃ الکبری، داراحیاء الکتب العربیہ، بیروت

☆ سید محمد میاں، علماء ہند کا شاندار ماضی، مکتبہ رشیدیہ، بیروت ۱۹۹۱ء

☆ شیخ محمد محسن بن یحییٰ، الیانع الجنی، جید پریس، دہلی ۱۳۴۹ھ

☆ عبدالرحمٰن، سید صباح الدین، بزم تیموریہ نفیس اکیڈمی، کراچی

☆ قو تلائی، خلیل ابراہیم، الامام علی قاری واثرہ فی علم الحدیث، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت ۱۹۸۷ء

☆ گنگوہی، محمد حنیف، ظفر المحصلین باحوال المصنفین، دارالاشاعت، کراچی

☆ لکھنوی، حکیم عبدالحیٔ، نزہۃ الخواطر، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد ۱۹۵۵ء

☆ مجددی، محمد اقبال، احوال وآثار عبداللہ خویشگی قصوری، محمد شمس الدین، تاجر کتب زیر مسلم مسجد، لاہور ۱۹۷۲ء

☆ نظامی، سید مسلم، انوار الفرید، صوفیہ دارالاشاعت، پاکپتن

متفرقات

☆ ابن اسماعیل، ابو محمد عبدالرحمٰن، کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث، تحقیق: مشہور حسن سلیمان، دار السرایہ الریاض ۱۹۹۰ء

☆ ابن قتیبہ، المعارف، دار المعارف، قاہرہ

☆ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحابۃ علی ہامش الاصابہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت

☆ ابن حزم، ابو محمد بن احمد، جمہرۃ انساب العرب، دار المعارف، مصر ۱۹۶۲ء

☆ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین ابی الفضل، الاصابہ فی تمیز الصحابۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت

☆ ابن وضاح القطبی، محمد، البدع والنہی عنہا، تحقیق: محمد احمد، دار الصفاء القاہرہ ۱۹۹۰ء

☆ انبیٹھوی، خلیل احمد، البراہین القاطعہ، کتب خانہ رحیمیہ سہارن پور

☆ تھانوی، اشرف علی، بوادر النوادر، ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۸۵ء

☆ سعیدی، غلام رسول، مقالات سعیدی، فرید بک سٹال، لاہور ۱۹۸۲ء

☆ سیوطی، جلال الدین، شرح الصدور، تحقیق: یوسف علی بدیوی، مکتبہ دار التراث، المدینۃ المنورۃ

☆ فرہاری، محمد عبدالعزیز، النبراس، مکتبہ حقانیہ، ملتان

☆ محمد اقبال، ڈاکٹر، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، مترجم: سید نذیر نیازی، بزم اقبال، لاہور ۱۹۸۶ء

☆ محمد بشیر الدین، صواعق الٰہیہ، مطبع احمدی

☆ مودودی، تجدید احیائے دین، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۴ء

☆ ندوی، سید سلیمان، مقالات سلیمان، ترتیب: شاہ معین الدین احمد ندوی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد ۱۹۸۹ء

☆ نصیر گیلانی، نصیر الدین، نام و نسب، گیلانی پبلشرز، درگاہ گولڑہ شریف، گولڑہ ۱۹۸۹ء

☆ نہرو، تلاش ہند، ادارہ تخلیقات، لاہور ۱۹۹۱ء

☆ فرید آبادی، سید ہاشمی، مآثر لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۷۶ء

قلمی نسخہ جات

☆ باقی باللہ، خواجہ، مکتوبات، کتب خانہ قاضی حمید الدین فضلی، ہری پور ہزارہ

☆ بدخشی، محمد امین، مناقب آدمیہ و حضرات احمدیہ، عکسی، کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم فیصل آباد

☆ فضلی، قاضی حمید الدین، کتب مجدد و منور الف ثانی کا لسانی جائزہ، کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم فیصل آباد

☆ محمد امین، بدخشی، مناقب الحضرات، عکسی، کتب خانہ جامعہ ریاض العلوم فیصل آباد

رسائل و جرائد

☆ ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد، جلد: ۱۶ شمارہ ۲

☆ السیف الصارم، مجدد الف ثانی نمبر، لاہور

☆ ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک، مئی ۱۹۹۸ء

☆ ماہنامہ جہان رضا، جون جولائی ۱۹۹۷ء

☆ ماہنامہ صدائے مجاہد، اسلام آباد، اگست ۱۹۹۵ء

☆ سہ ماہی، فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، جلد ۳، شمارہ: ۲، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۸ء

☆ ماہنامہ نور اسلام، شرقپور، مجدد الف ثانی نمبر، جنوری، فروری ۱۹۸۸ء

☆ ماہنامہ میثاق، لاہور، ستمبر ۱۹۹۸ء

معاجم، فہارس، لغات

☆ ابن الاثیر محمد جزری، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، موسسہ اسماعیلیان، قم

☆ الزمخشری محمود بن عمر، اساس البلاغۃ، تحقیق: عبدالرحیم محمود، دارالمعرفۃ، بیروت

☆ الجرجانی علی بن محمد، کتاب التعریفات، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۳ء

☆ ابن منظور افریقی، لسان العرب، محمد بن مکرم، نشر ادب الحوزہ، ایران

☆ بسام محمد رشدی الزین، المعجم المفہرس لمعانی القرآن العظیم، دارالفکر المعاصر، بیروت ۱۹۹۶ء

☆ بھوپالی، نواب صدیق حسن، ابجد العلوم، المکتبۃ القدوسیہ، لاہور ۱۹۸۳ء

☆ پاشا، اسماعیل، ایضاح المکنون، مکتبہ اسلامیہ والجعفر، تہران ۱۳۷۸ھ

☆ پاشا، اسماعیل، ہدیۃ العارفین، مکتبہ اسلامیہ والجعفر، تہران ۱۳۷۸ھ

☆ پٹنی محمد طاہر صدیقی، مجمع بحار الانوار، مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ ۱۹۹۴ء

☆ زرکلی، خیرالدین، الاعلام، دارالسلاطین، بیروت

☆ زغلول، ابوحاجر محمد السعید بن بسیونی، موسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف، دارالفکر، بیروت

☆ صالح بن عبداللہ، عبدالرحمٰن بن محمد، موسوعۃ نظرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دارالوسیلۃ، سعودی عرب ۱۹۹۸ء

☆ طاش کبری زادہ، احمد بن مصطفیٰ، مفتاح السعادۃ، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۸۵ء

☆ عاصم، عبدالغفار، معجم مصطلحات الاصول، مرکز الامام بخاری للتراث والتحقیق، صادق آباد

☆ عبدالباقی محمد فواد، معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۲ء

☆ عبدالحی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، دمشق ۱۹۹۳ء

☆ عبدالرحیم منتہی الارب فی لغۃ العرب، کتاب خانہ سنائی، ایران

☆ عنایت اللہ شیخ، نیازی، سید نذیر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور ۱۹۶۶ء

☆ قلعہ جی محمد رواس، معجم لغۃ الفقہاء، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی

☆ قاضی عیاض، ابوالفضل، مشارق الانوار، دارالفکر، بیروت ۱۹۹۷ء

☆ منزوی، احمد، فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی، موسسہ فرہنگی، منطقہ ئی، تہران

☆ وراق، ابوالفرج محمد بن ابی یعقوب، الفہرست، اصح المطابع، کراچی ۱۹۷۱ء

☆ ونسنک، ڈاکٹر، المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی، مکتبہ بریل، لندن ۱۹۳۶ء

خطوط

☆ Dr. Sergio کا مکتوب بنام احمد حسن مرزا (امریکہ) محررہ ۱۱ر مارچ ۱۹۹۲ء

☆ مکتوب ڈاکٹر مسعود احمد بنام ہمایوں عباس

☆ مکتوب ڈاکٹر احمد حسن مرزا بنام ہمایوں عباس

ENGLISH BOOKS

☆ Isiq, Huseyn Hilmi,The Religion Reformermers In Islam,

☆ Istanbul,1989.

☆ Yohana, Friedmann, The Encyclopedia of Religion, Coller Macmillan Publishers, London.

☆ Panikar,K.M., A Survey of Indian History, Bombay.

☆ Fauja Singh, Sirhind through the Ages, Punjabi University, Patiala 1972.

☆ Kamir Ahmed Khan, A Slective Biblography of Sheykh Ahmed

☆ Sirhindi, Muslim World Book, 1992.

☆☆☆☆☆

شرح قصیدہ بُردہ

(للباجوری)

تالیف

شرح شیخ الاسلام

الشیخ ابراہیم الباجوری

مترجم

حافظ حامد حسین القادری الشاذلی

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ٥ غزنی سٹریٹ
اردو بازار ٥ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

شرح قصیدہ بُردہ

(خرپوتی)

تالیف

العلّامہ عمر بن احمد الخرپوتی

مُترجم

شاہ محمد چشتی

پروگریسو بکس لاہور
یوسف مارکیٹ ٥ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ٥ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست

آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

یعنی

اُردو ترجمہ

مکتوباتِ امامِ ربّانی رحمۃ اللہ علیہ

دفتر اوّل ——————— حصہ اوّل

تالیف
مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

تصحیح و حواشی و ترجمہ
مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سابق خطیب جامع مسجد داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

پروگریسو بکس

یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ○ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795